رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ جنوری سنہ ۱۹۳۴ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ سالانہ

دفتر:- دار المصنفین اعظم گڈھ

جلد ۳۳	ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۴ء	عدد ۱

مضامین

سلسلہ سیر الصحابہؓ

رسول اللہ صلعم کے بعد مسلمانوں کے لیے صرف صحابہ کرامؓ کی ذات اسوۂ عمل ہے، اس لئے اُنکے حالات، سوانح، اخلاق و عادات، اور ان کے مذہبی، علمی اور سیاسی کارناموں کے [illegible] سیر الصحابہ کا سلسلہ [illegible] قرآن و حدیث اور رجال و تاریخ کی [illegible] ہے [illegible] اس سلسلہ کے [illegible] حصے [illegible] اسوۂ صحابہ، اسوۂ صحابیاتؓ [illegible] سیر الصحابہ، سیر الصحابیات اور [illegible]

[illegible] حسب ذیل حصے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔

اسوۂ صحابہ جلد اوّل [illegible] صحابہ کرامؓ کے عقائد [illegible] عبادات، اخلاق [illegible] کے متعلق نہایت [illegible] ہیں، ضخامت ۴۴۴ صفحات قیمت [illegible]

اسوۂ صحابہ جلد دوم [illegible] حضرات صحابہ کرامؓ کے [illegible] علمی [illegible] کارناموں کی تفصیل [illegible] ضخامت [illegible] صفحات، قیمت [illegible]

اسوۂ صحابیات، یہ کتاب صحابیات کے [illegible] اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع ہے، ضخامت ۲۸۰ صفحات، قیمت [illegible]

خلفائے راشدینؓ، اس کے شروع میں ایک مقدمہ ہے [illegible] خلافت کی مذہبی اور سیاسی حیثیت پر بحث ہے، اور [illegible] ترتیب چاروں خلفائے کرامؓ کے [illegible] حالات، فضائل اور ان کے مذہبی، علمی اور سیاسی کارناموں اور فتوحات وغیرہ کی تفصیل ہے۔ ضخامت [illegible] صفحے، قیمت [illegible]

مہاجرین جلد اوّل، ابتداء میں ایک مقدمہ جس میں قریش اور مہاجرین کے دوسرے قبائل قدیم سے لے کر فتح مکہ تک اجمالی تاریخ ہے، اور خلفائے راشدینؓ کے علاوہ بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ اور اکابر مہاجرین صحابہ کے حالات، سوانح اور اخلاق و فضائل ہیں، ضخامت ۴۴۴ صفحات، قیمت [illegible]

مہاجرین جلد دوم، اس میں بقیہ [illegible] مہاجرین کرامؓ کے سوانح، اخلاق و فضائل اور اُن کے مجاہدات و کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت [illegible] قیمت [illegible]

سیر الانصار جلد اوّل، ابتداء میں ایک مقدمہ ہے جس میں انصار کی اجمالی تاریخ ہے، اور ۵۰ انصار کرامؓ کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت [illegible] قیمت [illegible]

سیر الانصار جلد دوم ضخامت ۲۸۰ صفحے قیمت [illegible]

سیر الصحابیات، اس میں ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانح عمریاں اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے ہیں، ضخامت ۳۰۸ صفحے، قیمت [illegible]

سیر الصحابہ حصہ ششم، اس میں امیر معاویہؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ، اور عبد اللہ بن زبیرؓ کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل اور اُن کے سیاسی مجاہدات و کارناموں اور اختلافات کی پوری تاریخ ہے، ضخامت [illegible] صفحے

جلد ۳۲ | ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۴ء | عدد ۱

مضامین

جلد ۳۳ | ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۴ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

بحمداللہ تعالیٰ کہ **معارف** اپنی زندگی کے انیسویں سال مین داخل ہو رہا ہے، اور اس سے زیادہ شکر کا مقام یہ ہے کہ اوقات اور معیار کی پابندی کے ساتھ وہ اس تنا مین برابر اپنے خدمات مین مصروف رہا، دعا ہے کہ اسی طرح تادیر اس کو ادائے خدمت کا موقع ملتا رہے،

سال گذشتہ کی تصنیفات مین **خیام** تو پہلے شائع ہو چکی تھی، اور اب **سیر الصحابہؓ** جلد ہفتم کی اشاعت کی خبر دیجاتی ہے، اس مین ایسے ڈیڑھ سو صحابہؓ کے حالات ہین، جو عہد رسالت مین کمسن تھے، اور اسی جلد پر اس وسیع سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا، آج سے تیئیس برس پہلے حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ النبیؐ کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام کی مبارک سیرتون کی تدوین کا بھی خواب دیکھا تھا، اور اسکی تکمیل کے لیے خادمۃ الملۃ المحمدیۃ و مخدومۃ الامۃ الاحمدیۃ، نواب سلطان جہان بیگم سابق فرمانروائے بھوپال رحمہا اللہ تعالیٰ کی سرکار مین تحریک کیگئی تھی، خوشی اور شکر کا مقام ہے کہ ان مرحومین کی مقدس تمناؤن کی تکمیل کیساتھ اردو زبان مین اسلام کے سب سے مقدس اور پاک دور کی تاریخ مرتب ہوگئی، **دار المصنفین** کے ذخیرۂ اعمال مین اگر صرف یہی ایک کارنامہ ہوتا تو اسکے فخر کے لیے کافی ہوتا، ولا فخر،

افکارِ عصریہ جس کی اشاعت کا اعلان کیا گیا تھا، گذشتہ سال اسکی چھپائی شروع نہ ہو سکی، کاپیان لکھی

ہوئی پوری موجود ہین، امید ہے کہ ۱۹۳۴ء کی پہلی سہ ماہی مین چھپ جائے، اس کے بعد انشاء اللہ تاریخ صقلیہ کی دوسری جلد کی چھپائی شروع ہوگی، اس جلد مین مسلمانان صقلیہ کے علوم و فنون اور تمدن کی پوری تاریخ ہوگی،

ڈیڑھ دو سال کے قریب گذرا کہ معارف مین یہ خبر درج کی گئی تھی کہ ونسنک صاحب کی معیت مین مستشرقین کی ایک جماعت کتب احادیث نبوی کی ایک مرتب فہرست تیار کر رہی ہے، دو ماہ ہوئے کہ اس فہرست کا پہلا ٹکڑا شائع ہوگیا، اس مین باب الالف کے مضامین کے حوالے درج ہین، مثلاً اجازۃ کے متعلق جسقدر حدیثین جن کتب حدیث مین ہین، ان کے حوالے بقید صفحات یا ابواب ایک ایک دو دو لفظون مین لکھدیئے گئے ہین، تمام متون اور حوالے کل کے کل عربی مین ہین، اس لیے خالص عربی دان اصحاب بھی اُن سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، افسوس یہ آتا ہے کہ کام کن کے کرنے کا تھا، اور کون کر رہے ہین! فاعتبروا یا اولی الابصار،

یہ خبر افسوس کے ساتھ سنی جائیگی کہ رامپور کے مشہور علم دوست فاضل اور وہان کے مشہور شاہی کتب خانہ کے سابق ناظم اور متعدد کتابون کے مترجم و مصنف حافظ **احمد علیخان** صاحب شوق نے اوائل رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مین تقریباً پینسٹھ برس یا ستر کی عمر مین انتقال فرمایا، مرحوم نہایت با اخلاق، با مروت، علم دوست، اور صاحب کمال تھے، قلمی اور نادر کتابون کے خاص ماہر تھے، معارف کے ناظرین کبھی کبھی اُن کی تحقیقات سے مستفید ہوا کرتے تھے، ان کی سب سے بہتر کتاب تذکرۂ کاملین رامپور ہے، اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے،

اسلامی علوم و فنون لطیفہ کی تحقیقات کا ایک نیا رسالہ آرس اسلامیکا ولایات متحدہ امریکہ سے محمد آغا اوگلو (شاہ کمی حک) کی اڈیٹری مین میچگان یونیورسٹی پریس سے نکلنا شروع ہوا ہی، اس مین امریکہ، یورپ اور ایشیا کے اکثر مستشرقین مضامین لکھینگے، سال مین دو دفعہ جنوری اور جون مین نکلا کریگا، قیمت ۵ ڈالر، مضامین انگریزی، فرنچ، جرمن تینون زبانون مین ہون گے،

مقالات

سفرِ افغانستان

۲

چینی ترکستان نمازِ جمعہ سے واپسی مین میرے اور ڈاکٹر اقبال صاحب کے ساتھ ایک اور ذمہ دار باخبر بھی تھے، ان سے چینی ترکستان کے واقعات کی نسبت گفتگو ہوتی رہی، چینی ترکستان اور افغانستان کی سرحدین باہم ملتی ہین، یہ معلوم ہوا کہ جس طرح ہندوستانی سرحد کے قبائل ہین، اسی طرح ادھر بھی قبائل ہین، جنکے چینی ترکستان سے تعلقات ہین، ان قبائل مین سے پانچہزار افغانون کے قریب ترک مجاہدین کے شریکِ حال ہین، یہ بھی معلوم ہوا کہ روسی حکومت ان مجاہدین کی حکومت کو ذرا بھی کامیابی نصیب ہو تو اس کو تسلیم کر لینے کے لیے بالکل تیار ہے بلکہ وہ اس کے لیے بخارا کے سابق گورنر کو بطور سفیرِ اعلیٰ کے منتخب کر چکی ہے، اسکی بھی تصدیق ہوئی کہ اس ترکی تحریک مین کامیابی کی طرف سے خطرات چینی حکومت کی فوجی قوت کے سبب سے نہین بلکہ خود مسلمانون کی باہم فرقہ آرائی، اور نفاق انگیزی کے سبب سے ہین، چنانچہ چین کی طرف سے لڑنے کے لیے بھی جو لوگ آئے ہین وہ تنگیان یعنی چینی مسلمان ہین،

مشرقِ وسطیٰ کی مرکزیت اور اسلام ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر ایک عجیب بات فرمائی جو حالات کے لحاظ سے یقیناً متوقع ہے فرمایا کہ یورپ نے اپنی اس نئی ترقی مین اپنا سارا زور بحری طاقت پر صرف کیا، اور ہر قسم کی تجارتی آمد و رفت اور سیر و سیاحت کے راستے دریائی رکھے، اور اپنے انھین جہازون کے ذریعہ سے مشرق کو مغرب سے ملا دیا، لیکن اب یہ نظر آ رہا ہے کہ ان بحری راستون کی یہ حیثیت جلد فنا ہو جائے گی، اب آیندہ مشرقِ وسطیٰ

(سنٹرل ایشیا) کا راستہ مشرق و مغرب کو ملائیگا، اور تری کے بجائے خشکی کا راستہ اہمیت حاصل کریگا، تجارتی قافلے اب موٹرون، لاریون، ہوائی جہازون اور ریلون کے ذریعہ مشرق و مغرب مین آئین جائینگے، اور چونکہ یہ پورا راستہ اسلامی ملکون سے ہوکر گذریگا، اس لیے اس انقلاب سے ان اسلامی ملکون مین عظیم الشان اقتصادی و سیاسی انقلاب رونما ہوگا، اور اس وقت پہلے کی طرح پھر افغانستان کو دنیا کی شاہراہ بننے کا موقع ملیگا، اس کیلئے ابھی سے ہمکو تیاری کرنی چاہئے،

اس نظریہ کے ثبوت مین یقیناً حالات ہمارے سامنے ہین، پشاور سے کابل کو، چمن سے قندھار کو، کابل سے مزار شریف اور ہرات کو، قندھار سے ہرات کو موٹرین اور لاریان چل رہی ہین، ادھر راستہ بخارا ہوکر یا ادھر ایران ہوکر ملے کیجئے، پہلے مشرق وسطی کے لوگ خشکی کی راہ سے حج کرنے جاتے تھے، اکبر کے زمانہ سے ہندوستان کے بندرگاہون سے جانے لگے، اور انگریزون کے عہد مین افغانستان اور ترکستان بلکہ اکثر مشرقی ملکون کے مسلمان ہندوستان ہوکر بحری راستہ سے مکہ معظمہ جانے لگے، اگر خشکی کا راستہ ذرا درست ہوجائے تو یقین کیجئے کہ ان حاجیون کو پھر بدستور سابق خشکی کا راستہ پسند آنے لگیگا، اور پھر افغانستان یا بلوچستان ہوکر ایران، ایران سے عراق، عراق سے نجد، اور نجد سے حجاز کا راستہ کھل جائیگا، یہی وہ راستہ تھا جو خلفاء اور شاہان اسلام کے زمانہ مین مستعمل تھا، آجکل ہندوستان مین بھی خشکی کے راستہ سے حج کے انتظامات کا اعلان اسی مستقبل کا دیباچہ ہے،

کھانا دار الامان مین واپس پہنچکر کھانے کی میز پر گئے، ابتداءً شوربا وغیرہ تو انگریزی مذاق کی چیزین تھین، مگر اس کے بعد وہی مشرقی، بلکہ ہندوستانی کھانے تھے، کھانون کے لحاظ سے ہندوستان اور افغانستان مین فرق محسوس نہین ہوتا، بجز اسکے کہ وہان مرچ نہین کھائی جاتی پلاؤ کے اقسام بھی ہندوستان ہی کی طرح تھے، گوشت اور سالن بھی ہندوستان ہی جیسے، ایک قسم کے پلاؤ کا نیا نام مستان بتایا گیا، البتہ بیچاری دال ایسی چیز ہے جو ہندوستان کے باہر نہین پائی جاتی، افغانستان مین بھی نہین،

کھانے پر خاکسار، ڈاکٹر اقبال، سر راس مسعود، پروفیسر ہادی، غلام رسول خان بیرسٹر، سردار فیض محمد خان، اللہ نواز خان، اور سرور خان گویا تھے،

حضرت نورالمشائخ

ڈاکٹر صاحب نے ۸ بجے حضرت نورالمشائخ سے ملاقات کا وقت مقرر کرایا تھا، مین بھی ساتھ گیا، یہ حضرت نورالمشائخ وہی ہین جو ہندوستان مین ملّاے شور بازار کے نام سے مشہور ہین، انکا اصلی نام فضل عمر ہے، مشائخ مین مین سے ہین، طریقۂ مجددی ہین، شہر کابل اور قبائل مین اور شاہی فوج مین بکثرت ان کے مرید ہین، ۱۹۱۹ء کی جنگِ افغانستان وانگریز مین یہ بھی جنرل نادرخان مرحوم کے ساتھ جہاد مین شریک تھے، اور قبائل کو اپنی تقریر و اثر سے افغان لشکر مین شرکت پر آمادہ کرتے تھے، افغانستان کی اس جنگِ آزادی مین ان کا بھی خاص حصہ ہے،

ہندوستان مین بھی اُن کے مرید ہین، کاٹھیاواڑ مین کچھ پٹھان ہین، وہ ان کے مرید ہین، شاہ امان اللہ خان کے اخیر عہد مین یہ ہندوستان چلے آئے تھے، اور کہا جاتا ہے کہ امان اللہ خان نے اپنے اصلاحات کے اجرا کے معاملہ مین جب اعتدال کی حد سے آگے قدم رکھا تو وہ شاہ موصوف سے خفا ہو کر افغانستان سے باہر چلے گئے، اور عہد کیا کہ جب تک کہ امان اللہ خان وہان ہین، وہ وہان نہین جائینگے، چنانچہ بچۂ سقا کے پورے عہد مین وہ ہندوستان ہی مین رہے، اُن کے بھائی ان کو لینے آئے بھی تو نہین گئے، نادرخان کی کامیابی کے بعد یہ افغانستان واپس گئے، حکومت نے ان کا بڑا خیر مقدم کیا، اوران کو وزیر عدالت مقرر کیا، اوران کے بھائی محمد صادق خان مجددی کو سفیر بناکر مصر بھیجدیا،

حضرت نورالمشائخ کا خطاب غالبًا حکومتِ موجودہ کا عطا کردہ ہے، اور اب وہ اسی نام سے وہان پکارے جاتے ہین، اور حضرت صاحب شور بازار بھی کہے جاتے ہین، انھون نے وزارتِ عدل کا کام کچھ دنون تک انجام دیا، مگر پھر اپنی درویشی اور طریقۂ ارشاد کے مسلک کے خلاف سمجھکر عملًا اس سے دست کش ہو گئے، حکومت نے بھی گو عملًا اُن کے استعفے کو قبول کر لیا تھا، مگر رسمًا اب بھی وہ وزیر عدل تھے، اور اُن کے ساتھ اُن کے داماد مولنا فضل احمد مجددی معین وزارتِ عدل تھے، اور وہی اس محکمہ کے کام کرتے تھے، اسوقت تک یہی صورتحال تھی،

ان کا مکان پرانے شہر کے اندر ایک گلی مین ہے، موٹر ایک گلی کی موڑ پر جاکر کھڑا ہو گیا، اور مین اور ڈاکٹر صاحب اُتر کر گلی مین گئے، افسوس ہے کہ گلیان صاف نہ تھین اور بیت الخلا بنانے کا طریقہ اچھا نہین، بہرحال گلی کے اندر

ایک مکان کے پاس جا کر ٹھہرے، دروازے پر کچھ اور لوگ بھی پہلے سے منتظر تھے، مکان ہر قسم کے تزک و احتشام از ظاہری آراستگی سے خالی تھا، بالکل درویشانہ تھا، یا ہر نشست گاہ بھی نہ تھی، زنانہ مکان تھا جہاں پردہ کرا کر ہم لوگوں کو اندر آنے کی اجازت ملی، مولنا فضل احمد صاحب ہم کو اندر ایک لمبے کمرہ میں لے گئے جس میں ایک طرف ایک پلنگ اور باقی زمین میں سادہ فرش بچھا تھا، پلنگ پر ملا صاحب تشریف فرما تھے، ہم لوگ فرش پر جا کر بیٹھے، ملا صاحب اپنی جسامت میں ہمارے مولنا شوکت علی سے کم نہیں، ابھی تک سر اور داڑھی کے بال سیاہ ہیں، پاؤں میں کوئی تکلیف تھی جس کے سبب چلنے سے اس وقت معذور ہو رہے تھے، ڈاکٹر صاحب سے یہ ایک دفعہ لاہور میں مل چکے تھے، مجھ سے ملاقات نہ تھی، مجھ سے پوچھا کہ وطن بہار ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، وہ ہندوستان کے اکثر علماء و مشائخ سے واقف تھے، میرے نام کی مناسبت سے مولنا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کو دریافت کیا، میں نے ان کی خدمت میں اپنی خصوصیات خاندانی کا ذکر کیا، پھر میں نے کہا، آپ بھوپال کے حضرت شاہ ابو احمد صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے واقف ہیں؟ فرمایا ہاں، میں نے کہا میرے بھائی مرحوم مولنا حکیم سید ابو حبیب صاحب مجددی ان کے خلیفہ تھے، پھر میں نے اپنے ایک عزیز دوست حافظ فضل الرحمان صاحب ندوی امام مسجد درگاہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ واقع سرہند کا سلام اُن کو پہنچایا، انھوں نے اسکا جواب دیا، یہ سرہند حاضر ہوتے ہیں، کچھ دیر تک ہندوستان کے بعض حالات اور بچہ سقا کے ہنگامہ سے نجات کے واقعات پر گفتگو رہی، تھوڑی دیر کے بعد چائے پیش ہوئی اور ایک کشتی میں خشک میوے (بادام اور انجیر وغیرہ) تحفہ کے طور پر ڈاکٹر صاحب کو پیش کئے، جس کے بعد ہم لوگ ان سے رخصت ہوئے،

ہندوستانی پارٹی یہاں سے سیدھے اللہ نواز خاں کے مکان پر گئے، افغانستان میں ہندوستانیوں کا اچھا خاصہ گروہ موجود ہے، جس میں سے اکثر سلطنت کے مختلف عہدوں پر سرفراز ہیں، ان میں سے دو صاحب ذمہ دار صاحب منصب ہیں، ایک شاہ جی سید عبداللہ نائب سالار، یہ پشاور کے رہنے والے ہیں، ہجرت کے زمانہ میں افغانستان چلے گئے تھے، حکومت نے قدر دانی کی، اور اُن کو اس بلند عہدہ تک پہنچایا، دوسرے یہ اللہ نواز خاں جنکا ذکر پہلے گذر چکا ہے، یہ پہلے شاہی اسٹاف میں یاور اول مقرر ہوئے تھے، اور اب وزیر امور خارجہ ہیں، ان دونوں

، علاوہ بقیہ عہدہ دار تعلیمی، عملی، اور انتظامی دائرون مین منسلک ہین جنمین سے ایک قابلِ ذکر نوجوان مقبول حق
احب غازیپوری ہین، یہ شہر غازیپور کے قریب کے ایک گاؤن (دھنشو پور) کے رہنے والے ہین، علی گڈھ مسلم
یورسٹی کے ایف ایس سی کے طالب علم تھے، ۱۹۲۱ء مین ترک موالات کرکے مولنا محمد علی مرحوم کی جامعہ مین آئے پھر
ں موالات کے پروپگنڈے کا کام کرتے رہے، اسی اثنا مین افغانستان مین چند معلّمین کی ضرورت کا اشتہار ہندوستان
ن شائع ہوا، جس کو پڑھکر انھون نے بھی درخواست دی، جو منظور ہوئی، اور اس وقت سے آج تک اس ملک
خدمت کر رہے ہین، یہ پہلے ایک معلّم کی حیثیت سے آئے، لیکن اپنی محنت، کوشش اور مطالعہ سے گوگرد سازی
، یہ ترقی کی کہ سرکاری دیاسلائی اور بارود سازی کے کارخانون مین داخل ہو گئے، اور اپنی انتھک کوشش سے سرکاری دیاسلائی کے
رخانہ کو سابق جرمن ماہرِ گوگرد سے زیادہ کامیابی کیساتھ چلا رہے ہین، اسی طرح اور بہت سے ہندوستانی حضرات قابلِ ذکر ہین،

ان ہندوستانی بھائیون نے آج اپنی قدردانی سے اپنے اِن چند نووارد بھائیون کے اعزاز مین اللہ نواز خان
کوٹھی مین شام کی چائے کی دعوت دی تھی، کابل کے تمام ہندوستانی بھائی جمع تھے، جنکی تعداد میرے اندازمین ستّر
ڈیڑھ سو سے کم نہ ہوگی، جس وقت ہم تین اور ڈاکٹر صاحب پہنچے ہین، اکثر مہمان آچکے تھے، حکومت افغان کے افغان
ہندون مین سے صرف سردار فیض محمد خان وزیر خارجیہ تھے، سر راس مسعود صاحب وغیرہ پہلے ہی آچکے تھے، اس کوٹھی
، احاطہ مین خاصہ بڑا میدان تھا جسمین اس پارٹی کا انتظام تھا، بیچ مین فوارہ تھا، جس کے چارون طرف نووارد
نون اور خاص خاص لوگون کی نشستین تھین،

میدان مین جابجا قرینہ سے میزین لگائی گئی تھین، اور اُن کے چارون طرف کرسیان بچھادی گئی تھین، کیک
ر بسکٹ، اور مٹھائیان اور چاے سامانِ دعوت میں تھین، مولانا سیف الرحمان صاحب مجاہد (سابق مدرس فتحپوری
لی) اور مولنا منصور انصاری صاحب سے ملاقات ہوئی، یہ دونون بزرگ مجاہدین کے مشہور سرگروہ مین تھے،
ولنا سیف الرحمان صاحب بڑے عالم ہین، دہلی کے مدرسۂ فتحپوری مین سالہاسال مدرس اوّل رہ چکے ہین، ان کے
گردون کی بڑی تعداد ہے، جنگ عظیم کے زمانہ مین مولنا عبید اللہ صاحب سندھی اور یہ اور بعض دوسرے علما سرحد

چلے گئے تھے، تاکہ وہان ہندوستانی مجاہدین کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے مین مدد دیجائے، اب یہ سالہا سال سے کابل مین گوشہ نشین ہین، اور مولنا عبید اللہ صاحب اب حجاز مین تشریف رکھتے ہین،

مولنا سیف الرحمان صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھکر بڑی گرمجوشی سے معانقہ فرمایا، اور میری آمد پر خوشی ظاہر فرمائی مولنا انصاری صاحب نے بھی پرتپاک خیر مقدم کیا، سرحد مین مولنا اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ اور سید احمد صاحب بریلوی کے معتقدین کی جو جماعت مجاہدین ہے، اس کا مرکز چمرقند ہے، اس جماعت مجاہدین کے صدر اسوقت مولنا بشیر صاحب ہین، وہ بھی یہان تشریف رکھتے تھے،

ایک لطیفہ یہ ہوا کہ کسی نے وہان کی اس اکتوبر کی سردی مین جو ہمارے ہان کے دسمبر کے برابر تھی، فوارہ کھولدیا لیکن سید راس مسعود صاحب کے کہنے سے جو اسوقت مبتلائے زکام تھے وہ بند کر دیا گیا، اس موقع پر سردار فیض محمد خان نے مہمانون کی طرف خطاب کر کے برجستہ یہ شعر پڑھا جسکا پہلا مصرع تو کسی اور شاعر کا ہے، اور دوسرا ان کا ہے

گوہر شہواری ساز د نثار مقدمت

ورنہ از فوارہ مقصود دگر کے دار د آب

ہم مین شاعر تو ڈاکٹر اقبال ہی صاحب تھے، ان سے دوستون نے جواب کا اصرار کیا، انھون نے تھوڑی دیر کے بعد پہلا مصرع بدل کر اسکا جواب لکھا، جو مجھے پورا یاد نہین رہا،

. . . . . می شمار د قدر احسان شما

ورنہ از فوارہ مقصود دگر کے دار د آب

چائے سے فارغ ہو کر مجمع کا فوٹو لیا گیا، اور تعجب ہے کہ علما ر نے اس پر کوئی اعتراض نہین کیا، اسکے بعد ہندوستانیون کی طرف سے مولوی بشیر صاحب نے مہمانون کے خیر مقدم کی تقریر فرمائی، جسمین پہلے حکومت افغانستان کا شکریہ ادا کیا، اور وہان کی موجودہ حکومت کی تحسین کی، اور ہندوستانیون کے ساتھ اس کی قدر دانیون کی تعریف کی، اور پھر ہندوستان کے حالات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہین، مصیبت ہی کے بعد راحت

آتی ہے۔ مہمانون کی طرف سے جوابی تقریر کا فرض مین نے ادا کیا، جسکا ایک فقرہ صرف مجھے یاد ہے، کہ مین نے اپنے ہندوستانی بھائیون کو خطاب کر کے کہا کہ تاریخ مین ہندوستان نے افغانستان کے معاملہ مین کئی دفعہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اب وقت ہے کہ ہمارے یہ بھائی اپنے حسنِ خدمات سے ان گناہون کا کفارہ ادا کرین۔

میرے بعد ڈاکٹر اقبال صاحب نے مختصر تقریر کی، اور اسی پر جلسہ ختم ہوا، اور ہم لوگ اپنے قیامگاہ کو واپس آئے،

واپسی کا پروگرام میرا ارادہ تھا کہ ابھی کابل مین چند روز اور ٹھہرون، اور پھر پشاور ہی کے راستہ سے واپس بھی جاؤن، مگر معلوم ہوا کہ سید راس مسعود صاحب کو مسلم یونیورسٹی کے ضروری کامون کے سبب سے ۴ نومبر کو علیگڈھ قطعاً پہنچ جانا ہے اور ڈاکٹر صاحب کو غزنین کی زیارت کا شوق ہے، اس لیے واپسی کا راستہ غزنین، قندھار اور چمن ہو کر مقرر کیا گیا ہے، ان قدیم شہرون کی غیر متوقع زیارت کا شوق مجھے بھی ہوا، اسلئے کابل مین مزید قیام کا خیال ترک کیا، اور دوسرے رفقاء کیساتھ مین نے بھی اسی راستہ سے واپسی کا عزم کیا،

ڈاک افغانستان سے ہندوستان کو ہفتہ مین دو روز ڈاک جاتی ہے، محکمۂ ڈاک کی اپنی لاریان ہین، جن پر ڈاک پشاور کو بھیجی جاتی ہے، ۲۸ اکتوبر کی صبح کو اٹھکر سب سے پہلے ہندوستان چند خط لکھے جنمین سے ایک برادرم حکیم عبد العزیز صاحب ندوی کو لکھا، جسمین راستہ کے تغیر کی اطلاع دی، اور لکھا کہ ناظم صاحب جمعیۃ العلمائے صوبہ سرحد کو مطلع کر دیجئے کہ ان کے مجوزہ جلسہ مین شرکت سے معذوری ہے،

افغانستان مین ابھی تک کارڈ اور لفافون کا رواج نہین ہوا ہے، صرف ٹکٹون کا رواج ہے، ٹکٹ مختلف قیمتون اور رنگون کے نہایت خوبصورت ہین، جو وہین کابل کے سرکاری مطبع مین چھپتے ہین، ٹکٹون پر بیچ مین افغانستان کے سرکاری علَم محراب و منبر کی تصویر ہوتی ہے، نیچے "پُست دولت افغانستان" اور اوپر فرنچ مین "پوسٹس افغانیس" اور گوشون مین ٹکٹون کی قیمت درج ہوتی ہے،

اب چونکہ واپسی کا عزم ہو چکا تھا، اس لیے ایک دو دن مین یہان کے قابل دید مقامات کی سیر کر لینی تھی، ہمارے قیامگاہ سے قریب موزۂ کابل (میوزیم) یعنی کابل کا عجائب خانہ تھا، اسلئے سب سے پہلے ادھر ہی کا رخ کیا،

موزۂ کابل یہ عجائب خانہ دارالامان مین ہے، اور امیر امان اللہ خان کی تاسیسات مین سے ہے، بچہ سقا کے عہد مین اس عجائب خانہ کی چیزون کو بھی صدمہ پہنچا، مجھے بتایا گیا کہ یہان جو مجسمے تھے، ان کو بت سمجھکر توڑا پھوڑا گیا، کچھ چیزین شخصی تصرف مین بھی آگئی تھین، شاہ نادر خان نے اپنے تسلط کے بعد دوبارہ اس عجائب خانہ کو ترتیب دی، اور دوبارہ غارت کردہ چیزون کو مختلف تدبیرون سے یہان یکجا کر دیا،

۱۱ بجے دن کو سرور خان گویا کے ساتھ مین اس عجائب خانہ مین گیا، ماشاء اللہ پتھر کی نہایت عمدہ دو منزلہ مختصر عمارت تھی، عمارت کا طول زیادہ، اور عرض کم تھا، دروازہ بھی شاندار تھا، دروازہ پر ایک سنتری کھڑا پہرہ دے رہا تھا، مدیر صاحب میوزیم سے تعارف ہوا، پھر چیزون کے دیکھنے مین مصروف ہوا، البتہ دروازہ کے دونون طرف دیوارون مین خطاطیون کے نمونے آویزان ہین، نیچے دیوار سے لگا کر چند سنگی کتبے رکھے ہین، جنمین سے ایک شاہجہان کا ہے، اس پر شاہجہان کے کابل آنے کی یادگار تاریخ منقوش ہے، اس کتبہ کی عبارت کی نقل پروفیسر ہادی صاحب نے جو بعد کو یہان اسی وقت تشریف لے آئے تھے، لی ہے، دوسرا سنگی کتبہ اورنگ زیب عالمگیر کی کسی مسجد کا ہے، دروازہ کے بعد چند زینون پر چڑھکر ایک مستطیل سائبان آیا جس کے دونون طرف بہ ترتیب کمرے تھے، اور ہر کمرہ کسی خاص چیز کے لیے تھا، انھین مین ایک دفتر کا کمرہ بھی تھا، اس سائبان مین اسلام سے پہلے کے بتون کے مجسمے تھے، ان مین زیادہ تر بودھون کے عہد کی یادگار تھے، بعض یونانی افغانی طرز کے نمونے تھے، یہ کل مجسمے افغانستان ہی سے کھود کر لائے گئے ہین،

ایک کمرہ قدیم تصاویر کا تھا جس مین یہان کے بہت سے امرا، اور سلاطین کی تصویرین تھین، ایک کمرہ مین افغانستان کے پرانے ہتھیار رکھے تھے، زرہ، خود، چار آئینہ، سپر، تلوارین، تیغے، پرانی بندوقین تھین، چار آئینہ کا ذکر تو کتابون مین سنا تھا، مگر دیکھا نہین، یہ سینہ پر باندھنے کا آہنی غلاف تھا، سپاہی ان کو سینون کے بچانے کے لیے اون پر باندھتے تھے، ان ہتھیارون کو دیکھکر تعجب ہوتا تھا کہ لوہے کے اس عظیم الشان بوجھ سے لد کر کیونکر اس زمانہ مین سپاہی لڑتے تھے، مجھے بتایا گیا کہ بچہ سقا کے عہد مین اس کمرہ کی دو قیمتی اور تاریخی چیزین ضائع ہوگئین، اور یقین کیا جاتا ہے کہ وہ کہین یورپ مین پہنچ گئی ہین، ایک بابر کا شاید خنجر تھا، اور دوسری سلطان بایزید یلدرم کی زرہ تھی،

مجموعون کے سلسلہ مین سب سے عجیب چیز بلکہ شاید اسی عجائب خانہ کے ساتھ مخصوص چیز کافرستان (جسکو اب امیر عبد الرحمان خان کی فتح کے بعد نورستان کہتے ہین) کے قدیم مذہب کے بت تھے، خاص قسم کی موٹی لکڑیون کی تقطیع سے مختلف شکلین بنائی گئی تھین، ان مین سب سے زیادہ مہیب لڑائی کے دیوتے کا مجسمہ تھا، لکڑی کے قوی ہیکل گھوڑے پر لکڑی کا یہ تنومند اور قدآور دیو سوار تھا، اسی طرح دوسرے کامون کے الگ الگ دیوتاؤن کی مناسب شکلین تھین، یہ شکلین لکڑی کو کھود کر یا چھیلکر نہین بنی ہین، بلکہ لکڑی کے بڑے بڑے ٹکڑون کو کاٹکر اور ایک دوسرے سے جوڑ کر بنائی گئی ہین،

بڑے ہال مین پتھر کا ایک بڑا پایہ رکھا تھا جس کے چارون طرف کسی خانقاہ اور مدرسہ کے اوقاف کی سند کو خوبصورت حروف مین کھود کر گویا وقف کے ثبوت کو دوام بخشا گیا تھا، مگر یہ نہین سمجھا گیا کہ یہان خدا کے سوا دوام کس کو ہے، چنانچہ نہ اس جائداد کا پتہ ہے، نہ اس خانقاہ کا اور نہ اس مدرسہ کا، یہانتک کہ اسکی سنگی سند کی عبارت پڑھ لینا بھی آج آسان نہین،

ایک دوسرے کمرہ مین وہ پرانے سکّے تھے جو افغانستان مین برآمد ہوئے ہین، ان مین یونانی اور بودھ عہد کے کچھ سکّے تھے، کچھ قدیم اسلامی عہد کے تھے، جنمین سب سے پرانا سکہ عبد الملک کا تھا، اس کے بعد کے اموی اور عباسی سکّے تھے، غزنین اور غور کے سلاطین کے سکّے بھی موجود تھے، پھر خود افغانستان کے سکّون کے نمونے تھے،

ایک کمرہ مین قلمی کتابین شوکیس مین رکھی تھین، یہ وہ کتابین تھین جو اپنے حسنِ خط یا تصاویر کے لحاظ سے نمایش کے قابل تھین، ان کتابون مین حسب ذیل نسخے ذکر کے قابل ہین،

۱- صُوَر الکواکب عبد الرحمان صوفی، خط قدیم، تصاویر عمدہ،

۲- دعوۃ الکواکب و الطلسمات امام رازی، اس کتاب کو دیکھکر یقین آگیا کہ علامہ ابن تیمیہ نے ان پر اس کتاب کے متعلق جو اعتراضات کئے ہین، صحیح ہین، اسکی پہلی فصل علم کی فضیلت مین ہے،

۳- تاریخ سلطان ابو سعید بہادر خان، نسخہ سنہ ۹۸۱ھ کا لکھا تھا،

۴۔ مثنوی مولانائے روم کا ایک نسخہ جسکے شروع مین بیرم خانخانان کے ہاتھ سے عبارت لکھی ہوئی ہے،

۵۔ ذخیرۃ الملوک شیخ علی ہمدانی، المتوفی ۷۸۶ھ در اخلاق،

۶۔ معافا بن اسمٰعیل المتوفی ۶۳۰ھ کی انس المنقطعین یہ وعظ و اخلاق مین ہے، اس مین تین سو حدیثین اور تین سو حکایات و ابیات ہین، نسخہ ۸۳۲ھ کا ہے،

۷۔ سلسلۃ الذہب اور سبحۃ الابرار بخط مصنف، (مولانا جامیؒ)

۸۔ بہارستان جامی، بخط خوب علی رضا الکاتب، نسخہ ۸۹۳ھ کا ہے، مصنف کا سال وفات ۸۹۸ھ ہے،

۹۔ جامی کی ہفت اورنگ اور نظامی اور خسرو کے خمسون کا مجموعہ، جسکو ۹۹۰ھ میں ہرات کے مشہور خطاطون نے نہایت خوبی اور لطافت کیساتھ لکھا ہے، جا بجا تصاویر ہین، اور اوراق مطلا ہین،

۱۰۔ بیدل کے کلیات کا نہایت عمدہ نسخہ، جو فرغانہ سے حاصل ہوا ہے،

۱۱۔ دیوان حافظ کا ایک عجیب و غریب نسخہ، یہ نسخہ ۸۹۰ھ مین سلطان حسین مرزا کے عہد مین تیار ہوا ہے، تمام مصور و مطلا ہے،

۱۲۔ مواہب لدنیہ کا ایک عمدہ نسخہ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے آخر مین خاص اورنگ زیب عالمگیر کے قلم کی عربی عبارت ہے،

دو الماریون مین کچھ غیر مرتب کتابین بھی پڑی ہوئی تھین، مگر ان مین کوئی قابل ذکر کتاب نہ تھی،

ایک اور کمرہ تبرکات خانہ کے نام سے تھا، اسمین قرآن پاک کے مختلف قلمی نسخے تھے، ایک بہت بڑا نسخہ تھا، جسکا خط نہایت جلی، اور کاغذ ریشمی معلوم ہوتا تھا، سنا کہ یہ روس سے ملا ہے، ہرن کی کھال کے کاغذ پر قرآن پاک کے تین نسخے بخط کوفی تھے جنمین سے ایک حضرت عثمانؓ کیطرف، اور دوسرا حضرت امام حسنؓ کیطرف منسوب تھا، ان مین سے ایک کبھی ہندوستان مین بھی رہ چکا تھا، اس پر لکھا تھا، "در عہد فرخ سیر داخل کتبخانہ، نواب قطب الملک شد"،

صدر اعظم کی آمد ابھی عجائب خانہ کی کچھ اور چیزین دیکھنی باقی تھین کہ خبر آئی کہ سردار محمد ہاشم خان صدر اعظم مہمانون کی بازدید کیلئے تشریف لا رہے ہین، اسلئے جلد واپس آگیا، واپسی کی تھوڑی دیر کے بعد سردار موصوف تشریف لائے، ہلوگون نے دروازہ تک

ان کا استقبال کیا، اور پھر اوپر دوسری منزل پر اپنی قیامگاہ مین لائے، دیر تک گفتگو جاری رہی، سید راس مسعود صاحب نے ملک کے معدنیات اور سڑکون کی تعمیر پر زور دیا، اور فرمایا کہ معدنیات سے میرا مقصود جواہرات کی کانین نہین جنکی قدر و قیمت اب باقی نہین رہی ہو، بلکہ اس سے مقصود مختلف دھاتین اور خصوصًا پٹرولیم ہے جس کی کثیر مقدار ان پہاڑون اور وادیون کے اندر معلوم ہوتی ہے، صدر اعظم نے اس تجویز کی تائید کی، لیکن فرمایا کہ دقت یہ ہے کہ یورپ کے ماہرین کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ وہ سخت شرطون اور گرانقدر معاوضون کے باوجود اپنا کام دیانتداری سے نہین کرتے، ان مین سے اکثرون سے حکومت کو دھوکا اٹھانا پڑا ہے، اور مثال کے طور پر چند واقعات بیان کئے، سید راس مسعود صاحب نے کہا کہ مین ایسے چند دیانتدار ماہرین کا انتخاب اپنی یونیورسٹی کے ذریعہ سے کرا سکتا ہون جنپر واقعی طور سے ہم بھروسہ کر سکتے ہین،

سڑکون کی تعمیر کے سلسلہ مین صدر اعظم نے کہا کہ ہماری حکومت اس کام سے غافل نہین ہے، افغانستان کے قلب مین کابل سے مزار شریف تک کا راستہ ابھی بنکر تیار ہوا ہے جس کے افتتاح اور معاینہ کے لیے مین کل مزار شریف جا رہا ہون، اس سڑک کے بن جانے سے مہینون کا راستہ اب دنون مین طے ہوگا، دوسرا راستہ کابل سے پشاور تک زیر تعمیر ہے، یہ نیا راستہ اس پرانے راستہ سے جدھر سے آپ لوگ آئے ہین، بہتر اور مختصر ہوگا، ذکر کیا کہ ایک جاپانی ایجنٹ ابھی آیا تھا، اس کو یہان آتے ہوئے لوگون نے بہت کچھ ڈرا دیا تھا، مگر اس نے تنہا موٹر پر تمام ملک کا دورہ کیا اور واپسی پر اس نے ملک کی امن و امان کی بہت تعریف کی، اور شکریہ ادا کیا،

ڈاکٹر اقبال صاحب نے بھی سڑکون کی تعمیر کے کام پر بہت زور دیا، اور فرمایا کہ آیندہ تجارتی آمد و رفت کے سلسلہ مین سنٹرل ایشیا اور افغانستان کی مرکزیت یقینی ہے، اس کے بعد ریلوے کا ذکر آیا، اور بتایا گیا کہ اس ملک مین ریلوے کا جاری کرنا اس وقت تک مناسب نہ ہوگا جب تک یہ پورے طور پر طاقتور نہ ہو جائے،

گفتگو مین ۲ بج گئے، ہم لوگ ساتھ کھانے کو اٹھے، کھانے کا کمرہ نیچے تھا، اتر کر نیچے گئے، صدر اعظم صاحب نے بھی ہم لوگون کیساتھ کھانا کھایا، کھانے پر حکومت کے مالیات پر گفتگو ہوتی رہی، اسی سلسلہ مین ریاست عالیہ حیدر آباد کے مالیات کا ذکر آیا، اور بتایا گیا کہ اس موجودہ اقتصادی تباہی مین بھی اس کے مالیات کو صدمہ نہین پہنچا،

کھانے کے بعد سردار ہاشم خان تشریف لے گئے، سردار موصوف ہی اسوقت افغانستان مین سب سے بڑی عملی طاقت ہین، ملنے مین نہایت با اخلاق ہین، لیکن ماتحتون سے کام لینے مین اور اپنے فیصلون مین پوری طرح مضبوط ہین، اسلئے رعایا اور سرکاری ملازمون پر ان کا رعب بیٹھا ہوا ہے، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ انگلستان یا فرانس کے صدر اعظمون کی طرح سلطنت کی اصل انتظامی طاقت کی کنجیان، انھین کی سخت مٹھیون مین ہین،

بعض خاص حالات وکاغذات سردار فیض محمد خان وزیر خارجیہ اور اللہ نواز خان وزیر نافعہ اکثر تشریف لاتے تھے، اور افغانستان کے ہر قسم کے انتظامی وتعلیمی مباحث پر ان سے گفتگو ہوتی رہتی تھی، بچہ سقا کے ہنگامون کے فرو کرنے، اور نادر خان مرحوم کی کامیابی کی پچھلی تاریخ کے مخفی اوراق اللہ نواز خان کے سینہ مین بند ہین، اور یہ وہ واقعات ہین جو اس ہنگامہ کی تاریخون مین درج نہین ہوئے، ہم مین سب سے زیادہ سید راس مسعود صاحب کو ان واقعات سے دلچسپی تھی، ان دونون صاحبون سے پوچھ پوچھ کر پروفیسر ہادی صاحب کے ذریعہ سے انکو وقتاً فوقتاً قلم بند کراتے رہتے تھے، اور عجب نہین کہ کسیوقت وہ انکو شائع کرائین،

اس وقت ان دونون صاحبون نے امان اللہ خان اور جنرل غلام نبی خان مرحوم کے تعلقات کے متعلق بعض اہم کاغذات کے فوٹو ہمکو دکھائے جنمین سے مین نے صرف ایک خط دیکھا یہ شاہ امان اللہ خان کے دست خاص کا لکھا ہوا اور غلام نبی خان کے نام تھا، اس خط کو "عزیزم غلام نبی خان" کر کے شروع کیا گیا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "مین اعلانات کی کچھ مقدار بھیجتا ہون، تم اُن کو پھیلاؤ، اور اعلانات کی جسقدر مزید مقدار کی ضرورت ہوگی بھیجدونگا، مین نے سفیر روس سے ملاقات کی خواہش کی ہے، اس ملاقات کے نتیجے سے بعد کو مطلع کرونگا"

ان کے علاوہ بعض تصاویر اور فوٹو تھے جنکو مین نے نہین دیکھا، اس وقت ۲ بجے اعلیحضرت شاہ نادر خان مرحوم سے میری ملاقات کا وقت مقرر تھا، اس لیے مین اٹھ آیا، اور مزید واقعات وکاغذات کا مجھے علم نہین ہوا، میرے دوسرے رفقا پہلے ہی سے مل چکے تھے، اس لئے مین تنہا تھا،

شاہ نادر خان شہید سے ملاقات سردار خان گویا مجھے اپنے ساتھ قصر دلکشا لے چلے، یہ قصر ایک زمانے سے شاہان افغانستان کا محل اقامت ہے، یہ مقام شہر کابل کا بہترین حصہ ہے، بلند عمارتین، موجودہ طرز کی عالیشان دکانین، سڑک وسیع اور صاف،

اسی کے قرب وجوار میں وزارت خانے اور اکثر اعلیٰ سرکاری دفاتر ہیں، تھوڑی دیر کے بعد قصر دلکشا آگیا، اول وسیع باغ ہے، اس کے بعض گوشوں میں مختلف شاہی ضرورتوں کی عارتیں ہیں، ان کو طے کرنے کے بعد قصر دلکشا کی اصلی عارت آئی، اس کے صدر دروازہ پر سنتریوں کے پہرے لگے ہوئے تھے، موٹر سے اُترتے ہی ایک سائبان میں آدمی داخل ہوجاتا ہے، یہ سائبان نہایت وسیع اور اس کی چھت نہایت بلند ہے، دروازہ کے اوپر بلندی پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کتبہ خوشخط بہت جلی سیاہ حرفوں میں لکھا ہوا ہے، جس پر اندر داخل ہونے والے کی نظر تو نہیں پڑتی، کیونکہ اسوقت ادھر اس کی پشت ہوتی ہے، لیکن ادھر سے واپس لوٹتے وقت فوراً اس پر نظر پہنچ جاتی ہے، اس مقام پر اس کلمہ کو پڑھکر روح کو بالیدگی ہوتی ہے، میری نظر بھی واپسی ہی کے وقت اُس پر پڑی،

سائبان سے گذر کر ایک وسیع زینہ ملا، زینہ ختم ہونے پر سہ طرفہ سائبان، اور ان سائبانوں کے بعد مختلف کمرے دکھائی دیئے، جو اکثر بند تھے، پوری عمارت وسیع، بلند، شاندار اور روشن ہے، تکلفات اور زیب وزینت کی ظاہری فخامت سے بری ہے، باایں ہمہ سادگی مجھے اس میں بڑی جلالت نظر آئی، اور احمد شاہ درانی سے لیکر امیر عبد الرحمان خان تک کی تاریخ سامنے آگئی، حالانکہ یہ محل قدیم نہیں ہے، اور بہت بعد کی تعمیر ہے، تاہم آج ان کے تخت کا جلوہ یہیں نظر آتا ہے؛

بہرحال زینہ کے خاتمہ پر سرتشریفاتی موجود تھے، انھوں نے خیر مقدم کیا، اور اس کے بعد سائبان کے اوپر ہوکر ایک کمرہ میں لے گئے، وہاں ایک گول میز کے گرد چند کرسیاں بچھی تھیں جنمیں سے ایک پر میں بیٹھ گیا، اسی کمرہ سے متصل ایک دوسرا کمرہ نظر آرہا تھا جسکا دروازہ بند تھا، چند منٹ کے بعد وہ دروازہ کھلا، اور مجھے اس کے اندر جانے کو کہا گیا، میں نے اس دروازہ میں قدم رکھا، تو دیکھا کہ اس کمرہ کی کھڑکیاں کسی کشادہ منظر کی طرف کھلی ہیں، اور شاہ مغفور ادھر متوجہ ہیں، مگر میرے داخلہ کے ساتھ ہی وہ میری طرف پھر گئے، وہی چھریرا جسم، بدن پر سوٹ، سر پر افغانی ٹوپی، اور لبوں پر ہلکا تبسم، دیکھنے کے ساتھ السلام علیکم فرمایا، اور خوش اخلاقی سے جھک کر مصافحہ کیا، یہاں مستطیل میز کے طول میں خود کرسی پر بیٹھ گئے، اور مجھ سے عرض کی ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا،

سب سے اوّل سفر میں میری تاخیر کے اسباب دریافت فرمائے، میں نے عرض کی کہ اوّلاً میری زندگی کی تاریخ اسقدر

صاف نہین کہ مجھے حدودِ ہند سے جلد نکلنے مین آسانی ہو، دوم میری ایک چھوٹے سے مقام (اعظم گڈھ) مین اقامت اور صوبے کے مرکزی شہرون سے دوری بھی پاسپورٹ کی تاخیر کا باعث ہے، باتین کرنے مین یہ بالکل محسوس نہین ہوا کہ اس وقت مین اس ہستی سے باتین کر رہا ہون، جو ایک کرور نفوس پر حکمران ہے، بلکہ پوری طرح مساوات اور حسنِ خلق کا تصور سامنے تھا، کمرہ مین میرے اور شاہِ مغفور کے سوا کوئی دوسرا متنفس نہ تھا، اس لیے طرفین کو اظہارِ مطالب مین کوئی باک نہ تھا، ملاقات کوئی ادھ گھنٹہ تک رہی، اور اس عرصہ مین صرف تین موضوعون پر گفتگو رہی،

سب سے پہلے ایک سلسلۂ تقریر مین نے کہا کہ مین جسوقت پشاور سے روانہ ہو رہا تھا، تو یہ سنکر کہ مین شاہ معظم کی دعوت پر کابل جارہا ہون، میرے ارد گرد کچھ لوگ کھڑے ہوگئے، جنمین ایک آفریدی پٹھان بھی تھا، اس نے پشتو مین مجھ سے کچھ کہا جس کو مین سمجھ نہین سکا، میرے دوستون نے اسکا ترجمہ کیا، تو معلوم ہوا کہ وہ ایک مختصر مخلصانہ پیغام ہے جسکو وہ میرے ذریعہ آپ تک پہنچانا چاہتا تھا، اور اس کا تعلق سرحدات کے افغانی طرزِ سیاست سے تھا، اس بارہ مین میرا جو اسلامی فرض تھا خدا کا شکر ہے کہ مین نے اسکو بطریق احسن انجام دیا، اور اعلیٰحضرت نے اس کو پوری توجہ سے سنا، اور اس کے متعلق اپنے خیالات بہت مختصر لیکن نہایت مشرح طریق سے ظاہر فرمائے، مین نے اپنی گفتگو مین سرحد کے آزاد علاقون کو افغانستان کی چہار دیواری قرار دیا تھا، فرمایا کہ جسکو اس چہار دیواری کے اندر ہی رہنا ہے، وہ کیونکر یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اس چہار دیواری کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ سے کھسکے"،

. . . .

گفتگو کا دوسرا اہم اور طویل موضوع مسئلۂ تعلیم تھا، مین نے اس کے متعلق اپنے مفصل خیالات عرض کئے اور بتایا کہ افغانستان کے لیے کس قسم کی تعلیم موزون ہے، اور خصوصیت کیساتھ مین نے یہان کی عربی و مذہبی تعلیم کے اصول و اسلوب و طریق پر بحث کی، اور دکھایا کہ موجودہ عربی تعلیم مین کیا نقائص ہین، اور اُن کی اصلاح کی کیا صورت ہے، کہ جب تک اس قسم کی عربی و مذہبی تعلیم کا نصاب جاری نہ ہوگا، علما، مین موجودہ فضا کے اندر سیاسی و اجتماعی اصلاحات کیطرف میلان، اور نوجوان افغانون مین مذہبی شیفتگی و پابندی کا احساس پیدا نہین ہو سکتا، اعلیٰحضرت مرحوم دیر تک بڑ

خیالات کو توجہ سے سنتے رہے، اور ان کی تحسین فرمائی، اور ان کی ضرورت ظاہر کی، اور دریافت فرمایا کہ کیا اس طرز پر ہندوستان مین کوئی مذہبی درسگاہ قائم ہوئی ہے، مین نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا نام لیا، اور اس کے کچھ حالات بیان کئے، اور اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس بیان سے خوش اور مسرور ہو رہے ہین،

اس تعلق سے انھون نے ہندوستان کے مسلمانون کے عام حالات اور خصوصاً سیاسی حالات دریافت کئے، مین نے اس وقت مسلمانون مین جو سیاسی افتراقات اور اختلافات ہین، ان کو افسوس کیساتھ بیان کیا، پھر انھون نے ہندو مسلم تعلقات کی نسبت دریافت کیا، اسکی جو صورت حال مجھے معلوم تھی وہ عرض کی، اعلیحضرت مرحوم خود بھی ہندوستان کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے، یہان کے اخبارات اور خاص خاص رسالے شاہی دار التحریر مین آتے ہین، اور انکی نظر سے گذرتے ہین، چنانچہ مین نے کسی بات مین معارف کا حوالہ دیا تو فرمایا کہ مین اسکو ہمیشہ پڑھتا ہون،

آخر مین ارشاد فرمایا کہ آپ ہندوستان مین جاکر میرے بھائیون کو یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ آج ہم کو اور ان کو اتفاق اور اتحاد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اور ایک دوسرے پر نکتہ چینی کے بجائے ایک دوسرے کی حالت کو درست کرنے مین معاونت کیجائے تو بہتر ہے،

پھر فرمایا کہ میری کوشش ہے کہ افغانستان مین دین و دنیا کو جمع کرون، اور ایک ایسے اسلامی ملک کا نمونہ پیش کرون جسمین قدیم اسلام اور جدید تمدن کے محاسن یکجا ہون، پھر فرمایا کہ مین دین و ملت کا خادم ہون اور افغانستان کو صرف افغانون کا ملک نہین بلکہ مسلمانون کا ملک سمجھتا ہون، اور چاہتا ہون کہ ہمارے مسلمان بھائی بھی اسکو اپنا ملک سمجھین پھر فرمایا کہ میرے بھائیون سے کہدیجیگا کہ دنیا مین ایک نئے انقلاب کا مواد تیار ہو رہا ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان اپنی تعدادی، اقتصادی اور تعلیمی استعداد اس کے لئے پہلے سے تیار کرلین،

اعلیحضرت مرحوم نے چونکہ ڈیرہ دون مین تربیت پائی تھی، اس لیے اردو بہت اچھی بولتے تھے، ہم دونون نے گفتگو کا آغاز گو فارسی مین کیا، لیکن پھر بہت جلد اردو مین شروع ہوگئی، جو آخر تک قائم رہی،

چلتے وقت پھر کھڑے ہو کر مصافحہ کیا، اور کلمات رخصت ادا کئے، جنکا مین نے مناسب جواب دیا، مرحوم نہایت

شیرین اخلاق، منکسر مزاج، پر محبت اور رقیق القلب تھے، اُن کی آنکھین مولنا محمد علی مرحوم کی طرح اشکباری کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی تھین،

شاہ محمود خان وزیر جنگ کے یہان دعوت چائے، آج ۴ بجے شام کو سردار شاہ محمود خان وزیر جنگ کے ہان چائے کی دعوت تھی قصر دلکشا سے سید سے سردار موصوف کے یہان روانگی ہوئی، سرور خان گویا ساتھ تھے، سردار موصوف کا دولتخانہ اس سے قریب تھا، قصر دلکشا سے نکل کر وزارت خارجہ والی سڑک کو عبور کرکے سردار موصوف کا دولتخانہ ملا، افغانستان کے مکانون کی یہ عجیب طرز تعمیر ہے کہ باہر سے صرف ایک چھوٹا سا دروازہ نظر آتا ہے، اندر قدم رکھنے کے بعد اسکی پوری عظمت معلوم ہوتی ہے، موٹر سے اتر کر اندر قدم رکھا، پہلے کھیل کا ایک میدان ملا جسکو "لان" کہہ سکتے ہین، پھر ایک دروازے سے ایک زینہ تک پہنچے، زینہ کو طے کرنے کے بعد پہلے ایک چھوٹا کمرہ (کلوک روم) ملا جسمین باہر سے آنے والے اپنے اوورکوٹ اور لبادے اتار دین، پھر اندر ایک بڑا ہال تھا جسمین مختلف میزون کے گرد بیٹھنے کے لیے کرسیان بچھی تھین پورا ہال آراستہ تھا، اور معلوم ہوتا تھا کہ ہم اسوقت یورپ کے کسی گوشہ مین بیٹھے ہین، ایک طرف ایک میز پر ایک تازہ ایجاد جرمن کھیل کا تختہ نرد رکھا تھا، دوسرے گوشہ مین لاسلکی آوازون کا صندوق تھا، تیسری طرف دوسرے کمرہ مین جانمازین بھی رکھی تھین، اوپر پہنچنے کے ساتھ وزیر ممدوح نے اپنی فوجی خاکی وردی مین پیشوائی کی، مین نے اب تک عصر کی نماز نہین پڑھی تھی، وزیر صاحب اپنی مہربانی سے مجھے خود اپنے ساتھ لیکر اپنے غسلخانہ تک گئے، وہان ہر چیز مہیا تھی، پانی کے پائپ اور ہاتھ منھ دھونے کے ظروف، مختلف اغراض کے تولیے، اور دیگر ضروری سامان وہان سے نکل کر ان کے ڈریسنگ روم مین داخل ہوا، اور وہان سے پھر دوسرے پرائیوٹ کمرہ مین آکر نماز ادا کی، غرض یہ ہے کہ اس سلسلہ مین وزیر ممدوح کے نجی کمرون کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، وہ بھی نہایت سلیقہ سے آراستہ تھے، تصاویر اور وہ بھی برہنہ تصاویر کی جو لعنت یورپ کی بدولت ہمارے امراء کے دولتسراؤن مین داخل ہوگئی ہے، وہ اس سے سراپا پاک تھے،

اب تمام مہمان آچکے تھے، وزیر موصوف سب کو لیکر دوسرے کمرہ مین گئے، وہان ایک لمبی میز پھولون اور

پھلون سے لدی کھڑی تھی، مختلف رنگون اور قسمون کے انگورون کی بہار تھی، یورپین ذوق کی مٹھائیان اور کیک اور بسکٹ وغیرہ تھے، جن کی نسبت میرا خیال ہے کہ وہ کابل ہی کے بنے ہوئے تھے، پھر شایستہ لباس مین، شایستہ اخلاق خادم چائے کی کشتیان لیکر آئے، اور چائے پی گئی، مہمانون مین سردار ہاشم خان صدر اعظم اور دوسرے وزراء اور اعیان بھی موجود تھے،

چائے سے فراغت کے بعد گفتگوؤن کا سلسلہ شروع ہوا، میری میز پر سردار ہاشم خان، میر عطا محمد رئیس اعیان اور مولنا فضل احمد صاحب نائب عدلیہ (اور اب وہ وزیر عدلیہ ہو گئے ہین) تھے، اس مناسب اجتماع کے موقع پر مین نے کابل مین مذہبی عربی تعلیم کے اصلاحات کی اسکیم کو پوری تفصیل کے ساتھ اُن کے سامنے رکھا، اور بالآخر مین نے عرض کیا کہ افغانستان ایک ایسی درسگاہ کے بغیر اصلاحات کے مسئلہ مین تا قیامت کامیاب نہین ہو سکتا، صدر اعظم نے بیحد توجہ سے ان خیالات کو سنا، اور بالآخر فرمایا کہ کیا آپ ہم کو اس مین مدد دے سکتے ہین، مین نے عرض کی اپنی پوری طاقت اور استطاعت کو اس راہ مین صرف کر سکتا ہون، بقیہ دو حضرات نے بھی پوری تائید کی، اب مغرب کا وقت قریب تھا، کچھ لوگ رخصت ہو گئے، کچھ لوگ دوسرے کمرہ مین نماز مغرب کے لیے چلے گئے، اور یہ بھی کمدون کہ کچھ لوگ اپنی جگہ پر بیٹھے بھی رہ گئے،

نماز کے بعد شاہ محمود خان نے لاسلکی کا صندوق کھولا، تو ماسکو کے کسی روسی گانے کی آواز آئی، پھر ایران کا کوئی نغمہ سنائی دیا، آواز صاف نہ تھی، اس لئے اس تماشے کو بند کر دیا گیا، چلتے وقت سردار احمد شاہ نے جو وزیر دربار تھے، اور رشتہ مین شاہ مرحوم کے چچازاد بھائی اور سمدھی (یعنی شاہ حال شاہ ظاہر خان کے خسر) تھے، کل شام کو پغمان آنے کی دعوت دی جس کو ہم سب نے قبول کیا،

(باقی)

رہبانیت اور اسلام،

(۲)

اس اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خوش پوشاکی اور صفائی و پاکیزگی کی جو ہدایت فرمائی ہے اوسکی دو وجہین ہین

۱- ایک تو یہ کہ جو لوگ صاحب مقدرت ہون، اون کو بخل جیسے مذموم خلق سے کنارہ کش ہو کر ایسی وضع و لباس اختیار کرنی چاہیے کہ جس سے اون کی دولتمندی اور فیاضی کا اظہار ہو، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک دولتمند شخص سے فرمایا کہ جب خدا نے تم کو مال دیا ہے تو اوسکے لطف و کرم کا اثر تمھارے جسم سے ظاہر ہونا چاہیے،

۲- دوسری یہ کہ بدویانہ اور وحشیانہ زندگی سے نکل کر ہر شخص کو تمدنی زندگی اختیار کرنی چاہیے، اور تمدنی زندگی کا یہ اثر اوس کی جسمانی حالت سے بھی نمایان ہونا چاہیے، اسی بنا پر جب آپنے ایک شخص کے بال بکھرے ہوئے دیکھے، تو فرمایا کہ کیا اس کو بال سنوارنے کا سامان نہین ملتا، اور ایک شخص کے کپڑے میلے دیکھے تو فرمایا کیا اوس کو کپڑا دھونے کیلیے پانی میسر نہین آتا، لیکن اسی کے ساتھ چند وجوہ سے انتہائی تکلف، انتہائی نمائش اور انتہائی زیب و زینت کی ممانعت بھی فرمائی،

۱- ایک تو یہ کہ دولتمند لوگون کے جسمانی تکلفات کو دیکھکر محتاجون کی دلشکنی اور توہین نہ ہو سکے اور اونکے دلون مین رشک و حسد کا جذبہ نہ پیدا ہونے پائے، آج دنیا مین سرمایہ داری کے خلاف جو شورش پھیلتی جاتی ہے اوسکا اصلی سبب یہی ہے کہ دنیا دو حصون مین منقسم ہو گئی ہے، ایک تو امیرون کی آبادی ہے جو انتہائی عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے، دوسرے غریب لوگ ہین جو نان شبینہ کو بھی محتاج ہین، اور یہ لوگ جب امیرون کے مسرفانہ تکلفات کو دیکھتے ہین تو اونکے مقابل مین اپنی توہین محسوس کرتے ہین اور اونکے دلون مین رشک و حسد کا جذبہ پیدا ہو کر شورش و بغاوت کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اور وہ لوگ دنیا مین توازن اور مساوات قائم کرنے کیلیے مساویانہ حیثیت سے تقسیم دولت کا مطالبہ پیش کرتے ہین جسکا اصطلاحی نام انگریزی زبان مین سوشیلزم، کمیونزم اور عربی زبان مین اشتراکیت ہے، لیکن آج یورپ اور امریکہ مین جس طرح امرا و

غربا کے درمیان یہ فرقِ مراتب پیدا ہو گیا ہے، اوسی طرح رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک مین روم و ایران مین بھی امرا و غربا کے درمیان یہ دیوار حائل ہو گئی تھی، اس لئے ایسی حالت مین ایک ایسے معتدل نظام اخلاق کی ضرورت تھی، جو ایک طرف تو امرا و سلاطین کی بیجا اور مسرفانہ نمایشون کو کم کرے، دوسری طرف فقر و فاقہ کو غربا کیلئے موجب ننگ و عار قرار دے، خود صحابۂ کرام کے درمیان بھی یہ فرقِ مراتب قائم تھا، بالخصوص اصحابِ صفہ کا گروہ ایک ایسا گروہ تھا، جس کی حیثیت کا قائم رکھنا جس قدر ضروری تھا، اوسی قدر مشکل بھی تھا، یہ وہ لوگ تھے جنکی ذات سے اسلام کی بڑی بڑی خدمتین انجام پاتی تھین، تعلیم و تعلم کا صیغہ انھی کی ذات سے قائم تھا، اور یہی لوگ تھے جو ہمیشہ قرآن مجید کے درس و تلاوت مین مصروف رہتے تھے، اور مدینہ سے باہر جب کبھی اشاعتِ اسلام کی ضرورت ہوتی تھی، یا باہر کے صحابہ رسول اللہ صلعم کی خدمت مین آکر درسِ قرآن یا فرائض اسلام کی تعلیم یا اشاعت اسلام کیلئے معلم و مبلغ کی درخواست کرتے تھے، تو ان مقدس خدمات کیلئے انھی لوگون مین سے اشخاص منتخب کئے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اصحابِ صفہ کے علاوہ ان بزرگون کا ایک لقب قرا بھی تھا، یعنی پڑھنے پڑھانے والے لوگ، صحابۂ کرام کی یہ جماعت جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، اگرچہ فقر و فاقہ کی انتہائی حد تک پہنچ گئی تھی، تاہم ان کی خود داری کا یہ عالم تھا کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہین پھیلاتے تھے، چنانچہ خود قرآن مجید مین اون کی شان استغنا کو سراہا گیا ہے،

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي	(یعنی خیرات تو) اون حاجت مندون کا حق ہے۔
سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ	جو اللہ کی راہ مین گھر سے بیٹھے ہین، ملک مین
ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ	کسی طرف کو (جانا چاہین تو) جا نہین سکتے، (جو
أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم	شخص اون کے حال سے) بے خبر (ہے وہ) انکی
بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ	خودداری (کی وجہ) سے ان کو دولت مند
إِلْحَافًا۔	سمجھتا ہے، (لیکن اے مخاطب) تو انکو دیکھے تو

لیکن اس استغنا اس خودداری اور اس زہد و تقدس کے باوجود بھی جہان تک ظاہری حالات کا تعلق ہے، یہ لوگ مسلمانون کی سوسائٹی مین کم حیثیت سمجھے جا سکتے تھے، اس لئے یہ ضرور تھا کہ ان کے دل کی تسلی اور ان کے درجہ کے بلند کرنے کیلئے فقر و فاقہ کو دولت مندی پر ترجیح دی جائے یا کم از کم محض فقر و فاقہ کو ذلت و حقارت کا سبب نہ قرار دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بعض موقعون پر ان بزرگون کو دولت مندون پر ترجیح دی، چنانچہ صحیح بخاری مین ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلعم کے پاس سے ایک شخص گذرے، ایک بزرگ آپ کے پاس بیٹھے ہوے تھے، آپ نے اون سے پوچھا کہ ان کی نسبت تمھاری کیا رائے ہے؟ بولے، یہ بہت بڑے شریف آدمی ہین، اگر وہ کسی کے یہان نکاح کا پیغام دین تو خدا کی قسم نکاح کرنے کے قابل ہین، اگر کسی کی سفارش کرین تو اس کے مستحق ہین کہ اون کی سفارش قبول کی جائے، اس کے بعد اصحاب صفہ مین سے ایک بزرگ گذرے، اور آپ نے اُن کی نسبت بھی ان کی رائے طلب کی تو بولے یہ تو فقرائے مسلمین مین سے ہین، اگر نکاح کا پیغام دین تو نکاح کرنے کے قابل نہین، اگر کسی کی سفارش کرین تو وہ سفارش نہ قبول کی جائے اور اگر بات کرین تو کوئی ان کی بات نہ سُنے، آپ نے یہ سنکر فرمایا کہ سطح زمین پر جو کچھ ہے، یہ اون سب سے بہتر ہین،

اصحاب صفہ کے علاوہ صحابہ کرام مین ایک گروہ مہاجرین کا بھی تھا، جو محض اپنے دین کی حفاظت، رسول اللہ صلعم کے فیض صحبت اور دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے اپنے گھر بار اور اپنے مال و دولت پر لات مار کر مدینہ مین آبسا تھا، اور اس کا گذر اوقات بھی ایک مدت تک زیادہ تر انصار یعنی اُن صحابہ کی اعانت و امداد پر تھا، جو خاص مدینہ کے رہنے والے تھے، اور کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے، اس لئے یہ لوگ فقرائے مہاجرین کے نام سے موسوم تھے، یہ لوگ اگرچہ گھر بار کی طرح مال و جائداد کی محبت بھی اپنے وطن ہی مین چھوڑ آئے تھے، تاہم بعض وجوہ سے ان کے دلون مین بھی دولتمندون پر رشک و حسد کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، آج سوشیلسٹ گروہ دولتمندون پر اس لئے رشک کرتا ہے، کہ ان کے پاس عمدہ فرنیچر ہے، عمدہ موٹر ہے،

عمدہ باغ ہے، عمدہ عمارت ہے، اور عمدہ سوٹ ہے، کیونکہ اس وقت زمانہ کا یہی میلان ہے، اس لئے زمانہ کے میلان کے مطابق ان لوگون کے دل مین اس قسم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، لیکن عہدِ نبوت مین صحابہ کا میلان یہ تھا، کہ محتاجون کی امداد کی جائے، کارِ خیر مین روپیہ خرچ کیا جائے، غریبون پر احسان کیا جائے، اور ان سب کے بدلے ثوابِ آخرت حاصل کیا جائے، لیکن چونکہ اس قسم کی مقدرت صرف دولتمند صحابہ کو حاصل تھی، اس لئے یہ لوگ اس حیثیت سے دولتمند صحابہ پر رشک و حسد کرتے تھے، چنانچہ حدیث مین ہے کہ جب رسول اللہ صلعم ہجرت کرکے مدینہ مین تشریف لائے، تو مہاجرین نے آپ کی خدمت مین آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم جس قوم کے یہان بطور مہمان کے اوترے ہین، ہم نے اوس سے زیادہ فیاض اور اس سے زیادہ ہمدرد کسی قوم کو نہین دیکھا، یہ لوگ ہم سے کسی قسم کی محنت تو لیتے نہین، البتہ کھیتی باڑی کی پیداوار مین ہم کو اپنا شریک بنا لیتے ہین، کہین ایسا نہ ہو کہ تمام ثواب یہی حاصل کرلین، ارشاد ہوا کہ جب تک تم لوگ اون کو دعا دیتے رہوگے اور اُن کی تعریف کرتے رہوگے، ایسا نہ ہوگا، یعنی کل ثواب صرف انھی کو حاصل نہ ہوگا، بلکہ اُس مین سے تم کو بھی حصہ ملے گا، ایک اور حدیث مین ہے کہ فقرائے مہاجرین نے رسول اللہ صلعم کی خدمت مین عرض کیا کہ یا رسول اللہ آخرت کے تمام درجے اور تمام نعمتون کو دولتمند لوگ لے اوڑے، کیونکہ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہین وہ بھی اوسی طرح نماز پڑھتے ہین، ہم جس طرح جہاد کرتے ہین وہ بھی اوسی طرح جہاد کرتے ہین، لیکن اون کو مزید فضیلت یہ حاصل ہے، کہ وہ فاضل مال کو خدا کی راہ مین صرف کرتے ہین اور ہمارے پاس اس مقصد کیلئے مال نہین، یہ سنکر آپنے اُن کو ایک دعا بتا دی، جس سے بڑے ثواب کی توقع تھی،

ان اسباب سے آپنے ان غریبون کی تسکین و تشفی کیلئے اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ فقر و فاقہ کا درجہ بلند کیا، اور فرمایا کہ

فُقَرَاءُ المُهَاجِرِينَ يَدخُلُونَ الجَنّة یعنی فقرائے مہاجرین دولتمندون سے پانچسو برس

قبل اغنیائہم بخمسمائۃ عام پیشتر جنت مین داخل ہون گے،

ایک حدیث مین ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک بار یہ دعا مانگی،

اللّٰھُمَّ احینی مسکینًا وامتنی مسکینًا یعنی خداوندا تو مجھے زندہ رکھنا تو مسکین بنا کر،

واحشرنی فی زمرۃ المساکین موت دینا تو مسکینی کی حالت مین اور قیامت کے

یوم القیٰمۃ، دن میرا حشر مسکینون کے گروہ کے ساتھ کر،

ان اخلاقی تعلیمات کی موزونیت کیلئے اسلام کے مختلف زمانون کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ابتدائے اسلام مین صحابہ بالخصوص اصحاب صفہ اور مہاجرین بالکل تہیدست اور بے سروسامان تھے، اور ان کی معاش کا دارمدار صرف دولتمند اور فیاض صحابہ کی اعانت و امداد پر تھا، اس لئے اس زمانے مین دولتمندون کیلئے زائد از ضرورت مال کا جمع کرنا منع تھا، اور یہ حکم تھا کہ اپنی ضرورت سے زائد جو مال ہو، اوس کو محتاج صحابہ کی امداد واعانت اور اسلام کی تقویت مین صرف کرنا چاہئے، چنانچہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے،

ویسئلونک ماذا ینفقون یعنی اے پیغمبر لوگ تم سے سوال کرتے ہین کہ وہ کیا چیز

قل العفو. خدا کی راہ مین صرف کرین تو اُن سے کہدو کہ جو مال تمھاری

ضرورت سے بچ جا اوس کو خدا کی راہ مین صرف کرو،

اور بعض محدثین کے نزدیک وہ اسلام کے اسی ابتدائی زمانے سے تعلق رکھتی ہے، یعنی ابتدائے اسلام مین جب زکوٰۃ فرض نہین ہوئی تھی، تو صحابہ کو حکم تھا کہ اون کی ضرورت سے جو مال بچ جائے، اس کو جمع نہ کرین، بلکہ خدا کی راہ مین صرف کردین، حضرت ابوذر غفاریؓ ایک قدیم الاسلام صحابی تھے، اور اون کو اس زمانے کی مناسبت سے رسول اللہ صلعم نے اس قسم کی بہت سی اخلاقی تعلیمات دی تھین، مثلاً غربار کے ساتھ محبت رکھو، اُن کی صحبت اختیار کرو، اُس شخص کو دیکھو جو تم سے کم رتبہ ہو، اُس شخص کو نہ دیکھو جو تم سے بلند رتبہ ہو، عزیز واقارب اور پڑوسیون کے ساتھ سلوک کرو، اور سونا چاندی جمع نہ کرو، یہ اخلاقی تعلیم

اوس زمانے کی حالت کے بالکل مطابق تھی، اور نہایت مؤثر اوقات اور موثر انداز مین دیگئی تھی، حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہین، کہ مین ایک رات نکلا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلعم تن تنہا چلے جا رہے ہین، مین نے خیال کیا کہ شاید آپ اسوقت کسی کے ساتھ چلنا پسند نہین فرماتے، اس لئے مین آپ سے الگ ہو کر چلنے لگا، لیکن آپ نے مڑکر دیکھا تو فرمایا تم کون ہو؟ مین نے اپنا نام بتایا تو فرمایا کہ ابو ذر آؤ، کچھ دیر مین آپ کے ساتھ چلا، تو ارشاد ہوا کہ جن لوگون کے پاس دولت زیادہ ہے، قیامت کے دن ان کو ثواب کم ملے گا، بجز اون لوگون کے جن کو خدا نے مال دیا، اور اوس کو اونھون نے نہایت فیاضی کے ساتھ اپنے داہنے اپنے بائین اپنے آگے اپنے پیچھے بکھیرا، اور اس کے ذریعہ سے نیک کام کئے،

وہ ایک اور روایت مین فرماتے ہین کہ مین رسول اللہ صلعم کے ساتھ مدینہ مین جا رہا تھا، کہ مدینہ کا پہاڑ احد سامنے آیا، تو اوس کو دیکھکر آپ نے مجھ کو بلایا، اور فرمایا کہ اگر میرے پاس اس پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو مجھے یہ یہ پسند نہین کہ اوس پر تین دن گذر جائین، اور اس مین سے میرے پاس ایک اشرفی بھی رہجائے، بجز اوس رقم کے جس کو مین قرض ادا کرنے کیلئے محفوظ رکھون، بلکہ مین اس کو داہنے سے بائین سے اور پیچھے سے بکھیر دونگا یعنی فیاضی کے ساتھ سب کو صرف کر دونگا،

انھی حالات اور انھی اخلاقی تعلیمات کو پیش نظر رکھکر حضرت ابو ذر غفاریؓ کا مذہب یہ تھا، کہ انسان کیلئے مال و دولت کا جمع کرنا جائز نہین، بلکہ اپنی ضرورت مین صرف کرنے کے بعد پس انداز رقم کو غربا و فقرا پر تقسیم کر دینا چاہئے، اگرچہ اور صحابہ اس سے اختلاف رکھتے ہین، تاہم یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ابتدائے اسلام مین اسلام کا اخلاقی اصول یہی تھا، لیکن بعد کو جب زکوٰۃ فرض ہوئی اور غربا، و فقرا کی امداد و اعانت کا سامان ہو گیا، تو وہ منسوخ کر دیا گیا، لیکن حضرت ابو ذر غفاریؓ اس نسخ کے قائل نہین ہوئے، اور عمر بھر اسی کی تبلیغ کرتے رہے، لیکن ان احادیث سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام نفس مال و دولت کا مخالف ہے، بلکہ وہ اسکو صرف اس صورت مین ناجائز قرار دیتا ہے، جب اوس کو نیک کامون مین صرف نہ کیا جائے، چنانچہ قدیث

مین بھی اسکی تصریح ہے، اور محدثین نے بھی اس حدیث کی شرح مین اسکی تصریح کردی ہی،

اسلام کی یہ اخلاقی تعلیمات اوس زمانے سے تعلق رکھتی ہین، جب مسلمان نہایت غربت کی حالت مین تھے، لیکن جب اسلام نے قوت حاصل کرنا شروع کی اور فتوحات کی وجہ سے اسلام کے دامن مین مال و دولت کا ذخیرہ جمع ہونا شروع ہوا، اوس وقت بھی رسول اللہ صلعم نے مال و دولت کو کچھ بہت زیادہ اہمیت نہین دی، بلکہ اوس وقت بھی مختلف اخلاقی، سیاسی اور تمدنی حالات کے لحاظ سے اسی قسم کی زاہدانہ تعلیم دیتے رہے اور مین نے جہان تک غور کیا ہے، اوس وقت اس قسم کی تعلیم کے مختلف اسباب تھے،

۱- پہلا سبب یہ تھا کہ جب مال و دولت کی کثرت ہوتی ہے، تو قومون مین باہم رشک و حسد کا مادہ پیدا ہوتا ہے، جو ترقی کرکے بغض و عداوت کا سبب بن جاتا ہے، جس کا آخری نتیجہ جنگ کی صورت مین ظاہر ہوتا ہے، یورپ کی سب سے بڑی جنگ انھی اقتصادی اسباب سے ہوئی اور اس وقت دنیا مین جو جنگ ہوتی ہے، اوس کا سبب مالی ترقی کے سوا اور کچھ نہین ہوتا، اسلام مین بھی فتوحات اور فتوحات کیساتھ مال و دولت مین اضافہ ہوا، تو رسول اللہ صلعم کو خود صحابہ کی نسبت اسی قسم کے باہمی رشک و عداوت کا خطرہ پیدا ہوا، اور آپنے علانیہ ان خطرات سے صحابۂ کرام کو متنبہ کیا، چنانچہ ایک بار آپنے فرمایا کہ مجھے زمین کے خزانے کی کنجیان مل گئی ہین، لیکن مجھکو یہ خوف نہین ہے کہ تم لوگ میرے بعد شرک کروگے البتہ یہ خوف ہی کہ تم مین مال و دولت کے متعلق رشک و حسد پیدا ہوگا، ایک بار حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین کا جزیہ وصول کرکے لائے اور انصار کو اس کی خبر ہوئی تو نماز فجر کے بعد اونھون نے آپ سے اوسکی تقسیم کی درخواست کی، آپ اون کو دیکھکر مسکرائے، اور فرمایا کہ تم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابو عبیدہ کچھ مال لیکر آئے ہین بولے ہان یارسول اللہ! ارشاد ہوا کہ خدا کی قسم مجھے تمھارے موجودہ فقر و فاقہ کا کچھ ڈر نہین ہے، البتہ مجھے یہ خوف ہی کہ تم کو دنیوی فراغ بالی نصیب ہو، جیسا کہ تم سے پہلے کی قومون کو نصیب ہو چکی ہی، اور تم بھی اوسی طرح رشک و حسد کرنے لگو، جیسا کہ وہ کیا کرتی تھین، اور انھی کی طرح تم بھی لغویات مین مبتلا ہو جاؤ، چنانچہ حضرت عمرؓ

ہی کے زمانے سے مالی حرص و طمع اور اوس کے نتائج کا آغاز ہوا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اوس کی بدولت بغض وعداوت اور خانہ جنگی کی نوبت پہنچ گئی، اور بعد کو تو مسلمانون کے درمیان اسی بنا پر مدتون خانہ جنگی کا سلسلہ قائم رہا، چنانچہ اسی زمانہ مین حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو خلفا بنوامیہ سے برسر جنگ تھے، مکہ مین ایک تقریر کی جسمین فرمایا کہ لوگو! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے، کہ اگر انسان کو ایک ایسا میدان مل جائے، جو سونے سے بھرا ہوا ہو، تو اوس کو تسکین نہ ہوگی، بلکہ اسی قسم کا دوسرا میدان بھی چاہے گا، پھر اگر دوسرا میدان بھی مل گیا، تو تیسرے کا خواستگار ہوگا، انسان کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے" اون کی اس تقریر کا مقصد یہ تھا، کہ اس وقت خانہ جنگیون کا جو سلسلہ قائم ہے، وہ صرف مالی حرص و آز کا نتیجہ ہے اگر لوگ رسول اللہ صلعم کی اخلاقی تعلیم کے پابند رہتے، تو یہ خونریزیان نہ ہوتین،

۲- دوسرا سبب یہ تھا کہ ایک پیغمبر جو اپنی امت کو دنیا مین عزت کے ساتھ زندہ رکھنا چاہتا ہے، اوس کا سب سے بڑا اخلاقی فرض یہ ہے کہ وہ اپنی امت کے افراد مین مالی حرص و طمع کا ایسا مادہ پیدا نہ ہونے دے، جو ترقی کر کے اون کو سوال اور گداگری کی طرف مائل کر دے، اس بنا پر جہان کہین اس قسم کا موقع پیش آیا رسول اللہ صلعم نے اس قسم کے حرص و طمع کے مادے کو زائل کیا، اور بجائے لینے کے مال کے دینے کی فضیلت بیان کی، حضرت حکیم بن حزام فرماتے ہین، کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سوال کیا، اور آپ نے مجھے کچھ مال دیا، مین نے پھر سوال کیا، پھر عنایت فرمایا، پھر سوال کیا، پھر دیا، لیکن بار بار کے سوال سے جب آپ کو اون کی حرص کا حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ "اے حکیم یہ مال ایک شاداب اور شیرین چیز ہے، جو شخص اوس کو کھلے ہوئے دل کے ساتھ لیتا ہے، اوس کو برکت حاصل ہوتی ہے اور جو شخص حرص کے ساتھ لیتا ہے، اوس کو برکت نہین حاصل ہوتی، اور اوس کی مثال اوس شخص کی ہوتی ہے، جو کھاتا تو ہے لیکن اوس کا پیٹ نہین بھرتا، اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے"

حضرت حکیم بن حزام پر اس اخلاقی تعلیم کا یہ اثر پڑا، کہ اونھون نے اسی وقت یہ عہد کرلیا کہ اب کسی سے کچھ نہ مانگونگا اور اس عہد کو اس شدت کے ساتھ پورا کیا کہ حضرت ابوبکرؓ اون کو بیت المال سے وظیفہ دینے کیلئے طلب کرتے تھے، اور وہ انکار کر دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانہ خلافت مین انکو وظیفہ دینا چاہا، مگر اونھون نے واپس کردیا، بالآخر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مسلمانو! گواہ رہنا مین حکیم کو اون کا حق دیتا ہون، اور وہ قبول نہین کرتے۔

۳- تیسرا سبب یہ تھا کہ ضروریات زندگی کیلئے مال کی ایک مقدار بے شبہہ ضروری ہے، اور اس حیثیت سے اسلام نے مال و دولت کی کوئی برائی نہین کی ہے، البتہ قومی مذہبی سیاسی اور تعلیمی کامون کی بنیاد صرف مال ہی پر نہین رکھنا چاہئے کہ اگر مال و دولت ملے، تو یہ کام انجام دیئے جائین، اور اگر اس مین کچھ کمی ہو جائے، تو سرے سے یہ کام ہی چھوڑ دیئے جائین، یا کم از کم بد دلی کے ساتھ کئے جائین، بلکہ ان کامون کی اصلی بنیاد خلوص و صداقت، ایثار اور مخلوق الٰہی کی نفع رسانی پر رکھنی چاہئے، اور مال و دولت کو صرف ان مقاصد کی تکمیل کا ایک ذریعہ بنانا چاہئے، اسی بنا پر رسول اللہ صلعم نے اس قسم کے خود غرض اشخاص کو مال و دولت کے غلام کا لقب دیا، اور فرمایا،

تعس عبد الدینار و الدرھم و	یعنی دنیا و درہم، چادر اور کمل کے بندے ہلاک ہون
القطیفة والخمیصة ان اعطی	کہ اگر اون کو یہ چیزین دی جائین، تب تو وہ خوش
رضی و ان لم یعط لم یرض.	رہین اور اگر نہ دی جائین، تو ناخوش ہو جائین،

یہ حدیث واقعات کے لحاظ سے بھی اسلام کی ابتدائی تاریخ سے خاص تعلق رکھتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک مین کفار سے بہ کثرت لڑائیان پیش آئین، اور ان مین مسلمانون کو بہت سا مال غنیمت ملا، جو باہم تقسیم کیا گیا، لیکن ان لڑائیون کا اصلی مقصد مال غنیمت حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اشاعت اسلام تھا، تاہم ان لڑائیون مین بہت سے بدو، اور بہت سے دور افتادہ قبائل کے لوگ شریک ہوتے تھے

وہ زیادہ تر اپنی نظر مالِ غنیمت پر رکھتے تھے، اس لئے اگر ان لوگون کو مالِ غنیمت سے حصہ ملتا تھا تو خوش ہوتے تھے، ورنہ شکوہ شکایت کرتے تھے، بعض اوقات مصالح کے لحاظ سے رسول اللہ صلعم ایسے لوگون کو مالِ غنیمت دیدیا کرتے تھے، جو نبظاہر اس کے مستحق نہین ہوتے تھے، اس لئے جو لوگ اصلی مستحق ہوتے تھے اون کو قدرتی طور پر رنج ہوتا تھا، ان وجوہ سے رسول اللہ صلعم نے ان ناراضیون کی جڑ ہی کاٹ دی اور صاف صاف فرمادیا، کہ جو لوگ درہم، دینار بلکہ ایک چادر اور ایک کمل کیلئے جہاد کرتے ہین، وہ خدا کے نزدیک مستحق ستایش نہین ہوسکتے، بلکہ اس قسم کی مقدس خدمات کو خلوص و ایثار کے ساتھ انجام دینا چاہئے اور مال و دولت کو محض ایک عارضی فائدہ خیال کرنا چاہئے،

۴- چوتھا سبب یہ تھا کہ اسلام کے نزدیک مال بذات خود کوئی بری چیز نہین، بلکہ نہایت عمدہ چیز ہے البتہ اوس کا غلط اور مسرفانہ استعمال نہایت خطرناک نتائج پیدا کرسکتا ہے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تمھاری نسبت مجھے زیادہ تر خوف زمین کی برکتون سے ہے، لوگون نے کہا کہ زمین کی برکتون کے کیا معنی ہین" ارشاد ہوا کہ "دنیا کی زینتین یعنی عمدہ کپڑے عمدہ سامان، لہلہاتی ہوئی کھیتیان، سرسبز و شاداب باغ وغیرہ" اس پر ایک صحابی نے کہا کہ کیا بھلائی سے برائی بھی پیدا ہوسکتی ہے؟ یہ سوال نہایت اہم اور پیچیدہ تھا، آپ خاموش ہوگئے، یہان تک کہ اونھون نے خیال کیا کہ آپ پر وحی نازل ہورہی ہے پھر آپنے پیشانی سے پسینہ پونچھا اور فرمایا کہ بھلائی سے تو صرف بھلائی ہی پیدا ہوتی ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ مال ایک سرسبز اور شیرین چیز ہے، اور دیکھو کہ فصل بہار مین جب زمین مین گھاس اُگتی ہے تو اوس کو ایک جانور ضرورت سے زیادہ کھالیتا ہے، یہان تک کہ اس کا پیٹ پھول جاتا ہے، اور وہ تخمہ سے مرجاتا ہے لیکن دوسرا جانور اوسی کو اعتدال کے ساتھ کھاتا ہے، جب اوس کا پیٹ بھر جاتا ہے. تو جگالی کرنے لگتا ہے، دھوپ مین گھومتا پھرتا ہے، اس طرح جب وہ ہضم ہوچکتا ہے، تو دوبارہ پھر کھانا شروع کرتا ہے، اور اس کو کوئی نقصان نہین پہنچتا، یہ مال بھی اسی قسم کی چیز ہے، جو شخص مال کو اس کے حق

کے ساتھ لیتا ہے، اور اس کے حق مین صرف کرتا ہو، تو وہ ایک اعانت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور اگر بغیر حق کے لیتا ہو، تو اس کی مثال اوس شخص کی ہوتی ہو، جو کھاتا تو ہو لیکن آسودہ نہین ہوتا،

قرآن شریف مین ایک آیت ہو،

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ۔	یعنی لوگون کی فطرت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اون کو دنیا کی مرغوب چیزون یعنی (مثلاً) بی بیون اور بیٹون اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیرون اور عمدہ عمدہ گھوڑون اور مویشیون اور کھیتی کے ساتھ وابستگی بھی معلوم ہوتی ہے، (حالانکہ) یہ (تو) دنیا کی زندگی کے (چند روزہ) فائدے ہین اور (ہمیشہ کا) اچھا ٹھکانا

خدا ہی کے ہان ہے،

صحیح بخاری مین ہے کہ حضرت عمرؓ یہ دعا مانگتے تھے کہ "خداوندا ہم مین یہ قدرت تو نہین ہے، کہ ان فطرتی دلچسپیون سے خوش نہ ہون، البتہ ہم کو یہ توفیق دے کہ ہم ان چیزون کو ان کے حق مین صرف کرین"۔ شراح حدیث اسکی شرح مین لکھتے ہین کہ مال و دولت سے فطری وابستگی تو ہر شخص کو ہے، لیکن باہمہ اس مین لوگون کے تین درجے قائم ہو جاتے ہین،

۱- ایک تو وہ لوگ ہین جن پر مال و دولت کی بارش ہوتی ہو، اور وہ لوگ اپنے اختیار سے جہان چاہین، اوس کو صرف کر سکتے ہین، لیکن باوجود اس کے وہ مال و دولت پر لات مار دیتے ہین، اور سیم و زر کو چشم حقارت سے دیکھتے ہین، اسی درجہ کا نام مقام محمود ہے، اور رسول اللہ صلعم کو یہی درجہ حاصل تھا، اور حضرت عمرؓ اسی درجہ کیلئے دعا کرتے تھے، چنانچہ ایک بار اُن کے پاس مشرق سے بہت سا مال آیا، جس کو اونھون نے چھپا کر رکھوا دیا، پھر لوگون کو بلا کر سب کے سامنے کھلوایا، تو بہ کثرت زیورات بہ کثرت

جواہرات اور بکثرت سازو سامان نکلے، لیکن اُن کو دیکھکر حضرت عمرؓ رو پڑے، لوگون نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا، کہ جس قوم مین مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہی وہ آپس مین خونریزی کرنے لگتی ہی، اور ہر شخص دوسرے کی عزت و آبرو کے درپے ہوجاتا ہے، اس کے بعد اونھون نے سب تقسیم کردیا، تھوڑا سا سامان بچ گیا تو اوس کو الگ رکھوادیا، لیکن بعض صحابہ نے کہا کہ اوس کو کب تک بند رکھئے گا، بولے جب مجھے فرصت ہو تو کہنا اونھون نے فرصت کے وقت ان چیزون کو سامنے رکھا، تو یہ آیت پڑھکر فرمایا کہ خداوندا ہم مین یہ قدرت تو نہین ہے، کہ جس چیز کو تو نے محبوب بنایا ہے، اوس کو محبوب نہ رکھین، لیکن تو ہم کو اس کی برائی سے محفوظ رکھ، اور ہم کو توفیق دے کہ ہم اوس کو تیرے حق مین صرف کرسکین، یہ کہکر ان سب چیزون کو تقسیم کردیا،

۲- دوسرا درجہ اون لوگون کا ہے، جو مال و دولت کو چشم حقارت سے تو نہین دیکھتے، لیکن اسکے صرف کرنے مین شریعت کے اوامر و نواہی کا لحاظ رکھتے ہین، یعنی جائز موقع پر تو صرف کرتے ہین، اور ناجائز مصارف سے بچتے ہین، اور یہ درجہ بھی مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے کوئی قابلِ اعتراض درجہ نہین،

۳- تیسرا درجہ ان لوگون کا ہے، جو شب و روز روپیہ ہی کی فکر مین مصروف رہتے ہین، اور اسکے حاصل کرنے مین جائز و ناجائز ذرائع کی پروا نہین کرتے، بلکہ ظالمانہ اور غاصبانہ طریقہ پر روپیہ حاصل کرتے ہین، اور مسرفانہ اور عیاشانہ طریقہ پر اوس کو صرف کرتے ہین، یہی لوگ ہین، جنکو شریعت نے بندگانِ درہم و دینار کا لقب دیا ہے، اور اون کو اخروی بلکہ دنیوی ہلاکت کا مستحق ٹھہرایا ہے، لیکن ان بندگانِ درہم و دینار کی بھی ان کے حوصلہ و ہمت اور حالت و حیثیت کے لحاظ سے دو قسمین ہوتی ہین، ایک تو وہ جو ادنیٰ درجہ سے تعلق رکھتے ہین، اور معمولی معمولی چیزون پر جان دیتے ہین، جیسے عرب کے بدو کہ ایک چادر اور ایک کمل ہی ان کو غنیمت معلوم ہوتا تھا، دوسرے وہ لوگ جنکی ہمتین بلند اور اختیارات وسیع ہوتے ہین، اور اُن کی نگاہون مین ہزارون بلکہ لاکھون روپیہ کی کوئی وقعت نہین ہوتی، مثلاً روم و ایران کے شہنشاہ

جو رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں رعایا سے مالگذاری ٹیکس اور دوسری قسم کے محاصل سے ظالمانہ طور پر کروڑوں زر وصول کرتے تھے، اور اوس کو بے دریغ عیش و عشرت میں صرف کر ڈالتے تھے، بدقسمتی سے یہ دونوں سلطنتیں عرب کے پہلو میں واقع تھیں، اور اہلِ عرب ان سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے، اسلئے اہلِ عرب پر ان کا اخلاقی اور معاشرتی اثر پڑتا تھا، چنانچہ ایک حدیث میں ہو کہ ایک بار حضرت عمرؓ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوے، دیکھا کہ جسم مبارک پر ایک تہبند کے سوا اور کچھ نہیں، ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں، اور پہلو میں چٹائی کی بدھیاں پڑگئی ہیں، گھر میں ادھر ادھر دیکھا، تو مٹھی بھر جو اور چند کھالیں نظر آئیں، سرورِ کونین کی اس بے سروسامانی کو دیکھکر رو پڑے، رسول اللہ صلعم نے رونے کی وجہ پوچھی تو بولے کہ کیوں نہ روؤں، آپ کی تو یہ حالت ہو، اور یہ قیصر و کسریٰ دنیوی عیش و عشرت کے مزے اڑا رہے ہیں، ارشاد ہوا کیا تم کو یہ پسند نہیں، کہ ہمارے لئے آخرت ہو اور ان کیلئے دنیا، بولے ہاں یہی پسند ہو،

ان اثرات و تعلقات کے بنا پر خود مسلمانوں کی نسبت یہ خوف تھا کہ اگر قیصر و کسریٰ کی دولت اون کے جیب و دامن میں آئی، تو وہ بھی اسی قسم کی مسرفانہ عیش پرستیوں میں مبتلا ہوجائیں گے، اور اسلام کا یہ زرین اخلاقی اصول کہ مال کو حق کے ساتھ لو اور حق کے ساتھ صرف کرو، قائم نہ رہ سکے گا، اس لئے اسلام نے مسلمانوں کو متوسط درجہ کی سادہ زندگی بسر کرنیکی ہدایت کی اور ان تمام سامانِ تعیش کو جو رومیوں اور ایرانیوں کے جزو زندگی بن گئے تھے ناجائز قرار دیا، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا، نہ حریر و دیبا پہنو، نہ سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پیو، اور نہ سونے چاندی کی تشتریوں میں کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں عجمیوں کیلئے صرف دنیا میں ملیں گی، اور تم کو آخرت میں. نیز فرمایا کہ جو شخص چاندی سونے کے برتن میں پانی پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کے گھونٹ اوتارتا ہے، اسی طرح مردوں کیلئے سونے کے زیورات حرام کر دیئے گئے ہیں، لیکن حدیث میں ان چیزوں کے حرام کرنے کی وجہ نہیں بیان کی گئی ہے، بلکہ علما نے اپنے عقل و فہم سے ان کے حرام ہونے کی وجہ استنباط کی ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، کہ ان چیزوں کے حرام کرنے کی وجہ یہ ہو کہ خداوند تعالیٰ انتہائی عیش پرستی اور انتہائی نزاکت و نفاست کو جو انسان کو بالکل دنیا کی طرف مائل کردیں ناپسند کرتا ہے، لیکن خود شریعت نے انتہائی

عیش پرستی کی کوئی تحدید و تعریف نہین کی ہو، اسلئے شاہ صاحب نے پہلے تو معمولی عیش پرستی کی یہ تعریف کی ہو کہ "عمدہ چیزون کا انتخاب اور بری چیزون سے اجتناب" اور اسلام اسکی ممانعت نہین کرتا بلکہ اسکا حکم دیتا ہی، دھلا ہوا کپڑا میلے کپڑے سے بہتر ہوتا ہی، اسلئے اسلام کی تعلیم یہی ہو، کہ دھلا ہوا کپڑا پہنو، میلا کپڑا نہ پہنو، لیکن انتہائی عیش پرستی یہ ہو کہ ایک ہی جنس کی چیزون مین عمدہ چیز کا انتخاب اور بری چیز سے اجتناب، مثلاً آم ہر جگہ پیدا ہوتے ہین اور ہر جگہ میٹھے آم مل سکتے ہین لیکن ایک شخص اپنے شہر یا اپنے ضلع کے آم پر قناعت نہین کرتا، بلکہ لکھنؤ اور ملیح آباد سے اُن سے بہتر آم منگاتا ہے، پھر اگر اوس کو پتہ چلتا ہے، کہ لکھنؤ اور ملیح آباد سے بھی بہتر آم کہین اور جگہ مل سکتے ہین، تو وہان سے آم منگانے کی فکر کرتا ہے، مین نے یہ ایک معمولی مثال دی ہے، لیکن اگر آپ غور کرین گے تو دنیا کی تباہی و بربادی کا اصلی سبب یہی عیش پرستی ہے، دیسی کپڑون کو چھوڑ کر جو لوگ ولایتی کپڑے استعمال کرتے ہین، اوس کا سبب یہی ہے، کہ کپڑے کی جنس تو ہندوستان اور یورپ دونون جگہون مین یکسان ہوتی ہے، البتہ ولایت مین اعلیٰ درجہ کے کپڑے تیار ہوتے ہین، امیرون اور رئیسون مین مقابلہ درحقیقت اسی قسم کی عیش پرستی مین ہوتا ہے، ایک رئیس بمبئی یا کلکتہ سے موٹر منگاتا ہے، تو دوسرا اوس سے بہتر موٹر کی تلاش مین پیرس اور برلن کی خاک چھانتا پھرتا ہے، غرض اگر ایک ہی جنس کی چیزون مین اسی قسم کے مختلف درجے قائم کئے جائین، تو اس کثرت سے مدارج نکلین گے، کہ انسان کا دماغ اون کی جستجو مین اور انسان کا مال اون کی خرید و فروخت مین ہمیشہ تباہ ہوتا رہے گا، اس لئے اسلام نے اس پریشان خیالی کے دور کرنے کیلئے ایک متوسط درجے کی زندگی اختیار کرنے کی تعلیم دی، اور انتہائی عیش پرستی کی جو چیزین اس کے سامنے تھین، مثلاً دیبا، حریر، کمخواب، سونے چاندی کے زیور اور برتن ان سب کو حرام کر دیا، اور آج یورپ اور امریکہ مین ان سے بہتر و زیادہ گران قیمت جو کپڑے یا جو سامان پیدا ہو گئے ہین اون کو انھی چیزون پر قیاس کرنا چاہئے،

قرآن مجید کے دو نایاب نسخے اور چند دوسری قلمی کتابیں

(از مولوی سید عبدالرؤف صاحب ندوی مدرس مدرسۂ قادریہ کارا، گیسا)

یہ چند قلمی کتابیں مولوی سید عبدالرشید صاحب قادری رئیس کارا (گیا) کے کتبخانہ قادری اور بندۂ ناچیز کے خاندانی ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہیں، ان میں سے بعض کے حالات درج ذیل ہیں، کہ شاید اہل علم کی دلچسپی کا باعث ہوں،

شیخ الاسلام ابن طیب کا قرآن رسالہ المرغوبہ | قرآن مذکور کی ابتدا میں فن تجوید کا المرغوبہ نام ایک مختصر رسالہ ہے، جو علامۂ منہاج محمد بن محمد کے نام سے منسوب ہے، دیباچہ میں مصنف کا نام اور رسالہ کی غرض وغایت کا تذکرہ آیا ہے۔

رسالہ کی ابتدا تفاؤل بالقرآن کے عنوان سے ہوتی ہے، جس کے ذیل میں قرآن مجید سے فال دیکھنے کا طریقہ بتفصیل بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد مختلف ابواب میں مختلف عنوانوں کے ماتحت علم تجوید کے مختلف مسائل اور نادر مباحث بیان کئے گئے ہیں، پورا رسالہ پانچ ابواب اور پندرہ فصلوں پر مشتمل ہے، رسالہ کے صفحۂ آخر پر بائیں جانب بخط شکست دو تحریریں مرقوم ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مصحف مقدس حضرت شیخ الاسلام ابن طیب (سنہ ۹۷۵ھ) کے متروکات میں سے ہے، وہ دونوں تحریریں جو ہبہ نامہ اور قبولیت نامہ سے موسوم کی گئی ہیں اور سنہ ۹۷۵ھ کی مکتوب ہیں، ذیل میں درج کیجاتی ہیں،

ہبہ نامہ | اقرار کرد و اعتراف نمود مسمیٰ عبداللہ بن شیخ الاسلام ابن طیب کہ این مصحف مذکور حقیر مذکور بعد مرحلۂ رخصت پدر خود شیخ الاسلام مذکور میراث یافت، در ملک خود متصرف و قابض حقوق

گشت فقیر حقیر مذکور درحد جواز تصرفات خود این مصحف را ہبہ صحیح شرعی طائعاً وراغباً بفرزند خود

اسمہٗ عبدالعزیز ابن شیخ عبداللہ ہبہ کرد و تملیک فرزند مذکور کرد آں را، تحریر سطور مذکور غرہ ماہ

رجب المرجب ۱۰۵۵ھ"

قبولیت نامہ | عبدالعزیز موہوب لہٗ مذکور ہبہ مصحف مذکور در مجلس ہبہ مذکور بحضور جماعت مسلمانان عدول

قبول ہبہ مذکور کرد و قابض و متصرف گشت "

مصحف مذکور میں فاتحۃ الکتاب سے اختتام تک یکساں طور پر اختلاف قرأۃ کا پورا اہتمام نظر آتا ہے،

بین السطور اور حواشی پر قرأ ائمہ کے اختلاف قرأت کو ظاہر کرکے قرأۃ عاصم بروایت حفص کا بالالتزام اہتمام ہے

اور نیز قرآن مجید کے آخری صفحہ پر ایک اور تحریر ہے، جس سے اہتمام قرأت مختلفہ اور التزام روایت حفص اور نسب

سند قرأت کے ساتھ ساتھ کاتب قرآن کا پتہ چلتا ہے،

"بدان اسعدک اللہ کہ دریں مصحف ہر چیز بسیاہی مکتوب و معرب است آں قرأۃ مختار است چنانچہ

در مصحفہا است، و ہر چیز بسرخی در متن آں قرأت عاصم بروایت حفص و ہر چیز بسبزی و زردی است

آں قرأت غیر عاصم آں قرا ، بغیر تعیین، و بقدر امکان در تصحیح لفظ و اعراب کوشیدہ شدہ است

اما قرأت عاصم بروایت حفص از خدمت استاذ العلی امام المحققین تاج الحق والدین وارث الانبیاء

والمرسلین، بقیۃ السلف استاذ الخلف فرزند شایستہ و خلف بایستہ مولانا قطب الاولیا امام الاتقیا

تقی الحق والشرع والدین رزقنا اللہ تقیاہ من اول القرآن الی آخرہ سماع است، کاتبہ و قاریہ

العبد الضعیف عبدالکریم بن محمد بن حامد غفر اللہ لہ و لوالدیہ ولمن توالد و لجمیع المومنین والمومنات

والمسلمین والمسلمات بکرمہ العمیم و فضلہ الجسیم"

نوشتہ مذکور کی عبارت کاتبہ و قاریہ الخ" اور ہبہ نامہ کی تحریر بعد مرحلہ رخصت پدر خود شیخ الاسلام

مذکور میراث یافت الخ" ان ہر دو عبارت کے ملانے سے بیک نظر یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ اول اول قرآن

ہذا کی ملکیت کا شرف خود کاتب قرآن عبدالکریم بن محمد کو حاصل تھا بعدہٗ یہ سعادت شیخ الاسلام ابن طیب کے حصہ میں آئی، علاوہ ازیں فارسی میں ترجمہ و شانِ نزول کا اہتمام نظر آتا ہے، اور نیز مبہم ترجمہ کی توضیح عربی میں بین السطور اور حاشیہ پر جابجا ہے، افسوس ہے کہ ترجمہ اور شانِ نزول سب نامکمل ہے ترجمہ کا سلسلہ سورۂ یوسف اور شانِ نزول کا پارۂ والمحصنٰت پر منتہی ہو جاتا ہے،

ہر سورہ کا نام مع تعداد رکوع و آیات سادگی کیساتھ شنجرفی حروف میں ظاہر کیا گیا ہے، پارہ کے آغاز کے لئے کوئی امتیازی نشان نہیں، صرف ایک طرف حاشیہ پر سرخ حرفوں میں الجزء فلاں و فلاں مکتوب ہے، آیات کے لیے مدور رنگین نشان ہے، رکوع کا نشان غیر مقروا حرفوں پر مشتمل ہے، سجدۂ و منزل کے لیے کوئی علامت نہیں، علامات واو قاف سرخ حرفوں میں ہیں، ہر صفحہ باریک شنجرفی خطوط سے گھرا ہوا ہے، ضخامت ۱۲۰۰ صفحات ہے، اور ہر صفحہ میں گیارہ سطریں ہیں، کاغذ سفید دبیز کھردرا ہے، تقطیع کلاں جلد بہت جسیم و ضخیم ہے،

خواجہ عبداللہ حسینی احرار کا قرآن،

قرآن مذکور کتابت اور زینت و آرایش کے اعتبار سے قابل دید اور لائق تحسین ہے، نام کاتب اور سنہ کتابت کا کوئی پتہ اور نشان نہیں، مگر صنعت نسخ کا ایک اعلیٰ و عمدہ نمونہ ہے، سورۂ فاتحہ و بقرہ کے صفحات زرافشاں ہیں، حاشیے جواہراتی رنگ سے رنگین اور مشجر و منقش ہیں اور دیگر صفحات علی العموم شنجرفی اور زرنگاری رنگ کے باریک خطوط سے گھرے ہوئے ہیں، علامات اوقاف اور رکوع، ربع، نصف، ثلث، سجدہ و منزل، اسماے سورہ و پارہ مطلا و زرنگار ہیں، سورہ و پارہ کا نام سر صفحہ پر سرخ حرفوں میں ہے، سورۂ بقرہ کے سر صفحہ ایک مہر اور آخر صفحہ قرآن پر تین مہریں، مدور سیاہ روشنائی کی ثبت ہیں، اور اندرون مہر نستعلیق خط میں "میرابو تراب فرزند خواجہ عبداللہ حسینی احرار" مکتوب و منقوش ہے، اور نیز آخری صفحہ کے پائیں میں یہ تحریر مرقوم ہے، "کلام مجید بہائے آں شصت روپیہ و خرید کردم بہیں قیمت" مگر محرر کے نام و نشان کا کوئی ذکر نہیں ہے، ان مہروں سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مالک قرآن خود خواجہ مذکور ہیں، اگرچہ ان کے متعلق کاتب قرآن ہونے کا بھی ایک احتمال ہے، غالباً یہ خواجہ عبداللہ حسینی احرار وہی خواجہ عبیداللہ احرار ہیں جو حضرت جامیؒ کے پیر صحبت کہے جاتے

ہیں، اور ان کا تذکرہ سلسلۂ خواجگان کے ذیل میں تذکرۃ الاولیا، سفینۃ الاولیا اور نفحات الانس میں آتا ہے،

شرح فتوح الغیب | حضرت محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی، قدس سرہٗ و نور روحہ (المتوفی ۵۶۱ھ) کے تعلیمات وارشادات کا ایک گراں بہا مجموعہ ہے، آپ کے خلف رشید حضرت شرف الدین ابو عبد الرحمٰن عیسیٰ اسکے جامع ہیں، پوری کتاب اسّی مقالات پر منقسم ہے، علامہ شیخ عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی بخاری نے اس کی جو شرح مفتاح الفتوح کے نام سے لکھی وہ مشہور نام ہے، یہ ایک تاریخی نام ہو جس سے سنۂ تالیف اور نام دونوں معلوم ہوتے ہیں

مفتاح فتوح نام و تاریخ افتاد	در خاطر آنکہ مظہر لاریب است

اگر مفتاح فتوح بلا الف و لام پڑھا جائے تو سنۂ تالیف ۱۰۲۵ھ ہوتا ہے، اور بالف و لام تصور کیا جائے جیسا کہ شرح مذکور میں بعض جگہ مذکور ہے تو ۱۰۹۶ھ نکلتا ہے، بہرکیف مفتاح الفتوح شرح فتوح الغیب علی الاختلاف سنہ مذکورین اختتام وانجام کو پہنچی، یوں تو علامۂ مذکور کی یہ شرح طبع ہو کر متداول خاص و عام ہے، مگر پیش نظر قلمی نسخہ چند حیثیت سے قابل قدر اور لائق توجہ ہے، اوّل یہ کہ مؤلف کے خاص قلمی نسخہ سے جو نسخہ کہ مقابلہ کردہ ہے، اس سے منقول و مکتوب ہے، دوم یہ کہ کتابت کا سنہ تالیف کے سنہ سے قریب العہد ہے، اور سنۂ تالیف و کتابت میں صرف گیارہ سال کا فصل ہے، نسخۂ ہذا کا کاتب شرف الدین اور مالک نجم الدین قادری کے ہیں، جس کا تذکرہ خاتمۂ کتاب پر ایک تحریر میں آیا ہے، جو حسب ذیل ہے،

نقلت من نسخة التی قوبل نسخة مؤلفه	جو نسخہ خاص مولف علامہ شیخ عبد الحق
وهو العالم الربانی والاعظم الثانی	ابن سیف الدین قادری (جو وطناً دہلوی
الامام العارف الکامل الشیخ الاجل	اور اصلاً بخاری اور مذہباً حنفی اور مشرباً
الاکمل الشیخ عبد الحق بن سیف الدین	صوفی اور سلسلۃً قادری اور معتقداً مکی
القادری الدهلوی موطناً والبخاری	اور مرقداً مدنی ہیں،) کے قلمی نسخہ سے
اصلاً والحنفی مذهباً والصوفی فی مشرباً	مقابلہ کردہ ہے، اس سے یہ منقول ہے،

والقادری سلسلۃً والمکی مقیماً والمدنی . . . .

مرقدہٗ ان شاء اللہ تعالیٰ نفعنا اللہ . . . .

ببرکاتہ وبرکات . . . . . تمت . . . .

ھذا الکتاب شرح فتوح الغیب من   یہ کتاب بقلم شرف الدین ۱۰۶۷ھ

المساخۃ بید الفقیر الحقیر شرف الدین   مین تمام ہوئی، . . . . . .

عفر اللہ لہ ولوالدیہ ولجمیع المومنین . . . .

والمومنات والمسلمین والمسلمات . . . .

سن سبع وستین والف الہجریۃ النبوی . . . .

صلی اللہ علی حبیبہ وخیر خلقہ . . . .

روز شنبہ بوقت غروب آفتاب در روز عید الفطر . . . .

اتمام شد، درحق و ملک سیدی......کہ ملقب . . . . . اور یہ شیخ نجم الدین قادری

بشیخیت شدہ است، اللہ تعالیٰ او را از رہ راست   مکی کی ملکیت ہے،

نہ لغزاند بحرمت نبی وآلہ الامجاد دست خط شیخ نجم الدین ، قادری مکی

کتاب مذکور از ابتدا تا انتہا محفوظ ہے، متن عبارت شنجرفی خطوط کے ذیل مین زمردین (سبز) حرفون میں منقول ہے، چپ و راست حاشیہ پر اسی رنگینی کیساتھ فوائد منقول ہیں، اور نیز صفحہ راست کے حاشیہ پر جابجا ابیات سعدی وحافظ مرقوم ہیں، ضخامت تقریباً ۳۰۰ صفحہ ہے اور ہر صفحہ میں ۱۲ سطریں ہیں، کاغذ حنائی گندہ ہے، کتابت معمولی نسخ و نستعلیق میں ہے، متن نسخ میں اور شرح نستعلیق مین ہے، صفحۂ اول سے ایک اور تحریر متعلق ہے جو درج ذیل ہے:

"این کتاب عطا کردہ جناب مولنا شاہ ضیاء اللہ صاحب لاہوری قدس سرہ العزیز،"

یہ بزرگ لاہور کے رہنے والے ہیں، جن کی آمد و رفت گذشتہ ایام میں اسطرف بھی تھی، انھون نے کتاب

ر کو مولوی سید عبدالرشید صاحب قادری رئیس کار اسکے جدامجد سید شاہ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کی تھا'
ں نامۂ جہاں | غیاث الدین علی بن علی امیر ابن الحسنی الاصفہانی، مصنف مختصر فوائد نجومیہ نے شہر بدخشاں میں قامت گزین
ایک سال کی مدت میں بکمال جدوسعی کتاب ہذا کی تدوین و تالیف سے ۹۰۸ھ میں فراغت حاصل کی، غالبؔا سنہ
بت بھی یہی ہے، زبان فارسی میں حکمت طبیعی کی یہ ایک عمدہ تصنیف ہے جس میں مختلف فصول واصول میں مختلف
ن کے ماتحت علم آبا علوی کے مباحث ہیں، کتاب مذکور تمہید اور دس فصل بیس اصل چار نتیجہ اور ایک خاتمہ پر مشتمل
خاتمہ کتاب پر تنبیہ کے تحت میں شیخ الرئیس کی اس وصیت کا ذکر ہے، جس کو اس نے اشارات میں بیان کیا ہے'
ت و کاغذ نفیس ہے، کاتب و سنہ کتابت کا صاف طور پر کوئی ذکر نہیں، اس کتاب کے مطبوع ہونے کا حال
م نہیں، عنوان مباحث بالتفصیل درج ذیل ہیں،

فصل اول در پدید آمدن عقل کل و نفس کل، فصل دوم در پدید آں افلاک و ترتیب ایشاں، فصل سوم
در بیان گردش افلاک و مدت دور ہر یک، فصل چہارم در پیدا شدن عناصر و مکان ہر یک، فصل پنجم در
بیان تقسیم عناصر، فصل ششم در کیفیاتے کہ لازم عناصراند، فصل ہفتم در بیان طبقات عناصر، فصل ہشتم در بیان
شکل افلاک و عناصر و چگونگی ایستادن زمین، فصل نہم در بیان معنی حقیقت جسم، فصل دہم در بیان
تقسیم جسم بسیط و مرکب، اصل اول در استحالہ عناصر، اصل دوم در سبب پیدا شدن بخار و دخان،
اصل سوم در بیان پیدا شدن باد، اصل چہارم در پیدا شدن ابر، اصل پنجم در بیان پیدا شدن باران،
اصل ششم در بیان پیدا شدن برف، اصل ہفتم در بیان پیدا شدن تگرگ، اصل ہشتم در حدوث نزم،
(زالہ و شبنم) اصل نہم در پیدا شدن رعد، اصل دہم در پیدا شدن برق، اصل یازدہم در پیدا شدن
صاعقہ، اصل دوازدہم در پیدا شدن کوکب منقضہ و شہب و شہاب ثاقب، و کواکب ذوات الاذناب
و کواکب ذات الذوائب، اصل سیزدہم در بیان علامت حمرہ، اصل چہاردہم در بیان پیدا شدن شمسیات
اصل پانزدہم در حدوث منازل اصل شانزدہم در پیدا شدن قوس قزح، اصل ہفدہم در پدید آمدن

مالہ، اصل ہشدہم در پیدا شدن زلزلہ، اصل نوزدہم در بیان برآمدن آواز زمین و برون آمدن باد و آتش از درون زمین، اصل بستم در بیان پیدا شدن آب چشمہ و کاریز و چاہ، نتیجۂ اول در پیدا شدن معادن کہ اقسام آن جمریات وسیماب وطحیات ومشتعلات و منطرقات، نتیجۂ دوم در پیدا شدن نباتات ونفس وقوی آن نتیجۂ سوم در پیدا شدن حیوانات، نتیجۂ چہارم در پیدا شدن انسان و بیانے از نکات، و خاتمہ در ایراد تشریحات اعضاء انسان ۔

ضخامت ۱۰۰ صفحات اور ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں، تقطیع اوسط، مجلد خام،

قصائد حافظ | کتاب کی ابتدا مولانا گلندام کے اس مشہور عالم دیباچہ سے ہوتی ہے جو کبھی مطبع نولکشور سے دیوان حافظ کے ساتھ طبع ہو چکا ہے، اس کے بعد قصائد کا باب ہے، اس باب کے تحت میں سات قصائد ہیں، جنمیں سے چند تو مطبوعہ قصائد سے ملتے ہیں اور چند ایسے ہیں جو مطبوعہ نسخوں میں کہیں نہیں ہیں، تقریباً ۲۰۰ اشعار کا ایک نادر مجموعہ ہے، دیباچہ کے دس صفحے اور قصائد کے اٹھارہ صفحے ہیں، اور ہر صفحہ میں چودہ سطریں ہیں، دیباچہ کا صفحۂ اول وآخر اور قصائد کا صفحۂ اول سرتاپا مذہب اور زرافشاں ہے، مزید بران جواہراتی رنگ میں مختلف اقسام کے بیل بوٹے ان صفحات کی زیب وزینت کو بڑھا رہے ہیں، کاغذ نفیس کتابت نستعلیق کا اعلیٰ نمونہ ہے، تقطیع خورد، آخری ورق کے گم ہو جانے کے سبب کاتب وسنہ کتابت کا کوئی پتہ نہیں ہے، مگر قدامت کاغذ اور شانِ کتابت سے ظاہر ہے،

حدیقۃ الحقیقۃ | حکیم سنائی کی فن تصوف میں منظوم تصنیف ہے، کتاب کی ابتدا اس دیباچہ سے ہوئی ہے جسکو خود حکیم موصوف نے سپرد قلم کیا تھا، دیباچہ کی ضخامت ۸ صفحہ ہے، یہ دیباچہ قدیم مطبوعہ نسخوں میں بھی نظر آتا ہے، اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، جو ۴۲۴ صفحات پر مشتمل ہے، اور ہر صفحہ میں رخ اور حاشیہ پر ۳۰ اشعار ہیں، کاتب جلال الدین بن سید محمد الحسنی اور سنہ کتابت ۱۰۵۸ھ ہے، یہ ان مشاہیر کاتبانِ خوشنویس سے ہے جس کی کتابت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، مقام اکبرآباد

میں بعہد ہمایوں شاہجہاں سنہ مذکور میں اسکی کتابت اختتام پذیر ہوئی، حدیقہ کے صفحہ اول پر چھ مہریں مختلف صورت میں ثبت ہیں، ایک میں خواقان ابن ناصر شیرازی مکتوب و منقوش ہے، اور دوسری مہریں مٹی ہوئی ہیں جو پڑھی نہیں جاتیں، کتابت و کاغذ بہت نفیس ہے اور صفحات طلائی جدول سے گھرے ہوئے ہیں،

کیمیائے سعادت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کے مطبوعہ نسخے آج ہر جگہ بکثرت دستیاب ہوتے ہیں، مگر پیش نظر قلمی نسخہ قدامت اور صنعت کتابت کے لحاظ سے قابل قدر ہے، تاریخ کتابت ۲۶ ربیع الاول ۹۱۰؁ھ ہے کاغذ نفیس چکنا، کتابت بہت اعلیٰ، ضخامت ۷۰۲ صفحات، اور ہر صفحہ پر ۱۶ سطریں، تقطیع اوسط"

رشحات عین الحیات صوفیائے کرام کے احوال میں یہ ایک مبسوط اور مستند کتاب ہے، ملا حسین واعظ کاشفی کے تصانیف میں ہے، کتاب اگرچہ مطبوع ہے بانیہمہ پیش نظر قلمی نسخہ قابل قدر ہے، سنہ کتابت مظہر ہے کہ خود مصنف علام کے عہد میں ۹۰۹؁ھ میں اسکی کتابت عمل میں آئی ہے، کاغذ و کتابت عمدہ و اعلیٰ ضخامت تقریباً ۱۲۰۰ صفحات اور ہر صفحہ پر پندرہ سطروں ہیں،

روضۃ الشہداء یہ واقعۂ کربلا اور تذکرۂ شہادت میں اونھی واعظ کاشفی کے قلم سے ہے،

جلوس عالمگیری سینتالیسوئیں سال ۱۳ ذیحجہ کو شاہزادہ اعظم کے صوبہ داری کے عہد میں بلدۂ جہانگیر کے محلہ شجاعت پورہ مسجد سلطان علی میں حیدر علی نامی کاتب کے قلم سے اسکی کتابت اختتام کو پہنچی، کاتب مذکور عالمگیری عہد کا مشہور کاتب ہے جس کو شاہی دربار سے بھی تعلق حاصل تھا، کتابت بخط نستعلیق اعلیٰ، کاغذ سفید نفیس اور ولی ضخامت ۷۰۰ صفحہ اور ہر صفحہ میں ۱۸ سطریں، تقطیع اوسط، جلد خام،

سکندر نامہ یہ حضرت نظامی گنجوی کی ان پانچ کتابوں میں سے ایک ہے جو پنج گنج نظامی کے نام سے مشہور ہیں، ظل اللہ محمد شاہ بادشاہ غازی کے عہد میں جبکہ نواب نصرت آہنگ مہابت جنگ کی صوبہ بہار و بنگال پر عمل داری تھی، اس وقت میر حسن علی ولد سید محمد شاکر کاتب صوبہ دار مذکور نے تحریر فرمایا،

کتابت عمدہ کاغذ موٹا کھردرا ہے، ضخامت تقریباً ۳۰۰ صفحہ، تقطیع اوسط، غیر مجلد ہے،

مثنوی پدماوت بھاکھا زبان بھاکھا کی یہ ایک مشہور مثنوی ہے جس کو ملک محمد جائسی نے شیر شاہی عہد میں ۹۲۷ھ میں بزبان بھاکھا لکھا تھا، اس کے بعد جہانگیر کے عہد میں فارسی نظم میں اور ابو الحسن تانا شاہ کے زمانہ میں دکھنی زبان میں ترجمہ کی گئی،

تاریخ کتابت ۱۲ ارشوال ۱۳۳۵ھ ہے، کاتب منصور علی ہے، ضخامت تقریباً ۲۰۰ صفحات اور ہر صفحہ میں ۱۵ اشعار ہیں، کتابت و کاغذ دیدہ زیب تقطیع خورد ہے،

ذخیرہ سکندر ذو القرنین فلاسفۂ یونان میں سے کسی فلسفی شاید اسطیخوس کے قلم سے یہ کتاب ہے، جسکو سکندر ذو القرنین کے نام سے شرفِ انتساب حاصل ہے، یہ ذخیرہ معتصم باللہ خلیفۂ بغداد کے عہد ہمایوں میں تیسری صدی کے اوائل میں حاصل کیا گیا تھا، اس کے حالات کسی دوسرے موقع پر تفصیل سے پیش کئے جائیں گے،

دیوانِ بیدل

کا

نسخۂ بے بدل

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شیروانی،

حبیب گنج کے مختصر سے کتابخانے میں میرزا بیدل مرحوم عظیم آبادی کا ایک قلمی دیوان بخط مصنف ہے، پہلی غزل کا عنوان ہے "المحررہ"۔ آخر نسخہ میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ "روز چہار شنبہ چہارم شوال سنہ یکہزار و نود و ہشت ۱۰۹۸ھ در مقام نارنول بتحریر رسید ایں اشعار از دیوانِ قدیم و جدید بطریقِ اختصار نوشت تا برائے نسخہ برداشتن دوستاں را عذر کاہلِ قلمی نباشد، والسلام"۔

جو ابہام اس عبارت میں کاتب کی شخصیت کے تعین کی بابت رہتا ہے وہ عبارتِ لوح سے رفع ہو جاتا ہے، لوحِ دیوان پر لکھا ہے "بدستخط حضرت میرزا بیدل علیہ الرحمۃ فقیر انندرام مخلص از نظر میرزا صاحب گذرانیدہ اینمعنی بصحت رسید" عبارت ہذا کے پہلو میں بڑی مدور مہر خوشخط ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں، "انندرام فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی"۔ دیوان کی تقطیع اوسط ہے، اوراق ۱۸۰۔ فی صفحہ سطر ۱۷، اُن میں سے ۱۶۸ ورق پر غزلیات ہیں باقی پر رباعیات، جو ۱۱۵ تعداد میں ہیں، جملہ اشعار (اول و آخر صفحہ کی کمی اور عنوانوں کی منہائی دینے کے بعد) ۵۳۴۶ ہیں خط شفیعا خفی پاکیزہ، جدول طلائی و لاجوردی، عنوان شنجرفی بین المصراعین وغزلین خط طلائی، کاغذ گلابی رنگ

باریک کرم خوردہ آب رسیدہ،

جدید و قدیم کلام کے امتیاز کی کوئی علامت نہیں ہے، میرزا بیدل کا سنہ ولادت حاضر الوقت تذکروں میں نظر سے نہیں گذرا، سنہ وفات ۱۱۳۳ھ، میرزا صاحب شباب میں سرکار اعظم شاہی میں ملازم تھے، حسن کارگذاری سے ترقی بھی پائی، شاہزادہ کی جانب سے قصیدہ پیش کرنے کی فرمایش ہوئی تو مداحی کو خلاف وضع سمجھکر نوکری چھوڑ دی، اس دیوان کی تحریر کا سال ۳۰ جلوس عالمگیری ہے، ملازمت اگر میرزا صاحب نے تیس برس کی عمر میں ترک کی ہوگی تو ۱۰ جلوس سے قبل کا زمانہ ہوگا، اس قیاس سے تحریر دیوان کا زمانہ میرزا صاحب کی عمر کے پچاس اور ساٹھ برس کے درمیان ٹھہرتا ہے، تحریر دیوان کے بعد میرزا صاحب ۳۵ سال زندہ رہے، اس طرح قیاساً عمر نوٹے برس کی ہوئی،

لالہ آنندرام مخلص میرزا بیدل کے معاصر ہیں، قمر الدین خان وزیر اعظم کے وکیل دربار محمد شاہی میں تھے، خزانہ عامرہ واغستانی معاصر تذکروں میں ان کا ذکر خیر ہے، سراج الدین علی خاں آرزو کے مربی تھے، وفات ۱۱۶۴ھ میں ہوئی،

تلخیص تبصرہ

یہود اور موسیقی،

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہی کہ غیر مذہبی موسیقی کی ممانعت سقوط یروشلم کے ساتھ ہی وارد ہوئی، اور اس کے متعلق متن یہ پیش کیا جاتا ہی:- اے اسرائیل قوموں کی طرح مارے خوشی کے مت پھول" (توراۃ، ہوسیع باب ۹ آیت ۱) لیکن واقعہ یہ ہے کہ آلات موسیقی اور غیر مذہبی غنا کی ممانعت سقوط یروشلم سے بہت پہلے کی ہے، یسعیاہ، عموس اور عیسیٰ بن سیراخ نے اس سے قبل ہی "شراب عورت اور موسیقی" کی شدید مخالفت کی تھی، اس شدید مخالفت کی وجہ غالبًا یہ تھی، کہ فن موسیقی سے متعلق بہت سے غیر ملکی رواج بنی اسرائیل کے ملک میں داخل ہوگئے تھے، چنانچہ جب یونانی موسیقی نے فلسطین میں بڑھنا شروع کیا تو یہود نے حقیقۃً اوسکو روکنا چاہا،

معبد کی تباہی کے بعد یروشلم کا نالہ و بکا ہونے لگا، موسیقی کے معنی تھے مسرت اور یہود کے نزدیک برباد شدہ معبد کی موجودگی میں کسی مسرت کا امکان ہی نہ تھا، یہ اور وہ قدیم ممانعت جو شراب، عورت اور موسیقی سے متعلق چلی آتی تھی، دونوں نے ملکر غیر مذہبی غنا کو حرام قرار دیدیا،

اسلام کی آمد کے بعد موسیقی کی مخالفت کو اور تقویت پہنچی، اور ائمۂ اربعہؒ نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا[1]

[1] معارف:- موسیقی سے مراد اگر گانا (غنا) ہے، تو متشدد علمائے احناف کے سوا اور کسی کے ہاں وہ ناجائز نہیں اور اگر اس سے مراد ساز اور باجے ہیں، تو گو بعض علمائے ظاہر اس کی حرمت کے قائل نہیں، مگر جمہور ائمہ و علماء اوسکو حرام کہتے ہیں، ابن حزم ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ مذہبی موسیقی حرام ہے، اور غیر مذہبی مباح،

واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ مین علمائے یہود اور اکثر علمائے اسلام کی رایون مین بہت کم فرق ہو؛ چنانچہ جس طرح یہود کے نزدیک لفظ زمری (بانسری بجانے والا) اوباش کے معنی مین استعمال کیا جانے لگا، اوسی طرح مسلمانون مین لفظ زمارہ (بانسری بجانے والی عورت) فاحشہ کے ہم معنی ہوگیا،

تاہم جس طرح مسلمانون مین موسیقی کی حرمت پر کامل طور سے عمل نہ ہوسکا، اوسی طرح یہود مین بھی اوسکی ممانعت کا اثر محدود ہی رہا، حجاز اور یمن کے یہود مین یہ حرمت تسلیم نہین کی گئی، رومہ مین چوتھی صدی تک پیشہ ور یہودی گانے والے ایکٹر اور شاعر ملتے ہین، سلطنت بابل اور دوسری جگہون مین غیر مذہبی موسیقی کے عدم جواز کی مخالفت کی گئی، اور یہ مخالفت اتنی پر زور تھی کہ بالآخر اس مسئلہ مین ترمیم ہوکر رہی، اب جو ممانعت باقی رہ گئی وہ صرف اس قدر کہ آلات موسیقی عام طور پر ممنوع قرار دئیے گئے، اگرچہ تقریب پوریم (PURIM) اور شادی کے موقعون پر اُن کے استعمال کی اجازت دیدی گئی، بعض یہود نے اس قانون سے بچنے کی یہ صورت نکالی کہ مسلمان اور عیسائی گانے والے رکھ لئے،

مشرق مین بارہوین صدی عیسوی تک یہود مین موسیقی کا پیشہ پایا جاتا تھا، اور عراق مین تو نوجوان وقفہ تعطیل کے دنون مین موسیقی کے ساتھ زبور پڑھتے تھے، ان باتون سے معلوم ہوتا ہو کہ ان اطراف مین موسیقی کا اثر بہت کم رہ گیا تھا، مغرب مین علاوہ اسپین کے یہود نے موسیقی کو پیشہ کے طور پر اختیار کرنا پسند نہین کیا، البتہ اسپین مین عرب سلاطین اور خلفاء کے دور مین یہود نے اسے پیشہ اور علم دونون حیثیتون سے ترقی دی، چنانچہ جب عیسائی اوس ملک کے مالک ہوے تو اونھین یہود کا عیسائی امرائے شان و شوکت مین بڑھا ہونا ناگوار ہوا، اور انھون نے اس امر کی شکایت کی کہ یہود اپنے بچونکو فن موسیقی مین دوسرون پر فوقیت لیجانے کی تعلیم دیتے ہین، نوین صدی مین المنصور سے لیکر بارہوین صدی مین اسحق بن سمعان تک متعدد یہود ہین، جو فن موسیقی کے نہایت ممتاز ماہر شمار کیے جاتے ہین، عالی نسب اشخاص بھی مثلاً یوسف بن افرائم جو الفانسو ہشتم شاہ کاسٹائل کا خازن تھا، اس فن کے ماہر ہوتے تھے، بارہوین صدی سے چودہوین صدی تک اسپین کے عیسائی دربارون مین یہودی موسیقی دان پائے جاتے تھے

جہان تک علم موسیقی کا تعلق ہے، یہ علم اسحاق بن سلیمان (متوفی ۹۳۲ء) کے وقت سے جو اسحق اسرائیلی کے نام سے زیادہ مشہور ہے، اعلیٰ تعلیم کے نصاب مین داخل تھا، اسحق کا قول تھا کہ موسیقی علوم ریاضی مین آخری اور بہترین علم ہے، بعض دوسرے اکابر یہود نے بھی علم موسیقی کی تحصیل فضل وکمال مین شمار کی ہے،

چند مصنفین کا خیال ہے کہ موسیٰ بن میمون جو قرون وسطیٰ کا مشہور یہودی فلسفی تھا، ہر قسم کی شاعری اور موسیقی کا سخت مخالف تھا، لیکن یہ خیال صحیح نہین، اور موسیٰ کے کسی قول یا تحریر سے اس کی تصدیق نہین ہوتی بخلاف اس کے اوس نے بعض حالات مین معبد کے لئے موسیقی کی اجازت دی ہے، وہ خود شعر کہتا تھا، اور اوس کی طرف سے گانے کی مخالفت دراصل نفس شاعری کی مخالفت نہ تھی، بلکہ مضمون شعر کی مخالفت تھی،

غیر مذہبی موسیقی کی نسبت موسیٰ بن میمون کی رائے تھی کہ رواج عام نظر انداز نہین کیا جاسکتا، اور اوس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ عقل قانونی صرف اکثریت اور رائے عامہ کی موافقت کرتی ہے، اسپین کے یہود کا ذکر اوپر آچکا ہے، مصر کی بھی تقریبًا وہی کیفیت تھی، ایک ایسے فن کو جو متعین طور پر یہود کی مذہبی اور معاشی زندگی کا جزو بن گیا تھا، مذہبًا حرام قرار دیدینا بے اثر رہتا، ان حالات مین جو ممکن تھا، وہ صرف اسی قدر کہ اسکو ایک متعین حد سے تجاوز نہ کرنے دیا جائے،

علاوہ برین موسیٰ پر متقدمین کا بھی کافی اثر تھا، جن یونانی مصنفین سے وہ عربی زبان کی وساطت سے واقف تھا، اُن مین اوس نے افلاطون اور ارسطو کو فن موسیقی کا مداح پایا، عرب مصنفین مین حنین بن اسحق (متوفی ۸۷۳ء) الفارابی (متوفی ۹۵۰ء) ابن سینا (متوفی ۱۰۳۷ء) الغزالی (متوفی ۱۱۱۱ء) اور ابن باجہ، (متوفی ۱۱۳۸ء) نے موسیقی کی عملی، نظری اور اخلاقی حیثیتون سے بحث کی تھی، ان دلائل کی موجودگی مین موسیٰ بن میمون موسیقی کی قدیم ممانعت کی مطلق تائید نہین کرسکتا تھا،

اسپین کے ایک دوسرے ممتاز یہودی ابن جبیرول (متوفی ۱۰۵۰ء) نے اس مشکل کو آسان کردیا تھا، اوس نے اپنی اصلاح الاخلاق مین یہ لکھ دیا تھا کہ مطلق نغمات کا سننا ممنوع نہین بلکہ اُن ناشائستہ باتون کا سننا ممنوع ہے جو ان

نغمات کے ساتھ کسی گیت مین شامل ہون تاہم جیساکہ اوس نے لکھا ہی انسان کو اون مقامات سے واقف ہونا چاہئے، جہان گانے پر توجہ کرنے کی ضرورت ہی، اور جہان مطلق گانا سننا ہی نامناسب ہے؛

موسیٰ بن میمون کہتا ہی کہ جسطرح اعتدال سے انحراف کرنے سے جسم بیمار ہوجاتا ہی، اسی طرح روح بھی بیمار ہوجاتی ہی، اور جسطرح جسمانی طبیب انسان کے جسم کا علاج کرتا ہی، اُسی طرح روحانی طبیب انسان کی روح کا علاج کرتا ہی، چنانچہ بحیثیت ایک اخلاقی طبیب کے وہ حواسون کی اصلاح کیلئے حسب ذیل ہدایات پیش کرتا ہے:۔

سامعہ:۔ ستار اور بانسری کا نغمہ سننا، باصرہ:۔ خوبصورت تصویرون کا دیکھنا، شامہ:۔ خوبصورت باغون مین چہل قدمی کرنا، لامسہ:۔ نفیس پوشاک پہننا، ذائقہ:۔ نہایت مزہ دار غذائین کھانا، وہ کہتا ہی کہ ان چیزون کو غیر اخلاقی یا غیر ضروری نہ سمجھنا چاہئے، اور قدیم ربیّون کے خیالات اپنے دعوی کی دلیل مین پیش کرتا ہی،

اس باب مین موسیٰ بن میمون بعض مسلمان ارباب فکر سے متفق تھا، اُسکے وقت مین اس موضوع پر عربی کتابون کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا، ان مین سے بعض کتابون مثلاً ابن ابی الدنیا (متوفی ۲۹۴ھ) کی "ذم الملاہی" مین موسیقی کی شدید مخالفت کیگئی تھی، دوسری کتابون مثلاً امام غزالی کی "احیاء العلوم" اور آپکے بھائی ابوالفتح مجدالدین کی "بوارق الاسماع" مین اس فن کی موافقت مین معقول دلیلین دی گئی تھین، امام غزالی اور دوسرے مصنفین جنھون نے موسیقی کے جواز مین لکھا ہی یہ بھی لکھدیا ہی کہ حسب ذیل صورتون مین موسیقی ممنوع ہی:۔ (۱) اگر گانے یا بجانیوالی کوئی عورت ہو (۲) اگر آلۂ موسیقی پہلے سے ممنوع اور ناجائز ہو (۳) اگر گانے کا مضمون ناجائز ہو، (۴) اگر موسیقی کسی شخص کو ایک ایسے کام پر آمادہ کرے جو ممنوع ہو، (۵) اگر کوئی صرف فن کیلئے گانا سنے، اور تفریح مقصود نہ ہو،

حقیقۃً یہی چیز موسیٰ بن میمون کے ہان بھی ہی یعنی آلہ اور اس کے استعمال کے درمیان فرق و امتیاز کرنا، وہ دماغ کو تیز کرنے کی غرض سے علم ریاضی کی تحصیل مناسب خیال کرتا ہی لیکن اگر کوئی شخص ریاضی کی مدد سے حساب کتاب مین تغلب کرنا چاہے جو ایک ممنوع فعل ہی تو اس سے علم ریاضی ناجائز نہ ہوجائیگا، یہی صورت موسیقی کی ہی، اُسکے نزدیک مطلق فن موسیقی ناجائز نہین لیکن اصلی سوال یہ ہی کہ اس کا استعمال کیونکر کیا جاتا ہی،

(جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی)

"ع ز"

آبِ ثقیل

ابتک یہ امر ایک مسلّمہ حقیقت سمجھا جاتا تھا کہ پانی ہر جگہ یکسان ہوتا ہی، اس کے مفروضہ مستقل خواص سے بعض نہایت معروف اور مفید آلے بنائے گئے ہین، مثلاً مئی تپش پیما (Centigrade Thermometer) جسکی بنیاد پانی کے نقطۂ انجماد (Freezing Point) اور نقطۂ جوش (Boiling Point) پر ہے، نیز پیمانۂ کثافت (Density scale) جسمین تمام جوہر کی کثافت نوعی کا موازنہ پانی کے ساتھ کیا جاتا ہی،

لیکن اب پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) نے ایک جدید قسم کا پانی دریافت کیا ہے، جسے اہلِ سائنس "آبِ ثقیل" (Heavy water) کہتے ہین، یونیورسٹی کے کیمیائی معمل مین پانی کا تجزیہ کرکے اُس کے عناصر علٰحدہ علٰحدہ کئے جاتے ہین، یہ عناصر ایک آبریز مین جہان ایک چھوٹا سا شعلہ روشن رہتا ہے، دوبارہ ملا دیئے جاتے ہین، پھر تجزیہ کے دوسرے درجہ مین جب یہ پانی لایا جاتا ہی، تو اوس سے ہر روز نصف انگشتی کی مقدار مین ایک شفاف اور طیران پذیر (Volatile) رقیق شے نکلتی ہے، جو محفوظ کرلی جاتی ہے، یہ رقیق شے پانی کے مثل معلوم ہوتی ہے، اور بعض فرق کے ساتھ یہ پانی ہوتی بھی ہے، البتہ برخلاف معمولی پانی کے اس کے سالمون (Molecules) کا (۹۹) فی صدی حصّہ آکسیجن اور اوس وزنی ہائیڈروجن پر مشتمل ہوتا ہی جو حال مین دریافت کیا گیا ہی،

پرنسٹن یونیورسٹی کی یہ مشین سب سے پہلی مشین ہے، جو "آبِ ثقیل" حاصل کرنے کیلئے وضع کیگئی ہے، اسمین ہر روز ایک کعبی سنتی میٹر (Cubic Centimetre) آبِ ثقیل سات گیلن معمولی پانی سے نکالا جاتا ہے، بارش کے پانی کے پانچ ہزار حصّون مین صرف ایک حصّہ آبِ ثقیل کا ہوتا ہے، چونکہ دوران تجزیہ مین آبِ ثقیل بہت کچھ ضائع ہوجاتا ہی، اس لئے بارہ سو (۱۲۰۰) گیلن معمولی پانی سے یہ صرف تین اونس کی مقدار مین

نکلتا ہے، باوجود ان دشواریون کے جو اس کے حاصل کرنے مین ہوتی ہین، پروفیسر ٹیلر (Hugh Tay lor) صدر شعبۂ کیمیا، پرنسٹن یونیورسٹی، کی تجویز ہے کہ آب ثقیل کی مقدار تقریباً ایک انگشتی روز حاصل کیجائے، کیونکہ دوسرے ماہرین سائنس اس کے نمونہ کی فرمایش کثرت سے کرتے رہتے ہین،

کیمیائی حیثیت سے پانی کی ترکیب آسان ہے، آکسیجن کا ایک جوہر (atom) اور ہائیڈروجن کے دو، لیکن جدید تحقیق نے یہ معلوم کیا ہے کہ آکسیجن بھی تین قسم کے ہوتے ہین جن کا جوہری وزن (Atomic Weight) (۱۶)، (۱۷)، (۱۸) ہوتا ہے، اور ہائڈروجن بھی دو قسم کے ہوتے ہین، جن کا جوہری وزن (۱) اور (۲) ہوتا ہے، اس تحقیق کی رو سے پانی کا بجائے ایک کے نو قسم کا ہونا ممکن ہوجاتا ہے، اور غالباً اُن مین سے ہر ایک کا نقطۂ انجماد و نقطۂ جوش اور کثافت نوعی جدا جدا اور ہر ایک کی کیمیائی، حیوانیاتی، اور طبیعیاتی ماہیتین علٰحدہ علٰحدہ ہوتی ہین،

پروفیسر لیوس (Lewis) کیلیفورنیا یونیورسٹی نے بھی آب ثقیل کو اپنے مخصوص طریقہ پر نکال کر یہ تجربہ کیا ہے کہ اوس کا نقطۂ انجماد معمولی پانی کی بہ نسبت (۳/۸) درجہ سنٹی گریڈ زیادہ ہوتا ہے اور نقطۂ جوش (۱/۴۲) درجہ زیادہ حیوانیاتی نقطۂ نظر سے یہ امر کافی اہم ہو کہ آیین روانات (ions) معمولی پانی کے مقابلہ مین کم سیلان پذیر ہوتے ہین، اور نمک بھی نسبتہً زیادہ دیر مین گلتا ہو، پروفیسر لیوس کی رائے ہو کہ آب ثقیل سے زندگی کی بقا ممکن نہین اور اونھون نے اسکو تجربہ سے اسطرح ثابت کیا ہے کہ تمباکو کے بیج اسمین اُگ نہین سکے،

اس سے زیادہ اہم پروفیسر سونگل (Swingle) پرنسٹن یونیورسٹی کے حیوانیاتی تجربے ہین، جنھون نے حال مین یہ ثابت کرکے دکھایا ہو کہ صاف پانی مین رہنے والے چھوٹے چھوٹے جانورون کیلئے آب ثقیل ہلاک ہے، سائنس کے حلقون مین آب ثقیل کی مانگ اس قدر بڑھی ہوئی ہو کہ ایک گرام کی قیمت ڈیڑھ سو ڈالر (قریب پانچسو روپیہ) طلب کیجاتی ہو، اس حساب سے چائے کے ایک چمچہ آب ثقیل کا دام چھ سو ڈالر ہوگا،

(لٹریری ڈائجسٹ) "ع ز"

کلیسا ٔ امریکہ اور مسائل اقتصادی کا حل

امریکہ کی کیتھولک انجمن فلاح ملی (National Catholic welfare Conference) نے حال مین اپنے نیو یارک کے اجلاس مین جسکی شرکت کیلئے تمام اطراف ملک سے کئی ہزار مندوبین جمع ہوئے تھے، ایک جدید معاشی نظام پیش کیا ہے، جو مذہب عیسوی کے احکام کے ماتحت ہو، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سامان معیشت تمام افراد قوم کیلئے کافی مقدار مین ہونا چاہئے، یہ منشور (CHARTER) ماضی کے تمام اصول غیر مداخلت (LAISSEZ FAIRE) کو درہم برہم کرکے مساوات مواقع کو پیش کرتا ہو، اور قوت و عظمت کیلئے مقابلہ کے بجائے خدمت اور باہمی امداد کی روح پیدا کرنا چاہتا ہے،

صدر انجمن نے چار ہزار مندوبین اور مہمانون کو مخاطب کرکے فرمایا:- "جہان تک مردون اور عورتون کی حیات انفرادی کا تعلق ہو، انسانیت تعلیمات مسیح پر عمل پیرا ہونے کی جانب قدم بڑھا رہی ہو" موصوف کا خیال ہے کہ معاشی ترقی کی بنا مذہبی اصولون پر ہونی چاہئے، "دوسرے ملکون کے اُن اشخاص نے جنھون نے قانون کے ذریعہ سے اوس حق کو ضائع کرنا چاہا ہے جو نسل انسانی کو خدا پر عقیدہ رکھنے اور اوس عقیدہ پر عمل کرنے سے متعلق حاصل ہے ہمیشہ جلد یا بدیر یہ دیکھا ہے کہ وہ نسل انسانی کی ایک خلقی، لازمی، اور غیر فانی خصوصیت بلکہ ضرورت پر ضرب لگا رہے ہین، ایک ایسی خصوصیت اور ضرورت جو ہر صدی مین مستقل ترقی کیلئے ناگزیر ثابت ہوئی ہے، یعنی مذہب"

کارڈینل ہیز نے اپنی تقریر مین کہا:- "ضرورت ہے کہ ہمارا معاشی نظام ایک دوسری بنیاد پر قائم کیا جائے، انصاف کا تقاضا ہے کہ دولت کی تقسیم زیادہ حق و معقولیت کے ساتھ کی جائے، اور نہ صرف صنعت و حرفت بلکہ اون کے گھرون مین بھی عوام کو ملکیت حاصل کرنے کا زیادہ موقع دیا جائے، ہمارے صحیح و تندرست شہریون کو اجرت خاندانی (family wage) کام کرنے کے معقول اوقات

رنے کے محفوظ حالات، اور مستقل کام کی طرف سے مطمئن ہونا چاہیے، متدین اور اپنی عزت آپ کرنے
خاندانون کو اس قابل ہونا چاہیے، کہ آرام دہ مکانات مین رہ سکین، اور صحت بخش تفریح اور تعلیم کے
ل و مناسب مواقع حاصل کر سکین، جو لوگ قوت اور اس دنیا کی متاع کے مالک ہین، اونھین
ہے کہ اپنے پڑوسیون کو بھی حقیقۃً اوسی طرح محبوب رکھین، جس طرح اپنی ذات کو محبوب رکھتے ہین"
اس منشور مین درج ہے کہ مسیحی خیرات اور لطف و کرم کا تقاضا محض انسانی تکلیف اور ضرورت
فع کر دینے سے پورا نہین ہو سکتا، اس کا مستقل مقصد یہ ہونا چاہیے، کہ لوگون کو خود اون کی ذاتی
ش سے اون چیزون کے حاصل کرنے کا موقع دیا جائے جو اون کی بہبودی کے لئے ضروری ہین؛
تمام اشخاص جو قابل اطمینان کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہین ایسی اجرت کے مستحق ہین جس سے
لشی کا خطرہ باقی نہ رہے، وہ ایک معقول جائے قیام کا حق رکھتے ہین، اونھین بے روزگاری،
قی حوادث، علالت اور کہولت سن کی افتادون سے محفوظ رکھے جانے کا حق بھی حاصل ہو"
کلیسائے امریکہ کی مندرجہ بالا تحریک جو لٹریری ڈائجسٹ مین شائع ہوئی ہے، بلاشبہ لائق تحسین
قابل ستایش ہے، مغرب اس تحریک کا ایک مدت سے محتاج تھا، اور اگرچہ اسلام ساڑھے تیرہ سو برس سے
اصول مساوات کو تمام دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے، تاہم بغض و عناد کے جذبات قدیمہ نے اوس کو
ک اس تعلیم اسلامی پر عمل پیرا ہونے سے روک رکھا ہے، اب اپنے ہی ہم مذہبون نے اس حق کو
یا ہے، دیکھنا یہ ہے، کہ حق پسندی کا جذبہ کس حد تک تہذیب جدید اور زر پرستی کے غلبہ سے محفوظ
سکا ہے،

"ع م"

خلفائے راشدین

سیر المہاجرین کا حصہ اول، یہ چارون خلفا کے ذاتی حالات فضائل اور مذہبی و سیاسی کارنامون اور فتوحات
آئینہ ہے، حجم ۲۰۷ صفحے، قیمت سے،

اخبارِ علمیہ

تفتیشِ جرائم مین سائنس کی مدد،

سائنس کی ترقی سے جہان اور بے شمار فوائد ہیں، وہان ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ جرائم کی تفتیش مین اس سے بڑی مدد مل رہی ہے، اور اگرچہ بعض قاتل قانون کی گرفت سے بچنے کیلئے خود بھی سائنس کی واقفیت سے فائدہ اوٹھانیکی کوشش کرتے ہین، اور اپنے جرائم کی تکمیل ایسے طریقون سے عمل مین لاتے ہین جن سے اون پر شبہہ نہ کیا جاسکے تاہم اُن کی تدبیرین علمائے سائنس کی موشگافیون سے درہم برہم ہو رہی ہین، چنانچہ نیو یارک کے ایک ہسپتال (Bellevue Hospital) مین ڈاکٹر گٹلر (Dr Gettler) نے ۱۹۱۸ء مین تفتیشِ جرائم کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا تھا، جو پندرہ سال سے برابر مقتولین کے اسبابِ موت کی تحقیق کر رہا ہے، ڈاکٹر موصوف نیو یارک کے ماہر سمیات ہین، اور اس حیثیت سے تمام ملک مین شہرت رکھتے ہین، اُن کی عمر صرف ۴۹ سال ہے، لیکن وہ اب تک تیس ہزار لاشون کا تجزیہ کرکے اسبابِ موت کو متعین کر چکے ہین، اس سلسلہ مین بعض نہایت اہم انکشافات ہوئے ہین، نیز کیمیائی تجزیہ کے بہت سے جدید طریقے معلوم کئے گئے ہین جن سے موت کی نوعیت کی تحقیق مین دشواریان کم ہوتی جاتی ہین، تفتیشِ جرائم کا قدیم طریقہ جو تمامتر قیاسات پر مبنی تھا، ان سائنٹفک تحقیقات کے مقابلہ مین نہایت ناقص نظر آتا ہے، چنانچہ اس امر کی مثال دینے کیلئے کہ قدیم طریقہ تفتیش مین قتل کا چھپانا کسقدر آسان تھا، ڈاکٹر گٹلر نے حال کے ایک واقعہ کا ذکر کیا، ایک شخص صبح چھ بجے اپنے کام پر گیا، ایک گھنٹہ کے بعد اوس کا ایک نو سال کا لڑکا اپنی ماں کے کمرہ مین گیا، اور اوس نے دیکھا کہ کمرہ گیس سے بھرا ہوا ہے، جو گیس کے ٹوٹے ہوئے برتن سے نکل رہی ہے، وہ

اپنی مان کے بستر کے پاس گیا، اور اوس کو جگانا چاہا، لیکن وہ مردہ تھی، پڑوسیون نے پولیس کو اطلاع دی، اور پولیس نے ڈاکٹر کو بلایا، ڈاکٹر نے لاش کا کیمیائی تجزیہ کرنے کے بعد یہ معلوم کیا کہ گیس کا کوئی اثر متوفیہ کے خون مین نہین پایا جا جس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا تھا، کہ موت گیس سے نہین واقع ہوئی، جیسا کہ شبہہ کیا جاتا تھا، طبی امتحان نے یہ ظاہر کردیا کہ عورت کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا ہی، اسکی گردن کی پشت پر انگلیون کے نشانات بھی پائے گئے، گیس کا برتن محض اس لئے توڑ دیا گیا تھا کہ تفتیش کرنے والون کو دھوکا ہو جائے، اور وہ گیس ہی کو سبب موت قرار دین اور اس کے برتن کا ٹوٹنا ایک اتفاقی حادثہ خیال کرین، شوہر پر مقدمہ قائم کیا گیا اور اوسکو سزا ہوئی،

بڑا دن

۲۵ر دسمبر تمام عیسائی دنیا کے لئے جشن و مسرت کا روز ہوتا ہی، اور یہ دن حضرت عیسیٰؑ کا یوم ولادت خیال کیا جاتا ہی، لیکن اسٹیٹسمین (۲۴ر دسمبر ۳۳ئہ) کے ایک مضمون نگار کی رای ہے کہ یوم ولادت کی یہ تعین صحیح نہین اور وہ اپنے دعوی کی دلیل مین انجیل کی یہ روایت پیش کرتا ہی، کہ اوس رات کو گڈریے پہاڑون کے دامن مین اپنے گلّون کی نگہبانی کر رہے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت فروری اور اپریل کے درمیان موسم بہار مین ہوئی، پھر آخر ۲۵ر دسمبر کو کس تقریب کی خوشی منائی جاتی ہی؟ اس کے جواب مین مضمون نگار قدیم رومن سوسائٹی کا حسب ذیل رواج بیان کرتا ہی:۔

ساٹرنالیا (Saturnalia) کا تہوار جو دسمبر مین منایا جاتا تھا، اہل روما کا ایک ایک بہت بڑا تہوار تھا، مہینون قبل سے مہمان نوازی اور دعوتون کے سامان ہوتے تھے، اس ایک شب کو قدیم رواج کے مطابق معاشی نظام بالکل الٹ جاتا تھا، اور آقا اور غلام مساویانہ طور پر اس جشن مین شریک ہوتے تھے، اتنا ہی نہین بلکہ جشن کے سلسلہ مین ایک کھیل بھی کھیلا جاتا تھا جسمین کوئی ایک غلام آقا بن جاتا تھا، اور جو دراصل آقا تھے، اونھین اوس کی اطاعت کرنی ہوتی، اور اُس غلام کے فیصلہ کے مطابق جرمانہ ادا کرنا پڑتا، روما کی آبادی کا بڑا حصہ غلامون پر مشتمل تھا، اور مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت۔ اوّل اوّل انہی

غلامون مین ہوئی، چونکہ سال مین صرف ایک ہی روز اون کے عیش و مسرت کا روز ہوتا اس لئے وہ ۲۵ دسمبر کے تہوار کو اپنے نجات دہندہ کی توصیف و شکر گذاری اور اوس کی ولادت کی تقریب مین جشن منانے مین صرف کرتے تھے، اسطرح رفتہ رفتہ یہ تاریخ حضرت عیسیٰؑ کی تاریخ ولادت خیال کی جانے لگی،

مختصر بائبل

کسی مقدس صحیفہ مین اس قدر تحریف نہین ہوئی جسقدر توراۃ اور انجیل مین ہوتی آئی ہے، تقریبًا دو سال ہوے امریکہ کے اکابر کلیسا نے بائبل کا ایک جدید ترجمہ تیار کیا تھا جسمین زبان کو زیادہ آسان اور زیادہ عام فہم بنانے کی کوشش کی تھی، اب اسی امریکہ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہو اور بائبل مین دل کھول کر کاٹ چھانٹ کرنے کے بعد اوس کا ایک مختصر اڈیشن شائع کیا ہے تاکہ زمانہ موجودہ کے ناظرین بھی جن کو فرصت کم رہتی ہو اس کا مطالعہ کرسکین، چنانچہ مروجہ بائبل جو دو ہزار صفحات پر مشتمل ہو شکاگو یونیورسٹی کے دو پروفیسرون گوڈاسپیڈ (Goodspeed) اور پاوس اسمتھ (Powis Smith) کے تصرفات کے بعد صرف (۵۴۶) صفحات مین ختم کردی گئی ہے، اس اڈیشن مین مضامین کے اختصار کے علاوہ ابواب کی ترتیب بھی بالکل بدل دی گئی ہو، پروفیسر گوڈاسپیڈ نے اس قطع و برید کی یہ تاویل کی ہو "مکمل بائبل اس قدر ضخیم، پریشان کن اور مغلق ہے کہ اکثر ناظرین اس سے خائف ہوجاتے ہین، اس مختصر اڈیشن مین بائبل کے اہم ترین انتخابات درج کرکے اور ہر کتاب کے ساتھ ایک مختصر دیباچہ شامل کرکے اس امر کی کوشش کی گئی ہو کہ اس کے پڑھنے والون کیلئے مکمل بائبل کا مطالعہ آسان ہوجائے"۔

بجلی سے علاج کا قدیم طریقہ،

ڈاکٹر لیو پاریسو (Leo Parisean) نے شکاگو مین امریکن کانگریس آف ریڈیالوجی کے سامنے حال مین بیان کیا ہو کہ تیسری صدی قبل مسیح مین بھی امراض کا علاج بجلی کے ذریعہ سے کیا جاتا تھا، موصوف نے ایک سو قدیم کتابون کے حوالون سے اس طریق علاج کی تاریخ ابتدا سے لیکر آج تک کی بیان کی اور بتایا کہ

بجلی کے استعمال کا یہ طریقہ اول اول ارسطو کی کتاب (DENATURA) مین ملتا ہے، اوسوقت یہ بجلی ایک خاص قسم کی مچھلی سے حاصل کیجاتی تھی جسکے زندہ جسم مین درد رفع کرنیکی خاصیت ہوتی، ارسطو سے لیکر سولہوین صدی تک مختلف مصنفین نے اس مچھلی کا ذکر کیا ہے اور اوسکو الکٹرک رشئے "برقی شعاع" کے نام سے موسوم کیا ہے، لیکن خود الکٹریسٹی (ELECTRICITY) کا لفظ الزابتھ ملکۂ انگلستان کے وقت تک مستعمل نہین تھا، اس کا اختراع کرنے والا ملکہ کا طبیب ولیم گلبرٹ تھا،

سب سے چھوٹی کتاب

وورسسٹر (امریکہ) مین رباعیات عمر خیام کا ایک حد درجہ دلچسپ انتخاب تیار کیا گیا ہے، اس کتاب مین (۲۶) صفحے اور رباعیات کے (۴۴) اشعار ہین، اس کا سائز ڈاک کے ایک ٹکٹ کا نصف ہے، جلد چرمی اور وزن ایک گیرٹ کا ثلث (ایک گرین سے کچھ ہی زیادہ) ہے، اس کو پڑھنے کیلئے خوردبین کی ضرورت ہوتی ہے، اسکی تیاری مین سات سال صرف ہوئے ہین،

ایک جدید قسم کا نہ ٹوٹنے والا شیشہ

ایک جو نہ ٹوٹنے والا شیشہ رائج تھا، اسمین دراصل شیشہ کی دو پتلی پتلی چادرین ہوتی تھین اور ان دونون کے درمیان ایک بہت باریک چادر سیولائڈ (CELLULOID) یا اسی قسم کی کسی چیز کی ہوتی تھی، یہ سب ایک شفاف مسالہ سے جوڑ دیئے جاتے تھے، لیکن اب اس قسم کا شیشہ بنانے کا ایک نیا طریقہ معلوم کیا گیا ہے جسکی تیاری مین پہلے کی بہ نسبت مصارف بھی تقریباً نصف ہوتے ہین، اور پرانے شیشہ کی طرح چادرون کے علحدہ ہوجانیکا خطرہ بھی نہین رہتا اور نہ اون کے رنگ مین کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے، اسمین شیشہ کی صرف ایک چادر ہوتی ہے جسکو ایک خاص ترکیب سے گرم اور ٹھنڈا کر کے ٹوٹنے سے محفوظ کر لیتے ہین، شیشہ کی چادر پہلے آتش دان مین لٹکا کر خوب گرم کرتے ہین اور جب وہ پگھلنے کے قریب ہو جاتی ہے، تو نکال کر ایک مشین مین ٹھنڈا کر لیتے ہین، اس سے شیشہ کی دونون سطح درجہ بدرجہ سخت ہو جاتی ہے، اور پھر ٹوٹنے کا اندیشہ باقی نہین رہتا،   "ع ز"

سلہ معارف:- اہل عرب اس مچھلی کو رعاد (بجلی والا) کہتے ہین، اور مصنفین عرب نے اسکے خواص لکھے ہین،

ادبیات

کلامِ طاہر

از صفی الدولہ حسام الملک شمس العلماء نواب سید محمد علی حسن خان لکھنؤ،

محفلِ ناز ہوئی بزمِ عزا میرے بعد
حُسن اور عشق میں ہے حشر بپا میرے بعد

رنگِ رُخ بن کے اُڑا رنگِ حنا میرے بعد
ہاتھ ملتے ہی رہے اہلِ جفا میرے بعد

ساقیِ میکدہ ناز ہوا رنگِ دگر
بط سے پھر نہ ہوئی بال کشا میرے بعد

جذبۂ عشق پہ موقوف ہے ہنگامۂ حسن
اب کہاں گرمیِ انداز و ادا میرے بعد

دربدر پھرتے ہیں اربابِ محبت مضطر
مل گئی خاک میں ناموسِ وفا میرے بعد

نالہ و گریہ و بیتابی و سرگرمیِ شوق
ہمنشین سب ہوئے اک اک سے جدا میرے بعد

تھا یہی گھر کبھی آرامگہِ عشق و جنون
در و دیوار سے آتی ہے صدا میرے بعد

رہ گئے اہلِ غرض کوئی کسی کا نہ رہا
ہوگیا رنگِ زمانہ کا نیا میرے بعد

آ کے اس راہ میں سب خاک اُڑاتے ہی رہے
منزلِ عشق میں خالی رہی جا میرے بعد

حسنِ دیدار طلب جو ہے نہیں نایاب
جلوہ خود اس کا ہے اپنے سے خفا میرے بعد

توبہ کرتے ہی بنی اون کو جفا سے طاہر
ہوئی مقبول مگر میری دعا میرے بعد

داستانِ زندگی

از جناب دل شاہجہانپوری

ہو چکا ناکامیٔ دل تک بیانِ زندگی
عشق نے اب کی مکمل داستانِ زندگی

گوشِ عبرت ہو تو سُن تو داستانِ زندگی
اب تو میرا ہر نفس ہے نوحہ خوانِ زندگی

اے حواس و ہوش رخصت آگیا وہ وقت اب
خود فراموشی کہے گی داستانِ زندگی

بحرِ ہستی مین یہ دیکھا سعیٔ ساحل کا مآل
مٹ گیا موجِ حوادث سے نشانِ زندگی

شکوہ سنجِ ہستیٔ بے کیف ہے میرا وجود
اک نظر مجھ پر بھی اے آسودگانِ زندگی

آج یون رخصت ہوئی دنیا سے روحِ منتظر
آخری دو ہچکیان تھین نوحہ خوانِ زندگی

ایک آہِ سرد مین مضمر ہین لاکھون واقعات
مختصر یون کر رہا ہون داستانِ زندگی

کیا حقیقت ہے ہماری یہ رہی برسون تلاش
گم ہوا اس آرزو مین کاروانِ زندگی

عشق کی فطرت بدل دی اس دلِ بے صبر نے
اب تو ہر نالہ ہے جزوِ داستانِ زندگی

خاک ہو کر بھی دلِ پامال ہے صرفِ نگاہ
دیکھئے کب ختم ہوگا امتحانِ زندگی

درحقیقت عاشقون کی موت ہے تسکینِ دل
کہہ گیا اک چارہ فرما رازدانِ زندگی

مٹنے والون کی ہے خاکِ قبر رودادِ خموش
کہہ رہے ہین یہ ابھی تک داستانِ زندگی

ہو چکی برباد، گو اے شمع پروانون کی خاک
ذرہ ذرہ مین ہے پنہان اک جہانِ زندگی

حشر بھی شامل ہوا اے دل واقعاتِ عشق مین
آپ کہئے گا کہان تک داستانِ زندگی

تابشِ سہیل

از

جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڈھ،

زبان پہ یہ پیام ہے ہر ایک موجِ آب کی — حیات جس کا نام ہے وہ خوے اضطراب کی
تجلیاں سراب کی تعلیاں حباب کی — عبارتیں ہیں مختلف فسانۂ شباب کی
گرہ کھلی نقاب کی وہ ضد گئی حجاب کی — بلائیں لے رہا ہے دل نگاہِ کامیاب کی
یہ صبح نو بہار کی یہ شام ماہتاب کی — شبیہ ہے کھنچی ہوئی تبسمِ شباب کی
صبا سے کہہ رہی تھی کل یہ پنکھڑی گلاب کی — لٹی ہوئی بہار ہوں مٹی ہوئی شباب کی
وہ آئے بھی بحد پہ تو یہ شان ہے خطاب کی — ہم آئیں اور کھلے نہ آنکھ حد ہے ذوقِ خواب کی
سیاہ مستیاں نہ پوچھ عالمِ شباب کی — کہ جو لہو کی بوند تھی وہ موج تھی شراب کی
اک التفاتِ حسن کی ادائے خاص یہ بھی ہے — تعلیاں سُنے کوئی کشمکشِ عتاب کی
جھلک ہی حسنِ یار کی مرے سرشکِ شوق میں — کہ شبنمی نقاب میں کرن ہے آفتاب کی
وہ حسن جلوہ ریز ہے تو دل بھی موج خیز ہے — یہ جزر و مد ہے بحر میں کشش ہے ماہتاب کی
تڑپ کے برق چھپ گئی بھڑک کے شمع بجھ گئی — ملائیں موت نے حدیں سکون و اضطراب کی
ادھر ہے چتونوں پہ بل ادھر تبسم آنکھ میں — عجیب کشمکش سی ہے عنایت و عتاب کی

سُنی غزل سہیل کی تو بول اٹھے یہ سہری
یہ نظم ہے کہ اک لڑی لائی خوش آب کی

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے رسالے اور اخبار

اس ششماہی مین ہمین اردو کے حسب ذیل نئے رسالے اور اخبار تبصرہ کیلئے موصول ہوئے،

سائنس اورنگ آباد دکن (سہ ماہی) مرتبہ جناب محمد نصیر احمد صاحب عثمانی ام اے، بی ایس سی معلم طبعیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ناشر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن حجم ۱۳۲ صفحے، ہر پرچہ لکھائی چھپائی ٹائپ کی، قیمت سالانہ ؁ ر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، دکن کی جانب سے چند سال سے ایک علمی اور سائنٹفک رسالہ "سائنس" کے نام سے جاری ہے، اس کا ۲۲ وان نمبر بابت ماہ جولائی ۱۹۳۸ء ہمین پہلی مرتبہ تبصرہ کیلئے موصول ہوا ہے، اس کا مقصد اردو وان طبقہ کو سائنس کے علوم اور مغربی دنیا کی نئی سائنٹفک تحقیقاتون سے روشناس کرنا اور اون کا ذوق پیدا کرنا ہے، رسالہ کی تقسیم "مقالات" "دلچسپ اقتباسات" "دلچسپ معلومات" اور "تبصرے" کے عنوانون مین ہے، مقالات مین دو مضامین "فن دباغت" اور "تخلیق انسان" مسلسل کئی نمبرون سے نکل رہے ہین، اسی طرح اس حصہ مین مختلف علمی مضامین "ایوگیڈرو" "پٹرولیم گرفت پر برقی حیثیت سے نظر" اور "علم کیمیا کا انقلابی دور" اور "آکسیجن کا انکشاف" کے عنوانون سے ہین جنمین جدید سائنس کے مسائل و مباحث درج ہین، انہی کے پہلو مین عربی و اسلامی سائنس کے علوم کی ترجمانی کیلئے ایک مقالہ "ابوالوفا بوزجانی الحاسب" پر ہے، جو رسالہ المقتطف مصر کے ایک مقالہ کا ترجمہ ہے، اسمین اوس نے فن ریاضیات کے کمالات، اور اون سے یورپ کے استفادہ کو بیان کیا گیا ہے، یہ رسالہ معنوی

دوسری دونوں حیثیتوں سے قابلِ قدر ہے، اور اس لائق ہی کہ مستقل زندگی رکھکر اردو زبان کی خدمت انجام دے،

خیابان لکھنؤ (ماہانہ) مدیر جناب شہنشاہ حسین رضوی ایم اے، ایڈوکیٹ و جناب سید محمد حسن خان احسن طباطبائی، بی اے، حجم ۸۰ صفحے قیمت سالانہ صہ، پتہ:- دفتر خیابان، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ،

لکھنؤ سے کسی اچھے ادبی رسالہ کے نکالنے کا خیال وہان کے اربابِ ادب کے طبقہ مین مدت سے رہا ہی، اور وقتاً فوقتاً بعض معیاری رسالے نکلے بھی، مگر وہ اپنی زندگی کے دن پورے کرکے ختم ہوگئے، اب تقریباً اوسی حلقہ سے ایک نیا رسالہ "خیابان" جاری ہوا ہی، جس کے شاید چند نمبر کچھ دنون پہلے بھی نکل چکے تھے، اس رسالہ کا مقصد لکھنؤ کی ادبی خدمات کی روایات قائم رکھکر علم و ادب کی خدمت کرنا ہے، اس کا پہلا نمبر اکتوبر ۱۹۳۳ء مین شائع ہوا ہے، مضامین سنجیدہ اور علمی و ادبی ہین، پہلے مقالہ مین "جلال مرحوم لکھنوی کے پانچوین غیر مطبوعہ دیوان کے اقتباسات" پیش کئے گئے ہین، "درگا پوجا کے مناظر ایک صدی قبل" کے عنوان سے نواب زادہ محمد عبد العلی ایم اے، آر، ایس، ایل، محافظ دستاویزات تاریخی حکومتِ ہند کلکتہ نے گذشتہ صدی کے ہندوستان کے مختلف فارسی اخبارون سے درگا پوجا کی تقریب کے حالات کے اقتباسات یکجا دکھائے ہین، جس سے عہد اکبر ثانی و والیان اودھ و جے پور اور دربار سندھیا و رنجیت سنگھ مین دسہرہ منائے جانیکے مناظر نظر آتے ہین، پروفیسر مہیش پرشاد کا ایک مقالہ "رامائن کے فارسی تراجم" پر ہے، مگر یاد آتا ہے، کہ یہ اس سے پہلے رسالہ زمانہ کانپور مین بھی چھپ چکا ہی، اسی طرح شعر و شاعری پر بعض مضامین تنقیدی ہین، اور بعض تاریخی و سیاسی بھی ہین،

فطرت راجگیر پٹنہ (ماہانہ) مدیر جناب ضیا رشیدی بی اے و منظور عالم صاحب حامی حجم ۴۸ صفحے لکھائی چھپائی اچھی، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- دفتر فطرت، راجگیر پٹنہ،

صوبہ بہار کی سرزمین اردو صحافت کیلئے زمین شور سمجھی جاتی تھی، لیکن ادھر چند سال سے وہان ایک نئی صحافتی زندگی پیدا ہو چلی ہی، جسمین ہمارے دوست مولوی سید منظر علی صاحب ندوی، برقی پریس بانکی پور پٹنہ کی پانزدہ سالہ مساعی لائقِ ستایش ہین، کہ اون کی جرأت آفرینی اور تگ و دو سے اس وقت مختلف پرچے اس صوبہ سے نکل رہے ہین اور ان

سب کو محض وہ اپنی تنہا جدوجہد سے صحیح وقت پر اپنے مطبع سے چھاپ کر دیتے ہیں، چنانچہ اس وقت صوبہ کے مختلف مقامات کے پرچے ندیم گیا، فطرت راجگیر، پٹنہ، مساوات، پھلواری پٹنہ اور ہفتہ وار مسلم بانکی پور پٹنہ اسی پریس مین چھپتے ہیں، اور وقت پر شائع ہوتے ہیں، اور معلوم ہوا کہ بعض نئے رسالون کے ڈیکلریشن بھی داخل ہو چکے ہین،

رسالہ فطرت ماہ اکتوبر ۳۳ء سے جاری ہے، رسالہ کا مقصد صوبہ بہار مین علمی وادبی خدمت انجام دینا ہے، چند پرچے نظر سے گذرے، مضامین اپنے معیار اور ترتیب کے لحاظ سے قابلِ تعریف اور امید افزا ہین، "بہار کے تاریخی مقامات" پر جو مضمون لکھا گیا ہے، وہ قابلِ قدر ہے، رسالہ کے ادبی مضامین بھی اچھے خاصے مین، امید ہے کہ یہ رسالہ صوبہ بہار کے نوجوانون مین ذوقِ ادب پیدا کرنے مین کامیاب ہوگا، خدا کرے زندگی پائے

لالۂ صحرا ہنجر پور ریاست بہاولپور (سہ ماہی) ادارہ جناب روش صدیقی وجناب سید مبارک شاہ جیلانی،

حجم ۱۰۳ صفحے قیمت سالانہ ہے، پتہ دفتر رسالہ لالۂ صحرا ہنجر پور ریاست بہاولپور

بہاولپور کی ریگستانی سرزمین سے شعر وادب کا یہ نیا صحرائی لالہ سالہا سال کی کوششون کے بعد اوگا ہے، رسالہ ذیل کے نئے نئے ادبی عنوانون مین تقسیم ہے، اور اسی نوعیت کے مضامین نظم ونثر نے اون عنوانون کے تحت جگہ پائی ہے، مثلاً "لوحِ خیال" یعنی "اداراتی گذارشات"، "سبدِ گل" یعنی "پیامات"، "مظاہرِ فطرت" یعنی "ادبیات"، "وادیٔ رنگ وبو" یعنی "نظمین"، "خضرِ راہ" یعنی "تاریخ وسیر"، "انوارِ شبستان" یعنی "افسانے"، "آبشارستان" یعنی "غزلیات"، "نقوشِ جمیل" یعنی "نگارشِ لطیف" یعنی "ادبِ لطیف"، "کارگاہِ عمل" یعنی "تمدن ومعاشرت" اور "کہکشان" یعنی "فارسی وہندی شہپارے" ان مین سے ہر عنوان کے مضامین جہان سے شروع ہوتے ہین، ایک ایک مستقل سرورق ہے، جس پر عجیب عجیب قسم کے دلچسپ نقش ونگار ہین، پھر طرح طرح کے انوکھے تحتانی عنوانون مین مضامین کی سرخیان اور "صاحبِ نگارش" کے اسمار درج کرکے ذوقِ ادب کی تسکین کا سامان فراہم کیا گیا ہے، شعراء اور مضمون نگارون کو خطابات بھی عطا ہوئے ہین، اور اون کی حوصلہ افزائی یا کلام کی قدر دانی کیلئے اون کے کلامون کو بھی الواحِ خاص سے مزین کیا گیا ہے، مضمون نگارون مین بعض روشناس اہلِ قلم کے مضامین بھی ہین، اور ملک کے بعض مشہور شعراء نے بھی سالہ

کی امداد کی ہے لیکن اونھی کے پہلو مین بعض مطبوعہ غزلین بھی نئے آب و تاب سے شائع کی گئی ہین، اور اردو رسالون مین ادب لطیف لکھنے والون مین سے مایۂ ناز اہل قلم کی تو رسالہ کو پوری امداد حاصل ہے، رسالہ کا ایک دفتر تو منجر پور، ریاست بہاولپور مین ہے، اور دوسرا دفتر متعلقہ دارالادب جوالاپور ضلع سہارنپور یعنی جناب رِوش صدیقی کے دولتکدہ پہ ہے اور ہدایت ہے کہ صوبہ متحدہ، بہار اور بنگال سے اسی پتہ پر فرمائشین روانہ ہون،

نخلستان ملتان، مدیر جناب ن م راشد ایم اے، و جناب فقیر غلام حیدر، حجم ۵۶ صفحے، کاغذ معمولی

قیمت سالانہ سے رعایتی عار، پتہ:- دفتر نخلستان ملتان،

"نخلستان" کے نام سے پنجاب کے دور افتادہ شہر ملتان سے اردو کا ماہانہ ادبی و اصلاحی رسالہ نکلا ہے، اداریہ مین پنجاب اور یوپی کی اردو پر بحث ہے، اظہار مطالب مین لہجہ کسی قدر تند و تیز ہو گیا ہے، اردو کی خدمت کرنے مین صوبہ وار تقسیم انگیز کے قابل ہو سکتی ہے، اگر اردو ہی کی خدمت کا واحد مطمح نظر موجود ہو، لیکن کسی صوبہ کے طعن وطنز کے جواب مین یہ کہدینا کہ ہم اپنے صوبہ کی زبان اختیار کر لین گے، اردو کی کوئی اچھی خدمت نہین، آج یہ الفاظ بطور تہدید استعمال ہوتے ہین، کل یہی حیرت علی جامہ اختیار کر لے گی، زبان اردو کی سلامتی اب واقعی اسی مین ہے کہ اُسے "ہندوستانی" کے نام سے موسوم کر دیا جائے، اوس وقت اردو نہ کسی خاص صوبہ کی زبان سمجھی جائے گی، اور نہ کوئی ایک صوبہ اردو کی خدمت کر کے کسی دوسرے صوبہ پر اپنا احسان جتائے گا،

مفید المزارعین لکھنؤ (ماہانہ) اڈیٹر جناب چارو چندر سانیال، ایل اے جی، مقام اشاعت سکندر باغ لکھنؤ، حجم ۴۴ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سالانہ صوبہ متحدہ مین ۱۲ اور غیر صوبہ مین للعہ ہر پرچہ ۲۰ر

یہ ہمارے صوبہ کے محکمۂ زراعت کی جانب سے افادۂ عام کیلئے اردو و ہندی دونون زبانون مین علحدہ علحدہ جاری ہوا ہے، اس مین کاشتکاری اور اوس کے مختلف پہلوؤن پر مفید مضامین ہوتے ہین، زراعت کے متعلق مغربی طریق کار کے تجربون کو پیش کیا جاتا ہے، باغبانی کے مختلف پہلوون کو نمایان کیا جاتا ہے، سامان زراعت از قسم آلات اوزار کھاد اور بیج وغیرہ کے استعمال اور انکے منگانیکے آسان طریقے بتائے جاتے ہین، محکمۂ زراعت کی یہ ایک مفید

خدمت ہے جسکی باشندگان صوبہ متحدہ کو خصوصًا اور عام ہندوستانیوں کو عمومًا قدر کرنی چاہئے،

ہمدرد صحت (دہلی) مرتبہ جناب حکیم حاجی عبد المجید صاحب حجم ۸۰ صفحے قیمت سالانہ عہ مقام اشاعت ہمدرد منزل لال کنوان دہلی،

یہ ایک طبی رسالہ ہے، جو ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کے زیر اہتمام چند ماہ سے نکلتا ہے، رسالہ کے مضامین مفید اور کارآمد ہوتے ہیں، پرچہ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے، اور خشک طبی رسالہ کے ہونے کے باوجود پرچہ کو خاصہ دلچسپ بنالیا جاتا ہے،

روزنامچہ دہلی مدیر جناب سید ابن عربی حسین بن حسن نظامی حجم ۴۰ صفحے قیمت سالانہ ؎ ۔

پتہ :- دفتر روزنامچہ دہلی،

جناب خواجہ حسن نظامی صاحب سالہا سال سے اپنا دلچسپ روزنامچہ مختلف رسالوں مین شائع کرتے رہے ہین، اب کچھ دنون سے انھون نے "روزنامچہ" ہی کے نام سے ایک مستقل "رسالہ نما اخبار" جاری کیا ہے، جو اگرچہ ہفتہ وار ہے لیکن کبھی دو ہفتون اور کبھی چار ہفتون کے روزنامچے یکجا شائع ہوتے ہین، رسالہ کی دلچسپی بڑھانے کیلئے خواجہ صاحب اپنے نام کے آئے ہوئے خطوط بھی "ناظرین کے خطوط" کے عنوان سے شائع کرتے ہین، اور بعض خطون کے جوابات بھی چھاپتے ہین، خواجہ صاحب کی ہر چیز حیرت انگیز ہوتی ہے، اس لئے یہ رسالہ بھی اگر حیرت انگیز ہو تو تعجب کی کوئی بات نہین،

مسافر مرادآباد، (ماہانہ) ناشر اسلامی مسافر خانہ ریلوے روڈ مرادآباد حجم ۴۴ صفحے، قیمت عہ سالانہ،

مرادآباد مین اسٹیشن کے پاس ایک عالیشان اسلامی مسافر خانہ زیر تعمیر ہے، اسکی ایک مجلس انتظامیہ ہے جس کے زیر اہتمام "مسافر" کے نام سے ایک رسالہ نکلا ہے، اس سے مقصود مسافر خانہ کی عمارت کو امداد پہنچانا ہے، رسالہ مین ادبی مضامین کے علاوہ سفر کے معلومات اور سفر سے متعلق مضامین خصوصیت سے درج ہوتے ہین، ہمین ڈر ہے کہ اس مسافر سے مسافر خانہ کی امداد کے بجائے خود مسافر خانہ ہی کو مسافر کی امداد نہ کرنا پڑے،

الاعظم حیدرآباد دکن (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم انصاری، حجم ۲۵ صفحے قیمت سالانہ عہ فی پرچہ ۲ر، پتہ دفتر الاعظم پتھرگٹی، ثریا بلڈنگ حیدرآباد دکن،

الاعظم حیدرآباد کا ایک ہفتہ وار اخبار ہے، کارکنانِ اخبار نے شاہزادہ ولیعہد حیدرآباد کے صاحبزادہ شاہزادہ مکرم جاہ کی ولادت کی یادگار میں اپنا ایک ادبی ماہانہ رسالہ نکالنا شروع کیا ہے، مضامین میں ادبی و تنقیدی مقالے، چھوٹے چھوٹے افسانے اور مقامی شعراء کی نظمیں اور غزلیں ہوتی ہیں،

مومن بدایون (ماہانہ) اڈیٹر جناب محمود بدایونی، حجم ۲۲ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ دفتر مومن محلہ ماہر خان بدایون،

رسالہ مومن جماعت "مومنین" (نور باف اصحاب) کا ترجمان اور اس کی فلاح و بہبود کا حامی و داعی ہے، مضامین زیادہ تر اپنے مقصد سے متعلق ہوتے ہیں، لیکن ایک امر گوش گذار کرنے کے لائق ہے، کہ ہر فرقہ اور ہر جماعت کسی دوسری جماعت اور گروہ کی دلآزاری کے بغیر بھی آگے بڑھ سکتی ہے، پیشِ نظر رسالہ میں "مومن جماعت کے چوبیس سوال" کا عمومی لب و لہجہ اور اس کے بعض فقرے بعض گروہوں کیلئے دلآزار ہیں، ایسی تحریریں افادہ کے بجائے نقصان پہنچانے والی ہوتی ہیں، اپنی نرم گفتاریوں سے دوسروں کو اپنا ہمنوا بنانا چاہئے، نہ کہ اپنی درشت کلامیوں سے اپنی حاصل کی ہوئی ہمدردیوں کو بھی ضائع کرنا چاہئے،

الدین، جونپور (ماہانہ) اڈیٹر جناب علی مہدی صاحب ایم اے و جناب جرار حسین صاحب فاضل حجم ۲۲ صفحے، قیمت سالانہ عہ، مقام اشاعت :- مدرسہ ایمانیہ ناصریہ، جونپور،

یہ حضرات شیعہ کا ترجمان ہے، مضامین مذہبی ہوتے ہیں، بعض مذہبی کتابوں کے مسلسل ترجمے بھی اسمین باقساط چھپ رہے ہیں، زیر نظر رسالہ کے مضامین میں مناظرانہ رنگ کی جھلک نہیں،

اسرارِ تصوف لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب ملک "حسن الدین" صاحب، مقام اشاعت منزل نقشبندیہ کشمیری بازار لاہور، حجم ۴۸ صفحے قیمت سالانہ ے ر

یہ رسالہ چند سال پہلے جاری ہو کر بند ہو گیا تھا، ماہ اکتوبر ۱۹۳۳ء سے پھر نکلا ہے، اس میں چند مضامین

کیلئے مستقل عنوان قائم ہین جنہین ضخیم کتابون کے ترجمے نکل رہے ہین، مثلاً تجلیاتِ بغداد مین شیخ عبدالقادر جیلانی کے دیوان کی شرح ہے، "بادۂ تبریز" مین شرح دیوان شمس تبریز کے ٹکڑے ہین، نیز سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کے تذکرے وغیرہ بھی ہوتے ہین،

الاسلام لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید نذیرالحق صاحب قادری حجم ۴۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی قیمت سالانہ عہ پتہ:- دفتر الاسلام نیک نمبر ۳ جھنگ برانچ ضلع لائل پور،

یہ مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت کا مقصد لیکر نکلا ہے، اور اسمین اسی قسم کے مذہبی مضامین اور نظمین ہوتی ہین، مضامین مین زیادہ حصہ پہلے کے مطبوعہ مضامین کا ہوتا ہے،

اسلام کانپور (ماہانہ) اڈیٹر جناب قاضی عابد علی صاحب عابد ملہوری حجم ۲۰ صفحے قیمت سالانہ عہ پتہ: منیجر رسالہ اسلام، دفتر تبلیغ اسلام، کانپور،

انجمن تبلیغ اسلام کانپور نے ماہ ستمبر ۳۳ء سے "اسلام" کے نام سے ہندی زبان مین ایک رسالہ نکالا ہے جس کا مقصد ہندؤون مین تبلیغِ اسلام کرنا ہے، ہندی کے مضامین کا خلاصہ رسالہ کے آخر مین اردو زبان مین بھی چند صفحون مین دیدیا جاتا ہے، مضامین مین زیادہ تر حصہ قرآن مجید کے تعلیمات، توحید و اجتناب شرک کے اقتباسات و توضیحات پر مشتمل ہے جنمین ہندو مذہب کے عقائد سامنے رکھکر انھین الفاظ و محاورات مین پیش کیا گیا ہے، مثلاً اگنی پوجا، جل پوجا، درخت پوجا، مورتی پوجا، دہن لکشمی پوجا، دیوی پوجا" وغیرہ امید ہے کہ یہ رسالہ اگر جاری رہ گیا، تو مفید خدمت انجام دے گا، ارباب خیر کو اسکی توسیعِ اشاعت مین امداد پہنچانا چاہئے،

کتابی دنیا، بدایون (ماہانہ) اڈیٹر جناب محمد احیدالدین صاحب نظامی حجم ۴۰ صفحے قیمت عہ سالانہ، پتہ:- منیجر کتابی دنیا، بدایون، یوپی،

اس رسالہ کا مقصد قدیم و جدید اور زیر تصنیف کتابون کے متعلق مفید معلومات فراہم کرنا ہے مضامین مین مختلف کتابون کے اقتباسات، اور کتابون پر تنقیدین ہوتی ہین، پھر زیادہ حصہ کتابون کے اشتہارات کا ہے

رسالہ اگر فہرست کتب کی شان سے ممیز ہو جائے تو زیادہ مناسب ہے،

قاسم العلوم دیوبند (ماہانہ) مرتبہ جناب عتیق احمد صاحب صدیقی سابق مدیر الانصار، حجم ۲۴ صفحہ قیمت سالانہ عہ/

درعایتی صہ/، پتہ:- دفتر قاسم العلوم دار العلوم دیوبند سہارنپور،

قاسم العلوم دار العلوم دیوبند کے قدیم رسالہ القاسم کے بجائے جاری ہوا ہے، جو ایک زمانہ دراز تک مذہب و ملت کی خدمت انجام دیتا رہا تھا، اور ادھر چند سال سے بند ہو گیا تھا، اس کا پہلا پرچہ ہمیں موصول ہوا ہے، اس میں مختصر مذہبی مضامین، اور بعض عربی قصائد کے اردو ترجمے ہیں، رسالہ کو مولانا اشرف علی صاحب تھانوی و دیگر اکابر علمائے دیوبند کی سرپرستی و ہمدردی حاصل ہے، چنانچہ علمائے دیوبند میں سے مولینا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم و مولینا اعزاز علی صاحب مدرس دار العلوم وغیرہ کے مختصر مضامین موجود ہیں،

بچہ دہلی (ماہانہ) نگران جناب حکیم ابو لی پرشاد صاحب، اڈیٹر جناب ایس عبد اللہ قریشی محمود، حجم ۲۴ صفحے،

قیمت سالانہ عہ/، پتہ:- منیجر رسالہ بچہ پہاڑ گنج دہلی، FAL ...

یہ رسالہ صرف بچوں کی پرورش و پرداخت اور اون کے امراض و علاج کے معلومات پیش کرنے کی غرض سے نکلا ہے، اور زچہ و بچہ سے جملہ متعلق امور اس کے دائرہ بحث میں داخل ہیں، اور مضامین زیادہ تر اپنے موضوع کے اندر ہوتے ہیں، کبھی کبھی ایک دو تاریخی و ادبی مضامین بھی نظر آجاتے ہیں،

رسالوں کے خاص نمبر، اس ششماہی میں ذیل کے چند رسائل کے خاص نمبر ہمیں موصول ہوئے۔

رسالہ ندیم کا بہار نمبر (گیا) اڈیٹر جناب انجم، حجم ۲۰۰ صفحے قیمت عہ/ سالانہ قیمت ؟ پتہ دفتر ندیم پنچایتی اکھاڑا، گیا،

رسالہ ندیم چند سال سے صوبہ بہار کے شہر گیا سے جاری ہے، اور اوسے اس اولیت کا فخر حاصل ہے کہ اوس نے چند سال تک صوبہ بہار میں اپنی زندگی کا ثبوت دیا، صوبہ کے نوجوانوں کو مضمون نویسی کی ہمت دلائی، شعراء کو اپنے کلام شائع کرنے کی ترغیب دی، اور اس طرح صوبہ کے نوجوانوں کی مخفی ادبی صلاحیتیں بروئے کار آئیں

اس رسالہ نے بڑی تیاریون کے بعد انھی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اپنا ایک خاص نمبر صوبہ بہار کے نام پر "بہار نمبر" سے موسوم ماہ جولائی مین نکالا، اور التزام یہ رکھا کہ اس نمبر مین صرف صوبہ بہار ہی کے اہل قلم کے مضامین ہون، کارکنان ندیم لایق ستایش ہین، کہ وہ اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے، اور صوبہ بہار کے جس قدر موجودہ ممتاز اہل علم وادب و شعراء اور روشناس اہل قلم اور نوجوان شعراء تھے، کارکنان ندیم نے اون تک رسائی حاصل کی، اور اون کے مضامین نثر و نظم رسالہ مین موجود ہین، البتہ نواب نصیر حسین خان خیال کی تحریر کا نظر نہ آنا تعجب انگیز ہے، مضامین علمی و ادبی ہر قسم کے ہین، "بہار مین اردو" کو استاذ محترم مولینا سید سلیمان ندوی نے روشناس کیا ہے، "بہار کی اردو نثر کی پہلی کتاب" مولینا سید مناظر احسن صاحب گیلانی نے پیش کی ہے، لیکن یہ محل نظر ہے، اسی مضمون مین بعض مقامات پر صوبیت کی عصبیت نمایان ہو گئی ہے، جس پر بعض دوسرے صوبون کے اہل ادب نے انگشت نمائی کی ہے، لیکن اون کو معلوم ہونا چاہئے، کہ صوبہ بہار ابھی اپنی ادبی زندگی مین بہت پیچھے ہے، اس لئے اگر تحریک اصلاح و ترقی کے دور مین افراط و تفریط کی کوئی جھلک نظر آجائے، تو وہ بھی چشم پوشی کے لائق ہے،

اسی طرح صوبہ کے مختلف اہل قلم نے صوبہ کے مختلف گمنام مشہور شعراء کو روشناس کیا ہے جنمین عبرتی پر ایک مقالہ شاد مرحوم عظیم آبادی کا ہے، اور اسی پر پرفیسر محفوظ الحق نے بھی داد تحقیق دی ہے، چند افسانے بھی ہین، جنمین جناب مانپوری کے مزاحیہ افسانے بھی داخل ہین، ان مین سے ایک "اوٹیل وایف" کے عنوان سے افسانہ ہے جس مین ایک مغرب زدہ نوجوان کا اچھا خاکہ اوتارا گیا ہے، اور ایک دوسرا افسانہ "معصوم ہستیان" کے زیر عنوان ہے جسمین افیونیون کی مجلسی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اسی افسانہ مین بعض ایسے جملے بھی آگئے ہین، جو بعض سنجیدہ حلقون کی دلشکنی کا باعث ہوئے، مزاحیہ افسانون کو ایسے دانستہ و نادانستہ پہلوون سے بچا کر لکھنا چاہئے، مضامین کی مجموعی تعداد ۷۰ ہے، صوبہ کے اکابر اور مشہور مقامات کی عکسی تصویرین بھی ہین،

سالنامہ علی گڈہ میگزین، مدیر جناب آل احمد سرور بدایونی، حجم ۲۲۶ صفحے، پتہ:- دفتر علی گڈہ میگزین مسلم یونیورسٹی علی گڈہ،

رسالہ علی گڈہ میگزین کا ادبی و علمی معیار مختلف زمانون مین بڑھتا گھٹتا رہتا ہے، مسرت ہو کہ آجکل اوس نے ایک نوجوان طالب علم آل احمد صاحب سرور کی ادارت مین اپنی اچھی جگہ پیدا کر لی ہے، ماہانہ رسالہ بھی وقت پر بیشتر مفید اور سنجیدہ مضامین کے ساتھ نکلتا ہے، اور اب ماہ اکتوبر مین اوس نے اپنا سالنامہ شائع کیا ہو جو مختلف قسم کے مضامین کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے، رسالہ کا آغاز، آغاز داستان کے بعد مولینا محمد علی مرحوم کے دو ایسے غیر مطبوعہ خطوط سے ہوا جو اون کے زمانہ قیام بڑودہ کے لکھے ہوئے ہین، اور جن کا تعلق علی گڈہ کالج کی سیاسیات سے ہے، اس کے بعد ڈاکٹر سر اقبال کی ایک نظم دین و سیاست کے عنوان سے ہے، پھر استاذ محترم مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک مقالہ ہندوستان مین ہندوستانی ہے، جو علی گڈہ کی انجمن اردوے معلی مین پڑھا گیا تھا، رسالہ مین پھر اسی طرح مختلف ممتاز اہل قلم کے مضامین ہین، مثلاً نظامت باب ہند کے زیر عنوان بنگال کے حکمران خاندان علی وردی کی اختصار کے ساتھ دلچسپ تاریخ ہے، مولینا سہیل یعنی ہمارے شہر کے اقبال احمد سہیل ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ کے حوادث زندگی، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی نے اپنے رنگ مین بیان کئے ہین، اثبات واجب الوجود اور حکماے جرمنی، کے عنوان سے مدت کے بعد مولینا عبد الماجد دریابادی کا پرانا فلسفیانہ مقالہ نیا ہو کر نکلا ہے، جناب محمد ذکی الدین صاحب ایم ایس سی نے الکندی کا ایک خط اردو مین ترجمہ کر کے شائع کیا ہے، جس مین اوس نے آسمان کے رنگ کی حقیقت واضح کی ہے اور جو آسمان کے متعلق موجودہ سائنٹفک نظریہ سے ملتی جلتی ہے، بعض افسانے بھی اچھے خاصے ہین، اسی طرح حصہ نظم مین اردو کے ممتاز شعراء فانی، اصغر، جگر وغیرہ کی غزلین ہین،

جہانگیر عثمان کا نظام نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب محمد احمد خان ودانی حجم ۱۹۴ صفحے قیمت عہ

پتہ دفتر جہانگیر لاہور نمبر ۹، ۱۲ باغ مسلم جنگ حیدرآباد دکن،

لاہور کے رسالہ جہانگیر نے اعلیحضرت نظام کی تقریب سالگرہ کے موقع پر اپنا ایک خاص نمبر نکالنے کیلئے یہ اہتمام کیا کہ اولاً رسالہ کا نام جہانگیر عثمان رجسٹرڈ کرایا، اور جہانگیر عثمان کا خاص نمبر نظام نمبر سے موسوم کر کے

شائع کیا، اس رسالہ کی ڈائرکٹری نواب سر نظامت جنگ بہادر نے قبول کی ہے، رسالہ مصور ہے، تصویرون مین اعلیحضرت خسرو دکن، شاہزادگان دکن، اور اون کی بیگمات اور معززاراکین سلطنت دکن کی تصویرین ہین، مضامین مین زیادہ حصہ حیدرآباد کی موجودہ عمرانی وتمدنی ترقیون پر ہے، چند مضامین اعلیحضرت نظام کے سوانح حیات و اخلاق واوصاف کے بیان مین، چند مضامین حیدرآباد کے آثار قدیمہ کے ذکر مین ہین اور بعض مضامین مین حیدرآباد کے موجودہ نظام حکومت کی تشریح کی گئی ہے، مضمون نگارون مین بھی زیادہ تر حیدرآبادی اہل قلم ہین، رؤسائے حیدرآباد مین سے رسالہ کے سرپرست نواب سر نظامت جنگ کے مختصر سوانح حیات اور ایک طویل انگریزی نظم کا اردو منظوم ترجمہ اور خود ان کا لکھا ہوا ایک مضمون ہے، حصۂ نظم کا زیادہ حصہ بھی رسالہ کے موضوع سے متعلق ہے، آخر مین چند افسانے اور دوسرے موضوع پر مضامین بھی ہین، رسالہ کے بعض مضامین اور نظمین پہلے کی مطبوعہ ہین لیکن اون کے حوالے درج نہین،

مولوی کا رسول نمبر اڈیٹر جناب عبدالحمید خان صاحب حجم ۱۴۴ صفحے، پتہ:- دفتر مولوی حمیدیہ پریس دہلی،

رسالہ مولوی دہلی غالباً اردو کا سب سے ستا رسالہ ہے، جو صر سالانہ قیمت مین ملتا ہے، اور اسی قیمت کے اندر اس کا ضخیم رسول نمبر بھی خریدارون کو دیا جاتا ہے، جو ہر سال تقریباً اسی حجم اور سائز مین نکلتا ہے، اس سال کے رسول نمبر کا نمایان وصف یہ ہے کہ مولینا حالی مرحوم کی مشہور نعت کے ہر ایک مصرعہ پر ایک ایک مستقل مضمون ہے، اور اس طرح اوس نعت کی واقعات وحقائق سے لبریز شرح تیار ہو گئی ہے، دوسرا عنوان "اعتراف صداقت" ہے، اہین ہندو اہل قلم کے صفحے دو صفحے کے مضامین سیرت نبوی پر ہین، آخر مین نظمین اور نعتین درج ہین

مسافر کا نور نمبر اڈیٹر جناب عادل ادیب وجناب عبدالقدیر ذوقی حجم ۲۰۰ صفحے، پتہ: دفتر رسالہ مسافر ریلوے روڈ مرادآباد،

رسالہ مسافر مرادآباد کا یہ پہلا خاص نمبر ہے، جو اس انوکھے نام اور عنوان سے نکلا ہے، مضامین اور اون کے عنوانون مین "نور" "انوار" اور "تجلیات" وغیرہ کی لفظی رعایتین ملحوظ رکھی گئی ہین، اور انھی مناسبتون سے تصوف کے مضامین ومباحث آ گئے ہین، سرورق پر مرادآباد کے زیر تعمیر اسلامی مسافر خانہ کی تصویر شائع کیگئی ہے،

اخبارات نئے اخبارات حسب ذیل ہین :-

روزنامۂ آزاد، لاہور، ادارۂ تحریر جناب عبدالباقی و جناب صدیق طیب، حجم روزانہ ۸ صفحے، تقطیع ۱۸×۲۲

قیمت سالانہ اٹھارہ روپئے، و ہر پرچہ ۱؍ پتہ :- دفتر آزاد سرکلر روڈ، بیرون موچی دروازہ، لاہور،

روزنامۂ آزاد ماہ جولائی ۱۹۳۳ء سے نکلا ہی، یہ ہندوستان مین تحریک آزادی کی دعوت دینے والا، مسلمانون کو صحیح اسلامیت کی طرف بلانے والا، مسلمانون کو دیگر اقوام ہند کے دوش بدوش خدمت وطن پر آمادہ کرنے والا، پھر مسلمانون کو اپنی انفرادی ہستی کے احساس کو برقرار رکھنے کا مشورہ دینے والا ایک متین و سنجیدہ اخبار ہے، ملک کے عام سیاسی مسائل اور اسلامی سیاسیات پر غیر جانب داری سے صحیح رائے زنی کرتا ہی، نقد و نظر اور بحث و تمحیص مین ابھی تک تہذیب و متانت کا دامن نہین چھوٹا، اپنے معاصرین سے بھی اختلاف کرتا ہے، تو لب و لہجہ مین تیزی نہین آتی، کسی جماعت اور گروہ کے سیاسی معتقدات اگر اس کے زیر بحث آتے ہین تو دلائل سے ان کی کمزوریان آشکارا کرتا ہے، اور اگر عیوب دکھاتا ہی، تو محاسن بھی گنا دیتا ہی، لیکن اگرچہ کارکنان روزنامہ اپنے معتقدات و آرا کے اظہار مین اپنے اخلاص و حسن نیت کا ثبوت بھی رکھتے ہین، تاہم یہ بھی کہنا پڑتا ہی، کہ ابھی وہ نوجوان ہین، اور کبھی کبھی اپنی نوجوانی کے جوش و خروش مین اون کا قلم حق کو حق ثابت کر دینے کے مظاہرہ مین تیز و تند ہو جاتا ہے، روزنامہ نے اپنے معنوی محاسن کے علاوہ اپنی ظاہری شان و شوکت مین بھی اپنے تمام اردو معاصرین پر فوقیت حاصل کر لی ہے، اخبار کی قیمت دوسرے اردو روزنامون کی قیمتون کے مساوی ہے، مگر حجم تقریباً ڈیوڑھا ہوتا ہے، اخبار کی لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے، ہفتہ مین سنڈے اڈیشن کے طور پر اس کا ایک خاص نمبر بھی نکلتا ہے، جو معمولی حجم سے زیادہ اور مصور ہوتا ہی، خدا کرے کہ اوسکو عمر طویل عطا ہو، اور ملک و ملت کی خدمت کا اوسے موقع حاصل رہے،

جدت، مرادآباد، (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب ظفر حسین خان صاحب، حجم ۱۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت سالانہ پتہ :- دفتر جدت مرادآباد،

اخبار "جدت" یوپی کی جمعیۃ العلماء کے مشہور کارکن مولینا محمد عمر دراز بیگ صاحب کی نگرانی میں نکلتا ہے ملک ممتاز اکابر نے مولانائے موصوف کی تحریک پر اخبار کے نام پیغامات تہنیت ارسال کئے ہیں، جو مفتوں "جدت" میں چھپتے رہے ہیں ان اکابر نے اپنی توقعات کا اس سے اظہار کیا، اخبار اپنے مضامین کے لحاظ سے اوسط درجہ کا ہے، اور مسلمانوں کی خدمت پیش نظر رکھتا ہے معلوم نہیں اس اخبار کے سرورق پر "یوپی کا واحد اخبار" کس مناسبت سے لکھا ہے،

مسلم بانکی پور پٹنہ (ہفتہ وار) اڈیٹر مولوی سید منظر علی صاحب ندوی حجم ۱۲ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۴ قیمت سالانہ للعہ/ر

پتہ:- دفتر مسلم، برقی پریس، سبزی باغ، بانکی پور پٹنہ،

اس اخبار کے پیش نظر صوبہ بہار میں صحیح قومیت کی تعمیر اور مسلمانوں کو ان کے صحیح حقوق اور مطالبات سے آگاہ کرنا ہے، اس کے متعدد پرچے نظر سے گذرے، اچھی خاصی کامیابی کے ساتھ یہ مسلمانان بہار کی خدمت میں مصروف ہے، اختلاف آراء کے موقعوں پر لب و لہجہ میں کبھی تیزی بھی آجاتی ہے، اوس نے اپنی مختصر عمر کے باوجود اپنے صوبہ میں اچھی خاصی جگہ پیدا کرلی ہے، اخبار کے مقالۂ افتتاحیہ میں ملک کی اہم ضرورتوں پر توجہ کرنے کے علاوہ اس کے مختصر نوٹوں میں مفید مسائل پر اختصار کے ساتھ اظہار خیال ہوتا ہے "تفکہات" میں ہنسنے ہنسانے کی باتیں اور مزاحیہ رنگ میں تنقیدیں کی جاتی ہیں، ایک آدھ مختصر افسانہ بھی عوام کی دلچسپی بڑھانے کیلئے ہوتا ہے، ہفتہ بھر کی خبریں قرینے سے جمع کیجاتی ہیں، صوبہ کی خبروں کا کالم علحدہ ہوتا ہے، اس طرح مجموعی حیثیت سے اخبار اچھی ترتیب اور مضامین کے ساتھ شائع ہوتا ہے، خدا کرے کہ زندگی نصیب ہو،

نقیب پھلواری شریف پٹنہ (سہ روزہ) اڈیٹر جناب صغیر الحق ناصری حجم ۸ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۴ قیمت سالانہ ۶/

پتہ:- دفتر نقیب پھلواری شریف پٹنہ،

محکمۂ امارت شرعیہ بہار کے صحیفۂ امارت کے بند ہونے کے بعد نقیب کے نام سے ایک دوسرا اخبار جاری ہوا ہے، جو امارت کے مقاصد کی اشاعت کرتا ہے، ہندوستان کی اسلامی سیاسیات میں دلچسپی لیتا ہے، صوبہ کے مسلمانوں کے فلاح و بہبود کا خواہاں ہے، اور دفتر امارت شرعیہ کی کارگذاریوں کو شائع کرتا ہے، اخبار میں مذہبی

مضامین بھی ہوتے ہیں، اس اخبار نے صوبہ کے سرکاری مدارس کی درسی کتابون پر بھی توجہ کی، اور بعض مفید مضامین شائع کئے، اور صوبہ بہار کے مسلمانون کی مذہبی، ملی اور قومی خدمت اچھی طرح انجام دے رہا ہے،

روزنامۂ مشیر کانپور، ادارہ جناب سید ایوب احمد صبر شاہجہان پوری، وجناب سید حسین علی شہید حجم ۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ قیمت ہر پرچہ ۔/ ۱ پتہ :- دفتر مشیر کانپور،

مشیر کا جو نمبر پیش نظر ہے، اوس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سابق "جمعیۃ العلماء کانپور" سے کٹ کر ایک علٰحدہ جماعت کانپور مین پیدا ہوئی ہے، اور وہی جماعت اوس جمعیت اور "قضاۃ کانفرنس کانپور" کے رازہائے درون پردہ کو اپنی دانست مین بے نقاب کرنا چاہتی ہے، اور اسی مقصد سے یہ روزنامہ نکلا ہے، معلوم نہین اس کے کارکن اس کے اجراء کا کوئی مستقل مقصد بھی رکھتے ہین یا اسکی حیثیت محض ایک ہنگامی و وقتی جریدہ کی ہے،

قائد سنبھل ضلع مراد آباد، (ہفتہ وار) مدیر جناب ظاہر الانصاری (فاضل دیوبند) حجم ۱۲ صفحے، تقطیع قیمت سالانہ ؎ ہر پرچہ ۲/ پتہ: دفتر قائد سنبھل ضلع مراد آباد

قائد ماہ دسمبر ۳۲ء سے نکلا ہے، اس کا پہلا پرچہ پیش نظر ہے، اس کے اجراء کا مقصد مسلمانون کی قومی و ملی خدمت کرنا، اور مسلمانون مین تعلیمات اسلام کی اشاعت کرنا بتایا گیا ہے، پہلے نمبر کے مضامین "تعلیمات اسلام" کے زیر عنوان چند احادیث کے اردو ترجمے، اور مضمون خاص "تقدیر کا مفہوم" کے زیر عنوان ہین، اسکے علاوہ عام سیاسی و اصلاحی خبرین اور نوٹ ہین،

مصور بمبئی (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب محمد نظیر، حجم ۲۶ صفحے، قیمت ہر پرچہ ۱/ دفتر مصور نیو عرفان اسٹریٹ بمبئی،

یہ ایک فلمی اسم بامسمی اخبار ہے، جو ماہ نومبر ۳۲ء سے نکلا ہے، اس کے دو پرچے نظر سے گذرے، مقالۂ افتتاحیہ مین بمبئی کا اردو اسٹیج "کے زیر عنوان دو نمبرون مین اردو کے اون ڈرامہ نویسون اور اون کے ڈرامون پر تنقید ہے، جو بمبئی کے اسٹیج پر کبھی کھیلے گئے، یا کھیلے جا رہے ہین، اڈیٹر کے نوٹون مین زیادہ تر بمبئی کے مقامی سیاسیات اور مقامی متنازعہ فیہ مسئلون پر مضامین ہوتے ہین، مضامین مین مختلف افسانے، ڈرامے اور اون کے اقتباسات ہوتے ہین،

گلدستہ لاہور (ہفتہ وار) اڈیٹر رائے صاحب لالہ رگھوناتھ سہائے بی اے وجناب قیصر مراد آبادی حجم ۱۶ صفحے،

قیمت سالانہ صہ، منیجر گلدستہ، ہیرا منڈی لاہور،

گلدستۂ بچون کا ہفتہ وار اخبار ہے، جو چند سال سے جاری ہے، یہ اخبار بچون کے پرانے اخبار پھول سے صوری و معنوی دونون حیثیتون مین ملتا جلتا ہی، لکھائی چھپائی اور مضامین کمسن بچون کی استعداد کے مطابق ہوتے ہین،

الجلیل دہلی (ہفتہ وار) ادارۂ تحریر جناب منظور احمد عثمانی بی اے، ضیا صدیقی، حجم ۱۶ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۴

قیمت سالانہ عہ، نمونہ مفت، پتہ:- دفتر اخبار الجلیل دہلی،

یہ اخبار ماہ ستمبر اکتوبر سے جاری ہی، اسلامی سیاسیات اور ریاستون کے معاملات مین دلچسپی لیتا ہی، اسلامی تاریخ پر اچھے چھوٹے مضامین بھی چھاپتا ہی،

عروج جھنگ (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی، حجم ۱۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۴ قیمت سالانہ للعہ، پتہ:- دفتر عروج جھنگ مگھیانہ، (پنجاب)

اس اخبار مین زمیندارون کو ترقی و فلاح کی دعوت دیجاتی ہی، حفظانِ صحت اور کاشتکاری کے معلومات بھی درج ہوتے ہین،

مراد گورکھپور، (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب حکیم امجد حسین نقّر، حجم ۱۰ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۴، قیمت عہ، پتہ- دفتر مراد، دیسی دواخانہ گورکھپور،

اخبار "مراد" مسلمانون کو راہ وفا دکھا کر بامِ مراد پر لیجانے کا داعی اور ہندوستان مین امن و صلح و آشتی کے قیام کا خواہان ہی،

چورنج کلکتہ، (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب عنایت دہلوی، حجم ۱۶ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۴، قیمت سالانہ صہ، پتہ: دفتر چورنج نمبر ۲۶ بوبازار اسٹریٹ کلکتہ،

یہ اخبار مزاحیہ رنگ مین نکلتا ہے، اور اسی قسم کے عنوانون کے ماتحت اسی رنگ کے مضامین ہوتے ہین، اور مزاحیہ رنگ ہی مین لوگون پر نقد و جرح بھی ہوتی ہی، لیکن اپنی جگہ علحدہ قابلِ غور ہی کہ یہ طرزِ مزاح کوئی واقعی لطفِ مزاح رکھتا بھی ہی کہ نہین، اخبار مصوّر ہوتا ہے

اخبارون کے خاص نمبر! مختلف اخبارات کے خاص نمبر یہ ہین،

سالنامۂ روزنامۂ اجمل بمبئی (مصور) اڈیٹر جناب حارث و جناب نعمانی، حجم ۸۶ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۴

پتہ، دفتر اجمل پریس بلڈنگ بمبئی نمبر ۹،

روزنامۂ اجمل مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم کی یادگار مین بمبئی سے نکلتا ہی، اب اوس نے اپنی عمر کی چھٹی منزل مین قدم رکھا ہی، اور اسی مناسبت سے ماہ اکتوبر ۱۹۳۳ء مین اوس نے اپنا سالنامہ شائع کیا ہی، حکیم اجمل خان مرحوم کی سیاسیات مین سچی وطن پروری کے ساتھ جو معتدلانہ روش قائم تھی، اجمل نے بھی اسکو قائم رکھا ہی حکیم صاحب مرحوم سے ملک کے سچے رہبرون کو دلی محبت تھی، اسی لیے وہ اون کی یادگار کی بھی قدر کرتے ہین چنانچہ اس سالنامہ مین گاندھی جی، پنڈت جواہر لال نہرو، مسز سروجنی نائڈو، ڈاکٹر انصاری، مولینا حسین احمد مدنی، مولینا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر سید محمود، مولینا عبد الماجد دریابادی، ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب وغیرہ کے پیامات شائع ہوئے ہین، اور اجمل کی سیاسی روش پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرکے اس سے اپنے توقعات وابستہ کئے ہین، اور اہل ملک کو اس کی معرفت مختلف پیامات بھی دئے ہین، پرچہ اپنے مختلف النوع مضامین کے لحاظ سے بھی دلچسپ ہی،

روزنامۂ شیر کا ظفر نمبر رنگون (مصور) حجم ۱۲ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۴ قیمت ہر پرچہ ۱/ پتہ دفتر روزنامہ شیر ۳۲ اسپاک اسٹریٹ رنگون نمبر ۱،

روزنامۂ شیر رنگون مین اردو کا غالبًا واحد روزنامہ ہے، جو جناب شیر محمد صاحب کی حوصلہ افزائی سے مسلمانون کی سیاسی خدمت اور زبان اردو کی رنگون مین اشاعت کیلئے جاری ہی، اوس نے ماہ نومبر مین اپنا ایک خاص نمبر ظفر نمبر کے نام سے موسوم نکلا ہے، جو مولینا ظفر علی خانصاحب کے دورۂ برہما کے استقبال و یادگار کے طور پر ہے مختلف مضامین نظم و نثر مین مولینا موصوف کا استقبال کیا گیا ہی، اور مختصر سوانح حیات درج ہین،

اخبار الامان کا رسول نمبر مالک مولوی مظہر الدین صاحب حجم ۴۸ صفحے کتابی تقطیع، پتہ :۔ دفتر اخبار الامان، دہلی،

سہ روزہ اخبار الامان کا رسول نمبر ماہ ربیع الاول مین کتابی شکل مین نکلا ہی، سیرت نبوی پر چھوٹے چھوٹے مضامین ہین، اور چند مضامین موضوع سے علحدہ بھی ہین، اور اداره کے کالم مین مختلف ملکی مسائل پر مختصر نوٹ ہین،

مطبوعات جدیدہ

ترکی جمہوریہ از جناب ضمیر احمد صاحب ہاشمی، ایم اے، ڈپٹی کلکٹر یوپی، حجم چھوٹی تقطیع کے ۲۰۰ صفحے،

قیمت عہ، پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

مصنف نے "نوجوان ترک" کے عنوان سے بعض یورپی تصنیفات سامنے رکھکر اور اپنے اسلامی جذبات خیالات کی آمیزش کر کے "ترکی جمہوریہ" کے نام سے یہ رسالہ لکھا ہے، جو سولہ بابون مین تقسیم ہے، رسالہ مین اولاً ترکی دول مغرب کی نگاہون مین" پھر "فتح و نصرت کا زمانہ ۱۳۰۰ء سے ۱۵۶۶ء تک کو دکھا کر ترکون پر مغربیت کے اثر کو دکھایا ہے، چوتھے باب مین "نوجوان ترک" روشناس کئے جاتے ہین، پھر مختلف بابون مین انجمن اتحاد و ترقی کی بنا، و تاسیس سے قیام جمہوریہ ترکیہ تک کے حالات اجمالاً لکھے ہیں، انجمن اتحاد و ترقی کی بنا سے جنگ عظیم کے خاتمہ تک کے حالات مین انور پاشا کا نام رسالہ مین نمایان طور پر نظر نہ آنا تعجب انگیز ہے، آخر کے چند ابواب مین ترکی جمہوریت اور اوس کی سیاسی و تمدنی ترقیون کو پیش کیا گیا ہے، سب سے آخری باب "تمدن و معاشرت" ہے، جسمین ترکون کے موجودہ مدنی و معاشرتی انقلاب کے جزئیات بیان کئے گئے ہین، اور اون کے طرز عمل پر اعتدال کے ساتھ رائے زنی کی گئی ہے، اگرچہ کہین کہین مصنف کے قلم سے "توجیہات" کے خفیہ اشارات بھی نکل پڑے ہین، تاہم یہ کتاب نوجوان ترکی کو سمجھنے مین ایک اچھی مدد دے گی،

چراغ نور یعنی بیان احوال ظفرآباد، مرتبہ جناب سید علی ضامن صاحب ترمذی بی اے،

رئیس جونپور، حجم ۱۶۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی قیمت ؟ پتہ جادو پریس جونپور،

اضلاع شرقی مین شرقی سلطنت کے دار الحکومت جونپور سے متصل مقام ظفرآباد کو اچھی خاصی تاریخی اہمیت حاصل ہے، کہ یہی مقام شہر جونپور کی بنا، و تاسیس سے پہلے اس دیار کا مرکزی شہر تھا، اکابر رجال، صوفیہ و علما، اس خاک سے اوٹھے اور اسی کے پیوند بنے، اسی کے ساتھ یہ خوشی کی بات ہے کہ اس شہر

کے اہل علم کو اپنے وطن کی تاریخ سے دلچسپی رہی، مولوی سید ابو البشارت محمد نور الدین زیدی اسدی ظفرآبادی (۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء - ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) انہی اہل علم بزرگون مین تھے، یہ یہان کے ایک ممتاز خاندان مین پیدا ہوئے، علم و فضل ورثہ مین پایا، اس خاندان مین جونپور اور ظفرآباد کی تاریخ ایک زمانہ دراز سے قلمی شکل مین آ رہی تھی، جسمین ہر زمانہ کے کسی نہ کسی بزرگ نے اپنے عہد کے حالات بڑھائے تھے، یہانتک کہ مولوی صاحب موصوف نے اسی مسودہ کو سامنے رکھکر اپنے زمانہ مین تین جلدون مین جونپور کی تاریخ لکھی، اور ایک حصّہ مین ظفرآباد کے حالات جمع کئے، جونپور کی تاریخ کے بعض حصص شائع ہوئی، اور بعض حصون کی اشاعت کی نوبت نہین آئی، مگر خدا بھلا کرے مولوی فصیح الدین صاحب کلکٹر جونپور کا کہ اُنھون نے اوس قلمی نسخہ کو جس نے خاندانی دستاویز کی شکل اختیار کر لی تھی، حاصل کر کے اوس سے دو جلدون مین انگریزی مین جونپور کی تاریخ لکھکر شائع کر دی، ظفرآباد کی تاریخ کا حصہ پھر بھی قلمی شکل مین باقی رہ گیا تھا، اب جناب سید علی ضامن صاحب شکریہ کے مستحق ہین، کہ اونکی کوششون سے یہ حصّہ بھی وقفِ عام ہو گیا، اسمین اونھون نے اپنے مزید حواشی و تعلیقات بھی چڑھائے ہین اور دیباچہ مین کتاب کی حیثیت واضح کی ہے، کتاب چند ابواب مین ہے، جنمین ظفرآباد کے جغرافی حالات، یہان کے قدیم باشندون کی نسلی و قومی تقسیم اور اونکا تعارف، شہر پر اسلامی حملے، صوفیہ کی امداد اور اونکی اشاعتِ اسلام کی خدمات، اور پھر اسلامی حکومت کے قیام سے بنائے سلطنت شرقیہ تک کی سرگذشت ہے، پھر نواب اودھ کی حکومت، انگریزی عملداری اور سنین وار بعض واقعات جمع کرنیکے بعد تیسرے باب مین یہان کے نامور بزرگون کے حالات و سوانح آتے ہین اور کتاب کا یہی حصہ قابلِ قدر ہے، اور پھر اسی باب کے آخر مین یہان کے باشندون کی خاندانی تقسیم، مختلف ہندو مسلم قومون کا تعارف، مختلف صنعتون اور اہلِ صنعت کے تذکرے، اور یہان کے عام باشندون کے عام معاشی و اقتصادی حالات کا خاکہ ہے، اور سب سے آخر مین شہر کے محلون، وقیع تاریخی عمارات، بازار، تجارت، وسائل آمد و رفت اور میلون ٹھیلون کا ذکر ہے،

کتاب مجموعی حیثیت سے لائقِ مطالعہ ہے، کتاب کا زمانۂ تصنیف ۱۲۹۲ھ ہے، مرتب نے بعد کے واقعات اور بزرگون کے اخلاف کے تذکرے بھی اجمالاً حواشی مین درج کر دئے ہین،

شیر جنگ مؤلفہ جناب محمد سراج الدین صاحب طالب، حجم ۷۰ صفحے، کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی

صاف تھری قیمت درج نہیں، سید جلال یدالہی، تاجر کتب چھتہ بازار، حیدرآباد دکن،

حیدرآباد کے مشہور خاندان سالار جنگ کے مورث اعلیٰ حیدر علی خان شیر جنگ، صلابت جنگ کے عہد حکومت میں صوبہ دکن کے دیوان تھے، زیر نظر رسالہ انہی کے حالات زندگی میں ہے، جس میں اس عہد کے سیاسی حالات بھی آگئے ہیں، اور کتاب اسی اسلوب میں لکھی گئی ہے، کہ شیر جنگ کے سوانح حیات کے علاوہ حیدرآباد کی تاریخ کی ایک کڑی بھی بن سکے، لائق مؤلف نے تلاش و جستجو سے ان فرامین و اسناد کو بھی شامل کتاب کیا ہے جو شیر جنگ کو وقتاً فوقتاً عطا کئے گئے، کتاب میں شیر جنگ اور ان سے متعلق چند تصویریں بھی ہیں،

مونا وانا، از جناب جلیل احمد قدوائی ایم اے، حجم چھوٹی تقطیع کے ۱۴۲ صفحے، ناشر مہتمم کتابستان بلی، روڈ الہ آباد، قیمت ۸؎

"مونا وانا" ایک بلجین مصنف مارس میٹرلنک کے ڈرامے کا اردو ترجمہ ہے، جو ڈرامہ کی ہیروین مونا وانا ہی کے نام کے ساتھ شائع ہوا ہے، ترجمہ صاف سلیس اور رواں ہے، ڈراما میں دراصل صرف مونا وانا ہی کے ایک خاص حیرت انگیز کردار کو پیش کیا گیا ہے، ڈرامہ کا خلاصہ یہ ہے، کہ وانا کا وطن ایک طاقتور فوج کے محاصرہ میں ہے، سارا شہر بے آب و دانہ تڑپ رہا ہے، محاصر فوج کا سالار اعظم اپنے داخلی سیاسیات کی بنا پر اپنی حکومت سے سرکشی پر آمادہ ہوتا ہے، لیکن یہ محاصر و محصور دونوں سے پردۂ راز میں ہے، دوسری طرف وہ وانا کے جو محصور شہر کے گورنر کی بیوی ہے، نادیدہ عشاق میں ہے، وانا کا سسر جو ایک صاحب سیرت، بلند پایہ فلسفی ہے، محاصر فوج کے سالار سے ملتا ہے، اور ایک شب کیلئے وانا کو اس سپہ سالار کے خیمہ میں بھیجنے کا وعدہ کرآتا ہے، اور شہر کے محصور باشندوں کو موت کے منہ میں جانے سے بچانے کا سامان کر لیتا ہے، وانا کا شوہر اولا اپنے باپ کے اس محیر العقول اقدام کو سمجھنے سے عاجز رہتا ہے، اور پھر وانا کی وفاداری پر اعتماد کر کے یقین رکھتا ہے، کہ وہ ہرگز ایسے فعل پر آمادہ نہ ہوگی، جس سے ان دونوں زن و شو کی ناموس و عزت ہمیشہ کیلئے برباد ہوتی دکھائی دیتی ہے، مگر وانا اپنے وطن کے بھوکے باشندوں کو موت کے منہ سے نکالنے کیلئے، اپنی عصمت کے آبدار موتی کو بھی نثار کرنے کیلئے تیار

جو غائب ہو جاتی ہے، اور غلون سے لدے چھکڑے شہر مین داخل ہوتے ہین، وانا کے سپہ سالار کے خیمہ مین پہنچنے کے بعد ایک نیا عقدہ کھلتا ہے، اوس کا جوشِ خدمتِ وطن اور جذبۂ ایثارِ نفس اوسے اوس خیمہ سے باعصمت لوٹا لاتے ہین، اور وہ سپہ سالار بھی وانا کی معیت مین شہر مین چلا آتا ہے، واقعات سب کے سب محیر العقول، لیکن اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ کہ سب کے سب ممکن الوقوع ہین، یہ اپنے رنگ کا ایک دلآویز ڈرامہ ہے، اگرچہ ڈرامہ کے پلاٹ کے آخری حصہ مین بعض واقعات لاینحل رہ جاتے ہین، اور فسانہ کچھ ناتمام سا رہ جاتا ہے، لیکن شاید مغربی تصنیف کا یہی کوئی کمال ہی ہو،

مشاہیر اردو کے خطوط، از پروفیسر مہیش پرشاد صاحب (مولوی فاضل) صدر شعبہ عربی فارسی و اردو ہندو یونیورسٹی بنارس، ناشر لالہ صاحب رام دیال اگروالہ الہ آباد، حجم ۱۱۱ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۸/

رسالہ کا موضوع اوس کے نام سے ظاہر ہے، اس مین اردو کے ۳۰ مشہور مسلم و ہندو اہل قلم کے خطوط جمع کئے گئے ہین، تاکہ طلبہ کے درس و تدریس مین کام آئین، رسالہ کے شروع مین اردو کے مشہور مجموعہ ہائے مکاتیب کے دیباچون سے مختلف ٹکڑے بطور دیباچہ نقل کئے گئے ہین، اور آخر مین مرتب نے دیباچہ کے خاتمہ کے طور پر اس رسالہ کے خصوصیات اور مکاتیب کی حیثیت واضح کی ہے، ہر صاحب خط کا مختصر تعارف بھی چند چند سطرون مین درج ہے،

اسلامی حکایات، اسلامی روایات، اسلام اور غیر مسلم، از جناب محمد حفیظ اللہ صاحب ناشر مسلم اکاڈمی پھلواری شریف پٹنہ، حجم بہ ترتیب ۴۴، ۹۰، ۱۰۰ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت بہ ترتیب ۴/، ۸/، ۸/

"اسلامی حکایات" مین اردو کے مختلف شعراء کی ایسی نظمین یکجا کی گئی ہین جنمین اسلامی تاریخ کا کوئی واقعہ قلمبند کیا گیا ہو، یا جنمین اسلام کے اخلاق و تعلیمات پیش کئے گئے ہون، نظمون کی مجموعی تعداد ۵۹ ہے، دوسرا رسالہ اسلامی روایات چند سال پہلے چھپا تھا، اب اوس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اسمین صفحہ دو صفحون مین چھوٹے چھوٹے تاریخی مضامین ہین، تیسرے رسالہ اسلام اور غیر مسلم کا بھی یہ طبع ثانی ہے، اسمین اسلامی سلطنتون اور فرمان رواؤن کے متعلق غیر مسلم مؤرخین کے مختصر توصیفی اقتباسات جمع کئے گئے ہین،

" ر "

ہو جاتی ہے، اور غلط راستہ سے چکر کھا کے شہر میں داخل ہو جاتے ہیں، وہ ناناؔ کے سپہ سالار کے خیمہ میں پہنچنے کے بعد ایک نیا عقدہ کھلتا ہے، اوس کا جوش خدمت وطن اور جذبہ ایثار نفس اوسے اوس خیمہ سے باعصمت بچا لاتے ہیں، اور وہ سپہ سالار بھی ناناؔ کی معیت میں شہر میں چلا آتا ہے، واقعات سب کے سب محیر العقول، لیکن اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ کہ سب کے سب ممکن الوقوع ہیں، یہ اپنے ڈھب کا ایک دلآویز ڈرامہ ہے، اگرچہ ڈرامہ کے پلاٹ کے آخری حصہ میں بعض واقعات ناقابل رہ جاتے ہیں اور فسانہ کچھ ناتمام سا رہ جاتا ہے، لیکن شاید مغربی تصنیف کا یہی کوئی کمال ہی ہو،

مشاہیر اردو کے خطوط، از پروفیسر ایشوری پرشاد صاحب … صدر شعبہ عربی فارسی و اردو میور یونیورسٹی، ناشر … رام دیال اگروالہ الہ آباد، حجم ۱۱۵ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱۲؎

رسالہ کا موضوع اوس کے نام سے ظاہر ہے، اس میں اردو کے بیس مشہور مسلم و ہندو اہل قلم کے خطوط جمع کئے گئے ہیں، جو طلبہ کے … کام آ سکتے ہیں، رسالہ کے شروع میں اردو کے مشہور مجموعہ ہائے مکاتیب کے دیباچوں سے مکتوب نگاری کے متعلق … نقل کئے گئے ہیں، اور آخر میں مرتب نے دیباچہ کے خاتمہ کے طور پر اس رسالہ کے … مکاتیب … کا مختصر تعارف بھی چند سطروں میں ذکر کئے ہیں،

اسلامی حکایات، اسلامی روایات، از جناب محمد حفیظ اللہ صاحب … پھلواری شریف پٹنہ

اسلامی حکایات اور تصویر مسلم … حجم ۴۴، ۵۰ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت بالترتیب …

"اسلامی حکایات" میں اردو کے مختلف شعراء کی ایسی نظمیں یکجا کی گئی ہیں جن میں اسلامی تاریخ کا کوئی واقعہ نظمبند کیا گیا ہو جن میں اسلام کے اخلاق و تعلیمات پیش کئے گئے ہوں، نظموں کی مجموعی تعداد دس ہے، دوسرا رسالہ اسلامی روایات چند سال پیشتر چھپا تھا، اب اوس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے، اس میں … مضمونوں میں چھوٹے چھوٹے تاریخی مضامین ہیں، … رسالہ اسلام اور غیر مسلموں کی … ثانی ہے، اس میں اسلامی سلطنتوں اور فرمانرواؤں کے متعلق غیر مسلم مورخین کے مختصر توصیفی اقتباسات جمع کئے گئے ہیں،

دار المصنفین کی فلسفیانہ کتابیں

علم الکلام [illegible] کی [illegible] تاریخ [illegible] اور مسائل [illegible] صفحے [illegible] قیمت عہ

الکلام مولانا شبلی کی مشہور تصنیف جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفے کے مقابلے میں ثابت کیا ہے، اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، اور عقائد و اصول اسلامی کی فلسفیانہ تشریح، طبع سوم، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۵۰ صفحے، قیمت عہ

الغزالی امام غزالی کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ اور علم کلام، اخلاق اور تصوف میں ان کے مجددانہ کارنامے۔ علمائے اسلام میں امام غزالی کی اہمیت سے کوئی شخص ناواقف نہیں مگر ان کے حالات، خیالات اور تحقیقات سے کم لوگ واقف ہیں، ضرورت ہے کہ مسلمان انکو پڑھکر فائدہ اٹھائیں۔ ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ؎

سوانح مولانا روم اسلام کے مشہور صوفی متکلم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانح عمری، فضائل و مناقب ان کے تصوف کے اسرار علم کلام کے رموز اور مثنوی شریف پر مبسوط تبصرہ اور اس کے محاسن پر تبصرہ۔ ضخامت ۲۱۲ صفحات قیمت ؎

ابن رشد مشہور مسلمان اندلسی حکیم و مسلمان فلسفی [illegible] اور علم فلسفہ کا محقق شارح [illegible] مدتوں تک یورپ [illegible] سوانح اور ان کے فلسفہ پر تبصرہ [illegible]

[illegible] فلسفہ [illegible] کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی اس سے اس فن کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ معلومات کسی مشرقی زبان میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں ملسکتا۔ ضخامت ۴۸۰ صفحے، قیمت ؎

برکلے اور اسکا فلسفہ مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اسکے فلسفہ کی تشریح، اردو میں یہ فلسفہ جدیدہ کی پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۱۰ صفحے، قیمت ؎

مکالمات برکلے برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے۔ ضخامت ۱۸۰ صفحے، قیمت ؎

مبادی علم انسانی مادیت کی تردید میں برکلے کی مشہور کتاب "پرنسپلز آف ہیومن نالج" کا نہایت فصیح اور سنجیدہ ترجمہ جس میں حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، ضخامت ۲۲۰ صفحے، قیمت ؎

مقالات روسو جو فرانس کے مشہور فلسفی انقلابی ہیرو روسو کے علوم [illegible] اور اخلاق پر اثرات و نتائج کی تنقید کی ہے [illegible] قیمت

روح الاجتماع موسیو لیبان کی کتاب روح اجتماعیات انسانی کے اصول [illegible] کا اردو ترجمہ جس میں انسانی جماعت کے اخلاق، جماعتوں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے بگڑنے کے قوانین مفصل بیان کئے گئے ہیں، ضخامت ۲۳۲ صفحے، قیمت [illegible]

انقلاب الامم ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے ترجمہ [illegible] نفسی اصول [illegible] ضخامت ۲۲۰ صفحے، قیمت عہ

(مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۷ فروری سنہ ۱۹۳۲ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر:- دار المصنفین اعظم گڑھ

جلد ۳۳ | ماہ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۴ء | عدد ۲

مضامین

سلسلۂ سیر الصحابہ

رسول اللہ صلعم کے بعد مسلمانوں کے لیے حضرت صحابۂ کرام کی ذات اسوۂ حسنہ ہے، اس لئے ان کے حالات، سوانح، اخلاق، عبادات اور ان کے مذہبی علمی اور سیاسی کارناموں کے واقعات زیادہ تنقید کے محتاج تھے، سیر الصحابہ کا سلسلہ تحقیق اصول کو پیش نظر رکھکر قرآن و حدیث اور رجال و تاریخ کی مستند کتابوں سے مرتب کیا گیا ہے، اس سلسلہ کے ابتک یہ حصے شائع ہو چکے ہیں، اسوۂ صحابہ، اسوۂ صحابیات، خلفائے راشدینؓ، سیر المہاجرین، سیر الانصار، سیر الصحابیات اور سیر الصحابہؓ،

اس سلسلہ کے حسب ذیل حصے ابتک شائع ہو چکے،

اسوۂ صحابہ جلد اول، اس میں صحابۂ کرامؓ کے عقائد، اعمال، عبادات اور اخلاق و معاشرت کے متعلق نہایت مستند اور پر اثر واقعات ہیں، ضخامت ۴۴۲ صفحات قیمت:- [illegible]

اسوۂ صحابہ جلد دوم:- اس حصہ میں صحابۂ کرامؓ کے مذہبی، علمی اور سیاسی خدمات اور کارناموں کی تفصیل ہے۔ ضخامت ۴۷۴ صفحات، قیمت:- للعہ

اسوۂ صحابیات، یہ کتاب صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع ہے، ضخامت ۲۰۹ صفحات، قیمت:- [illegible]

خلفائے راشدینؓ، اس کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں خلافت کی مذہبی اور سیاسی حیثیت پر بحث ہے اور بہ ترتیب چاروں خلفائے کرام کے ذاتی حالات، فضائل اور ان کے مذہبی، علمی اور سیاسی کارناموں اور فتوحات وغیرہ کی تفصیل ہے، ضخامت ۴۰۷ صفحے، قیمت:- [illegible]

مہاجرین جلد اول، ابتدا میں ایک مقدمہ ہے جس میں قریش اور مہاجرین کے دوسرے قبائل کی عہد قدیم سے لیکر فتح مکہ تک اجمالی تاریخ ہے، اور خلفائے راشدینؓ کے علاوہ بقیہ حضرات عشرۂ مبشرہ اور ۲۸ اکابر مہاجرین صحابہ کے حالات، سوانح اور اخلاق و فضائل ہیں، ضخامت ۴۲۹ صفحات، قیمت:- للعہ

مہاجرین جلد دوم، اس میں بقیہ ۶۴ مہاجرین کرام کے سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے سیاسی مجاہدات و کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت ۳۲۳ صفحات قیمت [illegible]

سیر الانصار جلد اول، ابتدا میں ایک مقدمہ ہے جس میں انصار کی اجمالی تاریخ ہے، اور ۵۰ انصار کرام کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی علمی اور سیاسی کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت [illegible] صفحے قیمت [illegible]

سیر الانصار جلد دوم ضخامت ۴۸۰ صفحے قیمت [illegible]

سیر الصحابیات، اس میں ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانحعمریاں اور ان کے علمی اور اخلاقی کارنامے ہیں، ضخامت ۲۰۹ صفحے قیمت [illegible]

سیر الصحابہ حصہ ششم۔ اس میں امیر معاویہؓ، حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ، اور عبد اللہ بن زبیرؓ کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے سیاسی مجاہدات، کارناموں اور اختلافات کی پوری تاریخ ہے، ضخامت [illegible] صفحے قیمت [illegible]

| جلد ۳۳ | ماہ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۷ء | عدد ۲ |

مضامین

شذرات

۱۵؍جنوری ۱۹۳۴ء کے دو بجے دن کا وقت ہر حیثیت سے قیامتِ صغریٰ تھا، خصوصاً بہار اور اس کے حصۂ شمالی میں تو کہنا چاہئے کہ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ (اس گھڑی کا زلزلہ بڑی مصیبت ہوگا) کا نقشہ تھا، قیامت کے سانحوں اور حادثوں کا جو نقشہ قرآن نے کھینچا ہے، وہ چھوٹے پیمانہ پر حرف بحرف بہار میں نظر آیا، زمین کے طبقات کا الٹ جانا، پہاڑوں کا ہلنا، دریاؤں کا جوش مارنا، انسانوں کی نفسی نفسی، والدین کی اولاد سے، اور اولاد کی والدین سے بے تعلقی، ہر چیز قیامت کی مثال و نظیر تھی، اور یہ کہنا سچ ہے کہ انسانوں نے اپنے دو سو برس کے علم اور سائنس سے شمالی بہار میں جو کچھ بنایا تھا، اس کو خدائے قادر کے دو منٹ کے اظہارِ جلال نے عدمِ محض اور ہباءً منثورا کرکے دکھا دیا، لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ، (ایک قہر والے خدا کے سوا آج کس کی سلطنت ہے) کا صور اس قطعۂ ارض کے ہر ذرہ سے ہر شخص کو سنائی دے رہا تھا،

ہمارے صوبہ ہائے متحدہ پر گو اس کا اثر بہار سے کم پڑا، تاہم اس کے مشرقی اضلاع میں بعض جانوں کا اور اُن سے زیادہ عمارتوں کا نقصان ہوا، ہمارے ضلع اعظم گڈھ میں بھی چند جانیں ضائع ہوئیں، اور عمارتوں کو بھی صدمہ پہنچا، شہر میں جانوں کی ہر طرح خیریت رہی، البتہ چند کچے مکانات گر گئے، اور بعض پختہ عمارتیں پھٹ گئیں، شہر کی جامع مسجد کے میناروں کو سخت صدمہ پہنچا، دارالمصنفین کی عمارتوں کی بعض دیواریں پھٹ گئیں، مسجد کی خیریت رہی، کتبخانہ کی ایک دیوار گوشہ سے ایک انگل پھٹ گئی،

ہر آبادی میں اور ہر شخص پر اس زلزلہ کے الگ الگ جو اثرات ہوئے، اور جو ذاتی و مقامی تجربے اور مشاہدے ہوئے، اور بچ جانے، زخمی ہوجانے اور مرجانے کے جو مختلف حادثے اور واقعے پیش آئے، اگر اُن کو کوئی شخص قلمبند کرے تو اس کو خدا جانے کتنے عجائبات، اور آثار قدرت اور آیات بینات نظر آئیں، جنکی نہ کوئی علمی توجیہ ہوسکتی ہے، اور "بخت و اتفاق" کے بے معنی لفظ کے سوا کسی اور چیز سے اسکی تعبیر کیجا سکتی ہے، بجز اس کے کہ یہ کہا جائے کہ اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (خدا تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے)

اس سلسلہ میں ہمارے ایک صاحب علم لیکن دیندار دوست چودھری غلام احمد صاحب پرویز مقیم دہلی نے چند سطریں لکھ کر بھیجی ہیں، جو علم و دانش کے مدعیوں کے لئے بصیرت کا موجب ہونگی، لکھتے ہیں:۔

عین الیقین

"معجزہ اپنے وجود میں کسی خارجی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا، لیکن بعض اوقات ایسے واقعات رونما ہوجاتے ہیں، جن کی روشنی میں ان "محالات عقلی و عادی" کی سرحدیں طبعی ممکنات سے جاملتی ہیں، ۱۵ جنوری کو جو ہیبتناک زلزلہ آیا، اہل بصیرت کے لیے انسانی بے بسی و بیچارگی کی کھلی کھلی نشانیاں اپنے اندر رکھتا ہے، "بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ" میں بیٹھنے والے اس سراسیمگی میں ادھر اُدھر بھاگتے نظر آتے تھے کہ "اَیْنَ الْمَفَرّ" کی زندہ تفسیر معلوم ہوتے تھے، بڑے بڑے دماغ مختل اور دماغوں کی بڑی بڑی اسکیمیں دھری کی دھری رہ گئیں، اور بقول اکبر مرحوم،

یک گردشِ چرخ نیلوفری ۔۔۔ نہ انجن بماند نہ انجینری

لیکن اس کی تفصیلات میں ایک ایسا واقعہ نظر سے گذرا جو خاص طور پر قابل ذکر ہے، بنی اسرائیل کے لئے دریا کا پھٹنا اور راستہ دیدینا، روشن خیال حضرات کے نزدیک ایک "مذہبی افسانہ" سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا، حتی کہ

دورِ جدید کے بعض مفسرین بھی انکی تاویل میں مدوجزر کے روزانہ معمول سے آگے نہیں بڑھے، لیکن ۲۰ جنوری کے اسٹیٹسمین میں، جریدۂ مذکور کے نامہ نگار کی وساطت سے ایک صاحب نے، جو زلزلہ کے وقت پٹنہ کے قریب دریائے گنگا کے کنارے کھڑے تھے، حسب ذیل چشم دید واقعہ شائع کیا ہے :-

"جہاں میں کھڑا تھا اس کے مقابل دریا کے بیچ ریت کا چھوٹا سا ٹاپو تھا، ادھر کی طرف جہاں پانی کا بہاؤ کم تھا، کچھ لوگ اشنان کر رہے تھے، اور دوسری طرف جہاں پانی گہرا تھا کشتیاں اور اسٹیمر چل رہے تھے، یکایک تلاطم کی سی آواز آئی، پھر بھیانک سا شور سنائی دیا، اور میں کیا دیکھتا ہوں کہ پانی کے نیچے سے زمین ابھر کر ریت کے ٹاپو کے برابر آگئی، پانی ہٹ کر کہیں جذب ہوگیا، اور دریا کے آر پار خشکی کا مسلسل قطعہ بنگیا، اشنان کرنے والوں کا نچلا دھڑ بجائے پانی کے ریت میں تھا، اور کشتیاں اور اسٹیمر خشکی میں کھڑے تھے، پانچ منٹ تک یہی حالت رہی پھر یکایک اسی خشکی کے قطعہ سے پانی جوش مارتا ہوا دکھائی دیا، زمین پھٹی، اور کہیں کہیں پچاس پچاس فٹ لمبی دراڑیں پڑگئیں جنمیں سے پانی کے چشمے اُبلتے ہوئے نکلے، سب سے بڑی خلیج وہاں تھی جہاں پہلے ریت کا ٹاپو تھا، چند سکنڈ میں تمام دریا پانی سے بھر گیا، اور گنگا اپنی قدیم روانی سے بہے چلا جارہا تھا، گویا کوئی خلاف معمول واقعہ ہی نہیں ہوا"

اس واقعہ کے ذکر کرنے سے بنی اسرائیل کے واقعہ "فرق البحر" پر استشہاد مقصود نہیں، بلکہ صرف یہ کہ پرستارانِ سائنس مذہب کے خلاف یک طرفہ ڈگری صادر فرماتے وقت صرف اس قدر سوچ لیا کریں کہ سائنس کے اس قدر انکشافات و ترقی کے باوجود رموز فطرت کا ایک دفترِ بےپایاں ہے، جو ابھی ذہنِ انسانی کی دسترس سے بہت آگے ہے۔ اور خود سائنس کے نظریئے جنھیں وہ اس درجہ غیر متبدل اور اٹل سمجھ رہے ہیں، اُن کی حقیقت، دورِ حاضر کے ایک بڑے سائنسدان، مسٹر آرتھر سٹینلے ایڈنگٹن کے قول کے بموجب یہ ہے کہ

سائنس کے نظریئے دورِ گذشتہ میں بھی خطرناک غلطیاں کرتے چلے آئے ہیں، اور یقیناً آج بھی کرتے ہیں"۔

(پروپیگنڈ)

مقالات

سفرِ افغانستان

۳

انجمن ادبی کی اعزازی دعوتِ شب

ہز ایکسلنسی سردار شاہ محمود خاں وزیر حربیہ کے یہاں سلسلۂ گفتگو اتنا دراز ہوا کہ شام کے ۷ بج گئے اور ساڑھے سات بجے کابل کی انجمن ادبی نے جسکو یہاں کی رائل اکاڈیمی کہئے نو وارد ہندی مہمانوں کے اعزاز میں دعوتِ شب (ڈنر) کا انتظام کیا تھا، چنانچہ ہم لوگ یہاں سے سیدھے کابل ہوٹل کو روانہ ہوئے جہاں اس ڈنر کا اہتمام تھا، کابل ہوٹل کی عمارت اچھی خاصی پختہ اور بلند ہے، اور اس میں متعدد وسیع کمرے اور ہال ہیں، ہم لوگ پہلے ایک بغلی کمرہ میں بٹھائے گئے، اس کمرہ میں ہر طرف مہمانوں کے لئے کرسیاں بچھی تھیں، اکثر مہمان جو زیادہ تر اسی انجمن ادبی کے ارکان تھے، پہلے ہی سے آچکے تھے، کچھ لوگ بعد کو آئے،

یہ انجمن ادبی موجودہ حکومت کی تاسیسات میں سے ہے، ملک کے اکثر اہلِ علم و اصحابِ قلم اور تعلیم یافتہ نوجوان اسکے ارکان ہیں، شہزادہ احمد علیخاں درانی جو اسلامیہ کالج لاہور کے تعلیم یافتہ ہیں، اور دارالتحریر شاہی (سکریٹریٹ) کے ایک معزز منصب دار ہیں، اس کے سکریٹری ہیں، اس انجمن کی رکنیت ایک شاہی اعزاز ہے، ہر رکن کو سلطنت کی طرف سے علمی وظیفہ ملتا ہے تاکہ وہ علم و فن اور شعر و سخن کی خدمت آزادی اور خوشدلی کے ساتھ انجام دے سکے، یہاں تک کہ سرکاری ملازمین بھی جب اس انجمن کی رکنیت سے سرفراز ہوتے ہیں تو انکی تنخواہ کے علاوہ وظیفہ کی رقم الگ ملتی ہے، ارکان میں بوڑھے بھی ہیں، جوان بھی، قدیم عالم بھی، اور جدید تعلیم یافتہ بھی، محلوق اللحیہ بھی اور صاحبِ ریش دراز بھی، شاعر بھی اور نثر نویس بھی، عربی داں مضمون نگار بھی

بھی، اور انگریزی، فرنچ اور جرمن زبانوں کے مترجم بھی، اس انجمن کا ماہانہ رسالہ کابل ہر مہینہ بہت آب و تاب سے شائع ہوتا ہے،

سب مہمانوں کے آنے کے بعد انجمن کے صدر نشین نے کھڑے ہو کر فارسی میں خیر مقدم کا ایڈریس پڑھکر سنایا؛

خطابۂ خیر مقدم[1] جناب رئیس انجمن ادبی کابل

فضلائے محترم! اجازت دیجئے کہ افغانستان کے ادبا، اور اہل قلم کی یہ ادبی مجلس اپنے خلوص و محبت کے جذبات کو جناب کے سامنے پیش، اور آپ کی تشریف آوری پہ اظہار شکر کرتے ہوئے خوش آمدید اور صفا آوردید کہے،

ہندوستان کا وسیع ملک جو ہمیشہ سے نامور فاضلوں اور بڑے بڑے ادیبوں کا گہوارہ رہا ہے، اور جس نے اپنے آغوش میں بڑے بڑے مشہور لوگوں اور معروف سخنوروں مثلاً سراپا دل بیدل، صائب اصفہانی، کلیم، سلیم، طالب آملی، فیضی فیاضی، اور آخر میں شبلی نعمانی، اور آج صاحبان فکر بلند مثلاً مشہور اجتماعی فلسفی شاعر اقبال، اور فرزندان جلیل القدر مثلاً سر راس مسعود، علامہ سید سلیمان ندوی، اور مشہور پروفیسر ہادی حسن کو پیدا کیا ہے، یقیناً وہ خاک پاک ایشیا میں علم و فضل کا گہوارہ ہے، اور ہم اس کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، ہندوستان کے افق کے روشن ستاروں نے ہمیشہ فضائے عالم پر پرتو فگنی کی ہے، اور ایشیا و اہل مشرق کی عزت اور سربلندی کے لیے بہت بڑی اور قیمتی خدمتیں اور کوششیں کر دکھائی ہیں،

پس اگر ہم اس مشہور ملک کے آپ جیسے بزرگ و فرزانہ فضلا، کو اپنے ملک میں دیکھتے ہیں تو یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ ہم خوش اور مسرور ہو کر ایشیا کی بلند صلاحیت اور استعداد پر فخر کریں گے،

ایشیا؛ عظمت گذشتہ، ایشیا؛ متمدن قدیم، جو کسی زمانہ میں دنیا کے علم و تربیت کا گہوارہ اور فضل و ادب کا سرچشمہ تھا، اور جس کے قیمتی ذخیرے آج تک دنیائے موجودہ کی بہت سی ترقی یافتہ قوموں کو دولتمند بنائے ہوئے ہیں، ممکن تھا کہ وہ ایشیا موجودہ پستی و پسماندگی کی وجہ سے دلوں سے فراموش ہو جاتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اہل ایشیا میں جو

[1] یہ تقریریں دسمبر ۱۹۳۳ء کے رسالہ کابل میں بزبان فارسی شائع ہوئی ہیں، ہم ان کا ترجمہ رسالہ مذکور سے لیکر یہاں درج کرتے ہیں۔

قوم اس سرزمین کے نام، تاریخ اور مفاخر کو زندہ اور روشن کرنے میں بے انتہا جدوجہد سے خدمت کر رہی ہے، وہ ہندوستان ہی کے بچے اور نامور فرزند ہیں،

علی گڑھ کا عظیم الشان دارالعلوم (یونیورسٹی) جو فرزندانِ ایشیا کا بہترین علمی مرکز شمار ہوتا ہے، وہ کشورِ ہند کے ایک فرزند نجیب سر سید اعظم کی ہمت، جوانمردی اور مشرق دوستی کی ایک یادگار ہے! حضرت اقبال کے قیمتی آثار و تالیفات جنہیں سے ہر ایک نے اخلاق، سعی، عمل، اسرارِ اجتماع، جذباتِ شرق دوستی اور احساساتِ اسلام پرستی کی اہل ایشیا کے جسموں میں روح پھونکی ہے، یہ سب ملک ہند کے فرزندوں کی ہمت اور مجاہدات کے نمونے ہیں،

جس زمانہ میں افغانستان کے علم دوست اور ادب پرور بادشاہ یعنی غزنوی اور غوری اس کہسار سے رختِ سفر باندھ کر علوم و ادبیات کو ہمارے ملک میں یتیم چھوڑ گئے، تو اس وقت صرف ہندوستان ہی کی مستعد قوم تھی جس نے ہماری سرزمین کے شعراء و فضلاء کے قیمتی آثار اور گرانبہا جواہرات کو آج تک کے لیے محفوظ کر دیا، آج ہم دیکھتے ہیں کہ اقلیم ایشیا میں بلخ و غزنی کے شعراء و فضلا کے قدرداں، مشاہیرِ افغانستان کے قیمت شناس اور اکابرِ ایشیا و اسلام کے نام و آثار کو تازہ کرنے والے زیادہ تر ہندوستان ہی کے بزرگ اور حق شناس افراد ہیں،

آج جبکہ جناب باری کی بے انتہا رحمت کے فیض سے ہمارا افغانستان سخت خونین اور ہولناک بھنور سے نجات پا کر ایک علم دوست اور ادب پرور فرزند یعنی اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ غازی، مجددِ شرف و تاریخِ افغانستان قدیم کے لائق ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے، اور اس شہریار بزرگ کی کوششوں کے سایہ میں اپنے علم و ادب اور تاریخ کی تجدید کرنا چاہتا ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ زیادہ تر ہمدردی اور پذیرائی فضلائے ہند کی طرف سے ہو رہی ہے، یعنی ہندوستان کی شریف قوم کا شریف احساس و ادراک اسلام و ایشیا کے متعلق تمام مفید مقاصد کا زیادہ اہمیت کیساتھ اندازہ لگاتی ہے

ہندوستان، ایران اور افغانستان جو ادبیاتِ فارسی کا وطن اور شعرائے عظام و عالی خیال کا ملک ہیں، آپس میں ایکدوسرے کے اکابر اور شعراء کو بہت محبوب نظروں سے دیکھتے ہیں، اور اس پر دنیا کے سامنے توام فخر کرتے ہیں،

آخر میں ہم کہتے ہیں :- اے محترم فاضلو! نہ تنہا ملک ہندوستان بلکہ سارا ایشیا آپ کا معنوی وطن ہے، اور آپ کی بلند تمنائیں اور ارادے (جو آپ رکھتے ہیں) اور آپ کے مقصود کا ہدف خاک مشرق ہے! تمام اہل ایشیا خاصکر ہمارا افغانستان آپ کی بڑی امیدوں یعنی مشرق کی عظمت کی راہ میں خدا سے توفیق کی آرزو کرتا ہے، ہم نیز یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ افغانستان کا کوہستان یورپ کے تکلفات سے خالی ہے، اور اس سرزمین نے ابتک مادی پر تکلف مسرت کا کوئی موقع نہیں پایا ہے، اسلئے ممکن ہے کہ بیرونی ممالک کے خوش گذر مہمان کے سفر اور سیاحت کو پسند نہ کریں، لیکن ہم کو یقین ہے کہ ارباب علم خوب جانتے ہیں کہ یہ سرزمین سلطان محمود غزنوی کا وطن ہے، غوریوں اور ابدالیوں کا مرزبوم ہے، ابن سینا ے بلخی، سنائی غزنوی، عنصری، عسجدی، دقیقی، فاریابی، اور آخر میں سید جمال الدین افغانی کا مسقط الراس ہے، یقیناً سب جانتے ہیں کہ کشور افغانستان اس قوم کا جائے پناہ ہے جس کے افراد عموماً اسلامیت اور ایشیائیت کے مخلص دوست تھے، اور ایک شریف بادشاہ اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ غازی کا پایۂ تخت ہے، جو دنیائے اسلام و ایشیا کی عزت و بلندی کے تنہا ہوا خواہ ہیں، آخر میں ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ جلسہ جو آپ کے اعزاز میں منعقد ہوا ہے، ایک نمونہ ہے افغانستان کی قوم اور حکومت کے ادبا و فضلاء کے اظہار جذبات و احساسات کا، اور ہم کو آرزو ہے کہ آپ حضرات اپنے پیارے وطن میں اس ہدیہ کے نمایندہ بنینگے، جس سے مراد ہماری خالص محبت و اخلاص ہے، اور ہمارے معزز ہندوستانی بھائیوں کو عام طور پر ہمارا اسلام اور دوستانہ احترام پہنچائینگے، اور ہمارے اُن دلی اور معنوی تعلقات کا اُن سے تذکرہ کرینگے، جو سالہا سال سے ہمارے دل کے اندر ہندوستان کی محترم قوم کی نسبت موجود ہیں۔

خاتمہ میں اس زحمت کو قبول کرکے جو آپ حضرات نے ہم کو عزت بخشی اور ہماری انجمن کی دعوت کو قبول فرمایا اس کے ہم بہت ممنون اور متشکر ہوتے ہوئے آپ حضرات اور ہندوستان کی بزرگ قوم کی سعادت اور توفیق یابی کے خدا سے آرزومند ہیں، آخر میں ہم کہتے ہیں، مترقی باد عالم شرق! مسعود باد عالم اسلام!

اس کے بعد افغانستان کے مشہور شاعر جناب قاری عبداللہ خاں صاحب کی حسب ذیل نظم "خیر مقدم" کے عنوان سے پڑھکر سنائی گئی :-

عزیزاں زہندوستاں آمدند — درافغانستاں مہماں آمدند

درآناں یکے دکتر اقبالِ ہند — سخن پرور و واقف از حالِ ہند

ادیبِ سخن گسترِ نکتہ سنج — کہ ہر نکتہ اش بہتر آید ز گنج

چمن گردۂ طرزِ رنگینِ اوست — شکر پارۂ حرفِ شیرینِ اوست

کلامش چو اوجِ بلندی گرفت — سخن رتبۂ ارجمندی گرفت

زند طعنہ آہنگِ او برق را — کہ خواہاں بود نہضتِ شرق را

نویں شیوۂ را بہ سبکِ کہن — درآمیخت از قدرتِ علم و فن

چوں اندر سخن جادۂ نو گزید — پیامی ز مشرق بمغرب رسید

سخن را درآمیخت چوں با علوم — ازو زندہ شد طرزِ مولائے روم

چو فکرش پئے فیلسوفی گرفت — طراز سخن طرزِ صوفی گرفت

نوایش ہم آہنگ با نفخِ صور — کہ افسردگاں را درآرد بشور

چو بلبل بآہنگ کہسارِ ما — زہند آمد ایں طوطیِ خوشنوا

دگر آنکہ او نامور سید است — گزیں نخبۂ آلِ سرسید است

ہنرمند سر راس مسعود نام — کزو مکتبِ ہند دارد نظام

روانِ ہنرمندی و جانِ علم — علیگڑھ برو زود بستانِ علم

بعالم گر آں مکتب آوازہ یافت — زجہد وے ایں قدر و اندازہ یافت

رئیسِ دبستاں درآں مرز و بوم — شناسائے قابل بطرزِ علوم

سوم سیدِ ما کہ از ندوہ است — ز دانش بہ ہندوستاں قدوہ است

زفیضِ دمش تازہ شد جانِ علم — در اقلیمِ دانش سلیمانِ علم

چو گلکش بمعنی طرازنده شد | خیالاتِ شبلی ازو زنده شد
چو در شاهراهِ حقائق شتافت | معارف ازو رونقِ تازه یافت
مضامینِ او جمله محکم بود | نگارش بگلکش مسلّم بود
دگر مرد دانائے ہادی حسن | پروفیسرے واقف از علم و فن
بانگلیسی و فرس عالم بود | زبانِ دری را معلّم بود
ادیبِ سخن پرورِ فارسی | سخنہائے او گوہرِ فارسی
بلفظ دری چوں تکلم کند | ز شوقش شکر دست و پا گم کند
سخنہاش دلکش، بیانش ملیح | چو ایرانیاں لہجۂ او فصیح
ز بہرِ سیاحت دریں بوم و بر | کشیدند از ہند رختِ سفر
ز رہ ایں عزیزاں رسیدند خوش | بکابل کنوں آرمیدند خوش
ورودِ مشاہیرِ ہندی نژاد | بود رابطہ افزائے حب و وداد
ازیں آمدن دل چو گل گل شگفت | بصد خرّمی خیر مقدم بگفت
غنیمت بود دیدنِ دوستاں | چو در فصل گل جلوۂ بوستاں
مسلماں ز ہر جا بہم دوست بہ | چو بادام توأم بیک پوست بہ
بہمسایہ ہمسایہ گر وا رسد | برش بہرۂ دین و دنیا رسد
کہ از دید و وادید زاید وداد | زہم نگسلد رشتۂ اتحاد
دلِ صاف احباب خرّم بود | چو در بیں ہم رشتہ محکم بود

خوش است اے عزیزاں زہم پرس و جوئے
کہ آید مگر آب رفتہ بہ جوئے

اس نظم کے بعد مہمانوں کی طرف سے پروفیسر ہادی حسن نے ایرانی فارسی زبان میں ایک مفید تقریر کی جس میں نوجوان افغانوں کو شعر و سخن کے بجائے مغربی علوم و فنون کی تحصیل کی ترغیب دیگئی تھی، ان کے بیٹھنے کے بعد سید راس مسعود صاحب نے حسب ذیل برجستہ تقریر کی،

نواب مسعود جنگ ڈاکٹر سر سید راس مسعود کی جوابی تقریر

محترم بزرگو اور مہربان میزبانو! میں نہایت خلوص سے خوشی کا اظہار اور شکریہ ادا کرتا ہوں، اور اس توجہ کے شکریہ کے فرض سے جو آپ نے خاکسار کے حق میں فرمائی، میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتا، میں چاہتا ہوں کہ مسلمانانِ ہند کے دلی جذبات و احساسات آپ تک پہنچاؤں ہمارے درمیان علامہ سید سلیمان ندوی علمائے ہند کے نمایندہ ہیں، اور میرے معزز دوست علامہ اقبال اس گروہ کے نمایندہ ہیں جس نے قدیم و جدید عناصر کو ملاکر ان سے ایک روح پرور معجون تیار کیا ہے، میں نہ تو علماء کی جماعت سے ہوں اور نہ شعراء کے فرقہ سے، بلکہ میں نے اپنی تعلیم کا دور زیادہ تر یورپ کے ممالک میں ختم کیا ہے، لیکن میرا دل ان دونوں گروہوں کی عظمت و احترام سے سرشار اور لبریز ہے، آپ کو میں یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانانِ ہند آپ حضرات سے غیر معمولی محبت اور تعلق رکھتے ہیں، اور ہماری دلی آرزو یہی ہے کہ پیارے افغانستان کو مکمل امن و امان اور ترقی و آسایش کی حالت میں دیکھیں، اور چونکہ افغانستان جغرافی نقطۂ نظر سے ایشیا اور یورپ کے بیچ میں واقع ہے، اسلئے ہماری خواہش ہے کہ افغانستان اسلامی تہذیب و اخلاق کا بہترین نمونہ ہونے کیساتھ ٹھیک اسی وقت میں یورپ کے تمام مفید عناصر اور زیبائیوں کا جامع ہو، ہر چند کہ میں آپ حضرات کے عنایات کا بے حد ممنون ہوں لیکن میرے دل پر اس غیر معمولی شخصیت کا جو خوش قسمتی سے اس وقت آپ کا بادشاہ ہے ایسا اثر پڑا ہے کہ میں اس کو بیان نہیں کر سکتا، میں وہ وقت کبھی نہ بھولوں گا جب خوش قسمتی سے میری رسائی اعلیحضرت کی خدمت میں ہوئی، مجھے یقین ہے کہ جو سلطنت آپ کا جیسا ملت دوست بادشاہ رکھتی ہو یقیناً وہ سلطنت ترقی کے مدارج پر پہنچیگی، اب یہ آپ کا فرض ہے کہ بہمہ تن ہر ممکن ذریعہ سے انکی خدمت اور اطاعت پر آمادہ رہئے، اور اس کو باور کیجئے کہ اگر مجھ جیسا ناکارہ تعلیمات کے سلسلہ میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہے تو ان خدمات کے انجام دینے کے لئے میں ہر وقت

حاضر اور آمادہ رہونگا، لیکن ایک بات کہے بغیر میں آگے نہیں بڑھ سکتا، سلطنتِ افغانستان کے جوانوں کو چاہئے کہ سفید بال والوں کی عزت و احترام کا ہر وقت خیال رکھیں، ایسا نہ ہو کہ اختلافِ رائے سے اُن کی قومی وحدت میں رخنہ پیدا ہو جائے، تاریخ شہادت دیتی ہے کہ مسلمانوں کے تمام نقصانات آپس کے نفاق اور تفرقہ کا نتیجہ رہے ہیں، پس گذشتہ سے عبرت پکڑکر اب اتحاد و اتفاق کو اپنے مقاصدِ قومی کا مرکز بنائے،

آخر میں دوبارہ آپ کے پرخلوص عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور میں کبھی آپ کی مخلصانہ مہربانیوں کو فراموش نہ کرونگا،

سید راس مسعود صاحب کی تقریر کے بعد جو بہت دلچسپی کے ساتھ سُنی گئی تھی، کسی مزید تقریر کی ضرورت نہ تھی، لیکن حاضرین کے اصرار سے مجھے بھی مجلس ادبی کی مناسبت سے کچھ عرض کرنا پڑا،

سید سلیمان ندوی کی جوابی تقریر

برادرانِ ہمدین و ہموطن و عزیزانِ علم و فن! آج ہم بہت خوش نصیب ہیں جو اس مجمع میں ہم کو آپ حضرات کے ساتھ دیکھ رہے ہیں،

چند خادمانِ علم و ادب کو اعلیحضرت غازی کا یہاں بلانا، اور پھر ان کا اس ملک کے فضلاء و علماء کیساتھ اس ادبی جلسہ میں جمع ہونا، میرے نزدیک ایک پرشوکت تاریخی دور کا آغاز ہے،

برادرانِ گرامی! ہندوستان اور افغانستان دو جداگانہ سلطنتیں نہ تھیں بلکہ ایک تھیں، شاید ڈیڑھ دو سو برس کا عرصہ ہوا ہوگا جب ان دونوں ملکوں میں تفرقہ پیدا ہوا، یہ دونوں ملک قدیم بدھ دورِ حکومت میں ایک رشتہ میں منسلک تھے، جیسا کہ آپ کے ملک میں اس اتحاد کی سنگی یادگاریں زمینوں کے اندر ہر قدم پر دستیاب ہوتی ہیں، جو آپ کے عجائب خانہ میں بھی موجود ہیں،

آغازِ عہدِ اسلام سے تنہا آپ ہی تھے جن کے ذریعہ سے نہ صرف مذہب بلکہ علم و فن بھی ہندوستان کے قلب میں داخل ہوئے ہیں، سلاطین غزنی اور شاہانِ غوری یہاں رہتے تھے، لیکن ان کی حکومت کا دائرہ ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا، اسی طرح بابر کا خاندان ہندوستان میں مقیم تھا، لیکن اسکا دائرۂ حکومت افغانستان تک تھا، اور

یہ دونوں حکومتیں ایک شہنشاہی کے لئے ایسی تھیں جیسے ایک جسم میں دو ہاتھ ہوتے ہیں،

آج ڈیڑھ سو سال کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ یہ دونوں ہاتھ اگر اتحاد سیاسی کے لئے نہیں، تو اتحاد علمی و ادبی اور باہمی محبت کے استحکام کے لئے پھر مخلصانہ بڑھ رہے ہیں،

افغانی بھائیو! آپ کے بزرگوں نے ہندوستان میں صرف جسمانی اور مادی حکمرانی نہیں کی ہے، بلکہ معنوی اور ذہنی حکومت بھی قائم کی ہے،

فارسی زبان مدت تک ہندوستان کی ادبی اور علمی زبان رہی ہے، اور اب بھی ہے، یہ زبان صرف آپ کے وسیلہ سے ہم تک پہنچی ہے، آپ کے علماء میں سے میر زاہد ہروی جو آپ کے ہرات کے تھے، ان کے رسائل و تصنیفات ۳ سو سال سے ہندوستان کی عربی درسگاہوں میں فلسفہ کے اسباق کا انتہائی معیار ہیں،

فارسی زبان کے مشہور اور بڑے شعراء جو اس ملک میں پیدا ہوئے، جس طرح جائے پیدائش کے لحاظ سے افغانستان کے کسی شہر کی طرف منسوب ہیں، اسی طرح سکونت یا مدفن کے لحاظ سے ہندوستان کے کسی شہر سے نسبت رکھتے ہیں،

کتنے شاعر ہیں جو غزنی، بلخ، بدخشان یا آپ کے دوسرے شہروں اور علاقوں سے تھے، اور لاہوری اور دہلوی مشہور ہوئے، جس نے عوفی کی لباب الالباب کا مطالعہ کیا ہے، اس کو معلوم ہے کہ یہ شعراء ایک رشتہ وحدت میں اس طرح منسلک تھے کہ تاریخ بھی ان میں سے بعض کے لاہوری اور غزنوی ہونے کا فیصلہ مشکل سے کر سکتی ہے،

یہ دونوں سلطنتیں باہم اس قدر مربوط تھیں کہ اگر کوئی فاضل یہاں پیدا ہوتا تو اپنی عمر کا کچھ حصہ وہاں بسر کرتا تھا، اور وہاں پیدا ہوتا تو کچھ عرصہ کے لیے یہاں زندگی گذارتا تھا، مثلاً مسعود سعد سلمان جو شعراء کے دوسرے طبقہ سے ہے، اس کو ہندی یا افغانستانی کہنا اور تمیز کرنا سخت مشکل ہے،

میں نے جلال آباد اور کابل کے باغات دیکھے، پہاڑی چشموں، نہروں، فواروں، آبشاروں کا نظارہ کیا جو آپ کی سلطنت کی خاک کے ہر ذرہ سے نمایاں ہیں، تو مجھے یقین ہوا کہ خاندان بابر نے کشمیر اور ہندوستان میں

جو بکثرت باغ لگائے، جگہ جگہ مصنوعی چشمے بنائے وہ سب افغانستان کے قدرتی مناظر کی نقل تھی،

جلال آباد میں امیر شہید کے باغات، کابل میں بابر کا باغ، پغمان کے باغات، نیز افغانستان کے دوسرے باغ لاہور کے شالامار سے کیسی قدرتی مشابہت رکھتے ہیں،

اور مناظر فطرت کا یہ وطنی ذوق آل تیمور میں قدرتی طور پر ایسا موجود تھا کہ اسکو انھوں نے ہندوستان میں عملاً ظاہر کیا، یہانتک کہ دیوان عام اور خاص میں بھی گنگا اور جمنا گلکاری کے ذریعہ سے دکھائی گئی ہیں،

برادران علم و فن! جو کچھ پہلے ہوچکا کیا اب نہیں ہوسکتا؟ سیاسی تفرقہ، دوری اور علٰحدگی کا ذکر چھوڑیئے! یہ تغیرات عالم کی سرنوشت ہے کہا ہے چنیں گاہے چناں، سیاسی حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور سیاسی تعلقات ٹوٹتے اور جڑتے رہتے ہیں! لیکن علمی و ادبی تعلقات دائم اور برقرار رہتے ہیں،

سلطان محمود غزنوی کی تلوار عرصہ ہوا کہ ٹوٹ گئی، اور اسکی فتوحات کے اوراق صدیاں ہوئیں کہ بکھر گئے، لیکن حکیم سنائی غزنوی کا قلم اب تک باقی اور موجود ہے، اور ان کی ادبی فتوحات کے اوراق کا شیرازہ اب تک منتشر نہیں ہوا ہے،

آؤ، سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، اور آل بابر نہیں بلکہ سنائی غزنوی، مسعود سعد سلمان لاہوری، خسرو دہلوی، حسن دہلوی، فیضی اکبرآبادی، اور بیدل عظیم آبادی کے نام سے ہم ایک دوسرے کی طرف مودت و محبت کا ہاتھ بڑھائیں!

افغانستان نے ہمیشہ اپنے جسمانی زور اور مادی طاقت کے متعلق دنیا سے خراج تحسین وصول کیا ہے لیکن اب ضروری ہے کہ وہ اپنی دماغی طاقت اور ذہنی پہلوانی کا خراج بھی دنیا سے وصول کرے،

آپ کی ادبی انجمن تحسین و ستایش کی مستحق ہے کہ اس نے اس راستہ میں قدم اٹھایا ہے، اور ہر مہینہ میں اپنی طاقت اور زور کا نمایاں خوبی کیساتھ مظاہرہ کرتی ہے،

میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ رسالہ کابل، ہندوستان بلکہ ایشیا کے بہترین علمی رسالوں کے دوش بدوش بڑھ رہا ہے، اور اس مسرت انگیز دور کے ظہور میں اسکا ہاتھ سب سے زیادہ کار فرما ہے،

پڑوسی بھائیو! کیا یہ تعجب کا مقام نہیں ہے کہ ہم انگلستان، فرانس، اور جرمنی کے ایک ایک شاعر اور ادیب سے واقف ہوں، اور ان کے شاہکاروں پر سر دھنیں، لیکن ان دو ہمسایہ ملکوں کے ادبا اور اہل قلم آپس میں ایک دوسرے سے ناآشنا اور اجنبی رہیں، حالانکہ ان دونوں کے قدیم بزرگوں کے درمیان نہ صرف وطنی تعلقات تھے، بلکہ شاید مذہبی اور نسلی اتحاد بھی موجود تھا،

لیکن اس سے زیادہ یہ کہ ان کے درمیان ایک ناقابل شکست علمی و ادبی اتحاد تھا، اور کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ دو صدیوں سے ہمارے درمیان اس قدر بُعد اور دوری ہو گئی ہے کہ نہ ہم آپ کے شعراء اور ادیبوں سے واقف ہیں، اور نہ آپ ہمارے،

ہم کو انجمن ادبی کے رسالۂ کابل کا ممنون ہونا چاہئے جس نے یہاں کے لائق اہل قلم اور شعراء و ادباء سے ہمارا تعارف کرایا، اور ہم نے باہم ایک دوسرے کو پہچانا ہے،

برادرانِ علمی و فنی! اہل سیاست کو ان کی شعبدہ بازیوں میں مصروف رہنے دیجئے، اور آئیے کہ ہم علم وفن کے نام سے پیانِ محبت و دوستی کو تازہ اور عہدِ رفاقت و آشنائی کو مستحکم کریں، اور ہم دونوں اپنے اپنے وطن کے اندر رہ کر علم و ادب کے ایک جدید مشرق کی تعمیر میں دوش بدوش کام کریں، دلوں کا اتحاد جس طرح کا بھی ہو بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کو دور کر دیتا ہے،

ہندوستان اپنے نوجوانوں کے ذریعہ سے اپنی تعمیر میں مصروف ہے، اور افغانستان بھی، لہذا یہ ضروری ہے کہ اس تعمیر میں دونوں ملکوں میں سے ہر ایک کے نوجوان دوسرے ملک کے نوجوانوں کے ساتھ حسنِ ظن اور حسنِ اعتماد رکھیں! اگرچہ اس اتحاد کی راہ میں بہت سے مشکلات پیش آتے ہیں، لیکن اس مقصدِ عزیز کے حاصل کرنے کے لئے ہم کو سیکڑوں طرح کے مشکلات کا مقابلہ کرنا چاہئے، ع

بہر یک گل زحمتِ صد خار می باید کشید

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین،

(باقی)

معجزاتِ رسُولؐ

۔

از

۔

مولوی سید محمد طٰہٰ صاحب اشرؔف، قادری، امتھوی،

رسالہ جامعہ ماہ اکتوبر میں سیرۃ النبی پر تنقید کے بہانہ سے حافظ اسلم صاحب جیراجپوری نے اپنے مخصوص
عقائد کی اشاعت کی ایک نئی تدبیر اختیار کی ہے،

بظاہر تو انھون نے سیرۃ النبی پر تنقید لکھی ہے، لیکن درحقیقت یہ نہ تنقید ہے، نہ تبصرہ، بلکہ صاحب مضمون کو
تنقید سیرت کے نام سے اپنے دیرینہ خیالات کا نشر و اشاعت مقصود ہے، انھون نے اس میں پھر وہی پرانا راگ
چھیڑا ہے، جس سے سرسید مرحوم کے زمانہ سے ہم گوش آشنا ہو چکے ہیں، صاحب نقد کو جب کتاب کے نفس موضوع
(معجزہ) یا نفس کتاب (سیرۃ) ہی سے اختلاف کلی ہے، تو پھر اس زحمت تنقید کی کیا ضرورت تھی، صرف یہی لکھدینا
کافی تھا کہ معجزہ بلکہ سیرۃ النبی کا دار و مدار نقل و روایت پر ہے، اور یہ قابل تسلیم نہیں، اسلئے "این دفتر بے معنی غرق مے
ناب اولیٰ" اس طرح بیک جنبش قلم علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی ہی نہیں، بلکہ جملہ اکابر سلف محدثین کرام
اور علمائے اسلام کی بیش بہا اور جلیل القدر خدمات دینی کی قرار واقعی قیمت مل جاتی،

میں نے نہ سیرۃ النبی کی یہ جلد دیکھی ہے، اور نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ نقاد نے سید سلیمان ندوی کے مضا
مین
سے کہانتک ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے، اسلئے اس صحبت میں اس بحث و تردید سے قطع نظر نقاد
کے اصل دعویٰ کی قرآن کی روشنی مین جانچ پرتال منظور ہے،

نقاد کا دعویٰ ہے کہ سرور کائنات صلعم (عیاذاً باللہ) معجزات حسی و مادی سے معرا تھے، اس دعویٰ کے

ثبوت میں قرآن سے استدلال اور حدیث سے اعراض ہے،

انکار حدیث کے متعلق جامعہ کی گذشتہ صحبتوں میں کافی مباحثہ ہو چکا ہے اور پنجاب میں مولوی عبد اللہ چکڑالوی کے فتنہ سے لیکر حافظ صاحب کی تقلیدی تحقیق تک ہر چیز کا جواب اہل سنت کی طرف سے دیا جا چکا ہے اور خود رسالۂ مذکور میں بھی چھپ چکا ہے، بنا بریں حافظ صاحب کے لئے ہرگز زیبا نہ تھا، کہ ایک طے شدہ مضمون اور ایک ختم شدہ بحث سے اعراض فرماکر پھر از سرِ نو اسی موضوع کو چھیڑ دیں،

کچھ عرصہ ہوا کہ موصوف نے اپنی برسوں کی محنت و ریاضت، اور عرصہ کی تحقیق و تفتیش کا ثمرہ "وضعِ حدیث" کے عنوان سے ناظرینِ جامعہ کی خدمت میں پیش کیا تھا، کہ احادیث اس کثرت سے وضع کیگئی ہیں، کہ سچائی کے یہ چند قطرے دریائے کذب میں فنا ہو گئے ہیں، غالبًا اس وقت تک صاحبِ نقد کو حدیث سے انکار نہ تھا، اور اس "تحریر" کا منشا صرف یہ تھا کہ استدلال بالحدیث میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے،

لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد انھوں نے "منکرینِ حدیث" کے پردہ میں ایک قدم اور آگے بڑھایا، اور حدیث و سنت کے حجتِ دینی اور دلیل شرعی ہونے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ حدیث دینی تاریخ ہے اور بس، اور یہ کہنا بھی تحقیق نہیں، بلکہ صاحب دعوۃ الحق کی تقلید محض ہے، لیکن افسوس آج ہمارے مورخ نے وہ نقاب بھی الٹ دی، اور کھلم کھلا احادیث و سنت سے اعراض فرماتے ہیں، اور اس کو دینی تاریخ کی حیثیت دینا بھی گوارا نہیں کرتے،

جب حافظ صاحب کے اعراض و انکار کی جرأت و بسالت اس طرح روز افزوں ہے تو خدا حافظ، مسلمانوں کے پاس حدیث و سنت وہ نادر اور بے بہا گنجینہ ہے جسکا جواب دنیا کی کسی قوم، کسی مذہب اور کسی ملت کے پاس نہیں جس پر غیر اقوام کی نگاہِ رشک ہمیشہ انتہائی حیرت و استعجاب سے پڑتی ہے،

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب لکھتے ہیں:۔

"کوئی قوم دنیا کی ایسی گذری، اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے"[1]

[1] مقدمہ سیرۃ النبی جلد اول علامہ شبلی ؒ،

ریویڈ باسورتھ اسمتھ کے الفاظ یہ ہیں :-

"لیکن اسلام ؟ اس میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نام کو نہیں، کوئی شخص یہاں نہ خود دھوکا کھا سکتا ہے، اور نہ دوسروں کو دھوکا دیسکتا ہے، یہاں پورے دن کی روشنی ہے، جو ہر ایک چیز پر پڑ رہی ہے، اور ہر ایک تک پہنچ رہی ہے[1]"

جان ڈیون پورٹ کا قول ہے :-

"اس میں کچھ شبہ نہیں، کہ تمام مصنفون اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس کی سوانحِ حیات محمد (صلعم) سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں[2]"

مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہمارا وہ مایۂ ناز سرمایہ جس پر غیروں کو رشک ہے، ہمارے اسلاف کا وہ لائق فخر کارنامہ جس کی اغیار قدر و عزت کرتے ہیں، ہمارا وہ بہترین ذخیرہ جس پر دوسروں کو اعتماد ہے، ہمارے نزدیک ناقابلِ اعتماد، لائقِ نفرت، اور کسی قدر و قیمت کا مستحق نہیں، انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند سعدی از دستِ خویشتن فریاد

کیا انکارِ معجزہ کے لیے ہیوم کا قول حافظ صاحب کے لیے سند، اور اتباعِ حدیث و سنت کے لیے ان مستشرقین یورپ اور استادانِ تہذیب کے اعترافات میں کوئی درسِ عبرت نہیں ؟

مدعیانِ عمل بالقرآن کا یہ دعویٰ کہ ہم عامل بالقرآن ہیں سراسر مغالطہ ہے، اس لئے کہ انکارِ حدیث صرف حدیث ہی کا انکار نہیں، بلکہ اجماعِ امت اور خود قرآن کا انکار ہے، کیونکہ اتباعِ حدیث و سنت کے وجوب اور اجماعِ امت سے اختلاف کی حرمت پر خود قرآن ناطق ہے، اور نصِ صریح گواہ،

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ۔

اور اطاعت کرو خدا کی، اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی

---

[1] محمد اینڈ محمڈنزم [2] اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن،

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا۔ (النساء پ۵)

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کے برخلاف کرے، اور مومنین کی راہ کے سوا دوسرے راستہ کی پیروی کرے ہم اسکو اسی طرف متوجہ کر دینگے، جدھر وہ متوجہ ہوا، اور اسے جہنم میں ڈالدینگے جو کہ بہت بری جگہ ہے،

اتباع حدیث وسنت کی اس تاکید شدید اور اجماع امت سے اختلاف کی اس زبردست وعید کے بعد کوئی انصاف پسند حدیث وسنت اور اجماع امت سے انکار کی ہمت نہیں کرسکتا، فرض کرتا ہوں کہ خبر احاد سلسلۂ اسناد کے متعدد نہ ہونے کی وجہ سے ظنی ہیں، لیکن اتنا تو ضرور تسلیم کرنا ہوگا، کہ اس ظن کے دو پہلو ہیں، صحت اور عدم صحت، جس طرح اس کے عدم صحت کا احتمال ہے، اسی طرح اس کے صحیح ہونے کا امکان بھی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ اس ظن کے ایک پہلو (عدم صحت) کو آپ تسلیم کر لیتے ہیں، اور اس کو بے وجہ راجح قرار دیتے ہیں، اور اس کے دوسرے پہلو (صحت) سے جس کی تقویت قرآن اور اجماع امت سے ہوتی ہے، جس کی صحت پر اطمینان دلانے کے لیے اصول روایت ودرایت حاضر ہیں، آپ بے سبب انکار کرتے ہیں، اور بلا دلیل اس کو مرجوح قرار دیتے ہیں، اور آپ کے دل میں یہ خطرہ تک نہیں گذرتا، کہ اس اعراض وانکار سے کہیں ہم بھی وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ کی زد میں نہ آجائیں،

سید صاحب کو جواب دیتے ہوئے ایک جگہ وہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"لیکن پھر بھی ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ خبر احاد پر زندگی کے روزانہ کاروبار میں ہم عمل درآمد کرتے ہیں، لیکن مذہبی چیزوں میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ ان کے ماقبل اور متعلقات سے ہم بذات خود واقف ہوتے ہیں، اس لیے یہ یقین نفس خبر احاد کی بنیاد پر نہیں ہوتا، بلکہ خارجی قرائن سے ہوتا ہے:

جس طرح دنیاوی کاروبار میں خبر احاد پر یقین واذعان خارجی قرائن سے ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح مذہبی امور اور دینی معاملات میں بھی خبر احاد پر یقین کرنے کے لیے قرائن ہیں، کھرے کو کھوٹے سے پرکھنے کے لئے ہزاروں

کسوٹیاں ہیں، قرآن میں نظر کیجئے، اجماع امت کو دیکھئے، عقل سلیم سے کام لیجئے، اصول روایت و درایت سے راویوں کو اور روایتوں کو پرکھ لیجئے، پھر جو حدیث قابل قبول ہو اس کو قبول کیجئے، جو ناقابل قبول ہو اس سے انکار کیجئے، ورنہ نفس حدیث و سنت سے انکار، اور صدور معجزات رسول سے اعراض، تو قرآن کی نافرمانی اور اجماع امت سے روگردانی ہے، جو نص صریح سے حرام قطعی ہے،

پھر ایک جگہ وہ سید صاحب کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"سبب یہ ہے، کہ دنیا ے یقین کے عملی کاروبار میں محض باتوں میں اگر ہم شک کریں یا انکار کردیں تو کوئی ملزم ٹھہرانے والا نہیں، لیکن مذہب کی یا معجزات کی کسی روایت میں اگر ہم شک لائیں، یا انکار کریں تو آپ ہی کفر کا فتوی دینے لگیں گے"

لیکن کیا دنیاوی معاملات میں آپ ایسے شخص کو احمق، وہمی، اور شکی نہیں کہتے جو ہر روایت کو غلط اور اطلاع کو غیر معتبر ٹھہرائے، اصطلاحات کا فرق ہے، بات ایک ہوئی، پھر ہم ناقد کے اس علم کو کیا کہیں جسکی بنا پر وہ مسلمانوں پر یہ تہمت لگاتا ہے، کہ وہ خبر احاد کے منکر کو کافر کہتے ہیں، حالانکہ اصول میں یہ مسئلہ صاف ہوچکا ہے کہ خبر احاد کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا،

بات یہ ہے کہ آجکل مذہبی پابندیوں کے برخلاف ایک بغاوت برپا ہے، اور دیکھا یہ گیا کہ مذہبی پابندیاں زیادہ تر احادیث کے ذریعہ سے عائد ہوتی ہیں، اور قرآن تو ایک بحر زخار اور دریاے ناپیداکنار ہے، جہاں سے دل چاہا، جو بات مطلب کے موافق ہوئی مان لی، اور جو بات خلاف مطلب ہوئی اس کی تاویل کی یا انکار کردیا، پھر اس اختلاف اور جھگڑے کا فیصلہ کرنے والا ثالث کوئی نہیں، مفسرین، محدثین، اکابر علما و صلحا حدیث و سنت ایک طرف، اور لا نسلم ایک طرف، اس لئے قرآن کی آڑ میں حدیث و سنت سے انکار کردیا گیا،

انکار معجزہ کے لیے حدیث و سنت کے خلاف، حافظ صاحب نے جتنی دلیلیں اور تاویلیں پیش کی ہیں انکے متعلق صرف ایک بات عرض کرتا ہوں، جس کے بعد ہر قسم کی تاویلوں کا دروازہ قطعی طور پر بند ہوجاتا ہے،

سوال یہ ہے کہ قرآن بھی تو آپ تک روایت ہی کے ذریعہ سے پہنچا ہے، پھر اسکی صحت اور قطعیت پر کیوں یقین کامل ہے؟ جواب اگر ہوسکتا ہے تو صرف یہی کہ وہ نقل متواتر سے ہم تک پہنچا ہے، اور خبر متواتر سے اذعان و یقین حاصل ہوجاتا ہے اور وہ مشاہدہ کے حکم میں ہے،

پھر آنحضرت صلعم کے صدور معجزۂ حسی سے جو کہ علی التواتر ثابت ہے، آپ کیوں انکار کرتے ہیں؛ جزئی روایا معجزہ کو قبول کرنے نہ کرنے کا آپ کو حق ہے، اور اس کے متعلق آپ ہزاروں تاویلیں کرسکتے ہیں، لیکن نفس معجزۂ حسی کے صدور کے متعلق تو چون وچرا کی گنجایش نہیں، کیونکہ نفس صدور معجزۂ حسی کو رواۃ حدیث کی جماعت کثیرہ متفقہ طور پر بیان کرتی ہے، اختلاف روایت کسی خاص معجزہ کے بیان میں ہے، نہ کہ صدور معجزہ میں، اور خبر احاد ہی کے ذریعہ سے سہی، تاہم ان سب کے متفقہ اور اجماعی بیان سے صدور معجزۂ حسی بالتواتر ثابت ہے،

پس جس طرح قرآن یقینی ہے، اسی طرح آنحضرت صلعم سے صدور معجزۂ حسی بھی یقینی ہے، اور جو شخص آج حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نفس صدور معجزات سے انکار کرسکتا ہے کل قرآن کی صحت وقطعیت سے بھی انکار کرسکتا ہے،

خبر حدیث کو جانے دیجئے، اور تواتر سے بھی تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کیجئے، قرآن کو تو آپ بھی مانتے ہیں، ہم بھی مانتے ہیں، تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم، آیئے اسی قرآن سے جسپر ہمارا آپ کا اتفاق اور ایمان ہے، اس بحث کا فیصلہ کریں،

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، کہ کوئی صاحب عزم نبی ایسا مبعوث نہیں ہوا جس کو کوئی معجزہ اور کوئی کھلی ہوئی نشانی عطا نہ کیگئی ہو، اس لیے کہ معجزہ ثبوت دعویٰ نبوت کے لیے دلیل قاطع ہے، جس طرح ہر دعویٰ کے لئے ایک دلیل درکار ہے، اسی طرح دعوئے نبوت کے ثبوت کے لیے خوارق عادات کا ظہور بھی ضروری اور یقینی ہے، جس طرح کوئی دعویٰ بلا دلیل قابل تسلیم نہیں اسی طرح محض دعویٰ نبوت بھی ناقابل قبول ہے، ارشاد ہوتا ہے؛

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ   پس اگر یہ لوگ آپکو جھٹلاتے ہیں، تو (کیا ہوا؟) آپ

قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (آل عمران پ ۴) قبل بہت سے انبیا جھٹلائے جا چکے ہیں، یہ معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب لیکر آئے تھے،

اس آیت پاک میں زبر (صحیفے) اور کتاب منیر کے علاوہ البیّنات ایک تیسری چیز کا ذکر ہے، جس کا اطلاق قرآن میں دو چیزوں پر ہوا ہے، ایک آیات کتاب اور دوسرے معجزات، جب اس کے بعد ہی کتاب کا لفظ موجود ہے تو متحقق ہے کہ بینات سے مراد معجزات غیر کتاب ہیں، اس لئے اگر سرور کائنات صلعم کی نبوت پر ایمان کامل ہے، تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سنت الٰہی کے مطابق آپ بھی یقیناً صاحب معجزات تھے، ورنہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم معجزات سے معرا تھے، اور قرآن کے سوا آپ کو کوئی نشانی نہ ملی تھی تو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ کفار اپنے تذبذب اور تامل میں حق بجانب تھے، اسلئے کہ ان کے سوال کے مطابق ایک بار بھی انکی تشفی نہ کی گئی، منکرنے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ

"معجزہ دکھلانے کے بعد اتمام حجت ہو جاتا ہے، اور پھر اگر کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو اسکی ہلاکت لازمی ہو جاتی ہے، جیسا کہ قرآن کی متعدد آیات میں تصریح ہے، اس لیے یہ سلسلۂ ابتلا رحمۃ للعلمین کے عہد میں بند کر دیا گیا"

یہ تاویل محض اسلئے ہے کہ انکار معجزات رسول سے عامۃ المسلمین کے جذبات کو جو ٹھیس لگی ہے، اور تنقیص شان رسول کا پہلو جو نمایاں ہو گیا ہے اس کی کچھ تلافی ہو جائے، ورنہ یہ کون نہیں جانتا، کہ معجزہ دلیل نبوت ہے، نہ کہ اتمام حجت، محض معجزہ دکھلا دینا اتمام حجت نہیں ہو سکتا، اور نہ ہر معجزہ کے بعد ہلاکت لازمی ہو جاتی ہے، آپ ایسی مثال پیش کرنے سے یقیناً قاصر رہینگے، کہ کسی قوم کو صرف ایک دفعہ معجزہ دکھلا کر ہلاک کر دیا گیا ہو، ہاں اتمام حجت کی یہ نظیر البتہ ملے گی، کہ ثبوت نبوت کے لیے انبیا نے معجزات دکھلائے، پھر رفع توہمات اور ازالۂ شکوک کے لیے سوال کے مطابق بھی معجزات پیش کئے، اس پر بھی اگر کوئی قوم ایمان نہ لائی، تو وہ اس جرم میں ہلاک کیگئی، بطور مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ عرض ہے،

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے آگے جاکر دعوائے نبوت کرتے ہیں، اور ثبوت میں معجزات پیش کرتے ہیں،

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ، تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی (معجزہ) لایا ہوں،

فرعون معجزے طلب کرتا ہے،

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ، فرعون نے کہا اگر کوئی معجزہ لائے ہو اور سچے ہو تو پیش کرو،

حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزات پیش کرتے ہیں،

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ، (اعراف ۹/۱۳) (حضرت موسیٰ نے) اپنا عصا ڈال دیا، پس وہ دفعۃً اژدہا بن گیا، اور اپنا ہاتھ باہر نکالا، پس یکایک وہ دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکدار ہو گیا،

فرعون معجزے دیکھ کر ایمان نہیں لاتا، سحر وجادو کہکر ٹال دیتا ہے، اگر معجزہ دکھلا دینا اتمام حجت، اور موجب ہلاکت ہے، تو فرعون کیوں نہ اسی وقت ہلاک کر دیا گیا؟ پھر جادوگروں سے مقابلہ کی ٹھہراتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام علانیہ بین کامیاب ہوتے ہیں، اور فرعون کی تشفی اچھی طرح کر دیگئی کہ یہ سحر وجادو نہیں ہے، اس پر بھی فرعون ایمان نہیں لاتا، اور دوبارہ معجزہ دکھلانے اور اتمام حجت کے باوجود ہلاک نہ کیا گیا؟ معلوم ہوا معجزہ دکھلانے سے اتمام حجت نہیں ہوا، بلکہ اتمام حجت کے لئے وہ بار بار مبتلائے عذاب کیا گیا تاکہ خواب غفلت سے بیدار ہو، اور جب اس نے بار بار یہ عہد کیا کہ اگر ہم سے عذاب دور کر دیا جائے، تو ہم ضرور ایمان لائینگے، لیکن عذاب دور ہونے کے بعد بھی جب ہمیشہ عہد شکنی کرتا رہا تو ہلاک کر دیا گیا،

کیا یہ بات کسی انسان کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ فرعون اور آلِ فرعون کے ساتھ تو اتنی رعایتیں روا رکھی گئیں لیکن رحمۃ للعلمین کے عہد میں خدا کی رحمت کا دروازہ اس طرح بند تھا، کہ رحمۃ للعلمین کے قرابتداروں اور رحمۃ للعلمین کے اہلِ وطن کو دو ایک معجزے دکھانا بھی اتمام حجت اور ان کی ہلاکت کا باعث ہو جاتا؟

ایمان کی پوچھیے تو جسطرح آنحضرت صلعم تمام امور میں جملہ انبیائؑ سے افضل تھے، اسی طرح معجزات میں بھی آپ کو تمام انبیاء پر فضیلت تھی، اگلے انبیا کو چند مخصوص معجزات ملے، لیکن آپ کے معجزات مخصوص نہ تھے، اسی لئے اگلے انبیا کے انھیں خاص خاص معجزات کا ذکر قرآن میں بار بار ہے، کیونکہ وہی اُن کے لئے مابہ الامتیاز تھے، اور حضرت سرور کائنات صلعم کے معجزات کی تکرار قرآن شریف میں موجود نہیں، اسلئے کہ وہ آپ کے لیے کوئی اہم چیز نہ تھی، اور نہ آپ محض معجزات کی وجہ سے صفِ انبیائؑ میں ممتاز تھے، خداوند عالم کے نزدیک آپ کی زندگی کا ہر باب، حیات طیبہ کا ہر دور، زندگی کی ہر ساعت، مکارم اخلاق کے ہر شعبے، رحمت و رافت کی ہر ادا ایک معجزہ تھی، بایں ہمہ ضمناً حضور کے معجزات کا ذکر قرآن میں بکثرت موجود ہے، اور ناممکن ہے کہ کوئی انصاف پسند اس سے انکار کر سکے،

اگر منکر کسی ایسے نبی کے معجزات سے انکار کرتا جس کو دنیا تقریباً بھول چکی ہے اور جنکے حالات زندگی پردۂ دنیا سے مٹ چکے ہیں، تو خیر ممکن تھا کہ لوگ سُن لیتے لیکن افسوس کہ وہ ایک ایسے محترم رسول کے معجزات سے انکار کرتا ہے، جو لاریب افضل الانبیا والمرسلین تھے، جو تیرہ سو برس گذر جانے کے بعد آج بھی ہماری نظروں کے سامنے اسی طرح موجود ہیں اور جنکے حالات زندگی دوسرے صحائفِ آسمانی سے زیادہ محفوظ ہیں،

اس سے پہلے کہ میں معترض کے دلائل کی تردید کروں، چند غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں،

ا۔ معترض نے مختلف سورتوں اور مختلف مقامات سے مطالبۂ کفار کو ایک جگہ جمع کر کے، سورۂ بنی اسرائیل کی ایک آیت کو اس طرح جواب میں پیش کیا ہے کہ بادی النظر میں ہر شخص دھوکا کھا سکتا ہے کہ کفار کا یہ سوال تھا اور خداوند عالم کا یہ دو ٹوک اور صاف جواب، حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے، ان آیتوں میں، بلکہ جہاں جہاں کفار کے مطالبات بطور تردید نقل کئے گئے ہیں، وہیں اُن کے جواب بھی موجود ہیں، جس سے ہرگز یہ مترشح نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلعم معجزات سے خالی تھے، بلکہ بعض مقامات پر تفصیل موجود ہے، کہ کفار اس مطالبہ کے قبل معجزات دیکھ چکے تھے، (ثبوت آگے آتا ہے)

۲۔ وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ الآیہ سے ناقد کی تصریح کی بنا پر یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ اگر واقعی سرور عالم صلعم کو کوئی معجزۂ حسی ملتا تو پھر ایسی خواہش دل میں کیوں پیدا ہوتی لیکن ایک طالبِ حق کے لیے اسی سورہ اور اسی پارہ میں ایسی تصریح موجود ہے کہ پھر کسی شک اور شبہ کی گنجایش نہیں، واقعہ یہ تھا کہ ایک بار کفار نے کوئی خاص مطالبہ پیش کیا اور قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے لگے کہ اگر یہ معجزہ دکھلا دیجئے، تو ہم ضرور ایمان لائینگے، کفار کے اس عہد سے صرف رحمۃ للعلمین ہی نہیں بلکہ مومنین کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی خصوصاً حضور پر عدم ظہور معجزہ شاق گذرا، کیونکہ آپ سمجھ رہے تھے، کہ اس معجزہ کے ظاہر ہونے کے بعد کفار بموجب عہد ضرور ایمان لائیں گے اسلئے بطور تنبیہ کفار کے مکائد سے آپ کو آگاہ کیا گیا،

غرض حضور کے دل میں یہ خواہش ایک خاص وقت ایک خاص واقعہ کے تحت میں پیدا ہوئی اور پھر اس سے آپ سے صدور معجزات کے انکار کے باب میں حجت پکڑنا کسی طرح لائقِ التفات نہیں ہو سکتا اسلیے کہ عبارۃ النص کے مقابلہ میں اشارۃ النص اور دلالۃ النص کوئی چیز نہیں،

۳۔ لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی،	اس کو کوئی نشانی ایسی کیوں نہ دی گئی جیسی موسیٰ کو دی گئی تھی،
فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَۃٍ کَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ	چاہئے کہ ہمارے پاس وہ کوئی ایسی نشانی لائے جیسی اگلے انبیا دیکر بھیجے گئے تھے،

کا منشا ہرگز یہ نہیں، کہ کفار صرف کسی معجزۂ حسی کے طالب تھے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھیں معجزات کا اکثر مطالبہ کرتے تھے، جو اگلے انبیا کو ملے تھے، اور جنکا انھیں علم تھا، مثلاً توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مکمل کتاب یک دفعہ لوح پر لکھی ہوئی عطا ہوئی تھی،

وَکَتَبْنَا لَہٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَۃً وَّتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (اعراف ۱۸)	اور ہم نے (خدا نے) تختیوں میں موسیٰ کے لئے ہر چیز میں نصیحت کے لئے اور ہر چیز کی تفصیل لکھدی،

اس طرح آنحضرت صلعم سے بھی وہ مطالبہ کرتے تھے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً (الفرقان ۱۹) — اور کفار نے کہا کہ قرآن اس پر ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں اتارا گیا،

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ (انعام پ) — اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب بھی اتارتے تو بھی یہ لوگ یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے،

یا جسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مار کر نہر جاری کر دی تھی،

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (البقرہ پا) — اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا، تو ہم نے حکم دیا کہ پتھر پر عصا کو مارو، پس بارہ۱۲ چشمے پھوٹ نکلے،

سرور کائنات صلعم سے بھی سوال کیا گیا،

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۔ (بنی اسرائیل پ۱۵) — ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، جبتک کہ آپ (مکہ کی پتھریلی) زمین سے ہمارے لئے نہر جاری نہ کر دیں،

یا جس طرح بعض انبیا کا یہ معجزہ تھا کہ قربانی کرتے، اور آگ اس کو آسمان سے آکر کھا جاتی، آپ سے بھی کہا گیا کہ یہ معجزہ دکھلائیے

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ، (آل عمران پ) — جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا تھا کہ ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہ لائیں، جبتک کہ وہ معجزۂ قربانی نہ لائے جسکو آگ کھا جائے، کہدیجئے کہ بیشک مجھ سے پہلے بہت سے انبیا بہت سی روشن نشانیاں لیکر آئے، اور یہ معجزہ بھی جسکو تم نے کہا، پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو،

مختصر یہ کہ قرآن کی روشنی میں منکر کے بیان کردہ مدعا کی کوئی حقیقت نظر نہیں آتی اب ذرا منکر عظیم الشان دعویٰ خود اسی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو،

"لیکن فلسفۂ قدیم وجدید کی یہ ساری بحثیں اس وقت کارآمد ہو سکتی ہیں، جب حضرت خاتم النبیین صلعم سے حسی معجزات کا جو خوارق عادات ہوتے ہیں، صدور ہوا ہو لہذا اصل بحث یہ ہے کہ اس قسم کے معجزے آنحضرتؐ کو دیئے بھی گئے تھے یا نہیں، قرآن اس سے انکاری ہے"

جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض آنحضرت صلعم کو ایسا خرق عادت نہیں دیا گیا، تو تمام دوسرے انبیاء کو تو بقول معترض کے ایسے خوارق دئے گئے تھے جنپر ایمان لانا ہر مسلمان کا فرض ہے، تو پھر اس خرق عادت کے امکان اور وقوع کے مباحث کو بیکار سمجھنا کیا عقل سے انحراف نہیں، دوسری غلطی یہ ہے کہ خرق عادت کو وہ صرف حسی معجزہ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں، تو پھر کیا وہ معجزۂ قرآن کو خارق عادت نہیں سمجھتے، انّ ھذا العجاب بہرحال حسی معجزہ کے دعویٰ انکار کے ثبوت میں معترض کی پہلی دلیل ملاحظہ ہو،

وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ، — اور نشانیوں کے بھیجنے میں ہمیں کوئی چیز مانع نہ ہوئی بجز اسکے کہ اگلوں نے اسکو جھٹلایا،

لیکن اس آیۂ کریمہ سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ "بالاٰیٰت" پر الف لام داخل ہے' معترض شاید اسکو شاید الف لام استغراقی (یعنی کل کے معنی میں) قرار دیتا ہے، اور یہ معنی سمجھتا ہو کہ کل معجزات کے بھیجنے سے ہمکو صرف اس بات نے روکا کہ اگلے لوگوں نے جھٹلایا لیکن صاحب فہم سمجھ سکتا ہو کہ یہ معنی کرنا قرآن کو مضحکہ بنانا ہو، تو کیا بعض معجزات اگر اللہ تعالیٰ بھیجدیتا تو اسکو رکاوٹ پیش نہ آتی، اس سے صاف ظاہر ہو یہ الف لام عہد کا ہو اور آیت کا ترجمہ یوں ہوگا، "اور ان معجزات کے بھیجنے سے ہمکو صرف اس بات نے روکا کہ انکو اگلے لوگوں نے جھٹلایا" اب بالکل صاف ہو اس آیت میں نفس معجزہ بھیجنے سے انکار نہیں بلکہ اُن معجزات کے دوبارہ بھیجنے سے انکار ہے جنکو اگلے جھٹلا چکے تھے،

پھر اگر اس آیت میں ہر قسم کے معجزات سے انکار ہو تو کیا اس عموم میں خود قرآن پاک کا معجزہ بھی نہ آجائیگا جسکو آپ بھی از راہ لطف معجزہ

تسلیم کرسکتے ہیں، وہ کونسی دلیل ہے جس سے آپ حسّی اور غیر حسّی کی تقسیم کرینگے، اور تخصیص کرینگے کہ اس انکار سے صرف غیر حسّی معجزہ مراد ہے حسّی نہیں،

دوسرے یہ کہ "بالآیات" "نرسل" کا بھی مفعول ہے، اور "کذب" کا بھی، جو وسعت "نرسل" کے مفعول کو دیجائے گی، وہی وسعت "کذب" کے مفعول کو بھی ملنی چاہئے، اگر "وما منعنا ان نرسل بالآیات" کے معنی یہی ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی معجزۂ حسّی نہ ملا، "الّا ان کذب بھا الاولون" کے معنی یہ ہونگے کہ کوئی معجزۂ حسّی بھی اگلوں کے جھٹلانے سے باقی نہ بچا، اور یہ بات ناممکن الوقوع ہے، اس لئے کہ معجزات حسی کی کوئی حد نہیں ہے

اب خواہ مخواہ ماننا پڑے گا، کہ "بالآیات" میں الف لام عہد ہے، اور "کذب بھا الاولون" نے بتا دیا کہ متکلم اور مخاطب کے ذہن میں گذشتہ انبیاء کے معجزات ہیں، اور یہ ہم کو تسلیم ہے کہ اگلے انبیاءؑ کو جو مخصوص معجزے ملے تھے، ان میں سے کوئی خاص معجزہ آنحضرت صلعم کو خاص طور سے نہ ملا، اور یہ کچھ ضروری بھی نہ تھا کہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے حالات مختلف ہوتے ہیں، آیت بالا میں گویا اسی حجت کا جواب الزامی ہے، کہ آج جن نشانیوں کے تم طالب ہو اور جنھیں تم معجزہ سمجھتے ہو، انھیں نشانیوں کو تو اگلے جھٹلا چکے ہیں، جھٹلائی ہوئی نشانیوں کے پھر بھیجنے سے کیا فائدہ؟

اس دلیل کے بعد منکر بزعم خویش ایک اور زبردست دلیل انکار معجزہ کے ثبوت میں پیش کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

"اب علاوہ ان آیات کے (حالانکہ منکر نے انکار معجزہ کے ثبوت میں صرف ایک آیت "وما منعنا الآیۃ" پیش کی ہے) جو خاتم النبیین کو کسی حسّی معجزہ دیئے جانے کی نفی کرتی ہیں، ایک ایسی آیت نقل کرتا ہوں جو اس بحث کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے، اور جسکو سید صاحب نے اپنی آٹھ سو صفحہ کی کتاب میں کہیں نقل نہیں کیا ہے[1]،

وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا، اور جب انکے پاس کوئی نشانی نہ لایا تو انھوں نے کہا کوئی نشانی کیوں نہ چنی،

اس میں تصریح کردیگئی ہے کہ جس قسم کی نشانی یعنی حسّی معجزہ وہ طلب کرتے تھے اس قسم کی کوئی نشانی خاتم النبیین

[1] معارف:- مصنف سیرۃ اگر اس آیت کو معجزات کے سلسلہ میں ذکر کرتا تو قرآن پاک سے اسکی ناآشنائی کا اس سے زیادہ کوئی دوسرا ثبوت نہ تھا،

صلعم نہیں لائے۔"

معترض کو معلوم ہونا چاہئے کہ سید صاحب اپنے رسول سے والہانہ محبت، اور انتہائی شیفتگی رکھتے ہیں، جس پر اوس نے ایک جگہ مضحکہ بھی کیا ہے، انھوں نے آٹھ سو صفحے ثبوت معجزات میں سیاہ کئے ہیں، نہ کہ انکارِ معجزہ میں، اسلئے ان کا یہ اعتراض بے محل ہی نہیں بلکہ مضحکہ خیز ہے،

حیرت ہے کہ منکر نے اس آیت کو انکار معجزات کے ثبوت میں پیش کرنے کی کس طرح جرأت کی، یہاں آیت سے مراد آیت قرآن ہے، نہ کہ آیت معجزہ، اور موقع و محل، سیاق و سباق اس پر دال ہے؛ اصل یہ ہے کہ کفار قرآن کے متعلق کہا کرتے تھے، کہ یہ خدا کا کلام نہیں، بلکہ آنحضرت صلعم کسی سے سیکھ لیتے ہیں،

اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ،	نہیں ہے یہ مگر انسان کا قول،
وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ،	بیشک ہم جانتے ہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ (قرآن تو) آپ کو کوئی آدمی سکھا دیتا ہے؛

اس لیے امتحان کے طور پر مخصوص مطالب کی آیات کا مطالبہ کرتے تھے، اور جب ان مزخرف مطالب کو قرآن کا جامہ نہیں پہنایا جاتا تھا تو استہزا شروع کرتے تھے۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں اسی آیہ کریمہ کے بعد کی چند آیتیں نقل کر دیتا ہوں، جس سے منکر کی قوی ترین دلیل کی قلعی کھل جائیگی، اور حقیقت آفتاب کی طرح سامنے آجائے گی، کہ یہاں معجزات کا کوئی ذکر نہیں، قرآن کا ذکر ہے، اور لفظ آیت سے قرآن ہی کی آیتیں مراد ہیں،

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ، وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ،	اور جب وقت آپ ان کے پاس کوئی آیت نہ لائے، تو انھوں نے کہا کہ کوئی آیت کیوں نہ چن لی (گڑھ لی) کہدیجئے کہ میں (اپنے دل سے کچھ نہیں جوڑتا) صرف اسکی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی کیجاتی ہو، یہ دلائل ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کیلئے جو

ایمان رکھتے ہیں، اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسکی طرف کان

لگاؤ اور چپ رہو شاید تم پر رحمت ہو، الاعراف ۹ پ ۲۴

ناظرین نے دیکھا کہ ناقد کی پیش کردہ آیت کو معجزہ سے دور کا بھی لگاؤ نہیں، اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ آیت انکار معجزہ کے لیے ہے، تو لازم آئیگا کہ قرآن کے معجزہ ہونے سے بھی انکار کر دیا جائے، اسلیے کہ لفظ (آیۃ) کوئی نشانی عام ہے، اور عقلی و حسی ہر طرح کی نشانیوں کو شامل ہے ایسی صورت مین ماننا پڑیگا کہ آنحضرت صلعم کو کوئی نشانی بھی نہ ملی، خواہ عقلی ہو، خواہ حسی، اور یہ قطعاً غلط اسلئے کہ قرآن آنحضرت صلعم کا زندۂ جاوید معجزہ موجود ہے جس کو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں،

ان موانع کے باوجود اگر محض منکر کی خاطر سے ہم یہ بھی قبول کریں، کہ آیت "سے مراد آیت حسی ہی ہے جب بھی اُس کا دعویٰ قطعاً ثابت نہیں ہو سکتا، اسلئے کہ "لولا اجتبیتہا" کوئی نشانی کیوں نہ چن لی" سے صاف ظاہر ہے، کہ کفار کے چند خاص مطالبات پیش تھے جس کے پورا نہ کرنے پر ازراہ تمسخر کفار نے کہا، کہ اتنے مطالبات سے کوئی مطالبہ تو چن لیتے، اس صورت میں بھی " وَاِذْ لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ " کے معنی صرف یہی ہونگے کہ کفار کی بعض مطلوبہ نشانیوں میں سے جب کوئی نشانی آپ نہ لائے، اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم سرے سے معجزات ہی سے معرّا تھے،

منکر کے اس عتم بالشان دعوی کی بنیاد جن دلائل پر تھی اُن کی حقیقت اظہر من الشمس ہو چکی، اب ثبوت معجزہ کے متعدد دلائل میں سے چند دلیلیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں، قرآن میں ہے،

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ، (حدید پ ۲۷)	بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کیساتھ بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان (قواعد عدل) نازل فرمائی تاکہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں،

" بیّنٰت " کے ساتھ لفظ " کتاب " الگ موجود ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کتاب کے علاوہ بینات یعنی معجزہ

نشانیاں تمام رسولوں کو ملتی ہیں، عقلی اور حسی کا جھگڑا ہی ختم کردیا، اب سوال صرف یہ ہے کہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول تھے؟ اور آپ کو کتاب اور میزان عطا کیگئی تھی یا نہیں؟ جواب اگر اثبات میں ہے، تو یقیناً آنحضرتؐ کو صاحب معجزات بھی ماننا پڑے گا، اور اگر نفی میں ہے تو بحث بیکار ہے، کیونکہ اب رسول اللہ صلعم کے معجزات کی جگہ خود ان کی رسالت ثابت کرنی پڑیگی،

دوسری آیت ہے،

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ، وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ، وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ، (صفت پ ۲۳)

بلکہ آپ تو تعجب کرتے ہیں، اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں، اور جب انکو سمجھایا جاتا ہے، تو یہ سمجھتے نہیں ہیں، اور جب کوئی نشانی دیکھ لیتے ہیں تو مضحکہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے،

آیت کی رویت سے معجزہ کے سوا کچھ اور مراد ہی نہیں ہو سکتا، اس سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ کفار نے آنحضرت صلعم کے معجزات کو دیکھا،

تیسری آیت

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا۔

اور کفار سخت ترین قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی آئے تو ضرور ایمان لائیں گے،

یاد رہے کہ سوال معجزۂ حسی کا ہے، اور یہی موقع تھا کہ کفار کی قسم اور عہد و پیمان پر اعتماد کرکے سرور کائنات صلعم بلکہ مومنین نے بھی ظہور معجزہ کی خواہش کی، اب ذرا جواب ملاحظہ ہو،

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ، وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا

کہدیجئے کہ نشانیاں تو بس اللہ ہی کے پاس ہیں، اور تمھیں کون خبر دے اے مسلمانو! کہ نشانیوں کے آنے کے بعد بھی کفار ایمان نہ لائیں گے، اور ہم انکی آنکھوں کو

بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۔ (انعام ۱۳) — اور دونوں کو اسی طرح پھیر دینگے جس طرح پہلی بار وہ رسول پر ایمان نہ لائے اور انکو انکی سرکشی میں بہکا ہوا چھوڑ دینگے

"اَوَّلَ مَرَّةٍ" (پہلی بار) نے اچھی طرح واضح کر دیا، کہ آنحضرت صلعم کے عہد کے کفار آنحضرت صلعم کا کوئی معجزہ پہلے دیکھ چکے تھے،

اس آیت کے تقریبًا دس آیت کے بعد ایک آیت اور بھی ہے،

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ۔ (انعام ۹/۱۴) — اور جب اُن کے پاس کوئی نشانی آتی ہے، تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائینگے، جبتک کہ ہمکو بھی ایسی ہی چیز نہ دیجائے جیسی اللہ کے رسولوں کو دیگئی،

چونکہ کفار کا سوال معجزۂ حسی کی نسبت تھا، اسلئے "آیت" کی تاویل آیت قرآنی یا معجزۂ عقلی یقینًا کوئی معنویت نہیں رکھتی، اور ناقابل تسلیم ہے، اور صاف معنی یہ ہیں کہ جب ان کفار کے پاس کوئی معجزہ حسب طلب دکھایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر بھی ایمان نہ لائینگے، جب تک ہم کو بھی وہ چیز نہ دیجائے جو پیغمبروں کو ملتی ہے،

کفار کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا، کہ آپ کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا، جسکے جواب میں اُن سے کہا گیا تھا کہ اگر فرشتہ بھیجدیا جاتا، تو کام ہی ختم ہو جاتا، اور پھر انھیں اس شرارت اور سرکشی کی مہلت نہ ملتی،

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۔ (انعام ۱) — اور کفار نے کہا آپ پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا، اور اگر ہم فرشتہ اوتارتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا، اور انکو ذرا مہلت نہ ملتی،

ان کی طلب کے مطابق یہ معجزہ بھی انھیں دکھایا گیا، غزوات میں فرشتے اتارے گئے، اور ٹھیک وہی ہوا جو کہا گیا تھا، یعنی کچھ ہی دنوں میں سارا قصہ ختم ہوگیا، یا تو لوگ قتل ہوئے، یا ایمان لائے، رہا یہ کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو دیکھا بھی یا نہیں، اس کے لیے تاریخی شہادت کے علاوہ قرآن کی گواہی بھی موجود ہے،

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ	بیشک تمھارے لیے ایک نشانی تھی ان دونوں جماعت
تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ	میں جو کہ باہم مقابل ہوگئیں، ایک تو وہ جماعت جو خدا
يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ،	کی راہ میں جہاد کرتی تھی دوسری جماعت کافروں کی جو
(آل عمران پ ۳)	مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہی تھی آنکھیں کھول کھول کر

سوال یہ ہے کہ اس چشم سر سے برای العین ایک ہزار کفار کو تین سو مسلمان ان سے دوگونہ نظر آئے یہ کس طرح ہوا؟ منکر کچھ اور مانے یا نہ مانے یہ تو مانے گا کہ خدا کی قدرت سے مسلمانوں کی تعداد میں کوئی جسمانی اضافہ یا کفار کی آنکھوں میں کوئی حسی انقلاب ہوا، اب منکر اور کیا چاہتا ہے،

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا اور زبردست معجزہ "معجزۂ شق القمر" ہے جس کی تاویل لایعنی سے منکر نے انصاف کا خون کر دیا ہے، حالانکہ اسکی صحت اور قطعیت یقینی ہے۔ قرآن کہتا ہے،

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ	قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا، اگر کفار کوئی نشانی
يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ	(معجزہ) دیکھ لیتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ
(قمر)	تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے،

کفار جب معجزۂ شق القمر دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے، تو خداوند عالم نے فرمایا کہ قیامت قریب آگئی، اور یہ نادان اتنا بڑا معجزہ (شق قمر) دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے، حالانکہ اس معجزہ کو دیکھکر تو انھیں ڈر جانا چاہیے تھا، کہ اب نظام عالم میں درہمی و برہمی شروع ہوگئی، کہ یہ چھوٹا انقلاب آسمان بڑے انقلاب آسمانی کا پیش خیمہ ہے، لیکن منکر کا اجتہاد اور دعوی بلا دلیل ملاحظہ ہو کہ

"قیامت جوں ہی قریب آئے گی چاند پھٹ جائیگا، اور اگر وہ قیامت کی کوئی نشانی دیکھ لینگے تو بھی منہ پھیر لینگے، اور کہینگے یہ تو جھوٹ ہے جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے"،

یہ دور از کار اور بعید از فہم تاویلیں بوجوہ چند باطل ہیں،

۱- ایک تو یہ کہ منکر بلا ضرورت اور بغیر دلیل ماضی کو مستقبل کے معنی میں لیتا ہے،

۲- یہ کہ تصریحات قرآنی کے خلاف منکر یہ کہتا ہے کہ "قیامت جوں ہی قریب آئے گی" یعنی ابھی قیامت قریب نہیں آئی ہے، حالانکہ دوسرے مقامات پر بھی مذکور ہے کہ قیامت قریب آگئی، مثلاً

فَسَيُنْغِضُونَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ	پھر آپکے آگے سر ہلا ہلا کر کہینگے کہ وہ دن (قیامت) کب ہوگا،
مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ،	آپ فرما دیں کہ بس قریب ہی آپہنچا،

اس لیے اگر قرآن کی تصریحات کے مطابق یہ تسلیم ہے کہ قیامت قریب آگئی، تو پھر یہاں ماضی کو مستقبل کے معنی میں کیوں کھینچتے ہیں، ماضی کو ماضی کے معنی میں رہنے دیجئے،

اور اگر یہ کہا جائے کہ قیامت کے قریب آنے میں تو شک نہیں، مگر یہاں غایت قرب قیامت مقصود ہے یعنی قیامت جب بہت ہی قریب آجائے گی تو جس طرح آسمان وغیرہ پھٹے گا، چاند بھی پھٹ جائیگا، تو پھر دوسری آیت وان یروا آیۃ یعرضوا الآیۃ بے معنی ہوئی جاتی ہے، اس لیے کہ ایسی آیات قیامت کے ظہور کے بعد اعراض و انکار کیا معنی؟ کفار تو گھبرا گھبرا کر توبہ کرینگے، لیکن توبہ کا دروازہ بند ہو جائیگا، قرآن میں متعدد جگہ تفصیل درج ہے،

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ	اور جس دن کہ آسمان بدلی کیساتھ پھٹ جائیگا، اور فرشتے
الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا، اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ	(زمین پر کثرت) اتارے جائینگے اس دن حکومت خدا
اِلْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	ہی کی ہوگی، اور کافروں پر وہ دن بڑا سخت
عَسِيْرًا ، (الفرقان پ ۱۹)	ہوگا،
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ	یہ لوگ اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں
اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ	یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی نشانیاں آئیں،
يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ	جس دن آپکے رب کی بعض نشانیاں (آیات قیامت)
نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ	آجائینگی کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئیگا،

اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ (انعام ۱۹) جو قبل سے ایمان نہ لایا ہو یا اپنے ایمان میں نیک کام نہ کیا ہو

غرض آیات کے ظہور کے بعد کفار کی پریشانی، خوف، گھبراہٹ، بیخودی، از خود رفتگی قرآن سے ثابت ہے، لیکن ناقد آیاتِ قیامت کے ظہور کے بعد کفار کی طمانیتِ قلب، سکون و اطمینان اور سرکشی کی پیشینگوئی کر رہا ہے، جو یقیناً قابلِ تسلیم نہیں،

سوم: تیسرے یہ کہ اگر آیت سے مراد آیت الساعۃ ہے، تو یہ اعراض و انکار کس کے مقابلہ میں ہوگا؟ کیا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنیا میں تشریف لائینگے؟ یا کوئی نبی محض اس غرض سے مبعوث ہوگا کہ قیامت کی نشانی شقِ قمر کے ظہور پر کفار کو ڈرائے، اور لوگ اس پر بھی نہ مانیں اور یہ کہکر ٹال دیں کہ یہ تو جھوٹ ہے جو ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے، کیونکہ اعراض و انکار کے معنی تو یہی ہیں کہ کسی مدعی نبوت، کسی بشیر و نذیر، کسی داعی الی الحق کے مقابلہ میں ہو، ورنہ یوں تو دنیا میں آئے دن انقلابات ہوتے رہتے ہیں، اکثر محیر العقول باتیں پیش آتی رہتی ہیں، قدرت خداوندی کے عجیب و غریب کرشمے ہر روز دیکھنے میں آتے ہیں، لیکن نہ کوئی اعراض کرتا ہے نہ انکار، نہ کوئی سحر کہتا ہے نہ جادو،

۴ - سحر کلام مزور اور جھوٹی بات کے لیے قرآن میں کیا، کلامِ عرب میں بھی ہرگز مستعمل نہیں ہوا ہے، اور جو روایتیں پیش کیگئی ہیں، ان میں بھی جادو ہی مراد ہے، اور اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے ان کی یہ "تحقیق انیق" مان بھی لیں تو پھر یہ کہنا ہے کہ شقِ قمر نہ قول ہے، نہ گفتگو، نہ روایت نہ کلام مزور کہ اس کے لئے سحر کا استعمال جھوٹ کے معنی میں درست و بامعنی ہو، یہاں تو مشاہدہ اور رویت کا ذکر ہے، مشاہدہ اور رویت کو جھوٹ کہنے کے کیا معنی، اس کو فریبِ نظر کہہ سکتے ہیں، جادو کہہ سکتے ہیں، شعبدہ کہہ سکتے ہیں، مگر اس کو جھوٹ کہنا تو خود جھوٹ ہے،

۵ - ان دونوں آیتوں کے بعد اسی جگہ تیسری آیت بھی دو قوعِ معجزہ کی شاہد موجود ہے،

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ۔ اور ان لوگوں نے (رسول کو) جھٹلا دیا، اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی، اور ہر بات قرار پکڑنے والی ہے،

یعنی اتنا بڑا معجزہ دیکھکر بھی کفار نے رسول کو جھٹلا دیا اور اپنے ہوائے نفسانی کی پیروی کی، کیا یہاں بھی منکر

ماضی کو مستقبل کے معنی میں لے گا؟ اگر لیگا پھر وَاتَّبَعُوۡٓا اَهۡوَآءَهُمۡ کے کیا معنی؟ کیا ظہور آیات قیامت کے بعد بھی کفار کو اتباع ہوائے نفسانی کی مہلت ملے گی؟ کیا قرآن پاک سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے،

اب ہمیں ناقد کے بعض جوابات کی نوعیت کے متعلق جو علامہ سید سلیمان ندوی کے براہین ساطعہ کے رد میں ارشاد فرمائے گئے ہیں، سرسری طور پر کچھ عرض کرنا ہے،

مثلاً آنحضرت صلعم کی امیت کے متعلق ناقد کا یہ ارشاد:-

"اگر امیت معجزہ ہے تو اس میں جملہ عرب شریک تھے اس لئے کہ وہ سب امی تھے"

قطعاً ناموزوں اور سراسر بے ادبی ہے، اس لیے کہ آپ کی امیت اس اعتبار سے معجزہ ہے، کہ باوجود امیت آپ نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے، وہ محیر العقول کارنامے سرانجام کو پہنچائے، جو آج تک آفتاب کی طرح روشن ہیں، اور یہ امیت وہ تھی جس پر خداوند تعالیٰ نے ناز فرمایا ہے،

غلبۂ روم کی پیشین گوئی یا دیگر پیشین گوئیاں اور اخبار بالغیب کے متعلق ناقد کا یہ فرمانا کس قدر مہمل ہے کہ "وہ سب کی سب اگر وجہ اعجاز ہوسکتی ہیں تو قرآن کے لئے جس نے ان امور کا بیان کیا ہے، نہ کہ رسول کیلئے"!

تو پھر حضرت ناقد قرآن کو بھی آنحضرت صلعم کا معجزہ ماننے کی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں، وہ اگر معجزہ ہے تو قائل کا، اور وجہ اعجاز ہے تو بھیجنے والے کے لئے، نہ کہ رسول کے لئے، اور پھر قرآن کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے بقول آپ کے کفار آنحضرت صلعم کو کاہن اور ساحر کیوں کہتے تھے، یہ سب بھی قرآن ہی کو کہنا چاہئے لیکن جب آپ قرآن کی بنا پر نعوذ باللہ کاہن و ساحر کہے جاسکتے تھے تو بصورت صدق صادق و معجز بھی کہے جاسکتے ہیں،

میدان جنگ میں فرشتوں کی امداد، پانی کا برسا دینا وغیرہ کھلے کھلے معجزات کی یہ تاویل کس درجہ مضحکہ خیز ہے، کہ "یہ سب نصرت و تائید الٰہی تھی" لیکن سوال یہ ہے کہ کس کے لیے؟ اور آیا خارق عادت کے طور پر یا بلا خرق عادت پھر کیا کوئی معجزہ بغیر نصرت و تائید الٰہی کے بھی صادر ہوتا ہے؟ اس غیر معمولی اور فوق العادت نصرت و تائید الٰہی کا دوسرا نام تو معجزہ ہے، اگر یہ معجزات محض نصرت و تائید الٰہی ہیں تو عصائے موسیٰ وغیرہ بھی نصرت و تائید الٰہی میں

شامل ہیں، ان کو بھی پھر معجزہ نہیں کہا جاسکتا ہے، اسی طرح سرورِ کائنات صلعم کے دوسرے معجزات کے متعلق منکرنے محض تاویل اور توجیہ پر اکتفا کی ہے، کوئی تردید نہ کرسکا، اس لئے تاویل کی تردید عبث ہے، اس کا ثبوت حضرت ناقد کی تحریر ہے، جس کو فاتحانہ انداز سے تھوڑی ترمیم کے ساتھ خود انھیں کی خدمت میں پیش کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں، کہ

"سرورِ کائنات صلعم کے معجزات کا انکار آسان نہیں، یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ کٹر سے کٹر منکر بھی اس کے ماننے پر مجبور ہوجاتا ہے، کیونکہ آپ کے بہت سے معجزات قرآن سے ثابت ہیں" اور قرآن تواتر سے، اور تواتر مشاہدات میں اور مشاہدات یقینیات سے، یہ دوسری بات ہے کہ کوئی دوسری توجیہ نکال لے جس طرح فرعون اور آلِ فرعون حضرت موسیٰ کے معجزات کو دیکھکر انکار نہ کرسکے، بلکہ اُن کو جادو کہنے لگے، سورۂ نمل میں ہے، وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا، (انھوں نے زبان سے انکار کیا، مگر دل میں مان گئے)

اسی طرح ناقد نے سرورِ کائنات صلعم کے ہر ایک معجزہ کی ایک تاویل اور ایک توجیہ کرلی، تو اُن کو معلوم ہونا چاہئے کہ سرسید مرحوم اس سے زیادہ یہ کام کرچکے ہیں، آپ تو صرف محمد رسول اللہ صلعم کے حسی معجزات کے منکر ہیں، اور وہ تو سارے پیغمبروں کے حسی معجزوں کے منکر تھے، اب اس قسم کی روشن خیالی کا دور گذر چکا، اور اس حقیقت کو جسکو منکر نے اب جانا ہے، عیسائی مشنری اس سے سالہا سال قبل جان چکے تھے، فاعتبروا یا اولی الابصار،

بنگال مین علم حدیث

از

مولانا حکیم حبیب الرحمن صاحب سابق اڈیٹر جادو ڈھاکہ

یاد ہوگا کہ معارف مین "ہندوستان مین علم حدیث" کے عنوان سے ایک سلسلہ مدت تک نکلتا رہا، اسی تقریب سے ہم نے اپنے فاضل دوست حکیم حبیب الرحمن صاحب کو (جنکو بنگال اور جادو کی مناسبت اور اردو کے انشاپرداز ہونے کے لحاظ سے "ساحر بنگالہ" کہا کرتے ہین)، تکلیف دی تھی، کہ وہ بھی اپنے صوبہ کے متعلق کچھ لکھیں، چنانچہ انھون نے ایک خط مین کچھ حالات لکھے تھے، جواب شائع ہوتے ہین،

موصوف بنگال کی عربی وفارسی اور اردو تین زبانوں کی تصنیفات کی مفصل فہرست لکھنا چاہتے تھے، اسکا نام ہینٹی تین کی مناسبت سے "ثلاثہ غسالہ" رکھا تھا، اور اسمین دوسری مناسبت یہ تھی کہ حافظ نے سلطان بنگال کے نام جو غزل لکھکر بھیجی تھی جس کا ایک شعر یہ ہے،

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود،

اس کا مطلع یہ ہے،

ساقی حدیث سرو و گل ولالہ می رود وین بحث باثلاثۂ غسالہ می رود،

"معارف"

مخترمی و مکرمی:-

"ثلاثہ غسالہ" نہی رہے گا کہ اس کو بنگالہ سے خاص تاریخی مناسبت ہو، اگرچہ نام مین قدامت ہو لیکن

کام کی نوعیت قدامت سے کب خالی ہے۔

"بنگالہ اور علم حدیث" کے متعلق اتنا مواد کہاں کہ لکھ سکوں، جو کچھ میسر ہے، پیش کرتا ہوں، آپ اپنے طور پر لکھ لیجئے کہ فرض کفایہ میرے سر سے اُتر جائے،

غالباً بانکی پور کی پوری فہرستیں آپکے یہاں نہیں ہیں، براہ کرم (میرا خیال صحیح ہو) تو منگوا لیجئے، میرے پاس ہے لیکن یونیورسٹی کی ملکیت ہے، اپنی نہیں ہے، ہاں خاص کر جلدہ کے (دونوں حصے) متعلق علم حدیث خوب چیز ہے، بانکی پور لائبریری میں ایک جلد صحیح بخاری کی ہے، جسے محمد بن یزدان بخش شروانی نے یکدالہ میں لکھا ہے یکدالہ میں اختلاف ہے، ایک یکدالہ ضلع مالدہ میں ہے، اور ایک یکدالہ ضلع ڈھاکہ میں ہے، بہرحال یہ صحیح ہے کہ بنگال میں ہے، محمد بن یزدان بخش المعروف بہ خواجگی شروانی نے اس نسخہ کو خود لکھ کر علاء الدین حسین شاہ بادشاہ بنگالہ کی خدمت میں پیش کیا ہے، یہ بادشاہ سادات میں سے ہے، اور اوس کی حکومت ۹۰۵ھ تا ۹۲۵ھ رہی ہے، اس نسخہ پر جو عبارت ہے، اوسکی نقل بھیجتا ہوں، اس سے دیگر امور پر بھی روشنی پڑے گی، اور خود خواجگی شروانی کی قابلیت پر بھی روشنی پڑے گی، اور ثابت ہوگا کہ فرنگی محل کیطرح ہندوستان میں بلکسپوری صحیح بخاری خزانہ سلطانی میں موجود تھی،

عبارت منقولہ الگ صفحہ پر ملاحظہ فرمائے،

دوسرا واقعہ صرف اس قدر ہے، کہ بنگال کے قدیم دارالحکومت سنارگاؤں میں ایک عظیم الشان مسجد موجود ہے، یہ مسجد سابق الذکر حسین شاہ کے بیٹے نصرت شاہ حسینی کے عہد میں حسین شاہ کے انتقال کے ٹھیک ۲ برس بعد بنی ہے، بانی اس کے ملک الامراء تقی الدین ابن عین الدین المعروف مبارک ملا ابن مجلس مختار ہیں، مجلس سرور ہیں، کتبہ کی عبارت کی نقل حاضر ہے، کتبہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیے، اس سے قدیم اور اس عہد کی دیگر مساجد کے کتبات میرے ذخیرے میں ہیں، اس میں ایک ایسا لفظ ہے، جو اور کسی کتبہ میں نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور سادات میں علم حدیث کا چرچا ہو چکا تھا، اور محدث ہونا شرف سمجھا جاتا تھا، ورنہ اس عہد کے دیگر

علما (اوس کے پہلے بھی) دانشمند کہلاتے تھے، اور علم دانشمندی فقہ کا دوسرا نام تھا چنانچہ اس مسجد مذکور کے جوار مین بھی حضرت ابراہیم دانشمند کا مزار ہے، اور اب تک یہ مزار و متبرک یہ ہے

تیسرا واقعہ ذہن سے اوتر گیا، صرف اتنا پڑھا ہے، کہ حضرت مخدوم الملک کی تعلیم و ترتیب سنارگاون مین ہوئی تھی، سسرال اور ننیہال سنارگاون مین تھی شمس العلماء نواب امداد امام صاحب دریافت فرمائیے او نہین کا وہ مضمون تھا، اور وہی ماخذ بتا سکین گے،

اس کے بعد بنگال مین علم حدیث کا کوئی چرچا نہین رہا حتی کہ کمپنی کے اشارے سے مولوی سید صدر الدین موسوی نے بہار مین جو مدرسہ بنایا تھا، اسمین حدیث کی تعلیم کا ذکر بھی نہین تھا کیونکہ اوسی خاکہ پر ہسٹنگس نے کلکتہ مین مدرسۂ عالیہ بنایا، منشاء صرف صدر الصدور، صدر اعلی، صدر امین مفتی عدالت قاضی عدالت پیدا کرنا تھا، اس لئے نصاب مین حدیث کی ایک کتاب بھی نہ تھی، آپنے صحیح تحریر فرمایا بہار مین مولینا بحر العلوم نے صرف ایک ہی کتاب لکھی، اور وہ ہدایۃ الصرف ہے، بہت پیچھے بردوان مین حدیث کا چرچا ہوا، لیکن اس کے بانی مولانا محمد بردوانی تھے، جو میان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم شاگرد تھے، اب جو کلکتہ مدرسہ مین سال ہفتم کے نام سے تاج المحدثین وغیرہ کا درجہ کھلا ہے، یہ ابھی حال کی بات ہے، اور اب جو چرچا تھوڑا بہت ہو رہا ہے یہ صرف دہلی اور دیوبند کی برکت ہے، اور اربعین کے نام سے جو دو چار رسالے چھپے ہین، اون کی عمر ۲۰-۲۵ برس سے زیادہ نہین، کثرتِ مدارس کی وبا کے ساتھ اگر کوئی امر میرے لئے باعثِ مسرت ہے، تو صرف اتنی کہ کہین کہین (ان ایڈیٹ) کسی مدرسہ مین دورۂ صحاح ستہ کا بھی انتظام ہے، اور یہ سلسلہ بنگال سے گذر کر آسام تک جا پہنچا ہے، چنانچہ مولینا حسین احمد اسکی شہادت دیسکتے ہین،

۱۰۰۰ھ مین شاہ نوری قدس سرہٗ نے ڈھاکہ مین کبریت احمر لکھی ہے، اسمین اوںھون نے اپنی طالب علمی کے ذکر مین حدیث مین مشارق الانوار اور منطق مین شرح مطالع کے اسباق کا ذکر کیا ہے،

آمدم برسر مقصود، عام محدثین ہندی کے متعلق عرض ہے،

مدارج الاخبار از شیخ مبارک بن ازرانی الرشکی البنارسی، ناقص نسخہ (۴ ۲ ۶ ۳) بانکی پور میں ہے؛ صحاح ستہ سے مصابیح کی طرح برعایت ابواب فقہی لکھی ہے،

معلوم نہین یہ صاحب کون تھے ؟

کتاب فی الحدیث (۱۰۱۰ ۳) اس کے اخیر میں درج ہے،

"تمام شد این کتاب بتاریخ ۱۱ شہر جمادی الثانی روز چہارشنبہ ۹۲۹ھ راقمہ فقیر ملا محمد ابراہیم حصاری غفر اللہ ذنبہ برائے خواندن عصمت پناہی مریم مکانی بی بی عایشہ بنت اقبال و اجلال پناہ ابراہیم چلپی طال عمرہ"

اس اشاعت حدیث کی طرف توجہ مبذول کیجئے،

پھر زبدۃ الانظار (۵۸ ۴) پر بھی نظر کیجئے، عنوان حدیث میں ہے، اس کے مصنف میں تقی بن شاہ محمد بن عبد الملک لاہوری، فہرست نگار کہتے ہیں، کہ بارھویں صدی کے کوئی بزرگ تھے، مگر ثبوت، ؟ تحقیق فرمایئے کہ ہندی ہیں،

آپنے شاید شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابو الفتح بلگرامی کا ذکر نہین فرمایا ہے، (معارف نمبر ۱ ایک صاحب لیگئے ہیں، اور تقاضا پر بھی نہین دیتے اس لئے ٹھیک نہین کہہ سکتا،) ان کا قلمی ایک نسخہ بخاری شریف (۱۳۹) بانکی پور میں ہے، یہ صاحب ۱۱۵۸ھ میں تھے، اور شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے تلامذہ میں تھے اسی نسخہ کو محمد ناصح نے ۱۱۸۳ھ میں اعراب لگا کر شاہ عالم بادشاہ کو پیش کیا ہے،

شرح الاربعین کے بارے میں (۲۳۵) فہرست نگار کی عبارت دیکھئے،

"شارح (ایک ہندوستانی فاضل) دیباچہ میں کہتا ہے، کہ اس نے اربعین کو محمد بن عصمت اللہ بن محمود البخاری سے پڑھا تھا جو دسوین صدی ہجری کے ایک صاحب علم اور حاشیہ علی شرح ملا جامی" کے مصنف ہیں، موجودہ شرح کی تاریخ تحریر جیسا کہ کتاب میں درج ہے ۱۰۴۵ھ ہجری ہے،"

آخر یہ کون صاحب ہین، ؟

ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اس فن مین ایک کتاب لکھی تھی، مگر میری نظر سے نہین گذری، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دورۂ اکبری مین حدیث کا کچھ نہ کچھ چرچا ہوا تھا، شاید شیخ الاسلام حضرت سلیم چشتی کے بارے مین کسی نے اون کی تحصیل حدیث در مکہ کے متعلق بھی کچھ لکھا ہو، میرے پاس ایک نسخہ شمائل ترمذی کا ہے، اس کو مشہور امام اکبر ملا یعقوب صیرفی کشمیری کے بیٹے کبیر حسن نے لکھا ہے، ۱۰۵۵ھ کی کتابت ہے، اور کاتب نے کہین کہین حاشیہ بھی لکھا ہے، کہنا یہ چاہتا ہون کہ حضرت مجدد اور مولانا عبدالحق دہلوی کی آمد آمد کیلئے زمانہ طیار ہو رہا تھا، ہان دوسری کتاب الکاشف فی رجال الستہ امام ذہبی کی میرے یہان ہے، اور بہت نادر نسخہ ہے، اخیر صفحہ میری غفلت مجرمانہ سے ضائع ہوگیا، اوس پر (صفحۂ اول) مولانا عبدالحق کے والد ماجد مولٰنا سیف الدین نے اپنے قلم سے ایک عبارت تحریر فرمائی ہے، یعنی اس وقت علم حدیث کی طرف لوگون کا رجحان شروع ہوگیا تھا،

مولانا رفیع الدین صفوی محدث بدایونی کا مزار آگرہ مین ہے، اور یہ سنکر آپ میری طرح بیحد خوش ہون گے کہ کئی کئی بار کوشش ہوئی کہ اُن کے مزار پر گنبد بنایا جائے، لیکن کبھی کامیابی نہ ہوئی، یہ آگرے کے تمام بدعتیون نے مجھ سے بیان کیا، کیا آپ کو معلوم ہے کہ سارے ملک مین جتنی بدعتین ہوتی ہین، اون سے المضاعف صرف ایک آگرے مین ہوتی ہین،

اللہ پاک آپ کو اس مین کامیاب فرمائے،

آپنے میرے متعلق جن الفاظ کا استعمال فرمایا ہے، اوس کے لئے شرمندہ ہون اور ثلاثہ غسالہ کے بارے مین جو ارقام فرمایا ہے، اُس پر متشکر،

بخاری شریف کی عبارت ایک حاضر الوقت طالب علم سے نقل کرائی ہے، یہ صاحب عربی کے ایم اے ہین، پڑھتے ہین، بہرحال مجھ سے صاف لکھتے ہین، این ہم غنیمت ہست،

والسلام

نقل از نسخۂ بخاری کتبخانہ بانکی پور

والحمد لله وحده والصلوة على رسوله محمد وآله وصحبه وعترته والسلام وقد حصل الفراغ
عن تسويد هذا الكتاب الجامع الصحيح للبخاري بعون الله وتوفيقه يوم الاربعاء المبارك. الثاني من
شهر جمادى الاولى سنة احدى عشر وتسعمائة على يد الفقير الحقير محمد بن يزدان بخش المعروف
بخواجكى الشريف غفر الله له ولوالديه ولمن دعا لهم بالتوبة والمغفرة ولجميع المسلمين آمين رب العالمين
وقد هذبت هذه النسخة الشريفة برسم خزانة السلطان الاعظم الخليفة المعظم. الذى
لا يوازن ولا يوازى وهو غني ان يباهى واجل ان يباهى، واعظم من ملك البلاد. وساس العباد
شانا واعلاهم منزلة ومكانا. واندا هم راحة وبنانا. واشجعهم جاشا وجنانا. واقواهم دينا
وايمانا. وارفعهم سيفا وسنانا وابسطهم ملكا وسلطانا اشملهم عدلا واحسانا من شيد قواعد
الدين بعد ان كادت تنهدم واستبقى حشاشة الكرم حين ارادت ان تنهدم. ورفع رايات
المعالى اوان ناهزت الانتكاس وجدد مكارم الشريعة. وقد آذنت بالاندراس علاء السلطنة
والخلافة والسيادة والدين. غياث الاسلام والمسلمين كهف الثقلين ظل الله فى الخافقين مؤ
فرات عوائد السنى. والعوارف الحسنى، ابو المظفر حسين شاه بن سيد اشرف الحسينى خلد
الله ملكه وسلطانه واعلى امره وشانه. شعر :-

من ام بابك لم تبرح جوارحه

تروى احاديث ما اوليت من منن

فالعين عن قرة والكف عن صلة

والقلب عن خير والسمع عن حسن

الذى تشرف صفائح صحائف الكون بمحاسن آثاره. وشق على الكاسرة الدهر

وقیامرة العصر شتی غبارہا۔ واوجب علی نفسہ القدسیۃ ان لا یحکم الا بالعدل فجعل البرایا فی ظلہ مستبشرین بنعمۃ من اللہ وفضلہ۔ شعر:-

فما دام جدواہ یقلب کفہ
فلا خلق من دعوی المکارم من حل
وما دام فی الھیجاء یھز حسامہ
فلا ناب فی الدنیا اللیث لا شبل

رب کما جعلت اشعۃ شموس معدلتہ رافعۃ اظلام الظلم عن کافۃ الامم اجعل خیام بقائہ مشددۃ باوتاد الابد واطناب اطناب الدوام بجدہ الھاشمی القرشی محمد علیہ افضل الصلوٰۃ۔ واکمل السلام وعلی آلہ وصحبہ الکرام وعترتہ العظام۔ شعر:-

بقاؤک للاسلام عز مؤید،
فدم وابق للاسلام ما ذر شارق

بدار السلطنۃ والخلافۃ بکدلہ حرسہا اللہ تعالیٰ عن الآفات۔

نقل کتابہ مسجد سنارگاؤں (ڈھاکہ)

قال اللہ تعالیٰ ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بنی مسجداً للہ یبتغی بہ وجہ اللہ بنی اللہ لہ مثلہ فی الجنۃ۔ بنی ھذا المسجد للہ فی عہد السلطان المعظم والمکرم السلطان ابن السلطان ناصر الدنیا والدین ابو المظفر نصرت شاہ السلطان ابن حسین شاہ السلطان الحسینی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وبناہ لوجہ اللہ مع بیت السقایہ ملک الامراء والوزراء قدوۃ الفقہاء والمحدثین تقی الدین ابن عین الدین المعروف مبارک ملا ابن مجلس مختار ابن مجلس سرور رسلہ اللہ تعالیٰ فی الدارین فی سنۃ تسع عشرین وتسعمائۃ سنۃ ۹۲۹

میر مظفر حسین ضمیر کی مرثیہ گوئی

از سید طالب علی بی اے، الہ آباد

"ہماری زبان کی ادبی تاریخ میں مرثیوں کا ایک خاص مرتبہ ہے، اور افسوس ہے کہ مولنا شبلی مرحوم کے سوا جنھوں نے موازنہ میر انیس لکھکر اس صنف ادب کی خدمت کی ہے، کسی اور صاحب قلم نے ادھر توجہ نہیں کی، ضرورت ہے کہ مرثیوں کی ایک ادبی تاریخ ہماری زبان میں لکھی جائے، جس میں ہر شاعر کے خصوصیات و امتیازات پر پوری بحث کیجائے، ذیل کا مضمون اسی کی تحریک کی خاطر ان صفحات میں ہم شائع کر رہے ہیں،

"معارف"

اگر اردو مرثیہ گوئی ایک زندہ ہستی مان لیجائے، اور اسکی حیات کے مختلف ٹکڑے کئے جائیں، تو سودا، میر، سکندر اور افسردہ اس دور زندگی کے رکن ٹھہرینگے جسمیں طفلی کی منزلیں ختم ہو رہی ہیں، اور جوانی کا رنگ نکھرتا آتا ہے، ہاشمی، مرزا، سیوا، بحری، ولی اور حیدری بچپن کے چھ سال معلوم ہونگے، شیر خواری کے دو سال شامل کیجئے تو ضمیر، خلیق، فصیح اور دلگیر بارہ سے سولہ سال تک کا مرقع دکھائی دینگے،

ضمیر نے اردو مرثیہ کا عنفوان بھی دیکھا ہے، اور شباب بھی انھوں نے حسن و اثر کے اس مجسمہ کو سجایا بھی ہے اور پروان بھی چڑھایا ہے،

ضمیر کے اوّلیات حسب ذیل ہیں،

۱۔ شمالی ہند میں ضمیر ہی غالباً سب سے پہلے شاعر ہیں، جنھوں نے اپنی ساری عمر مرثیہ گوئی اور مدح اہلبیت کے لیے وقف کر دی، اور اس فن کو اتنی ترقی دی کہ انشاء اللہ خاں ہوتے تو اپنے اس جملہ کی معافی مانگتے کہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو ہوتا ہے"

۲- مرثیہ کے لیے مسدس کی شکل مستقل ہو گئی، ان سے پہلے سودا، میر حیدری، افسردہ اور سکندر کے یہاں بھی مسدس مرثیے ہیں، مگر اس وقت تک التزام نہ تھا، خود ضمیر نے بھی رباعیاں، سلام، قطعات اور مخمس بھی کہے ہیں، مگر بہت کم، بیت میں قوافی کی قید بھی غالباً انھیں کے زمانے سے ہوئی، بہرکیف مرثیہ گوئی کو فن کی حیثیت سے استقلال کی قوت ضمیر ہی نے بخشی،

۳- نفیس مضامین کا اضافہ کر کے، رزم اور بزم کو سمو کر ضمیر نے بہت سی نئی راہیں نکال دیں جس کے بعد ایک سو برس کے عرصہ میں بہت کم اضافہ ہو سکا ہے،

الف، تشبیب کی جگہ چہرہ، جس میں کبھی شاعرانہ تعلی ہوتی ہے، کبھی خالق سے دعائیں کیجاتی ہیں، کبھی خزاں یا بہار یا کسی جذبہ کی تصویر کشی ہوتی ہے، کبھی مناظر قدرت صبح، شام، دوپہر، شام اور شب کے جلوے دکھائے جاتے ہیں، کبھی کسی نظریہ عقیدت کی تشریح ہوتی ہے، غرض قصیدے کی تشبیب کی طرح چہرہ کا دامن بھی نہایت وسیع ہے، ہاں سوقیانہ خیالات، بوالہوسی کی داستان اور نقلی عشق کے کارناموں کی چھاں البتہ کہیں پڑنے نہیں پاتی،

ب- رخصت ماں سے، بیوی سے، بہن سے، بھائی سے، پھوپھی سے، بھتیجی سے، باپ سے، بیٹے سے، احباب سے آقا سے، غرض رخصت کا ہر جز و تیر و نشتر کا کام دیتا ہے اور اسی جگہ شاعر کے مشاہدات، نفسیات، مطالعہ، دقت نظر اور حسن بیان کا کمال ظاہر ہوتا ہے، جذبات کے نازک نقوش سپرد قلم کئے جاتے ہیں، اور جو اثر مطلوب ہوتا ہے وہی سننے والے کے دل پر ہوتا ہے،

ج- سراپا- جس کے حال کا مرثیہ ہو اسکے سر سے پاؤں تک ہر عضو کی تعریف ہوتی ہے، تشبیہات اور استعارات کی تلاش اور خوش سلیقگی سے ان کا صرف ہوتا ہے، ہر شخص کا سراپا دوسروں سے مختلف ہوتا ہے، اور ایک ہی شخص کا ہر سراپا ایک دوسرے سے جدا جدا ہوتا ہے، پھر بھی کمال یہ ہے کہ سننے والے کا ذہن سراپا کی سیر سے فوراً ہی صاحب سراپا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، غالباً امتیازی اور اصلی اجزاء تمام بیانات میں مشترک رہتے ہیں؛

د- لڑائی، ترتیب صفوف، تیر باران، تلوار کی تعریف، گھوڑے کی تعریف، بھگڈر، اسلحہ کا بیان، پہلوان

کی لڑائی، گھمسان کی کیفیت و علم کی ضوفشانیاں، سب کچھ اسی سرخی کے اندر آجاتی ہیں،

۷۔ شہادت کا تفصیلی بیان اور بعض موقعوں پر لاش کا آنا جانا،

یہ چند منزلیں ہیں، ہر منزل میں ضمیر کی جدت پسند طبیعت نے صدہا نئے نئے راستے نکال لئے ہیں، اور آنیوالی نسلوں کے واسطے جدید راہوں کی داغ بیل ڈالدی ہے، کلام کے محاسن کا پورا اندازہ سیر کلام کے بغیر ناممکن ہے،

دنیا میں کہوں کس سے میں کہوں یہ درد ہے میرا اس رنگ میں جو جو کہے شاگرد ہے میرا

۴۔ ممکن ہے تحت اللفظ پڑھنے کا رواج ضمیر سے پہلے بھی رہا ہو، مگر ضمیر نے مسدس کی طرح اس طرز مرثیہ خوانی کو بھی مستقل کردیا اور آواز کے اتار چڑھاؤ، چشم و ابرو کی گردش اور دست و سینہ کی ہلکی فطری جنبشوں سے مرثیہ خوانی میں چار چاند لگا دیئے۔ ڈرامائی، رومانوی اور نفسیاتی کیفیات کے مرقعے کھنچنے لگے،

۵۔ ضمیر متبحر عالم تھے، ثقہ، سنجیدہ، خوش مزاج اور وضعدار تھے، الفاظ و محاورات کے دریا بہا دیئے، یہ سچ ہے کہ انھوں نے تذکیر و تانیث کے رسالے نہیں لکھے، متروکات پر کتابیں نہیں تصنیف کیں، محاورات اور الفاظ کے لغات مرتب نہیں کئے، پھر بھی غور سے دیکھئے تو زبان کے مانجھنے اور صحیح الفاظ و محاورات کے رواج میں جو حصہ ضمیر کا ہے وہ کسی اور سے کم نہیں ہے،

۶۔ ضمیر نے ایک طرف شکوہِ الفاظ، زورِ تخیل، جوشِ بیان، محسنات بدیع، تبحر علمی، اور فن کی بہت سی نزاکتوں کے دریا بہا دیئے، جنسے دبیر ایسے مہر سخنوری نے اپنے باغ سخن کی آبیاری کی،

تو دوسری طرف، سادگی و پرکاری، حسن سلاست، لطف روانی، برجستگی، آمد، شگفتگی اور نکتہ سنجیوں کے موتی رول دیئے جنسے انیس ایسے خدائے سخن نے اپنے عروس سخن کو سنوار لیا،

یہی وجہ ہے کہ ضمیر ان تمام صفات کا مجموعہ نظر آتے ہیں، جو انیس و دبیر کے یہاں الگ الگ پائی جاتی ہیں، انیس اور دبیر نے بعض جزوی اضافوں (ساقی نامہ، رجز وغیرہ) کے علاوہ اور کوئی نئی بات پیدا نہیں کی ہاں تصویر کے ایک ایک رخ کو لیکر حد کمال تک پہنچا دیا[1]،

[1] یہ آخری نکتہ پروفیسر محمد ضامن علی (صدر شعبۂ اردو جامعہ الہ آباد) کے حسن فکر کا رہین منت ہے،

ضمیر کے مرثیے چھ جلدوں میں چھپے ہیں، ان کے علاوہ مثنوی مظہر العجائب، معراج نامہ اور چہاردہ بند (مدہ بار جس مصنفہ ثابت) بھی لائق سیر ہیں،

مجھے اس وقت مرثیہ گو ضمیر کے حسنِ کلام کا ایک ہلکا سا پرتو دکھانا مقصود ہے، اس لئے شواہد اور امثال کی تلاش میں "مراثی میر ضمیر جلد اول" (مطبوعہ نولکشور پریس) سے آگے قدم نہ بڑھاؤنگا،

آپ نے دنیا کی بے ثباتی کے بہت سے مرقع دیکھے ہونگے، انقلاب کے صدہا نقوش نظر سے گذرے ہونگے، یہ دکھڑا بہت پرانا ہے، اور خاص کر ایشیائی شاعروں نے اپنی عمر عزیز کا بہت سا وقت "عبرت انگیز" نالوں میں صرف کیا ہے، دیکھئے ضمیر بھی اسی ایک عام، سادہ، اور ایسے خیال کو جسے سب جانتے ہیں کتنے اچھوتے الفاظ اور کیسے نفیس انداز سے کہتے ہیں، کہ ایک ایک لفظ دل میں اتر جاتا ہے،

کسی کا کندہ نگینہ پہ نام ہوتا ہے کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں شام و سحر کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

اب کے لوگ عقیق و یاقوت پر نام کھدانے کے بجائے ربر، اور ہاتھی دانت کے ٹھپے بنواتے ہیں، مگر حاصل ایک ہی ہے، سب جانتے ہیں کہ حضرت امام حسین کے سب سے چھوٹے صاحبزادے علی اصغر میدان کربلا میں باپ کے ہاتھوں، کئی دن کے پیاسے حرملہ کے تیر سے مارے گئے، اسی ننھے شہید کی پوری تصویر دیکھئے حسن تعلیل نے جادو اثری دکھائی ہے، مجرائی تا بہ مرگ تشنہ دہان رہا، والے سلام کا ایک قطعہ ہے، چاروں مصرعے جار تیر ہیں،

اصغر کے تیر کھانے کا ہر مشکل تیر سے تا روز رستخیز ہے باقی نشان رہا
سوفار سے عیاں ہے کہ منہ اس کا تھا کھلا پیکان یہ کہتا ہے کہ نہ نکلے زبان رہا

غم شبیر کا اثر باغ عالم پر کیا ہوا، دیکھئے ضمیر نے رنگینی اور غم انگیزی کا امتزاج کس خوبی سے کیا ہے،

سنبل کشادہ مو غم شبیر سے کیا اور طفلِ غنچہ شاخ کے دامن سے گر پڑا

"نے" کا حذف یا اسی طرح زبان کے بعض اختلافات نامانوس معلوم ہونگے، مگر یہ نہ بھولئے کہ یہ زبان آج

سو برس پہلے کی ہے، آج اردو جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے،

ایسی ہوا سے تند میانِ جہاں چلی جو سقف آسماں پہ بندھی سقف خاک کی

فردوسی کا یہ شعر کہ "زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت" اور انیس کا یہ مصرع کہ ع مٹی کا پل بندھا تھا محیط سپہر سے، مجھ کو ہمیشہ ایک شاعرانہ بلند پروازی معلوم ہوتی تھی، مگر ممالکِ اسلامیہ کے دو تین سفر میں بعض ریگستانی مناظر کے مشاہدے نے یہ رائے بدل دی،

ضمیر کی ایک بلند پروازی اور دیکھئے،

سب طائرانِ اوجِ فلک اشکبار تھے مانند مرغ قبلہ نما بے قرار تھے

مناظرِ فطرت کی تصویریں تو آپ نے دیکھیں اب ذرا جذبات کے مرقعے ملاحظہ فرمائیے، جذبات اور مناظرِ فطرت ایسے دست و گریباں ہیں کہ دونوں کو جدا کرنا جسم و روح کی جدائی سے کم نہیں ہے،

حیرت نے لب پہ قفل خموشی کو کر دیا

امام حسینؑ۔ اپنے بھتیجے کی لاش پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں،

سہرا کہیں نوشاہ کا، دستار کہیں ہے کنگنا کہیں، پہنچا کہیں، تلوار کہیں ہے

امام حسینؑ۔ دھوپ میں کھڑے ہوے ہیں، تشبیہ اور جذبات کا امتزاج دیکھئے،

اس دھوپ میں کے سر کے محاذی ہو آفتاب اس دم ہے آفتاب سر کوہ وہ جناب

محاورہ کی چستی، بندش کی نفاست، حسنِ سلاست، تصویر کشی اور برجستگی دیکھئے،

لاشوں کا رن میں کھیت پڑا تھا یہ کھیت پر گل فاطمہ کے لوٹتے پھرتے تھے ریت پر

مطالعۂ فطرت، نازک مشاہدہ اور منظر نگاری دیکھئے،

اس ریگ سے نکلتی ہے جو گرم گرم بھاپ ہر لحظہ ذوالجناح اٹھاتا ہے اپنی ٹاپ

مرکب کی وہ حالت اور راکب کی یہ کیفیت ہے کہ

یہ کہہ رہے ہیں شاہ اور آنکھیں ہیں اُنکی بند
ہر مرتبہ یہ پوچھتا ہی لوں سے انھیں گزند

تعجب انگیز استفہام جسکا ہر پہلو پر درد ہے، اور پھر استفہام کے پردہ مین واقعات کا بیان، نئے پہلو سے پرانی داستان کا اعادہ، اور آیندہ کی اطلاع، پھر ساتھ ہی ساتھ بے شعور لیکن ہمدرد جانور کے شعور و درک کا یقین تحریک نفسی اور اعادۂ خیال کی قوتیں دیکھنی ہیں تو اس مرقع کو ذرا غور سے دیکھئے،

سہ پہر کا وقت ہے، جھلاتی ہوئی دھوپ پڑ رہی ہے، نبی کا نواسا تین دن کا بھوکا پیاسا، بہن بیٹی سے رخصت ہوکر میدانِ جنگ کی طرف جا رہا ہے، آنکھوں کے تارے، بوڑھاپے کے سہارے، بیٹے، بھتیجے، خون میں شرابور، جلتی ریت پر پڑے ہوئے، بچپن کا ساتھی گھوڑا بھی گویا رو دے رہا ہے، راکب اپنے مرکب سے پوچھتا ہے،

رویا ہے اس لئے کہ ستم ہو حسین پر
یا اس لیے کہ آج لٹے گا نبی کا گھر

یا اس لئے کہ ہوگی زینب برہنہ سر
یا اس لئے کہ ہوگی سکینہ بھی بے پدر

کیا اس کا غم ہے جو تجھے پانی ملا نہین،
سو دیکھ لے کہ مین نے بھی قطرہ پیا نہین،

میری نگاہ میں اس تخاطب کی دو توجیہیں ہیں، ایک تو یہ کہ دکھیارے کو دنیا کی ہر چیز سے موانست سی ہو جاتی ہے، چوٹ کھائے دل کا جذبۂ ہمدردی بہت بڑھ جاتا ہے اور غم زدہ فطرت سے ہم آغوش ہو جانا چاہتا وہ ہر ایسی چیز سے اپنی غم کی کہانی دہرانے کو تیار ہو جاتا ہے جس سے ذرا بھی ہمدردی کی امید ہو، اور دوسری وجہ ہے کہ غم کے شدید احساس کے وقت شئے مخاطب محض ایک بہانہ ہوتی ہے اور نفسیاتی جزر و مد کے ماتحت غم کے جذبات آپ ہی آپ زبان پر جاری ہو جاتے ہیں،

صبح کے بیان میں درد، بے بسی اور سناٹے کے پہلو دیکھئے، براعت لاستہلال بھی ہے، استعارات بھی ہیں، اور تجسیم بھی ہے:

خلعت جو ستاروں کا ہوا پیرہنِ شب
تا گُلِ خورشید نے لوٹا چمنِ شب

انجم گئے۔ بر باد ہوئی انجمنِ شب
آمادہ کیا صبح نے لا کر کفنِ شب

آراستہ تختِ ملکِ نیلوفری تھا

فرقِ سرِ خاور پہ دھرا تاجِ زری تھا

سورج ہی کی ایک تشکیلی شان اور دیکھئے،

خورشید اٹھالے گیا میدان سے رن کے خود سرِ مہتاب کو نیزے پہ کرن کے

حضرت قاسم کی تعریف میں تقسیم صفت اور اثر تکرار ملاحظہ ہو:

خوش رو بھی تھا خوش چشم بھی، جوں عہد جوانی

ایک صنعت تعلیل بھی دیکھتے چلئے،

طبع شہِ دیں دیکھ زدوکشت کے اوپر جا جا کے چھپی تھیں سپریں پشت کے اوپر

بیان صبح میں ایک اور پیارا انداز مدرسہ ہے، دیکھئے جزئیات پر ضمیر کو کیسی قدرت ہے، تلاش مکمل تفصیل مضبوط اور مناسبات لفظی اور رعایات نازک کے تو بادشاہ معلوم ہوتے ہیں،

جس وقت کیا مہر نے زریں طبقِ صبح طفلانِ کواکب ہوئے محوِ سبقِ صبح

تھا خطِ شعاعی سے طلائی ورقِ صبح چوں جدولِ شنجرف بہارِ شفقِ صبح

نورِ نظرِ عالمِ ارباب تھا خورشید

مہرِ خطِ معزولیِ مہتاب تھا خورشید

اپنے ایک معرکہ آرا مرثیے میں جو ۱۲۲۹ھ کا ہے میر صاحب چہرہ میں تعلّی فرماتے ہیں، یہاں مرثیہ گو اور مصوّر کے جو نازک فروق دکھائے ہیں کتنے جالب توجہ ہیں،

نقاش میں یہ صنعتِ تحریر نہیں ہے

تصویر دکھاتا ہوں یہ تقریر نہیں ہے

نقاش تو کرتا ہے قلم سے کے یہ تدبیر اک شکل نئی صفحۂ قرطاس پہ تحریر

انصاف کرو کلکِ زباں سے دمِ تحریر　　میں صفحۂ باطن پہ رقم کرتا ہوں تصویر
سو رنگ سے تصویر مصور نے بھری ہے
رنگینیِ مضموں کی کہاں جلوہ گری ہے

حقیقت بھی یہی ہے کہ مصور نگاہوں کے سامنے خوانِ محسوسات رکھ دیتا ہے اور شاعر مرئی کیفیات سے لطف اندوز کرتا ہے، مصور کے پاس رنگ و روغن سب کچھ ہوتا ہے، شاعر کو سارا کام صرف چند لفظوں سے نکالنا پڑتا ہے، صنعت سوال میں ایک بند دیکھئے، ثابت صاحب کا دعویٰ ہے کہ دبیر کے علاوہ کسی اور نے یہ صنعت صرف نہیں کی،

اک آن میں اس شیر کا ترکش ہوا خالی　　ترکش ہوا خالی تو وہیں تیغ نکالی
جب تیغ نکالی تو بنا جنگ کی ڈالی　　ڈالی جدھر اک تیغ اجل ہو گئی حالی
حالی ہوا اعدا کو کہ اب سر نہ بچے گا　　اب سر نہ بچے گا تو یہ لشکر نہ بچے گا

ضمیر کو عربی اور فارسی پر پوری قدرت حاصل تھی، عربی کے بڑے بڑے فقرے مزے مزے سے استعمال کر جاتے ہیں، مثلاً،

دنیا کو اگر غور سے دیکھو تو سرا ہے　　یہ فاعتبروا یا اولی الابصار کی جا ہے

فارسی میں سلام اور رباعیوں کے علاوہ مرثیے بھی کہے ہیں، پہلی ہی جلد میں ۵۴ بند کا ایک مرثیہ فارسی میں ہے، ایک بند میں، سماں کا جو نقشہ ملاحظہ ہو، جوان بیٹا دشمنوں میں جا رہا ہے، پردہ نشین ماں، رخنۂ سراچہ سے دیکھ رہی ہے،

اکبر چو شد سوار بہ پشتِ سمندِ خویش　　رفت از صفوفِ لشکرِ اسلام بیش بیش
در خیمہ مادرش شدہ مغموم و سینہ ریش　　یک جاں ہزار نشتر و یک دل ہزار ریش
گاہے درونِ خیمہ و گاہے بر آستاں
در خیمہ یک نگاہ نگاہے بر آستاں

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا اجلاس ہفتم

از

قاضی احمد میاں اختر، جوناگڈھی،

۲۷، ۲۸، اور ۲۹ ردسمبر ۱۹۳۳ء کو اورینٹل کانفرنس کا ساتواں اجلاس زیر سرپرستی مہاراجہ گائیکواڑ بڑودہ میں بصدارت ڈاکٹر کاشی پرشاد جیسوال منعقد ہوا تھا جس میں مشرقی علوم سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے علاوہ ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے اکثر پروفیسر اور مشہور اہل علم حضرات بھی شریک ہوئے تھے، رمضان شریف کی وجہ سے اکثر مسلمان اہل علم اس میں شریک نہ ہو سکے،

۲۷ رکی شام کو ۵ بجے نیائے مندر (دیوان عدالت) کے ہال میں ایک دربار خاص منعقد ہوا تھا جس میں مہاراجہ بنفس نفیس مع رانی صاحبہ کے رونق افروز ہوئے تھے، تمام شرکائے کانفرنس کے علاوہ رؤسا و عمائدین شہر اور ریاست کے تمام افسر بھی یہاں موجود تھے، مجلس انتظامیہ کے اراکین کا مہاراجہ صاحب سے تعارف کرایا گیا جس کے بعد مہاراجہ نے کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے ایک پر مغز خطبۂ افتتاحیہ دیا، اس کے بعد صدر صاحب نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا، اور آخر میں وادی دریائے سندھ کے قدیم تمدن سے متعلق فلم دکھائی گئی، شب کو ہندوستانی موسیقی کا پروگرام تھا، چنانچہ بڑودہ کے مشہور گویوں نے اپنے کرتب دکھائے اور بڑی دیر تک حاضرین ہندوستانی موسیقی سے لطف اندوز ہوتے رہے، علاوہ ازیں مرہٹی اسکول کی نوجوان لڑکیوں نے ایک خاص قسم کا گجراتی گانا جسے "گربا" کہتے ہیں ساتھ مل کر گایا جو بہت پسند کیا گیا،

۲۸ رکی صبح کو گیارہ سے ۲ بجے تک بڑودہ کالج کے کمروں میں مختلف علوم و فنون کے شعبہ جات کے

جلسے مختلف اصحاب کے زیرِ صدارت منعقد ہوئے، جنہیں مذہب، فلسفہ، تاریخ، آثار قدیمہ، علم الانسان، علم الاقوام، فنونِ لطیفہ، ادبیات، لسانیات، عربی، سنسکرت، فارسی، مرہٹی، اردو، گجراتی، وغیرہ شامل تھے، شعبۂ اردو کی صدارت مولوی عبدالحق صاحب ناظم انجمن ترقیِ اردو نے فرمائی، اور اپنا خطبۂ صدارت پڑھا جو اردو کی اشاعت اور ترقی کے متعلق مفید اور کارآمد تجاویز پر مشتمل تھا، دوپہر کے بعد سب لوگ بڑودہ کے مرکزی کتبخانہ اور عجائب خانہ اور تصویر خانہ دیکھنے کے لئے گئے، عجائب خانہ میں ایک پارسی خیام پرست کا ذخیرۂ رباعیات عمر خیام بھی تھا جو خیام کی رباعیات کے مختلف اڈیشنوں اور تراجم پر مشتمل تھا، اسی دن رات کو مشاعرہ ہوا جس میں اکثر مقامی شعراء موجود تھے، طرحی غزلیں پڑھی گئیں، کمیٹی نے غزلیں پسند کر کے ۳ تمغے بھی دیئے، طرح کی زمین بہت پامال تھی، طرح کے مصرعے حسب ذیل تھے، ؎

مکاں اس لامکاں کا ہے اگر کوئی تو بس دل ہے ؎ منتظر بیٹھا ہوں میں بھی گردشِ ایام کا

۲۹ کی صبح کو ۱۰ بجے کالج کے احاطہ میں تمام شرکاے کانفرنس کے فوٹو لئے گئے، پھر ۱۱ سے ۲ بجے تک بقیہ علمی شعبہ جات کے جلسے ہوتے رہے، شعبۂ عربی و فارسی کے صدر پور داؤد ایرانی پروفیسر شانتی نکیتان تھے، جنھوں نے بجائے عربی یا فارسی کے اپنا خطبۂ صدارت انگریزی ایسے لب و لہجہ میں پڑھا جس کو خود انگریزی داں اصحاب بھی نہ سمجھ سکے، یہ صاحب جدید ایرانی تحریک کے علمبرداروں میں سے ہیں،

شعبۂ اردو اور شعبۂ عربی و فارسی میں جو مضامین پڑھے گئے وہ حسب ذیل ہیں :۔

شعبۂ عربی و فارسی

صدر۔ پروفیسر آغا پور داؤد ناظم۔ پروفیسر ایم۔ اے قاضی، ایم اے،

۱۔ مراۃ احمدی پر بعض ملاحظات (انگریزی) دیوان بہادر کے، ایم جوہری، ایم اے ایل ایل بی،

۲۔ سعدی کا سفر سومنات (″) قاضی احمد میاں اختر، جوناگڑھی،

۳۔ شاخِ نبات کی بحث، (″) پروفیسر این۔ این بھروچا ایم۔ اے،

۴۔ تحفۃ الہند کے مضامین، (نہیں پڑھا گیا) ایم۔ ضیاء الدین،

۵۔ عہد جاہلیت میں ایرانی موسیقی کی ترقی، (") الیف۔ ایم شجاع۔ ایم اے ایم ایس۔ سی،

۶۔ حافظ فارسی شاعری کا زبردست شاعر، (") "

۷۔ عمر خیام کی رباعیوں کو جانچنے کا ایک ضابطہ (انگریزی) پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی،

۸۔ عربی فلسفہ کے آثار (نہیں پڑھا گیا) شمس العلما، مولوی عبدالرحمن دہلوی،

۹۔ عمر خیام پر چند خیالات، جے۔ ای۔ سکلتوالاہ

۱۰۔ اسلامی تعمیرات میں ہندوستان وسط ایشیا کا کس قدر رہین منت ہے۔ (انگریزی) ایم عبداللہ چغتائی،

مضامین نمبر ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۸ مضمون نگاروں کی عدم موجودگی کی وجہ سے نہیں پڑھے گئے،

شعبۂ اردو

صدر:۔ مولوی عبدالحق صاحب بی اے، ناظم پروفیسر الیف ایم لوکھنڈوالا، ایم اے،

۱۔ صنعت ورافۃ عہد عباسیہ میں، (اردو) قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی،

۲۔ حروف علت کی علامات اردو نصاب میں، (") ایم، یو۔ ناظم انصاری،

۳۔ سودا اور اسکی شاعری، (") شیخ چاند۔ ایم اے، ایل ایل۔ بی،

فی الجملہ کانفرنس اپنی کارروائی اور حسن انتظام کے لحاظ سے کامیاب کہی جاسکتی ہے، لیکن اسکی قابل ذکر خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ تمامتر ہندوستانی اور ہندو ہی تھی، اور "مشرقی" ہونے کے باوجود دیگر مشرقی اقوام کے علوم وفنون سے کوئی سروکار نہیں رکھا گیا تھا، عربی فارسی اور اردو کے شعبے بھی برائے نام رکھدیئے گئے تھے،

کانفرنس کے تمام مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام مہاراجہ بڑودہ کی طرف سے تھا، بلکہ شعراء کو آمد و رفت کا کرایہ بھی دیا گیا، غالباً یہی وجہ تھی کہ شعراء طرحی زمین میں مہاراجہ کی مدح میں قصائد لکھ لائے تھے،

؎ یہ مضمون حیدرآباد کے اسلامک کلچر بابتہ جنوری ۱۹۳۴ء میں شائع ہو چکا ہے، بلکہ یہ آئندہ معارف میں چھپیگا،

تلخیص و تبصرہ

کیا بائبل کا مطالعہ بچوں کیلئے مناسب ہے؟

بائبل یعنی موجودہ تورات مین پیغمبرون اور رسولون کے جو احوال و سوانح لکھے ہین، اون کو پڑھکر ایک مسلمان کو ان بزرگون کی نبوت اور رسالت کے مقدس منصب کے متعلق شکوک پیدا ہو جاتے ہین یہی سبب ہے کہ قرآن پاک مین ان بزرگون کو نبوت و رسالت کے اصلی رنگ مین ظاہر کرکے توراۃ کے اس قسم کے قصون کی تردید و اصلاح کر دی ہے، موجودہ تورات کے اس نقص کا احساس رفتہ رفتہ خود عیسائی آزاد خیالون کو ہو رہا ہے، اور یہی وہ موقع ہے جسمین قرآن کی عظمت کا وہ پورا اندازہ کر سکتے ہین، موجودہ توراۃ کے اس نقص کے علم کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ آیا یہ تورات اس قابل ہے، کہ بچون کے پڑھنے اور مطالعہ کیلئے اسکو مفید سمجھا جائے،؟ ابھی حال مین لارڈ ریگلین اور پروفیسر جولین ہکسلے نے اسٹیٹسمین (۷ جنوری ۱۹۴۴ء) مین ایک مضمون لکھکر تورات کے اخلاقی افادہ پر بحث کی ہے،

پروفیسر موصوف لکھتے ہین،:-

لارڈ ریگلین (LORD RAGLAN) نے حال مین اس خیال کا اظہار کیا ہے، کہ ہمین اپنی مذہبی تعلیم پر نظر ثانی کرنی چاہیئے، ان کے نزدیک یہ تعلیم موجودہ زمانہ مین نمونہ اخلاق کے طور پر (نعوذ باللہ) موسیٰ، یشوع، سموایل اور داؤد جیسے پیکران ظلم و ستم کو پیش کرتی ہے، جنکی ستم رانیان ان تمام باتون سے بڑھی ہوئی ہین جو گذشتہ جنگ مین ہمارے دشمنون کے خلاف بیان کیجاتی تھیں"

اس قسم کے بیانات کی وجہ سے لوگوں نے یہ سوال کرنا شروع کر دیا ہے، کہ آیا بائبل کا مطالعہ بچوں کے لئے مناسب ہے یا نہیں، یا کم سے کم اس پر بچوں کی مذہبی تعلیم کی بنیاد قائم کرنی چاہیئے یا نہیں،

بلاشبہ لارڈ ڈرنگلین اپنی فہرست میں یعقوب جیسے پختہ کار اہل فریب بہتیرے بادشاہوں اور نبیوں جیسے نوح غیر رواداری، ابراہیم جیسے کثیر الازواج سینٹ پال جیسے معلمین جو نکاح کی نسبت حقیر اور بہتیرے اشخاص کے خیال میں اہانت آمیز رائے رکھتا تھا، اور قدیم ترہیوا (خدا کا مقدس عبرانی نام) جیسے نہایت تنگ خیال، حاسد اور ظالم خداؤں کو بھی شامل کر سکتے تھے،

دوسرے لوگ اس سوال کے جواب میں کہ بائبل کا مطالعہ بچوں کیلئے مناسب ہے یا نہیں، کہہ سکتے ہیں، کہ اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اخلاق جنسی سے متعلق اکثر لوگوں کے خیالات کو صدمہ پہنچانے والی ہیں، یہ اکثر مقامات پر کائنات اور اسمیں انسان کی حیثیت سے متعلق ہمارے جدید معلومات کے بالکل مخالف ہی، اور اگر یہ حقیقی معنی میں بطور کلام الٰہی کے پیش کیجائے، تو بچوں کیلئے حد درجہ الجھن پیدا کرنے والی ہے، کیونکہ اس کے مختلف حصے واقعات فطرت، انفرادی اطوار و اخلاق، اور سوسائٹی میں انسان کے فرض کی نسبت ایک دوسرے کے سراسر خلاف ہیں،

بہرحال میرا خیال ہے کہ یہ سوال کہ "بچوں کو بائبل پڑھنے کی اجازت دینی چاہیئے یا نہیں"، غلط طریقہ سے پیش کیا گیا ہے، کسی کتاب کا محض پڑھ لینا ہی اصلی چیز نہیں ہے، بلکہ اصلی چیز یہ ہے کہ تم اسے کیونکر پڑھتے ہو، اس کے ساتھ کونسا پس منظر پیش کرتے ہو، اور وہ کونسے خیالات ہیں، جن کے ماتحت تمہارے بزرگوں اور استادوں نے اسے تمہارے سامنے رکھا ہے، ذاتی طور پر مجھے یہ دیکھکر نہایت افسوس ہوگا، کہ ہماری آبادی کے بڑے حصوں سے بائبل کی واقفیت فنا ہو رہی ہے، ایک بات تو یہ ہے کہ بائبل کے بہتیرے واقعات اور بہتیرے اشخاص ایسے ہیں جو ہمارے قومی خیالات کا جزء بن گئے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ بائبل کے بعض صحائف عظیم الشان لٹریچر ہیں، اور پھر مذہبی ترقی کیلئے انسان کی جد و جہد کے ایک نہایت اہم دور کی یادگار کی حیثیت سے بھی بائبل حد درجہ بیش قیمت ہی،

آخری امر کی جانب مین پھر لوٹون گا، فی الحال یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہون کہ میرے نزدیک مذہبی تعلیم مین بائبل کا غیر دانشمندانہ استعمال اہم ترین خطرات و مضرت سے پُر ہے،

اول یہ کہ بائبل کو تمام دوسری کتابون سے علاوہ ایک بالکل مختلف نوع مین رکھکر کامل اور آخری سمجھنا میرے خیال مین صرف وہم پرستی ہے،

عہد نامۂ قدیم تراشے ہوئے مجسمون کی پرستش کے خلاف وعید سے پُر ہے، پروٹسٹنٹ فرقون کے عیسائی، ولیون اور مریم عذرا کی پرستش پر کیتھولک عقائد کے عیسائیون پر لعن طعن کرتے ہین، لیکن کسی کتاب کی پرستش بھی بالکل ویسی ہی بری ہے جیسی کسی تراشے ہوئے مجسمہ کی، اصولاً کتاب کی پرستش[1] اور مریم عذرا کے بت کی پرستش مین کوئی فرق نہین،

بہت سے لوگ ہین جو وحشی اقوام کی ارباب پرستی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ خود بھی بائبل کو ایک پرستش کی چیز بنا رہے ہین، اور اس کا ذہنی اور روحانی اثر بھی (اُن کے معیار تہذیب کا لحاظ کرتے ہوئے) تمامتر ویسا ہی پیدا ہو رہا ہے،

بچون کے لئے بائبل کا مطالعہ اُسی وقت نامناسب ہے جب انھین یہ بتایا جائے، کہ وہ حرف بحرف ایک الہامی کتاب ہے، اور اون کی مذہبی فلاح کا واحد ذریعہ ہے یا تو وہ اسے بے سوچے سمجھے شروع سے آخر تک پڑھکر دماغ مین محفوظ کر لیتے ہین، جس کا ایک حصہ صرف بائبل اور مذہب کیلئے مخصوص ہو، اور دوسرا گردوپیش کے واقعات زندگی کے لئے، اور یا وہ ایک طرح کی ذہنی جنگ کا شکار ہو جاتے ہین اور اُن چیزون مین تطابق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین جنمین تطابق ممکن ہی نہین، وہ نہایت درجہ حیران رہتے ہین، کہ جو واقعات اور خیالات اونھون نے بائبل سے معلوم کئے ہین، اور جنکی نسبت اونھین بتایا گیا ہے کہ الہامی ہین، یا کم سے کم اپنے استناد و تقدیس کے لحاظ سے تمام دوسرے واقعات و خیالات سے مختلف اور بہترین

[1] معارف :- بشرطیکہ پرستش ہو کسی کتاب کو ہر معنی مین صحیح یقین کرنا اوسکی پرستش نہین ہو

اون کا جوڑ کیونکر اُن واقعات اور خیالات سے ملائین، جو ہماری موجودہ تہذیب کی بنیاد ہین،

لیکن اگر بائبل سے اس خیال کی تشریح مقصود ہو جو واقعۂ ارتقا کے مان لینے سے پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ تغیر تمام انسانی خیالات اور اوارون کا لازمہ ہے، اور اون کی تدیجی ترقی ہمارا مستقل مقصد ہونا چاہئے، تو اس وقت جس قسم کی دشواریان لارڈ ہگلین نے محسوس کی ہین، وہ غائب ہوجاتی ہین،

یہ تسلیم کرلینے کے بعد کہ اخلاق اور مذہب مین ترقی ممکن اور مناسب ہے بائبل دنیا کی تمام مقدس کتابون مین سب سے زیادہ دلچسپ اور سب سے زیادہ مفید کتاب ہوجاتی ہے محض اس وجہ سے کہ یہ تمام دوسری کتابون سے بڑھکر بالکل اسی قسم کی ترقی کی تاریخ ہے جو تین ہزار سال سے زائد مدت کے واقعات پر مشتمل ہے،

اگر اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ عہد نامۂ قدیم کے بہت سے اشخاص کی بے رحمی اور غیر رواداری محض متوقع امور ہین ایک ایسی قوم کے جو اپنی ترقی کے ابتدائی اور وحشیانہ دور مین تھی جب کہ جنگ وجدال سے اسے کوئی چارہ نہ تھا، اتنا ہی نہین، بلکہ یہ واقعہ کہ اسی قوم مین دوسرے مقاصد رونما ہوئے اُم اونھون نے قدیم وحشیانہ مقاصد کو بتدریج نکال دیا، اخلاق و مذہب کے میدان مین حقیقی ترقی کی ایک حوصلہ افزا مثال ہے،

مذہبی تعلیم کے اس نقطۂ نظر سے ایک اہم نتیجہ نکلتا ہے، وہ یہ کہ اگر مذہبی ترقی زمانۂ گذشتہ مین ممکن اور پسندیدہ تھی، تو وہ ویسی ہی ممکن اور ویسی ہی پسندیدہ زمانۂ موجودہ مین بھی ہے، ہم آج معیار حیات پر پورے نہین اترتے اور اپنے حالات اور اپنی تہذیب کے لحاظ سے ہماری کمی ٹھیک ویسی ہی بنیادی ہے جیسی قدیم یہود کی اونکے حالات اور اون کی تہذیب کے اعتبار سے تھی،

اگر بائبل سے ماضی کی اخلاقی اور مذہبی ترقی کی توضیح اور مستقبل کی اخلاقی اور مذہبی ترقی کی راہ نمائی کا کام لیا جائے تو یہ مذہبی تعلیم کا ایک نہایت عمدہ ذریعہ ہے، لیکن اگر کسی طریقہ سے بھی اسکی پرستش کیجانے لگے، تو اس وقت اوس کا مطالعہ بچون کیلئے مناسب نہ ہوگا،

"ع ز"

آیندہ طب،

آیندہ طب کا خاص کام یہ ہوگا کہ امراض سے محفوظ کر دینے سے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرے اور انسان اور پالو جانوروں کے فائدہ کیلئے ان کے استعمال کے زیادہ موثر طریقے دریافت کرے،

امراض سے تحفظ عمر، جنس، اور نسل کے اختلاف نیز مختلف احوال مین بدلتا رہتا ہے، یہ ہر شخص جانتا ہے، کہ جب لوگ ایک متعین عمر سے گذر جاتے ہین، تو انھین بچون کی بیماریان نہین ہوتین، اسی طرح بچے بھی عموماً اُن امراض مین مبتلا نہین ہوتے، جو کہولت سن کے ساتھ مخصوص ہین، دوران زندگی مین نظام جسمانی بعض عناصر حاصل کرتا اور بعض کھوتا بھی رہتا ہے، اُن کی نوعیت ہنوز لامعلوم ہے، لیکن ان کی کمی یا زیادتی سے مختلف امراض کے قبول کرنے کی صلاحیت کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہے، مردون اور عورتون مین کسی مرض سے متاثر ہونے کی یکسان صلاحیت نہین ہوتی، اسی طرح مختلف نسلون مین بھی اس اعتبار سے بہت زیادہ فرق ہے، چونکہ امریکہ کے قدیم باشندون مین چیچک اور بعض دوسری بیماریون سے جو سفید اور حبشی نسل کے لوگ وہان لائے تھے، کوئی طبعی تحفظ نہ تھا، اس لئے ان بیماریون سے وہان کی قدیم آبادی کا ایک بڑا حصہ تلف ہوگیا، برخلاف اس کے وُہ لوگ سفید نسل والون کی نسبت خناق وبائی، میعادی بخار اور بعض جلدی اور جرمی امراض سے زیادہ محفوظ تھے، حبشی نسل کے بعض حصے ملیریا سے محفوظ ہین، اسکیمو (شمالی امریکہ کی ایک نسل) کے افراد اب سے تیس سال قبل تک دانت کی بیماریون سے محفوظ تھے، اسی طرح دوسری نسلون کی بھی مختلف خصوصیات ہین،

غذا، احول اور عام اصول صحت کی تبدیلی سے بھی امراض کو دفع کرنے کی قوت کمزور ہوجاتی ہے اور بعض حالات مین فنا بھی ہوجاتی ہے، اس قسم کی تبدیلی کی ایک اہم مثال الاسکا (امریکہ) کی اسکیمو قوم مین دیکھی جاسکتی ہے، ان لوگون مین معمولات کی تبدیلی اور خصوصاً غذا کی تبدیلی سے نمایان طور پر دانت کی بیماریان زیادہ ہوگئی ہین جو پہلے ناپید تھین، برخلاف اس کے گذشتہ پچیس سال سے دیکھا جا رہا ہے، کہ انڈین، اسکیمو، اور چند دوسری

قوموں میں دق سے محفوظ رہنے کی صلاحیت بتدریج زیادہ ہوتی جاتی ہے،

امراض سے محفوظ رہنے کی صلاحیت زیادہ تر طبعی ہوتی ہے، تاہم بعض امراض ایسے ہیں، مثلاً چیچک، خناق وبائی میعادی بخار وغیرہ جنہیں تدبیرون کے ذریعہ محفوظ رکھا جا سکتا ہے، چنانچہ اسوقت تک لاتعداد شخص پران تدبیرون کا تجربہ کامیابی کے ساتھ ہو چکا ہی،

کسی بیماری سے تحفظ جزوی بھی ہو سکتا ہے اور کلی بھی، یہ تھوڑے عرصہ کیلئے بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ مدت کیلئے بھی، مثلاً چیچک کے ٹیکہ کے بعد بعض صورتون میں یہ تحفظ تمام عمر باقی رہتا ہے، اور کبھی کبھی اوس کا اثر اولاد کی طرف بھی منتقل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے، کہ بعض خاندان کے خاندان چند بیماریوں سے کم وبیش محفوظ رہتے ہیں،

مختلف امراض سے محفوظ رہنے کا ایک مفید طریقہ یہ ہے کہ جسم کو بہترین صحت کی حالت میں رکھا جائے لیکن یہ حقیقۃً کوئی طبعی تحفظ نہیں ہے، اور صرف اوسی وقت تک قائم رہے گا، جب تک صحت ایک بلند معیار پر قائم ہے،

آئیس لینڈ کی آبادی ایک طویل مدت تک کالی کھانسی سے محفوظ تھی لیکن شمالی یورپ اور خصوصاً ممالک اسکینڈینیویا میں یہ مرض کثرت سے پایا جاتا ہی،

یہود میں عام طور پر ذیابیطس، سرطان، فربہی اور اعصابی بیماریوں کی صلاحیت ہوتی ہی لیکن وہ بہ نسبت دوسری سفید قوموں کے دق سے زیادہ محفوظ رہتے ہیں،

حبشیوں کی حالت مختلف مقامات پر مختلف ہے، امریکہ میں اونھوں نے سفید نسل کے باشندوں سے زیادہ ملیریا، زرد بخار، خسرہ، سُرخ بخار (؟) (SCARLETFEVER) اور خناق وبائی سے محفوظ رہنے کی صلاحیت ظاہر کی ہی، انھیں عموماً بواسیر نہیں ہوتی لیکن دق دل، پھیپھڑے، اور گردہ کی بیماریوں اور انفلوئنزا کا اثر وہ زیادہ قبول کرتے ہیں،

اصلی امریکن انڈین نسل کے لوگ گرہ باو ( ) سے بالکل محفوظ تھے سرطان سے زیادہ تر اور بہ نسبت سفید نسل والون کے خناق وبائی میعادی بخار، دماغی اور اعصابی امراض اور متعدد جلدی بیماریون سے اوس سے زیادہ، لیکن وہ سفید قومون کے مقابلہ مین چیچک، خسرہ، دق اور انفلوئنزا سے کم محفوظ تھے،

اسکیموحال تک دانت کی بیماریون، متعدد جلدی امراض، میعادی بخار، اور مختلف دوسری بیماریون سے محفوظ تھے، لیکن اُن مین بعض امراض سے متاثر ہوجانے کی وہی صلاحیتین تھین اور اب بھی ہین، جو امریکن انڈین مین پائی جاتی تھین، "ع ز"

مومیائی کرنے کا قدیم فن،

امریکہ کے ایک نہایت ممتاز سائنس دان کا خیال ہے، کہ اوس نے سالون کی تحقیق کے بعد لاش پر مومیائی کرنے کا فن دریافت کرلیا ہے، جس کا راز قدیم مصری تہذیب کے ساتھ فنا ہو چکا تھا، اس بات سے لوگ عموماً واقف ہین، کہ سائنس کی اعلیٰ ترقی کے باوجود عصر حاضر کے ماہرینِ سائنس اس باب مین اب تک فراعنہ مصر کے ماہرینِ فن سے بہت پیچھے ہین، اور اپنی وسعتِ معلومات کے بعد بھی لاش پر اس یقین کے ساتھ مومیائی نہین کر سکتے کہ اب سے پانچ چھ ہزار برس آگے تک وہ بدستور صحیح وسالم رہے گی اور امتدادِ زمانہ کا کوئی اثر اوس پر نہ ہوگا، لیکن قدیم اہلِ مصر اس فن سے واقف تھے، البتہ صرف بڑے بڑے امراء اور اونچے اونچے مذہبی پیشوا اوس کے مصارف ادا کرنے کی استطاعت رکھتے تھے، اور صرف وہی سلاطین اس طریقہ سے دفن کئے جاتے تھے جن کو الوہیت کا دعویٰ ہوتا تھا، بادشاہون کے مقبرے اون کی حیات ہی مین تیار کردیئے جاتے، پھر جب بادشاہ مرتا تو مومیائی کرنے والے طلب کئے جاتے اور وہ مردہ کو تمام مذہبی رسوم کے ساتھ اس کے لئے تیار کرتے، پہلے پتھر کے ایک چاقو سے جسم کو چیر کر دل وجگر اور انتین

وغیرہ نکال لیتے اس کام کیلئے دھات کے چاقو کبھی استعمال نہین کئے جاتے، کیونکہ پتھر کے چاقو کو مذہبی اہمیت حاصل تھی، مغز بھی نکال لیا جاتا، پھر یہ اعضا، خوشبودار مسالہ لگانے کے بعد علٰحدہ علٰحدہ چار مرتبانون مین بند کر دئے جاتے، مرتبان کے ڈھکنون کی شکل انسانی چہرون کے مانند ہوتی تھی، کبھی کبھی ان کی شکل انسان، باز، گیدڑ اور بندر کے چہرون کے مثل ہوتی تھی، ان مرتبانون کو ایک صندوق مین رکھکر مومیائی کی ہوئی لاش کے ساتھ مقبرہ مین دفن کر دیتے، مومیائی کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ لاش مین سوراخ کرکے نلکیون کے ذریعہ سے ایک خوشبودار رقیق مسالہ ڈالا جاتا، ستر روز تک لاش اس مسالہ مین تر رکھی جاتی، اس کے بعد اُسے خوب دھو کر نہایت باریک موم جامہ کی پٹیون سے باندھتے، اور پٹیون کے جوڑ کو گوند لگا کر مضبوط کر دیتے پھر یہ مومیائی کی ہوئی لاش لکڑی کے ایک تابوت مین رکھدی جاتی اور اس تابوت کو ایک دوسرے تابوت مین رکھ دیتے، یہ دونون تابوت ایک تیسرے صندوق مین رکھ دئے جاتے، جس کا ڈھکنا انسانی شکل کا ہوتا تھا، اور پھر یہ سب ایک سنگی تابوت مین رکھ دئے جاتے، اس کے بعد مردہ کی روح کو آزادی حاصل ہوجاتی کہ وہ تین ہزار برس سے لیکر دس ہزار برس تک مردون کے مسکنون مین گھومتی پھرتی رہے، اہل مصر کا عقیدہ تھا، کہ اس مدت کے بعد روح پھر اپنے مقبرہ مین واپس آتی، اور ایک مرتبہ پھر اپنا دنیاوی قالب اختیار کر لیتی، لیکن اگر اس مدت مین جسم خراب ہو چکا ہوتا یا اوسے چھیڑ دیا جاتا تو رُوح لوٹ جاتی اور کوئی دوسرا قالب اختیار کر لیتی،

"ع ز"

(اسٹیٹسمین)

نٹشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نٹشے کی سوانحعمری اور اس کے افکار و خیالات اور تصانیف پر بحث و تبصرہ ہی، مصنفہ پروفیسر مظفرالدین ندوی ایم اے، ۱۰۲ صفحے قیمت ۱۰ عمر

"منیجر"

اخبار علمیہ

آفتاب کے پھوٹنے کا امکان

سویڈن کی لینڈ یونیورسٹی کے رصد خانہ کے ناظر ڈاکٹر کونراڈ ونکمنٹ کہتے ہیں کہ سیارون بالخصوص ان کواکب کے تغیرات کے درس و مطالعہ سے جنھیں علماے ہئیت جدید کواکب کہتے ہیں، یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کواکب جنمیں آفتاب بھی شامل ہے، ہر چار ہزار ملین سال مین ایک مرتبہ پھوٹتے ہین، اور علمی تحقیقات سے یہ ثابت ہے کہ آفتاب ایکہزار ملین برسون سے نہیں پھوٹا ہے، اس لئے آیندہ تین ہزار ملین سالون میں اس کے پھوٹنے کا قوی امکان ہے، اور جب یہ حادثہ رونما ہوگا، اس وقت دنیا تباہ ہوجائیگی، لیکن بعض علماے ہئیت اس پھوٹنے کی مدت کو پروفیسر مذکور کی تعین کردہ مدت سے بہت زیادہ طویل بتاتے ہیں،

مریخ کی نباتی آبادی

امریکن پروفیسر سلیفر ناظر رصد خانہ لوئل نے لندن کی ایک سرکاری کانفرنس مین نہایت قیمتی اور فاضلانہ خطبہ مین یہ رائے ظاہر کی کہ سیارہ مریخ کے طبعی حالات کرۂ زمین کے حالات سے بہت ملتے جلتے ہوے ہین، اس کے قطب کا برف سے ڈھکا ہونا اور اسکی فضا میں پانی اور آکسیجن کا پایا جانا وغیرہ قرائن اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ اس مین نباتاتی زندگی موجود ہے،

کرۂ ارض کے فضائی تغیرات

فضائی حالات کی ترصید کے بیانات اور اُن کے مختلف زمانون کے حالات کی تلاش و تحقیق اور انکے باہم مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فضائی تغیرات اپنی گردش اور تغیر میں دائرہ کے مشابہ ہیں جنکا دورہ ایک مدت معینہ کے اندر ہوتا رہتا ہے، بعض علمائے محققین کی رائے مین یہ دورہ ہر سرسٹھ ۶۷ سال میں ضرور ہوجاتا ہے، یعنی ہر سرسٹھ میں فضائی تغیرات کا اعادہ ہوتا رہتا ہے، مثلاً اگر کسی مقام مین کسی سنہ مین زیادہ گرم یا سرد موسم ہو تو سرسٹھ کے بعد اسی مقام میں پھر ویسا ہی موسم ہوگا،

زمین اپنے چکر میں اپنے فلک مین سے کثیف پانی اور بادل کے ٹکڑون کو لیکر گذرتی ہے، اور یہ زمین تک آفتاب کی شعاع پہنچنے میں حائل ہوتے ہیں، اگر یہ کثیف ٹکڑے چند ہزار برس تک شعاع آفتاب اور زمین تک حائل رہجائین، تو ساری جاندار مخلوق سوائے اُن کے جنمین بقا کی زیادہ صلاحیت ہے، ختم ہوجائے،

سمندر کی تہ کے پہاڑ اور وادیاں

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سمندر محض عالم آب ہے، جسکی ساری کائنات پانی ہی ہے، لیکن سمندر کی تہوں میں بہت گہری وادیاں اور گھاٹیاں ہیں، جنکی دیوارون کی بلندی کئی کئی ہزار فٹ تک ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ بحر پاسیفک کی تہ مین کرہ زمین سے زیادہ پہاڑ اور وادیاں ہیں،

زیر سمندر آثار اور کھنڈر

تھوڑے زمانہ سے چند برطانوی طیارے بحر ابیض متوسط کے اوپر چکر لگا رہے تھے، اس چکر میں طیارچیوں نے اس سمندر کی تہ میں بعض آثار قدیمہ، ستون اور کھنڈر مشاہدہ کئے، اس انکشاف پر برطانیہ کی بحری وزارت نے

غوطہ زنون کی ایک جماعت بڑے ساز و سامان کے ساتھ ان آثار کی مزید تحقیقات اور ان کا فوٹو لینے کیلئے بھیجی ہے،

امریکہ کے حبشی

جمہور محققین کی یہ متفقہ رائے ہے کہ امریکہ کے حبشی کسی گذشتہ زمانہ جسکی صحیح تعیین نہین کیجا سکتی بر اعظم افریقہ سے آکر امریکہ مین آباد ہوئے تھے، لیکن اس میں اختلاف تھا کہ وہ افریقہ کے کس حصہ سے آئے تھے، لیکن اب بعض امریکن اور یورپین محققین کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے، کہ یہ حبشی مہاجر مغربی افریقہ کے سواحل سے جہاں آجکل شہر لوانگو اور جمبیا آباد ہیں آئے تھے، تھوڑی سی تعداد اور حصوں سے بھی آئی تھی، لیکن وہ بہت قلیل ہے،

جزیرۃ العرب کے غیر معلوم حصے

علمائے جغرافیین کا اندازہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے ان نامعلوم حصوں کی پیمایش جہان آج تک متمدن دنیا کا قدم نہیں پہنچا ہے، اور نہ علماء کو اسکے متعلق کسی قسم کی واقفیت ہے، پانچ لاکھ مربع میل ہے،

دنیا کے بڑے شہر

جغرافی اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ بانوے فیصدی بڑے شہر کرۂ ارض کے نصف شمالی حصے مین آباد ہین،

معدہ کے زخم

معدہ کے ماہرین اطباء کی رائے ہے کہ معدہ کے زخم جو اور بہت سے امراض اور تکالیف کا سبب بنتے ہیں ان غذاؤں کے استعمال سے پیدا ہوتے ہیں جنمین وٹامن (بی) نہیں ہوتا، بعض جرمن اطباء نے چوہوں پر اس نظریہ کا تجربہ کیا، چنانچہ پہلے انھیں وٹامن مذکور سے خالی غذائیں کھلائیں، اس سے ان کے معدے مین زخم

پڑ گئے، اس کے بعد پھر وٹامن (ڈی) رکھنے والی غذائیں دیگئیں تو زخم اچھے ہوگئے،

ضعفِ بصر کا سبب

حال کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے ضعفِ بصر کے اسباب میں سب سے بڑا سبب غذا میں لحمیہ مادہ کی کمی ہے، اسکی کمی بصارت کے اعصاب پر نہایت برا اثر ڈالتی ہے جو کبھی کبھی مرورِ زمانہ کے ساتھ حاسۂ بصر ہی کو کھو دیتی ہے،

کثرتِ اموات کا ایک بڑا سبب

بڑے بڑے شہروں میں اموات کی کثرت کا سب سے بڑا سبب دھوئیں کی کثرت ہے، غالباً کارخانوں کی کثرت کی وجہ سے شکاگو دنیا کا سب سے زیادہ "دھواں دار" شہر ہے، یہاں کی حفظانِ صحت کی کمیٹی کا جو تھوڑے دن ہوئے حفظانِ صحت کے اسباب و وسائل کی تحقیقات کے لئے بنائی گئی تھی بیان ہے کہ اگر شکاگو میں دھوئیں کے ازالہ کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو اموات کی تعداد بقدر ۱/۴ گھٹ جائیگی،

ایک نئے قسم کی گندھک

اب تک گندھک ایک مرتبہ آگ لگنے کے بعد جل کر ختم ہو جاتی تھی، لیکن اب بعض امریکن علماء نے ایک نئی قسم کی گندھک ایجاد کی ہے، جو ہزاروں مرتبہ استعمال کرنے سے بھی نہیں ختم ہوتی، یہ ایک معدنی دیاسلائی ہے جو ایک خاص قسم کے کیمیاوی مادہ سے بنائی گئی ہے، اس کو ضرورت کے وقت دیاسلائی کی طرح جلا دیا جاتا ہے پھر استعمال کرنے کے بعد بجھا کر رکھ لیا جاتا ہے، اور ضرورت کے وقت پھر استعمال کیا جاتا ہے،

"م"

آثارِ علمیۂ ادبیہ

نوازشنامۂ حضرت شیخ الاسلام استاذنا العلام نائب رسول الثقلین مولانا و استاذنا سید محمد نذیر حسینؒ

لازالت نمارق افاداتہ مصفوفۃ و ذرابی فیوضاتہ

مبثوثۃ

بنام حضرت مولنا قاری شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی، مدظلہ العالی

عنوان بالا سے ذیل کا خط، جناب شاہ حسین میاں صاحب خلف الصدق جناب مولنا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی نے ہمارے پاس بھیجا ہے، شاید یہ کم لوگوں کو معلوم ہو کہ جناب شاہ صاحب نے صحاح ستہ کا ایک دور جناب مولنا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ سے بھی پڑھا تھا، چنانچہ محدث دہلویؒ مرحوم کی مشہور کتاب معیار الحق پر جو تقلید کے رد میں ہے، جناب شاہ صاحب نے مدحیہ قطعۂ تاریخ لکھا تھا،

جناب شاہ صاحب، نے حدیث کے تین دورے تین مشہور شیوخِ وقت کی خدمت میں تمام کئے، جناب مولنا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی، مولنا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری، اور مولنا سید نذیر حسین صاحب دہلوی، اور افسوس کہ اب یہ جامع ہستی بھی چراغِ سحر ہے،

ذیل کا خط نہ صرف کاتب اور مکتوب الیہ کی عظمت کے لحاظ سے قابلِ قدر ہے، بلکہ اپنے بلند

لہ یہ الفاظ مکتوب الیہ نے کاتب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں لکھے تھے، جواب بھی اسی طرح رہنے دیئے گئے،

معانی، اور انشاپردازانہ طرزِ تحریر کی حیثیت سے بھی خاص قدر کے قابل ہے،

"معارف"

ھوالمولی الھادی الی الصراط المستقیم

اے عزیز از محاسبۂ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ اندیشہ کن، و ہچو اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بحظوظ نفسانی مباش، و سر در مراقبۂ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ فروبرد و دیدۂ دل در مشاہدۂ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ بکشائے، و نظارہ کن و سکۂ طلب استقامت خود برتۂ فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا بزنہ، و آتش یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ بگذار، و خالص کن تا شایان مہر لَنَہْدِیَنَّہُمْ سُبُلَنَا گردد، و در بازار اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ او را ارزشے باشد، و بدان سرمایہ توانی کہ بضاعت دین خالص اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ حاصل کنی شاید رمزے از اسرار وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ بر تو بکشایند، و از لوامع انوار فَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَہُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ شعاع بر تو تابد تا از حضیض قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ پائے ہمت بیرون نہی و بر اوج وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی عبور کنی و مبشر اقبال ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ بشارت چنین وارساند اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ و رضوان جنات النعیم رضی اللّٰہ عنہم ندا در دہد، کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْٓئًا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

زیادہ والسلام خیر الختام

الراقم العاجز

محمد نذیر حسین۔

ادبیات

خونِ جگر

از

جناب جگر مرادآبادی،

یہ دل ہے ترا دل مجھے کیا تابِ تصرف
تو دیکھ لے، جو چیز جہان پر تھی وہین ہے

مجھ سے کوئی پوچھے ترے ملنے کی ادائین
دنیا تو یہ کہتی ہے کہ ممکن ہی نہین ہے

کیا ذوق ہی، کیا شوق ہے، کیا ربط ہی، کیا ضبط
سجدہ ہے جبین مین کبھی سجدے مین جبین ہے

ممکن ہے اثرِ جذبِ محبت سہی لیکن
کیا کم ہے، وہ میرے لئے بیتاب نہین ہے

میری ہی طرح وہ بھی نہ ہو عشق مین بے تاب
ہر سانس کے ساتھ آج اک آوازِ حزین ہے

ہر لحظہ نیا جلوہ، نئی آن، نئی شان،
میری نگہِ شوق بھی کیا شوخ حسین ہے

دل تیری محبت کی قسم، تجھ سے بھی بڑھکر
مغرور ہے، ہر چند کہ مغرور نہین ہے

جان اور ترے ہجرِ جفا کار کے صدقے،
اس بات پہ جیتا ہون کہ مرنے کا یقین ہے

معلوم ہین اس سحر نگاہی کے کرشمے
دنیا مرے نزدیک جو ہے بھی تو نہین ہے

کس کس سے ترے عشق مین دامن کو چھڑاؤن
کونین ہے اور ایک مری جانِ حزین ہے

اس طرح نہ ہوگا کوئی عاشق بھی تو پابند
آواز جہان دو لے وہ شوخ وہین ہے

نوائے اثر

از جناب محمد علی خان صاحب آثر رامپوری

بارشِ نورِ مسلسل جلوہ گاہِ دل میں ہے
کوئی مہوش آج مہمان اس لٹی منزل میں ہے

فطرتِ انسان، پرستارِ تجلّی کیون نہ ہو،
بادۂ عشقِ ازل مینائے آب و گل میں ہے

بیخودی میں امتیازِ دشت و منزل تک نہیں
کاروان کا کاروان بھٹکا ہوا منزل میں ہے

دیکھتے جاؤ تم انجامِ وفا کو آنکھ سے،
پھڑکتی ہیں پتلیان، کچھ جان ابھی بسمل میں ہے

کر رہی ہے شمع تفسیرِ رموزِ زندگی،
ایک جا رہکر وہ ہر ساعت نئی منزل میں ہے

کشتیِ طوفان زدہ اور بحرِ الفت بے کنار
طالبِ ساحل عبث امیدِ لاحاصل میں ہے

نعمتیں دونوں جہان کی عشق میں سب چھن گئیں
اک تری تصویر باقی ہے جو سینے دل میں ہے

خود فراموشی ہی دیگی اے آثر ان کو جواب
پوچھتے ہیں مجھ سے وہ اب کیا تمنا دل میں ہے

"چراغِ راہ"

از جناب حفیظ ہوشیارپوری، متعلم بی اے، لاہور

اے دلِ مدعا طلب دشمنِ مدعا نہ بن،
جسکو وفا سے عار ہو اُسکا تو آشنا نہ بن،

دیکھ وفا سے باز آ موردِ صد جفا نہ بن،
دل کو نہ آفتون میں ڈال اپنے لئے بلا نہ بن،

چارہ گری فضول ہے، نازکشِ دوا نہ بن
تجھ سے علاجِ دردِ دل ہجر میں آئیگا نہ بن

آنکھوں میں گر نہیں ہیں اشک دل میں اگر نہیں ہے درد
دعوئ عاشقی نہ کر مدعیِ وفا نہ بن

ایسی نوائے غم نہ ہو جس سے کسی کا دل دکھے
درد بھری صدا نہ ہو شوق کا اک ترانہ بن

اتنا بلند ہو کہ تو سقفِ فلک کو چوم لے، یعنی فنا دگی پسند صورتِ نقشِ پا نہ بن
گر بازوؤں میں زور ہے شورشِ بحر سے نہ ڈر کشتی خدا پہ چھوڑ دے طالبِ نا خدا نہ بن
عذرِ جفا سے فائدہ یہ بھی ستم کی ہے ادا اہلِ وفا پہ رحم کر اتنا بھی با وفا نہ بن
جلووں کو اپنے عام کر خلوتِ حسن سے نکل "بن تو چراغِ راہ بن، شمعِ حرم سرا نہ بن"
صبر گریز پا مرا عمر گریز پا مری، آہ خدا کے واسطے تو تو گریز پا نہ بن
خوگرِ رنج کر دیا چارہ گری سے فائدہ درد اگر عطا کیا، درد کی اب دوا نہ بن
تیری رضا گر اس میں ہی موت ہو زندگی ہمیں زیست کا آسرا نہ ہو موت ہی کا بہا نہ بن،
خوگر جور ہو کے جب دل ہی ستم پسند ہو، حسن سے کوئی کیا کہے تو ستم آشنا نہ بن

عشق میں جان دے کے ہو زندہ جاوداں حفیظؔ
موت کو زندگی بنا، دہر میں اک فسانہ بن

سطوتِ اسلام

از جناب اسد ملتانی، بی اے

نہ ہو اسلام کیوں ممتاز دنیا بھر کے دینوں میں وہاں مذہب کتابوں میں، یہاں قرآں سینوں میں
سوادِ کعبہ کو ہم کیوں نہ سمجھیں نور کا مرکز یہیں سے روشنی پھیلی جہان کی سرزمینوں میں
کروروں عابدوں کا رخ اسی کی سمت رہتا ہے عجب رتبہ ملا مکے کو دنیا کے مدینوں میں
جدا واقع ہوئے تھے ایشیا، افریقہ اور یورپ عرب کی خاک سے حق نے لگایا جوڑ تینوں میں
چڑھا کر رنگِ اسلامی نہ چھوڑا فرق کچھ باقی حبش کے تیرہ فاموں اور ترکی کے حسینوں میں
یہی اک معجزہ کیا کم ہے سردارِ مدینہ کا کہ بدوی مسند آرا ہوں تمدن آفرینوں میں

کہین انسانیت[لہ] کا جامہ پہنایا درندون کو | کہین مردانگی کی روح پھونکی نازنینون مین
کہین مائل کیا دین کی طرف دنیا پرستون کو | کہین ذوقِ عمل پیدا کیا خلوت گزینون مین
ڈرایا عاقبت کے رنج سے عشرت پسندون کو | نشاطِ سرمدی کی لہر دوڑا دی حزینون مین
جنھین تھا ناز اپنے شیوۂ کفر و ضلالت پر | انھین شامل کیا حق و صداقت کے معینون مین
وہ طاقت بازوے مسلم مین کی اسلام نے پیدا | نہین دیکھی جواب تک اہل یورپ نے مشینون مین
وہ دولت سینۂ مومن نے کی قرآن سے حاصل | نہین ملتی جو کانون مین خزانون مین دفینون مین
یکایک توڑ ڈالے میکشون نے ساغر و مینا، | بھرا ساقی نے کیا ان کے دلون کے آبگینون مین
یہ تیزی ارتقا کو صاحبِ معراج نے بخشی، | بشر نے طے کیا صدیون کی منزل کو مہینون مین
ہماری سربلندی دیکھکر افلاک کہتے تھے، | کہان سے آگیا یہ اوج پستی کے مکینون مین
ہمارے دم کا صدقہ ہے فروغِ محفلِ انجم | کہ ہے عقدِ ثریا تک ہمارے خوشہ چینون مین
کمی ہم نے نہین کی دشمنون کی پرورش مین بھی | عموماً سانپ بھی پالے ہین ہم نے آستینون مین
ہمارے دل سدا معمور ہین عشقِ الٰہی سے | یہی بارود رکھتے ہین ہم اپنے میگزینون مین
زمانے کے سمندر مین نہین محتاجِ کشتی ہم، | شناور کے لئے کیا فرق موجون اور سفینون مین
یہ کس کے آستان پر سجدہ کرنے کا نتیجہ ہے، | کہ ہے نورِ ہدایت جلوہ گر اپنی جبینون مین
محاسن جانچئے اسلام کے منصف مزاجی سے | کہ پیدا ہو نہین سکتی بصیرت عیب چینون مین
وہی دیکھین گے نورِ صدق آنکھین جنکی روشن ہین، | وہی سمجھین گے رازِ حق جو دل رکھتے ہین سینون مین
الٰہی! سطوتِ اسلاف ہمکو بھی عطا فرما، | کہ ہم بھی ہین محمد کی امانت کے امینون مین

اثر اسلامیون کے اوج و رفعت کے مضامین ہین
بلندی آسمان کی آگئی ہے ان زمینون مین

لہ مساوات: انسانیت

باب التقریظ والانتقاد

"خمستان"

ازمولوی شاہ معین الدین احمد ندوی،

جناب اثر صہبائی پنجاب کے نوجوان شعرا مین ممتاز حیثیت رکھتے ہین، حال مین اونھون نے اپنے کلام کا مجموعہ "خمستان" کے نام سے شائع کیا ہے، اس کے آغاز مین دو تبصرے ہین، ایک تبصرہ "حضرۃ الاستاذ مولنا سید سلیمان ندوی کا لکھا ہوا، اور دوسرا "شہرۂ دبستان" مشہور شاعر جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی کا، ان تبصرون کے بعد خود شاعر نے "ہا و ہو" کے عنوان سے مجملاً عام شاعری اور مختصراً اپنی شاعری کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے ہین،

اس کے بعد اصل دیوان شروع ہوتا ہے، جو ۲۷۶ صفحات مین تمام ہوا ہے، اور پانچ حصون مین منقسم ہے، تخیلات، چمن زار، جام صہبائی، راحت کدہ اور شرارے، پہلے حصہ مین غزلین ہین، دوسرے مین مختلف کیفیات، جذبات اور مناظر وغیرہ پر مسلسل نظمین ہین، تیسرے مین وہ تاثرات ہین جو شاعر کے دل سے اُس کی مرحومہ رفیقۂ حیات کے غم و الم مین نالے کی شکل مین نکلے ہین، چوتھے مین رباعیات ہین، اور پانچوین مین متفرق اشعار،

جناب اثر نے جیسا کہ خود ان کا بیان ہے، شاعری کی مختلف اصناف اور رنگ و مذاق شاعری مین اس فن اور اس کے رنگ کے مسلّم اساتذہ کے تتبع اور اپنے کلام مین ان کا رنگ اور اون کے خصوصیات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ وہ خود اپنی شاعری پر تبصرے کرتے ہوئے لکھتے ہین، کہ میری رباعیات مین حضرت عمر خیام

نیشاپوری کا رنگ نمایاں ہے، میری غزل کے ارتقا مین حضرت حافظ شیرازی کو سب سے زیادہ دخل ہو، اس کے بعد علامۂ اقبال مدظلہٗ العالی کے روح پرور اور حیات افروز نغمون کا معترف ہون، مرزا غالب کی ژرف نگاہی اور مولینا حسرت موہانی کی شگفتگی بھی میری غزل پر اثر انداز رہی ہو۔

اسمین شبہہ نہین کہ جناب اثر اپنے اکثر معاصر شعرا کی طرح محض قافیہ پیما نہین، بلکہ فطری شاعر ہین جسکی جھلک اون کے کلام کی ہر صنف مین نظر آتی ہے، لیکن میرے خیال مین وہ بہ نسبت غزل گوئی کے رباعی گوئی مین زیادہ کامیاب ہین، اور اگر وہ اپنی شاعری کو رباعی گوئی تک جو اور اصناف سخن سے زیادہ مشکل ہے محدود کر دیتے تو زیادہ کامیاب شاعر ہوتے، انکی بیشتر رباعیان نہایت خوب ہین، اور ان مین خیام کی طرح رندانہ اور حکیمانہ ہر قسم کے خیالات ہین، رباعیون کا نمونہ یہ ہے،

ناکامیٔ زندگی پہ ڈرنا کیسا ہنگامِ شکست آہ بھرنا کیسا
زندہ ہے اگر تو ننگِ ہستی کیون ہے یہ موت سے پیشتر ہی مرنا کیسا

باقی نہین ہے کچھ بھی داغِ حسرت کے سوا کیا حاصلِ زیست ہے خجالت کے سوا
اٹھ اٹھ کے فرو ہوے ہزارون طوفان اب کچھ نہیں ہے گریۂ ندامت کے سوا

اک نقطۂ موہوم ہو ہستی میری، لیکن ہے عجیب چیز مستی میری
چھوڑا جو خدا تو خود پرستی ہے اثر جاتی ہے کہین یہ بت پرستی میری

رو رو کے عبث شکوۂ بیداد نہ کر اے ننگِ جہان روح کو برباد نہ کر
ہمت سے ہے رزمگاہِ ہستی مین وقار کھا زخم پہ زخم اور فریاد نہ کر،

تغزل مین بھی جہان تک خیالات کا تعلق ہے ان کی شاعری نہایت پرکیف ہے، اور اون کے شعر و تغزل مین سوز و گداز، معرفت و حقیقت، شوخی و رنگینی، رندی و سرمستی، اور اخلاق و حکمت وغیرہ ہر قسم کے نغمے موجود ہین، چند منتخب اشعار ملاحظہ ہون،

خدا کی دین ہے، جس کو نصیب ہو جائے　　ہر ایک دل کو غم جاوداں نہیں ملتا

راز غم ایک خزینہ ہے جو سینہ میں رہے　　خاک ہو جاتا ہے لیکن یہی افشا ہو کر

اثر افسردگی میں یوں مرے لب پر تبسم ہے　　کہ جیسے پھول ہوں بکھرے ہوئے گور غریباں پر

سمجھ رہے ہو خزاں جس کو اے تپیدہ دلو　　کہیں ہمارے چمن کی یہی بہار نہ ہو

طوفان رنگ و بو میں مری روح کھو گئی　　رنگینی بہار میں تو ہی چھپا ہے کیا

انگڑائی لیتے اٹھے جو وہ خواب ناز سے　　ہر چیز غرق ہو گئی رنگ شباب میں

سیلاب تبسم ہو ساقی کی نگاہوں میں　　ساغر میرا ساغر ہے صہبا میری صہبا ہے

گمان کاشانۂ رنگین کا ہو جس پر نگاہوں کو　　اسے اہل نظر گرد رہ منزل سمجھتے ہیں

سجدہ کے داغ سے نہ ہوئی آشنا جبیں　　بیگانہ وار گذرے ہر اک آستاں سے ہم

ہستی کے سمندر میں انساں کی حقیقت کیا　　موجوں کی کشاکش میں بہتا ہوا تنکا ہے

اس مست کے لئے کوئی تعزیر کیوں نہیں　　بڑھ کر شراب ناب سے جس کا شباب ہو

گو تو نہیں ملا ہے مگر تیرے شوق میں　　یہ لمحۂ حیات تو اچھا گذر گیا،

مسلسل نظموں میں "یاد ایام حسن"، "شباب کیف آفریں" اور "عالم افسردگی" متعدد نظمیں بہت خوب ہیں،

لیکن ان خوبیوں اور محاسن کے باوجود ابھی اس خمستان کی شراب خام کیلئے ضرورت تھی، کہ اسے بادہ پرستوں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اور زیادہ جوش دیا جاتا، کہ شراب جتنی پرانی ہوتی ہے اتنی ہی نشہ آور ہوتی ہے،

جیسا کہ ابھی ہم نے اوپر لکھا ہے، کہ جہاں تک خیالات کا تعلق ہے، جناب اثر کی شاعری نہایت کامیاب ہے، لیکن ابھی کلام میں پوری مشق اور پختگی نہیں ہے، اسی لئے وہ الفاظ اور طرز ادا کو خیالات کا ہم آہنگ نہیں بنا سکتے ہیں، اور طرز ادا اور زبان کی خامیاں جا بجا نظر آتی ہیں، مثلاً صرف چند پیش کیجاتی ہیں،

قلب تڑپ تڑپ اٹھا روح لرز لرز گئی　　بجلیاں تھیں بھری ہوئی زمزمۂ رباب میں

وزن کے لحاظ سے بجلیان کا تلفظ صحیح نہین ادا ہوتا، اگر اُسے برق تجلی کونسی بجری سے بدل دیا جائے تو یہ نقص دور ہو جائے گا،

ان کے تبسمات قیامت کے ہین اثر سو سو تبسمات ہین اون کی نگاہ مین

اردو مین تبسمات الف نتے کے ساتھ جمع غیر مستعمل یا کم از کم غیر فصیح ہے، تبسم ہی جمع اور کثرت دونون مواقع پر استعمال ہوتا ہے،

ع "ٹوٹ کر دل مین رہ گئے آنسو" آنسوون کا ٹوٹ کر دل مین رہجانا کوئی محاورہ نہین ہے،

بعض بعض اشعار مین بے تکلف پنجاب کے "ہوا" اور "نے" کو ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے،

ہرچند نہین ہے، جلوہ پیدا تیرا، ڈھانپا ہوا "عقل "نے" ہے چہرا تیرا

اس مصرعہ مین ع:۔ فضائین عاشقی کی جھومتی ہین" اولاً عاشقی کی فضاؤن کا جھومنا خود قابل غور ہے اور اگر اس مفہوم کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو جھومنے کے بجائے "وجد مین ہین" ہونا چاہئے،

بہت سے اشعار کی بندش غلط نہین ہے لیکن اگر ان مین تھوڑی سی تبدیلی اور تقدیم و تاخیر کر دیجاتی تو بندش زیادہ چست اور فصیح ہو جاتی،

یہ دل اک داغ ہی کتنا طلسم انگیز ہے لیکن کبھی صحن گلستان ہے، کبھی صحرائے ویران ہی

اور

کبھی ایک شیخ زندون کی کرامت تو دیکھی ہی اٹھے دست دعا اور جھوم کر ابر بہار آئے.

مین اگر پہلے شعر کے مصرعۂ اولی اور دوسرے شعر کے مصرعۂ ثانی کو اس طرح بدل دیا جائے

یہ دل گو داغ ہے لیکن طلسم انگیز ہے کتنا، اور ادھر دست دعا اٹھے ادھر ابر بہار آئے

تو نہ صرف بندش چست ہو جاتی ہے، بلکہ شاعر کے خیال مین بھی زیادہ زور پیدا ہو جاتا ہی،

یا اس مصرعہ ع:۔ جو نادان ہر بلا کو اک بلائے آسمان سمجھے" کو اگر یون بدل دیا جائے،

ع :- جو ملوان ہر مصیبت کو بلائے آسمان سمجھے، تو اک کا حشو بھی حذف ہو جائے، اور بلا کی بے ضرورت تکرار کا نقص بھی جاتا رہیگا،

یا ان اشعار :-

غوطہ زن بحرِ عقیدت میں ہے دربان تیرا ڈھونڈھنے آیا ہے یان سایۂ دامان تیرا،

صبح خندان ہے موسمِ گل ہے نغمہ زن اپنی لے مین بلبل ہے،

کے آخر کے دونون مصرعون کو اس طرح بدل دیا جائے، ع :- ڈھونڈھنے در پہ تیرے آیا ہے دامان تیرا، اور ع

نغمہ پیرا چمن مین بلبل ہے، تو بندش زیادہ چست اور فصیح ہو جائے گی،

س قسم کی خامیان اور بھی ہین، ہم نے صرف چند مثالاً لکھدین، لیکن ان خامیون سے جناب آثر کے کلام

کے اثر اور اوس کی معنوی خوبیون مین فرق نہین آتا، امید ہے، کہ جناب آثر آیندہ صحتِ زبان، انتخابِ

الفاظ اور بلاغتِ ادا کی طرف خاص توجہ فرمائین گے، گو حسن ہر لباس مین حسن ہے، لیکن ظاہری لباس کی خوبی

حُسن کو اور دوبالا کر دیتی ہے، اور ہمارے خیال مین کوئی صاحبِ مذاق بھی "حسن" کو گدڑی مین دیکھنا، اور شراب انگور

کو بلوری ساغر کے بجائے جام سفال مین پینا پسند نہ کرے گا،

کُلیاتِ شبلی اردو

مولینا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جسمین مثنوی صبحِ امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور

وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے

متعلق لکھی گئی ہین، یکجا ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کے چہل سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی

چھپائی کاغذ اعلی ضخامت ۱۲۰ صفحے، قیمت ۱۲؍

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

اعادۂ شباب و درازی عمر، بڑھاپے سے مقابلہ اصول حیاتیات کے مطابق انڈوکرنیالوجی (درون افرازیات)

از جناب ڈاکٹر محمد اشرف الحق، ایم بی. سی. ایچ. بی (اڈنبرا) ایم، ڈبلیو، ال، ایس، آر، (برلن) سینیر میڈیکل افسر ضلع گولکنڈہ حیدرآباد دکن، حجم بہ ترتیب ۴۰-۴۰-۱۰ صفحے۔

لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت درج نہیں مصنف سے مل سکتے ہیں،

یورپ کے جدید تمدن میں مسئلۂ اعادۂ شباب کو روز افزون اہمیت ہوتی جاتی ہے، اور جب ہندوستانی اندور کے ایک مشہور تاجر نے اس کا عملی تجربہ کیا تو یہان کے بعض حلقون میں بھی اس سے دلچسپی پیدا ہو گئی، چنانچہ حیدرآباد کے ڈاکٹر اشرف الحق صاحب نے اس فن کو عملاً حاصل کرنے کے لئے یورپ کا سفر کیا، اور واپسی کے بعد وہ عملاً اس کے تجربے جانورون پر کر رہے ہین، اسی تقریب سے انھون نے مذکورۂ بالا تین رسالے چھاپے ہین، ان مین سے اول الذکر رسالہ مین انھون نے یورپ کے اون مشہور ڈاکٹرون کے طریقے اور حالات لکھے ہین، جو اس فن مین ممتاز سمجھے جاتے ہین، پھر یورپ کے مختلف ملکون مین اس مقصد کے حصول کے لئے جو اور طریقۂ علاج جاری ہین، اُن کو اپنی تنقید ورائے کے ساتھ بیان کیا ہے، کہ ان مین سے کون سا طریقۂ علاج ہندوستان کے لئے مفید ہو سکتا ہے،

دوسرا رسالہ اس فن کے مشہور ماہر پروفیسر اشتاینا خ، ایم ڈی (وائنا) کے ایک رسالہ کا سلیس اردو ترجمہ ہے، جس مین انھون نے اس فن کو علمی و عملی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور اپنے تجربات اور ان کے نتائج بیان کئے ہین،

تیسرے رسالہ مین اون غدودی رطوبات کی تفصیل بیان کی ہے، جو انسان کے جسم مین جذب ہو کر بڑھاپے کو روکتے اور جوانی کو پیدا کرتے ہین، اس رسالہ کی حیثیت زیادہ تر فنی و علمی ہے،

میکدہ، از جناب نیر واسطی، حجم ۴۸ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت مجلد ۱۲ر غیر مجلد ۸ر پتہ: جناب سید صفات احمد صاحب، منیجر دیسی دواخانہ، چوک چوسنے منڈی لاہور،

میکدہ جناب حکیم سید علی احمد صاحب نیر واسطی کی چند نظمون اور غزلون کا مجموعہ ہے، جو حمد و نعت کے بعد "قومی نظمین" "ادبی نظمین" "تغزل" "طبی نظمین" اور متفرقات مین تقسیم ہے، چند قومی اور بعض ادبی نظمین اچھی خاصی پرجوش اور پر اثر ہین، "طبی نظمون" مین جناب حکیم مسیح الملک اجمل خان کا مرثیہ اچھا ہے، اور پر درد ہے،

جواہر طب حصہ اول، از جناب حکیم سید محمد ہادی صاحب گیاوی مقیم ناگپور، حجم ۷۶ صفحے قیمت ۸ر مصنف سے ہنسا پوری سرکل ۲/۱۲ ناگپور سی پی کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"جواہر طب" مین جسم انسانی کے تقریباً تین سو امراض اور ان کے زیادہ تر مفرد یا زیادہ سے زیادہ کم اجزا سے مرکب دواؤن سے علاج کے آسان طریقے لکھے گئے ہین، اس کا پہلا حصہ پیش نظر ہے، جس کے ابتدائی دو بابون مین جسم انسانی کی عضوی تشریح ہے، رسالہ سر کے امراض اور اس کے علاج سے شروع کیا گیا ہے، معدے کے امراض و علاج کے بیان مین رسالہ کا پہلا حصہ ختم ہو جاتا ہے، رسالہ کا نمایان وصف اختصار اور معمولی امراض کا آسان علاج بتانا ہے،

ابتدائی قواعد فارسی از جناب سید محمد صاحب ایم اے، مددگار سٹی کالج، حجم ۱۰۵ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱۲ر پتہ: سٹی کالج بک ڈپو حیدرآباد دکن،

اس رسالہ مین استقرائی طریق تعلیم کے رو سے بچون کے لئے فارسی قواعد لکھے گئے ہین، اور کوشش کی گئی ہے کہ صرف و نحو کے اصطلاحات سے بچون کے ذہن کو حتی الامکان بچایا جائے، رسالہ مین فارسی صرف و نحو کے ضروری مسائل آگئے ہین،

جلد ۳۳	ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۴ء	عدد ۳

مضامین

شذرات

یہ خبر نہایت حسرت و افسوس کیساتھ سنی جائیگی کہ اعلیحضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہٗ کے چھوٹے بھائی نواب صلابت جاہ بہادر نے ستائیس سال کی عمر میں چند روز بیمار رہ کر رحلت فرمائی، مرحوم شاہی خانوادۂ آصفی کے ایک رکن رکین ہونے کے علاوہ مشرقی علوم و ادب سے پوری دلچسپی رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم نوجوان شہزادہ کے سر پر اپنے الطاف و رحمت کا تاج رکھے اور اعلیحضرت برادر اکبر اور دیگر اعزہ کو صبر و سکون اور رضا بالقضا کی غیر فانی دولت سے ممتاز فرمائے،

معززترکی کے اُن ارباب فکر میں جو موجودہ سیاسی ہنگاموں سے الگ ہوکر یورپ کے کسی گوشہ میں زاویہ نشین ہیں ایک قابل ذکر ہستی ڈاکٹر بہجت وہبی کی ہے، یہ نسلاً عرب ہیں، اور حضرت معاذ بن جبلؓ صحابی کی اولاد سے ہیں، مادری زبان عربی ہے، مگر ابتدائی تعلیم ترکی میں پائی ہے، اور اعلیٰ تعلیم کیمبرج (انگلستان) میں حاصل کی ہے، اور ڈاکٹری کی اعلیٰ سند بھی یورپ سے حاصل کی ہے، ان کی طبی تعلیم و تدریس و تحقیق کا خاص موضوع علم تشریح (اناٹومی) ہے، مصر کی طبی درسگاہ میں وہ اس کے استاد بھی رہے ہیں، اور اب ایک مدت سے وہ یورپ میں سکونت پذیر ہیں ۱۹۲۰ء کے وفد خلافت میں خاکسار کو ان سے طریطے واقع سویزرلینڈ میں ملاقات کا اتفاق ہوا تھا، موصوف نہایت سنجیدہ، متین، خوش خلق، اور تیس برس سے اسلامی احوال و ماجریات کے بغور مطالعہ کرنے والے اور اس طویل عہد کے بہت سے واقعات اور سوانح کے چشم دید گواہ اور عینی شاہد ہیں،

ہمارے محبوب رہنما ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے دوسرے قومی احسانات کے سلسلہ میں ان کا یہ احسان بھی کچھ کم نہیں ہے کہ وہ دو سال سے عالم اسلامی کے کسی نہ کسی نامور مفکر کو ہندوستان آنے کی دعوت دیتے ہیں، چنانچہ گذشتہ سال غازی رؤف بے ان کی دعوت پر ہندوستان آئے تھے، اور امسال ڈاکٹر بہجت وہبی آئے ہیں، اور امید ہے کہ آیندہ سال خالدہ ادیب خانم

کو وہ ہندوستان آنے کی دعوت دین، اور اسطرح ہندوستان اور اسلامی ممالک کے ارباب فکر کے درمیان مبادلۂ خیال کا بہترین موقع ہاتھ آتا ہے،

ڈاکٹر بہجت وہبی فروری کے شروع مین ہندوستان آئے، اور دہلی آکر جامعہ ملیہ اسلامیہ مین مسلمانون کے عروج وزوال پر انگریزی متین چار لکچر دیئے، یہ لکچر ۱۰ فروری سے لیکر ۲۴ فروری تک دو دو روز کے وقفہ سے ہوتے رہے، اور اکثر تعلیم یافتہ مسلمان انکے خیالات کو سننے کیلئے جمع ہوتے رہے، موصوف نے پہلے خطبہ مین اسلام کی ترقی کے اسباب بتائے، دوسرے مین اسلامی تہذیب و تمدن کے مناظر دکھائے، تیسرے مین زوال کے اسباب سے بحث کی، اور چوتھے مین علاج کی تدابیر کے متعلق مشورے دیے، عنقریب یہ چارون لکچر جامعہ کی طرف سے مختلف اسلامی زبانون مین ترجمہ ہوکر شائع ہونگے،

مجھے موصوف کی دو پہلی تقریرون کے خلاصے پڑھنے کا، اور دو پچھلی تقریرون کے بذات خود سننے کا موقع ملا، ہم کو اس اظہار مین بڑی خوشی ہو کہ اس موجودہ دور مین دنیائے اسلام سے یہ پہلی آواز تھی جسمین نوجوان مسلمانون کو یورپ کے نیک و بد مین تمیز کرنے کی دعوت دی گئی تھی، جسمین دین و مذہب کے اعلیٰ جوہر کی اصلی قدر و قیمت کی شناخت کا رمز پوشیدہ تھا، جس مین یورپ کی اندھی تقلید، اور علماء کے متکلمانہ مباحث، موجودہ تنگ و محدود قومیت پرستی اور سلاطین اسلام کی خودمختاری و مطلق العنانی ہر چیز کی یکسان مذمت کیگئی تھی،

مقرر کے نزدیک اسلام کی ترقی کے حسب ذیل اسباب تھے، حضرت پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مقدس و مکمل شخصیت، قرآن پاک کی اعلیٰ تعلیم، اسلام کے صاف اور سادہ اصول، توحید کا بلند تصور اور اسلامی تعلیمات کا فطری ہونا، اور تاریخ عالم کا وہ مخصوص عہد و ماحول جس مین اسلام قومون کا رہنما بنکر آیا،

مسلمانون کے زوال کے اسباب مین سب سے پہلا سبب انھون نے سلاطین کی شخصی اور مطلق العنان حکومت کو قرار دیا، اور اسکے بعد علماء کے متکلمانہ مباحث اور مناظرات کو جگہ دی، پھر صلیبی لڑائیون، تاتاری حملون اور اندلس کی تباہی کا حال بیان کیا، آخر مین یورپ اور ہندوستان کے راستہ کے درمیان ایک نئے راستہ کی تلاش کا ذکر کیا، جس نے عالم مین انقلاب عظیم کردیا، اور سب سے آخر مین اس محدود المعنی قومیت و وطنیت کا تذکرہ کیا، جس کے سیلاب مین مصر، ایران، عراق، ترکی اور دیگر اسلامی ممالک بہتے چلے جارہے ہین،

موصوف نے اپنی آخری تقریر مین فرمایا کہ یورپ کی اندھی تقلید ہمارے مرض کا علاج نہین، ہم کو یورپ کے سائنس کی ضرورت ہے، اسکی سوسائٹی اور طرز تمدن کی نہین، اصل ضرورت یہ ہو کہ اسلام کو عہد سلف کی طرح سادہ اور فطری بنایا جائے اور تمام خارجی اثرات سے اسکو پاک کرکے اپنے نوجوانون اور نیز غیر مسلم قومون کے سامنے پیش کیا جائے، یہ بھی فرمایا کہ لڑکون کو تعلیم کی غرض سے یورپ بھیجنا ہماری بہت سی تباہیون کا ذمہ دار ہو، اس پر بھی زور دیا کہ سائنس کے علاوہ تمام دیگر علوم کو مادری زبانون مین پڑھایا جائے، سائنس اور علوم جدیدہ کی تعلیم کے لئے انھون نے بوجوہ انگریزی زبان کو ترجیح دی اور ساتھ ہی مسلمانون کی واحد عالمگیر مذہبی زبان (عربی) سے تغافل پر متنبہ فرمایا، اور آخر مین مسلمان نوجوانون کے اندر اخلاقی و مذہبی جوہر پیدا کرنے کی ضرورت ظاہر کی، اور اسی کو مسلمان قومون کی زندگی کی اصلی روح قرار دیا،

مقرر نے جو کچھ کہا بالکل صحیح ہو، جنگ عظیم سے پہلے جب سارے یورپ کا تقریباً یکسان نظام عمل تھا، یہ کہنا بہت آسان تھا کہ مشرق کی ترقی کا راز مغرب کی تقلید مین ہے، مگر جنگ عظیم کے بعد جب یورپ ایک یورپ نہین رہا، بلکہ متعدد یورپون مین تقسیم ہوگیا، یہ کہنا مشکل ہے کہ یورپ اور پھر کس یورپ کی تقلید ہماری نجات کا باعث ہے، کیا رمزی میکڈانلڈ کے یورپ کی، یا ہر ہٹلر کے یورپ، یا ڈولفس کے یورپ، یا اسٹالین کے یورپ، یا مسولینی کے یورپ کی،

اس عہد جدید کا سب سے پامال لفظ ترقی ہے، ترقی ترقی کی پکار سے ہمارے کان بہرے ہوگئے ہین، اور ذرا نہین غور کرتے کہ اس لفظ سے ہمارا مقصود کیا ہے؟ اور اس کے حصول کی تدبیر کیا ہے؟ ترقی کے معنی کسی قوم کا دنیا میں ذہنی و جسمانی، فکری و معاشی، اور علمی و عملی ہر حیثیت سے ممتاز و فائق ہو جانا ہے، اور اس کے حصول کی تدبیر صرف ایک ہے، پوری قوم کا کسی ایک بلند ذہنی تخیل یعنی ایمان پر غیر متزلزل یقین کے ساتھ متفق ہو کر ایک ہو جانا، اور اس کے لئے ہر قسم کا ایثار، قربانی اور کوشش کرنا، اسی آگ مین اختلافات کے تمام خس و خاشاک جل کر راکھ ہو جاتے ہین، اور وحدت ایمان و وحدت عمل کی ناقابل شکست قوت پیدا ہو کر جمود کو روانی، سکون کو حرکت، خود غرضی کو ایثار، اور حیات فردی کو حیات اجتماعی سے بدل دیتی ہے، تمام اقوام کی ترقیان، اسی ایک اصول پر ہوئی ہین، ہوتی ہین، اور ہونگی،

مقالات

سیرۃ النبیؐ جلد چہارم پر تبصرہ

ایک منکر حدیث کی نظر سے

اور اوس کا جواب،

(مؤلف)

جامعہ نومبر ۱۹۳۳ء میں سیرۃ النبی جلد چہارم پر حافظ اسلم صاحب جیراجپوری نے ایک تبصرہ لکھا ہے، جس طرح اس سے پہلے سیرۃ جلد سوم پر ان کے ریویو لکھنے کا محرک معجزاتِ نبوی سے انکار تھا، اسی طرح جلد چہارم پر لکھنے کا محرک برزخ کے عذاب و ثواب کا انکار ہے، جس کو موصوف نے احباب کے اصرار پر دوبارہ نئی قوت سے جنوری ۱۹۳۴ء کے جامعہ مین لکھا ہے، اس لئے عالم برزخ کی بحث کا جواب ایک مستقل مضمون مین دیا جائیگا، اور بالفعل ان کے دوسرے اعتراضات کی طرف توجہ کیجاتی ہے،

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس چھ سو چھیاسی صفحون کی کتاب مین جسمین اسلام کے تمام عقائد پر عقلی و نقلی مباحث ہین، حافظ صاحب کو منکرِ حدیث کی حیثیت سے چار باتین قابلِ اعتراض نظر آئین، اوّل برزخ کا عذاب و ثواب، دوم ملکۂ نبوت، سوم دوزخ سے نجات، چہارم تقدیر کا عقائد مین داخل ہونا، مؤلف سیرت سب سے پہلے اپنے کو قابلِ مبارکباد سمجھتا ہے کہ موصوف کو "فرقۂ منکرین حدیث" کے نمایندہ کی حیثیت سے صرف یہی چند باتین اعتراض کے

قابل اسکی کتاب مین مل سکین،

اس مضمون مین سب سے پہلی قابلِ شکایت بات یہ ہے، کہ حافظ صاحب نے اُس فرقہ اہل سنت کا جس کے مدرسہ جامعہ مین وہ بحیثیت استاد کے مدرس ہیں، بڑی کراہت کے ساتھ نام لیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس فرقہ سے کسی قسم کا تعلق رکھنا پسند نہین کرتے، مؤلف پر جو سب سے بڑا اعتراض ہو وہ یہی ہو کہ وہ سلف اہلسنت کا پیرو کیون ہو؟ ارشاد ہوتا ہو کہ

"لیکن چونکہ وہ سلف کے خیال کے قدم بقدم پیرو ہیں" (ص ۳۰۲)

"مگر جب قدر و جبر کی بحثیں شروع ہوئیں تو سلفِ اہلسنت نے تقدیر کے مسئلے کو اس نوعیت سے جس نوعیت سے وہ اس کو مانتے تھے، اپنے فرقے کے عقائد میں داخل کر لیا" (ص ۳۰۲)

لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ صحابۂ کرام کے عہد کے بعد معترض کے نزدیک کون سا گروہ تابعین اور تبع تابعین میں ایسا ہے جس کے ذریعہ قرآن پاک اور دینِ مبین ہم تک پہنچا ہے، اور جس کی پیروی مسلمانون کو کرنی چاہئے کیا وہ زہری، حسن بصری، امام ابو حنیفہ، امام مالک وغیرہ ائمہ محدثین میں کوئی اور، کیا وہ سچ سچ بتا سکتے ہین، کہ ان دو دور کے لوگون میں سے کس کو قرآن کی تشریح، اور دینِ اسلام کی تفصیل کا اہل سمجھتے ہین، اور یہی وہ لوگ ہیں، جو سلف اہلسنت ہین، کیا وجہ ہے کہ حافظ صاحب اپنے اور اپنے متبعین کے لیے قرآن کے معنی، اور مسائل اسلامیہ کی جو تشریح اپنی عقل و فہم سے کرین، وہ تو روشنخیالی اور حقانیت ہو، اور اسکی پیروی صحیح اسلام کی پیروی کہلائے، اور سلفِ اہلسنت اپنی روایت کو چھوڑے، اپنے علم و دیانت اور عقل و فہم سے جو کہیں، وہ حافظ صاحب کے نزدیک ضلالت و گمراہی ٹھہرے

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

دلی کے خانوادہ ۔۔۔ کی نسبت ہمارے دلی کے خانوادہ شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے اخلاف کے ۔۔۔ کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے، کہ آج حافظ صاحب اور ہم مسلمان ہین، اور اب ہمارا یہ حال ہے کہ عربی کی چند کتابین پڑھکر اور مصر کی چند عربی کتابون کا ترجمہ کرکے اور اپنے نام سے چھاپ چھاپ کر ان بزرگوارون کے منہ آنے لگے ہیں، پہلے نمبر مین وہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت یہ تحقیرانہ الفاظ لکھتے ہیں،

"شاہ ولی اللہ صاحب جو قرآن کے مترجم بھی تھے اور ماہر بھی اس عالم کے وجود پر کوئی سند لا سکے؟"

گویا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بس اسیقدر بساط ہے کہ وہ قرآن کے مترجم تھے، اور اگر ماہر تھے تو غالباً

حافظ صاحب سے کم، شاہ عبدالقادر صاحب اور دوسرے مفسرین اور علمائے مترجمین قرآن کی نسبت اپنے تیسرے مضمون میں

وہ ایک ایسا فقرہ لکھتے ہیں جس کے لکھنے سے اُن کو شرم آنی چاہئے تھی، لکھتے ہیں،

"یہاں اس عام غلطی کا اظہار کر دینا ضروری ہے جو قرآن کے عام مفسرین اور مترجمین نے اس آیت کے متعلق کی ہے، یعنی یہ کہ انھوں نے بجائے معبودان غیر اللہ کے لاعلمی کی نسبت خود اللہ کی طرف کی ہے،

اور نہیں شرماتے ہیں"

آیت یہ ہے، اور مفسرین و مترجمین کا ترجمہ یہ ہے،	شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ غلط نہیں اور نہ مفسرین نے ایسی غلطی کی؛

وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ	اور کہتے ہیں کیا یہ لوگ (بت) ہمارے سفارشی ہیں اللہ
قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ	کے پاس، کہدے کہ کیا تم اللہ کو جتاتے ہو وہ جو اس کو معلوم
وَلَا فِي الْاَرْضِ، (۱۵-۱۱)	نہیں آسمانوں میں اور زمین میں؛

حافظ صاحب سمجھتے ہیں کہ اس ترجمہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف "عدم علم" کی نسبت ہوتی ہے، حالانکہ یہاں استفہام ہے، اخبار نہیں، یعنی سوال کر کے کفار کو ملزم کیا جاتا ہے، کہ کیا تم خدا کو وہ بات بتاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں؟ اب ظاہر ہے کہ خدا کو تو سب باتیں معلوم ہیں، اس لئے کفار کا یہ کہنا کہ "یہ بت خدا کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں" ایک ایسی باطل بات کا اظہار ہے جو صحیح نہیں اور جو علم خداوندی کے خلاف ہے،

بتائیے اب یہ کونسی بات تھی، جسکے لیے ہمارے تمام مفسرین، مترجمین اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شرمانا چاہئے تھا، جس آیت کو اسکے بالمقابل آپنے پیش کیا ہے، اسکا اتنا ہی مطلب ہے کہ "اللہ کافروں کے معبودان باطل کو جانتا ہے" وہ اسکے مخالف نہیں۔

مسئلۂ تقدیر، حافظ صاحب کہتے ہیں،

"قرآن کے مطابق تقدیر ایمانیات میں داخل نہیں ہے، بلکہ مسائل قرآنی میں سے ایک مسئلہ ہے"

اس کلام کے دونوں فقرے آپس میں متضاد ہیں، غالباً حافظ صاحب بھی و کتب بہ کے اندر پورے قرآن پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہونگے، اور جب پورے قرآن کے اوپر ایمان لانا ضروری ہے تو ان آیتوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے جن میں مسئلہ تقدیر کا بیان ہے، پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ "قرآن کے مطابق تقدیر ایمانیات میں داخل نہیں" بلکہ یوں کہئے جیسا کہ مؤلف سیرۃ نے کہا ہے کہ "اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس کا ذکر کہیں نہیں آیا ہے" (سیرۃ ج ۴) اور یہ صحیح ہے کہ اٰمنوا (ایمان لاؤ) یا یؤمنون (ایمان لاتے ہیں) کے لفظوں میں اللہ، ملائکہ، کتب، رسل، اور یوم آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ اس کا ذکر نہیں، مگر احادیث کے علاوہ اس وقت سے جب سے معتزلہ نے تقدیر کا انکار کیا ہے، اہل سنت نے قرآن پاک کی اس تعلیم کو جو تقدیر سے متعلق ہے، نمایاں کرکے پیش کیا ہے، اسکی صورت ایسی ہی ہے جیسے آج جبکہ قادیانی اور بہائی "ختم نبوت" کا انکار کر رہے ہیں، ختم نبوت کو جو قرآن سے ثابت ہے ہم مسلمانوں کے سامنے خاص طور سے پیش کردیں، تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ "قرآن کے مطابق ختم نبوت ایمانیات میں داخل نہیں"، اس طرح تو قرآن پاک میں جتنی باتیں ہیں، اُن میں کسی کو بھی اگر ہم آپ کے سامنے ایمان کے لیے پیش کریں، تو آپ یہی کہیں گے کہ "ایمانیات میں داخل نہیں" تو پھر قرآن پر ایمان لانے کے جو ایمانیات میں داخل ہے، کیا معنی ٹھہرینگے؟

کیا قرآن پاک کی یہ آیت اور اس معنی کی اور بیسیوں آیتوں پر آپ کے مذہب کے رو سے ایمان لانا ضروری نہیں؟

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا	کوئی مصیبت نہیں آتی زمین میں اور تمھاری جانوں میں
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا	لیکن وہ کتاب میں ہے، اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا	بیشک یہ اللہ پر آسان ہے، تاکہ تم اس پر جو تم سے جاتا
عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ (حدید)	رہے غم نہ کرو، اور جو تمکو اللہ دے اس پر اترایا نہ کرو،
وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَمَا	اور کوئی عورت حمل میں نہیں رکھتی اور نہ جنتی ہے لیکن
يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ	خدا کے علم سے اور نہ کسی بڑی عمر والے کو بڑی عمر ملتی اور نہ

إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ (فاطر-۲) اسکی عمر کم ہوتی ہو لیکن وہ کتاب میں ہو، بیشک یہ اللہ پر آسان ہو،

مسلمانوں کو یہ تعلیم ملتی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے کہدیں،

لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (توبہ-۷) ہمپر کوئی آفت آہی نہیں سکتی لیکن خدا نے جو ہمارے لئے لکھ دیا ہو،

کیا یہ اور اسی قسم کی دوسری بیسیوں آیتوں پر ایمان لانا مسلمانوں کے لئے ضروری نہیں، اور قرآن کے مطابق یہ ایمانیات میں داخل نہیں، اگر ہے تو سیرت کے مؤلف نے اسکی تشریح میں بقول معترض " پورے بیس صفحے رنگین" جو کئے ہیں وہ قرآن پاک کے تعلق سے یا محض " تقلید سلف " جیسا کہ معترض نے مؤلف کو الزام دیا ہے، پھر بھی مؤلف نے یہ احتیاط کی ہے کہ یہ نہیں کہا ہے کہ اس مسئلہ کو ایمانیات میں داخل کر دیا جائے، جیسا کہ معترض کا الزام ہے، بلکہ یہ کہا ہے،

" اگرچہ قرآن پاک میں ایمان کے سلسلہ میں اس (قضا و قدر) کا ذکر کہیں نہیں آیا، مگر اس کا اعادہ بار بار قرآن میں اتنی دفعہ ہوا ہے کہ اسکی اہمیت اسکی مقتضی ہے کہ اس کو ایمانیات کے پہلو میں جگہ دیجائے" (ص ۲۶۵)

کہاں خود ایمانیات میں داخل کرنا اور قرآن میں اضافہ کرنا جسکا الزام ہے، اور کہاں قرآن پاک کے بار بار کے اعادہ اور اہمیت کے سبب سے ایمانیات کے پہلو میں جگہ دینا،

سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست

یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسئلۂ تقدیر کے علاوہ قرآن پاک کے کسی اور مسئلۂ عملیہ کو یہ اہمیت کیوں نہ دیگئی، تو اس کا جواب صاف ہے کہ مسئلۂ تقدیر کو جو عمومیت، وسعت اور عالمگیری حاصل ہے وہ کسی دوسرے مسئلہ کو نہیں، یہ وہ مسئلہ ہے جس سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ، مخلوقات کا کوئی فرد کسی فرد کی زندگی کا کوئی لمحہ خالی نہیں، اور ایک مسلمان کو عملی زندگی میں اس سے ہر قدم پر واسطہ پڑتا ہے، ایسے ہمہ گیر مسئلہ سے اعراض، اور اس کو نمایاں کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش نہ کرنا، بڑی کوتاہی تھی، در آنحالیکہ اس میں بڑی بڑی پیچیدگیاں حائل ہیں، اور اکثر مسلمان کیا بلکہ اکثر انسان اسکی دقتوں کے حل میں متفکر رہتے ہیں، اور اس کے متعلق مختلف قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہیں، اس لئے اس اہم کتاب میں اس سے قطع نظر کسی طرح ممکن نہ تھا،

دوزخ | اس مسئلہ میں سیرت کے مؤلف پر حسب ذیل اعتراضات ہیں،

۱۔ مؤلف نے جہنم کو بھی نعمت قرار دیا ہے، جو غلط ہے،

۲۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ گنہگاروں کو دوزخ سے نجات ملیگی، حالانکہ دوزخ سے کسی کو نجات نہیں ملیگی، جو لوگ معاف ہوکر جنت میں جائینگے وہ اہل اعراف ہونگے نہ کہ اہل دوزخ،

۳۔ جنت اور دوزخ کے دوام کا یکساں بیان قرآن میں ہے،

حالانکہ یہ تینوں اعتراضات صریحاً غلط ہیں،

جہنم کو نعمت مؤلف نے نہیں کہا، بلکہ خود قرآن پاک نے کہا ہے، جنت کی نعمتوں کیساتھ دوزخ کے متعلق فرمایا،

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ. فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ... يعرف المجرمون بسيماهم فيؤخذ بالنواصي والاقدام فبأي آلاءِ ربكما تكذبان، هذه جهنم التي يكذب بها المجرمون يطوفون بينها وبين حميم آنٍ، فبأي آلاءِ ربكما تكذبان، (رحمان)

تم پر آگ کی لو برسائی جائیگی کہ تم اس کو دفع نہ کرسکو گے پھر تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ . . . . . گنہگار اپنی نشانی سے پہچانے جائینگے، تو پیشانیوں اور پاؤں سے پکڑے جائینگے پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، یہ وہ جہنم ہے جس کو گنہگار جھٹلاتے تھے، وہ اس میں اسکے اور کھولتے پانی کے درمیان گھومتے پھرینگے، پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے،

اب کیا مؤلف نے غلط بیانی کی ہے؟ ممکن ہے کہ معترض ان آیتوں کی کوئی اور تاویل کرتا ہو، مگر وہ اسکی تاویل ہوگی، نص نہیں،

۲۔ اعراف کے متعلق یہ منکر حدیث معترض حسب ذیل تحقیق ظاہر کرتا ہے،

"اصلیت یہ ہے کہ جہنم سے جو لوگ نکلنے کے مستحق ہونگے ان کو پہلے ہی نکال کر اعراف میں رکھا جائیگا جہاں سے رفتہ رفتہ وہ جنت میں پہنچا دیئے جائینگے"

احادیث سے امداد لئے بغیر کیا اعراف نامی کسی مقام کا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے، قرآنِ پاک میں صرف اسقدر ہو،

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ — اور اونچائیوں پر کچھ لوگ ہونگے جو سب کو انکی صورت سے پہچانیں گے،

اس آیت سے کیونکر سمجھا گیا کہ "اعراف" کسی مقام کا نام ہے، جہاں لوگ رکھے جائیں گے، اور جہاں سے رفتہ رفتہ وہ جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے، اعراف کے لغوی معنی اونچائی اور بلندی کے ہیں، نہ کہ مقام و مکان کے، اسکے بعد ہے کہ

وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ — اور انھوں نے جنت والوں کو پکارا کہ تم پر سلامتی ہو وہ
لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ، — جنت میں نہیں داخل ہوئے، اور وہ طمع رکھتے ہیں،

اس آیت کے کس لفظ سے حافظ صاحب کا یہ دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ

"اصلیت یہ ہے کہ جہنم سے جو لوگ نکلنے کے مستحق ہونگے ان کو پہلے ہی نکال کر اعراف میں رکھا جائیگا جہاں سے رفتہ رفتہ وہ جنت میں پہنچا دیئے جائینگے"

اس "اصلیت" کا سراغ ہمارے دوست کو کہاں سے ملا، پھر ثبوت دعویٰ کی خاطر انھوں نے ایک "مگر" کا اپنی طرف سے اضافہ کیا جو قرآن میں نہیں، دوسرے یہ کہ یَطْمَعُون جسکے لغوی معنی ہیں طمع رکھتے ہیں، اس کا ترجمہ "امید رکھتے ہیں" کیا ہے، جو ثبوت طلب ہے، ظاہر لفظوں سے تو اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ "وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے ہیں، اور وہ جنت کی طمع رکھتے ہیں" ان لفظوں سے حافظ صاحب کو جس "اصلیت" کا پتہ چلا ہے، وہ قرآن میں نہیں ہے، اب دو ہی باتیں ہیں، یا تو اس قرآن کی تفسیر میں ان کا دماغ گذشتہ اسلامی تربیت کی وجہ سے احادیث سے نادانستہ فائدہ اٹھا رہا ہے تو ان کو اپنے عہد جاہلیت کے اس خیال کو جلد دور کر لینا چاہئے، اور اگر قیاس سے کام لے رہے ہیں، تو ان کو اپنا یہ اصول یاد رکھنا چاہئے کہ

"میں کہتا ہوں کہ عقائد میں قیاس کی گنجائش کہاں، (اپنی اس اصلیت) پر کوئی نص صریح آپ پیش کر سکتے ہیں تو پیش کیجئے" صـ ۲۸۸

حافظ صاحب اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ دوزخ سے کسی کو نجات نہیں ملیگی، چنانچہ فرمایا،

"ورنہ جو جہنم میں گیا اس کے نکلنے کی قرآن سے توکوئی امید نہیں"

میرا سوال یہ ہے کہ کیا معترض کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن قابل بخشائش ہوگا یا نہیں، یا اگر نہیں ہے تو قرآن پاک کی اس آیت کا کیا مطلب ہے،

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (نساء) — خدا اس کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے معاف نہیں کریگا اور اسکے سوا جسکے لیئے چاہے معاف کردے،

اور اگر معاف کرسکتا ہے تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہونگے جو مسلمان قاتلوں سے متعلق ہے،

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا، (نساء) — اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کریگا تو اس کا بدلہ جہنم ہے جسمیں وہ خالداً رہے گا،

اب اگر ان کی بخشائش ہوگی توکس طرح؟ کیا مقدار عذاب کے بعد وہ جہنم سے نکالے جائیں گے، اگر یہ ہے تو مؤلف اور عامۂ مسلمین کا دعویٰ کہ جہنم سے گنہگار نکالے جائیں گے، ثابت ہوگیا، اور اگر نہیں نکالے جائیں گے، توکیا مغفرت الٰہی پاکر وہ جہنم کے بغیر اعراف نامی کسی مقام میں جسکا مقام ہونا قرآن سے ثابت نہیں، رکھے جاکر رفتہ رفتہ وہ جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے اگر ایسا ہے تو قرآن کا یہ فیصلہ کہاں ثابت ہوا "جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کریگا اسکی جزا جہنم ہے جس میں وہ خالداً رہیگا"

اسی طرح دوسرے مسلمان گنہگاروں کی نسبت از روئے قرآن آپ کا کیا فیصلہ ہے کہ ایک طرف اُن کی مغفرت کی بھی بشارت ہے، اور دوسری طرف ان کے گناہوں کے عذاب کا بھی ذکر ہے، ان دونوں قسموں کی آیتوں میں اس راستہ کے سوا جس کو اہل سنت نے اور اُن کی تقلید میں مؤلف نے اختیار کیا ہے، دوسرا راستہ کیا ہے؟

حافظ صاحب کا خیال ہے کہ مؤلف نے جہنم سے خروج پر کوئی آیت پیش نہیں کی ہے، کیا یہ آیتیں سیرت ص ۶۰۹ ص ۶۲۱ میں اور قرآن میں نہیں،

۱- اَلنَّارُ مَثْوٰکُمْ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ (انعام) — آگ تمہارا ٹھکانا ہے جسمیں تم ہمیشہ رہوگے لیکن جو چاہے اللہ، بیشک تیرا رب حکمت والا اور علم والا ہے،

۲- خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَاشَاءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (ھود)

ہمیشہ رہیں گے اس دوزخ میں جبتک آسمان و زمین ہیں، لیکن جو چاہے تیرا رب، بیشک تیرا رب جو چاہے کر گذرنے والا ہے،

ان آیتوں میں صاف تصریح ہے کہ دوزخ میں جانے کے بعد خدا جس کو چاہے اس کو نکال سکتا ہے۔ اس کے بعد حافظ صاحب کے اس تحکم بیجا پر نظر ڈالئے،

"پانچ آیتیں انھوں نے (یعنی مؤلف نے) خود قرآن سے نقل کی ہیں جنمیں تصریح موجود ہے کہ مجرموں کو جہنم سے نکلنا نصیب ہوگا، لیکن نکلنے کے متعلق ایک حرف بھی نقل نہیں کر سکے ہیں۔"

اب میں ایک اور آیت معترض کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جس کی تفسیر میں وہ احادیث سے مدد لیں،

فو ربك لنحشرنهم والشیٰطین ثم لنحضرنهم حول جهنم جثیا. ثم لننزعن من كل شیعة ایهم اشد علی الرحمن عتیا. ثم لنحن اعلم بالذین هم اولی بها صلیا. وان منكم الا واردها كان علی ربك حتما مقضیا. ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظلمین فیها جثیا، (مریم)

تیرے پروردگار کی قسم ہم ان کو اور شیطانوں کو ضرور حضور میں جمع کرینگے، اور ان کو جہنم کے گرد حاضر کریں گے، پھر ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو الگ کریں گے، جو رحم والے خدا سے بہت اکڑے اکڑے پھرتے تھے، پھر جو لوگ جہنم میں جانے کے زیادہ مستوجب ہیں ہم انکو خوب جانتے ہیں، اور تم میں سے کوئی نہیں جو جہنم میں نہ جائے یہ تیرے رب کا فیصلہ شدہ حکم واجب ہے، پھر ہم انکو جنھوں نے تقویٰ کیا نجات دینگے اور حد سے بڑھنے والوں کو ہم اسی (دوزخ) میں گھٹنا چھوڑ دینگے۔

دیکھئے اس آیت میں ورودِ جہنم کے بعد ان کو جنھوں نے خدا سے کچھ بھی تقویٰ کیا تھا نجات پانے کی بشارت دی گئی ہے، لفظ "ورود" کے معنی کے متعلق شاید حافظ صاحب کے ذہن میں کوئی تاویل گذرے، تو اس کے دفعیہ کے لئے

ایک اور آیت پیش کر دیجاتی ہے، تاکہ وہ اس کے صحیح معنی سمجھیں،

انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب — بیشک تم اور جسکو تم خدا کے سوا پوجتے ہو، سب جہنم کا ایندھن

جہنم ، انتم لھا واردون ، (مریم) — ہونگے، تم سب اس جہنم میں جانے والے ہو،

اب حافظ صاحب کے اس دعویٰ کی اصلیت معلوم ہوگئی ہوگی،

"ورنہ جو جہنم میں گیا اس کے نکلنے کی قرآن کے روسے تو کوئی امید نہیں۔" ص ۳۹۳

اس کے بعد موصوف نے اپنے اس دعویٰ پر حسب ذیل آیت سے استدلال کیا ہے،

ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک — اور وہ جہنم کے داروغہ مالک کو پکاریں گے کہ اللہ ہمارا خاتمہ

قال انکم ماکثون ، (زخرف) — کردے، وہ کہیگا تم کو رہنا ہوگا،

حالانکہ اس آیت سے ان کے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہیں بہم پہنچتا، "لیقض علینا ربک" کا مجازی ترجمہ خاتمہ کر دینا حافظ صاحب نے کیا ہے، مجھے عذر نہیں، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہم کو موت دیدے، وہ کہیگا کہ یہاں موت نہیں تم کو تو اسی حال میں قیام کرنا ہے، ظاہر ہے کہ گنہگار جب تک دوزخ میں رہیں گے وہ موت کی تمنا کریں گے، مگر ان کو موت نہ آئے گی، جیسا کہ قرآن پاک میں کئی جگہ ہے، اس سے دوزخ میں گنہگاروں کے دوام بقا پر کوئی ثبوت نہیں بہم پہنچ سکتا، اس میں لفظ "مکث" کا ہے، جس کے معنی صرف ٹھہراؤ اور انتظار کے ہیں، نہ دوام بقا کے ہیں، نہ عدم فنا کے ہیں، "نہ رہنا ہوگا" کے ہیں،

المکث اللبث والانتظار (لسان العرب و صحاح) مکث کے معنی ٹھہرنا اور انتظار کرنا،

حضرت موسیٰؑ نے آتش طور دیکھکر اپنے اہل بیت سے یہی لفظ فرمایا،

قال لاھلہ امکثوا ، (طٰہٰ و قصص) — کہا کہ تم یہاں ٹھہر کر انتظار (مکث) کرو،

کیا اس سے یہ مطلب سمجھا جائے کہ بس یہیں پر تم کو ہمیشہ رہنا ہے، آگے کی آیت سے اس بحث کا فیصلہ ہی ہوا جاتا ہے، حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں ہدہد کے متعلق ہے،

فمکث غیر بعید (نمل) تو ہدہد نے تھوڑی دیر توقف (مکث) کیا،

غور کیجئے کہ مکث، غیر بعید اور قلیل مدت کے لیے قرآن پاک نے استعمال کیا ہے، اب حافظ صاحب اپنے دعویٰ عدم فنا اور بقائے دوام پر اسی آیت مکث سے ثبوت لانے پر مزید تامل فرمائیں،

کیا قرآن میں دوزخ و بہشت کے خلود و ابدیت کے یکساں الفاظ استعمال ہوئے ہیں،

دوزخ کے بالآخر فنا کے متعلق مؤلف نے جو پہلو اختیار کیا ہے اوسکی نسبت حافظ صاحب کی طرح اس کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ جزماً یہی قرآن کی تعلیم ہے، اور نہ یہ کہ اس کے سوا اس سے متعلق اور تمام نظریات غلط ہیں" اور نہ یہ کہ تمام مسلمانوں یا اہل سنت کا یہی مسلک ہے، بلکہ صاف تصریح کردی ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کے خیالات کی تشریح ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت عمومی کے قائل ہیں، جنہیں سے علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم دو صاحب ہیں، جن کی کتابوں کا حوالہ مؤلف نے حاشیہ میں دیدیا ہے، (دیکھئے سیرت چہارم ص۴۰۰)

بہرحال ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ مدعی کے اس دعوی میں کہاں تک صداقت ہے کہ

"قرآن میں (بہشت و دوزخ) دونوں کے لئے خلود اور ابدیت کے الفاظ یکساں استعمال ہوئے ہیں (ص۲۹۳)

اگر معترض سیرت مذکور کو غور سے پڑھتا تو اس کو اس دعوی کی جرأت نہ ہوتی، لیکن چونکہ اس نے یہ دعویٰ کیا ہے اس لیے تھوڑی تنبیہ کی ضرورت ہے،

۱۔ ابھی وہ آیت گذری ہے جس کو معترض نے دوزخ کے دوام عذاب کے ثبوت میں پیش کیا ہے،

قال انکم ماکثون (زخرف) (دوزخ کا مالک دوزخیوں سے کہیگا کہ) تم اسی میں ٹھہرنے والے ہو،

دیکھئے کہ اس میں مکث (ٹھہرو) کے علاوہ دوام کا کوئی لفظ نہیں ہے، لیکن یہی لفظ جب اہل جنت کیلئے استعمال کیا گیا تو یوں فرمایا گیا،

انّ لهم اجرًا حسنًا ماكثين فيه ابدًا، (کہف-۱) ایماندار نیکو کاروں کے لئے اچھی مزدوری ہے جس میں وہ ہمیشہ ٹھہرینگے،

۲۔ گنہگاروں کے لئے کہا گیا،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ	بیشک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنھوں نے کفر کیا
الْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ،	وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے ،

لیکن اہل ایمان صالحین کے لیے اسی کے بعد اور اسی کے بالمقابل یہ ہے ؛

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ . . .	بیشک جو ایمان لائے اور نیک کام کئے . . . . .
. . . جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ	. . . . . ان کا بدلہ ان کے پروردگار کے ہاں
عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ	اقامت کے باغ ہیں ، جن میں وہ سدا کو ہمیشہ
فِيهَا أَبَدًا ، (البینہ)	ہمیشہ رہیں گے ،

کون کہہ سکتا ہے دونوں کے قیام ودوام کی ایک حیثیت ہے ،

یہ لغت میں اپنی جگہ پر ثابت ہو چکا ہے کہ تنہا خلود کے معنی "قیام طویل" کے ہیں ، دوام ہمیشگی اور عدم انقطاع کے نہیں ہیں ۔ اسی لئے ہمیشگی کے ثبوت کے لیے قرآن پاک میں خلود کے ساتھ اَبد کا لفظ لایا گیا ہے ، قرآن پاک میں صرف تین جگہ اہل جہنم کے لئے خلود کیساتھ ابد کا لفظ آیا ہے ، اور تینوں جگہ کفار و مشرکین کیلئے ہے ، سورۂ جن میں ردِ شرک کے سلسلہ میں ہے ،

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ	اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا تو بیشک
جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ، (جن)	اسکے لیے جہنم کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہیگا ،

دوسری جگہ کفار کے متعلق ہے ،

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا	بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لئے
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ، (احزاب ۸)	بھڑکتی آگ تیار کی ، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ،
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ	بیشک جنھوں نے کفر کیا اور گناہ کیا نہیں ہے کہ خدا انکو
اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا	بخشے ، اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے ، لیکن جہنم کی راہ

دِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (نساء۔۲۲) ہمیشہ اس میں رہیں گے،

"خَالِدِيْنَ اَبَدًا" کے الفاظ قرآن پاک میں آٹھ مقام پر ہیں،

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ ۱۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہم ان کو ان جنتوں
تِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی،
) ہمیشہ وہ ان میں رہیں گے،

الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۲۔ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو انکی سچائی فائدہ دیگی،
تِيْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ ان کیلئے وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ
ائدہ۔۱۶) ان میں ہمیشہ رہیں گے،

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ ۳۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہم ان کو ان جنتوں
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان
ا۔۱۸) میں ہمیشہ رہیں گے،

هُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ ۴۔ اُن کا پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی اُن
فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے
(توبہ۔۲۰) قائم رہنے والی نعمت ہے، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے،

نٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا ۵۔ اور اللہ نے ان کے لیے وہ جنتیں تیار کی ہیں جنکے نیچے
يْنَ فِيْهَآ اَبَدًا، (توبہ۔۱۲) نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے،

بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ ۶۔ اور جو خدا پر ایمان لایا اور اچھا کام کیا، اللہ اسکے گناہوں
وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ کو اتاریگا اور اس کو ان جنتوں میں داخل کریگا جنکے نیچے
رُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (تغابن ۱) نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے،

۷۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ
۷۔ اور جو اللہ پر ایمان لائیگا اور اچھا کام کریگا، وہ اس کو ان

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
جنتوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہتی ہونگی، وہ ان

فِيْهَآ اَبَدًا، (طلاق - ۲)
میں ہمیشہ رہیں گے،

۸۔ جَزَاۤؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ
۸۔ ان کا بدلہ اُن کے پروردگار کے ہاں اقامت کے باغ

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (بینہ)
ہیں، جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہینگے،

اب بھی کہا جائے گا کہ "قرآن میں دونوں کے لیے خلود اور ابدیت کے الفاظ یکساں استعمال ہوئے ہیں؟"

ایک اور آیت نقل کیجاتی ہے جسمیں دونوں کا فرق نمایاں ہوگا، دوزخیوں کی نسبت فرمایا،

اُولٰۤئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ لَا يَجِدُوْنَ
یہ وہ لوگ ہیں جنکا ٹھکانا جہنم ہے، اس سے وہ نکل

عَنْهَا مَحِيْصًا،
بھاگنے کی جگہ نہ پائیں گے،

اسی کے بعد اہل بہشت کے لیے ہے،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ
اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو ہم ان جنتوں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
میں داخل کرین گے، جنکے نیچے نہرین بہتی ہیں، ان مین

فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ
وہ ہمیشہ رہینگے خدا کا وعدہ ہے سچا، اور کون خدا سے

مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا، (نساء - ۱۸)
زیادہ سچ بولیگا،

کیا دونوں کے دوام و بقا کی یہ یکساں تصویر ہے؟ پہلی آیت مین اسی قدر ہے کہ اہل دوزخ، دوزخ سے (اپنے عذاب کی حالت مین) کہین بھاگنے کی جگہ نہین پائین گے، لیکن دوسری مین دیکھو جو اسی سے متصل ہے کہ اہل بہشت کے لیے پہلے خلود فرمایا ہے، پھر ابد فرمایا، پھر فرمایا یہ خدا کا وعدہ ہے، پھر فرمایا وعدہ بھی سچا ہے، پھر فرمایا کہ کس کی خدا سے زیادہ سچی بات ہوگی؟ کیا یہی دونون کی یکسانی ہے؟

بہشت کے لیے بار بار کہا گیا کہ اس کی نعمت اور اجر کا کبھی انقطاع نہ ہوگا، فرمایا،

۱- اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ، (تین)	۱- لیکن جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے،
۲- عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ، (ھود-۹)	۲- (بہشت کی نعمت) نہ ختم ہونے والی بخشش ہو کر،
۳- اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا، (رعد-۵)	۳- بہشت کے پھل اور اسکا سایہ دائم ہونگے،
۴- وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ، (واقعہ-۱)	۴- (بہشت کے) بہت سے میوے نہ ختم ہونے والے اور نہ روکے جانے والے،
۵- اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا، (کہف-۱)	۵- بیشک ان (اہل بہشت) کے لیے اچھی مزدوری ہے جس میں وہ ہمیشہ ٹھہرے رہیں گے،
۶ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ (مومن)	۶- تو وہ جنت میں داخل ہونگے اور بے حساب رزق دیے جائینگے،
۷ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ، (ص)	یہ ہمارا وہ رزق ہوگا جس کے لیے ختم ہونا نہیں،
۸- لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ، (حجر-۴)	۷- ان (اہل بہشت) کو اس میں نہ تکان ہوگی اور نہ اس سے وہ نکالے جائیں گے،

کیا عذاب دوزخ کے دوام وبقا وعدم انقطاع کی نسبت اس قسم کا ایک لفظ بھی قرآن پاک میں موجود ہے اور اگر ہے تو میں اس کے لئے تحدی کرتا ہوں کہ پیش کیا جائے،

اہل دوزخ میں سے کفار کے لیے تین چار جگہ یہ لفظ ہیں، کہ وہ اس میں سے نکل بھاگنا چاہیں گے مگر وہ نکل نہیں سکینگے!

۱- وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا، كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ، وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ، (بقرہ-۲۰)	۱- اور جنھوں نے پیروی کی وہ کہیں گے کہ کاش ہمکو دوبارہ دنیا میں لوٹنا ہو تو ہم ان سے اسی طرح علیحدہ ہو جائینگے جیسے وہ ہم سے علیحدہ ہوگئے ایسا ہی اللہ ان کے کاموں کو ان پر حسرت کرکے دکھائیگا، اور وہ آگ سے نکل نہ سکینگے

(پیرو کاران باطل)

۲- إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا .... ۲- بیشک جنھوں نے کفر کیا ....

يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ (مائدہ ۶) وہ چاہیں گے کہ دوزخ سے نکلیں وہ دوزخ سے نکل نہیں سکتے، اور اُن کے لیے اس میں قائم عذاب ہے،

۳- كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا ۔ (حج - ۲) ۳- جب جب چاہینگے کہ اس سے نکلیں گھٹنے کے سبب وہ اس میں لوٹا دیئے جائیں گے،

۴- كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۔ (سجدہ - ۲) ۴- جب جب چاہیں گے کہ اس سے نکلیں وہ اس میں لوٹا دیئے جائیں گے، اور کہا جائیگا کہ اس آگ کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے،

۵- فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا ۔ (جاثیہ - ۴) ۵- تو آج وہ اس سے نہیں نکالے جائیں گے،

۶- إِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۔ (انفطار) ۶- بیشک گنہگار دوزخ میں ہونگے، جزا کے روز وہ آئین داخل ہونگے، وہ اس دوزخ سے چھپ نہیں سکتے،

پہلی چار آیتوں میں ہے کہ اہل دوزخ، دوزخ سے نکل بھاگنا چاہیں گے، مگر وہ نکل کر بھاگ نہیں سکتے، پانچویں میں ہے کہ آج اوس سے نہیں نکالے جائیں گے، باوجود اس کے تصریحاً یہ آیات کفار و مشرکین کے متعلق ہیں جن کی حالت دوسری ہے، بااینہمہ ان میں سے کسی آیت میں نفی نہیں کہ خود اللہ تعالیٰ بھی ان کو یہیں سے کبھی نہیں نکال سکتا، یا نہیں نکالیگا، جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ یہ اہل دوزخ عذاب کی سختی سے گھبرا کر یا دوبارہ دنیا میں آنے کے لیے دوزخ سے نکل بھاگنا چاہیں گے، مگر وہ نکل نہ سکیں گے، آخری آیت کا منشا یہ ہے کہ دوزخ سے چھپکر غائب نہیں ہو سکتے،

اب اس کے مقابل میں اہل بہشت کا حال ملاحظہ کیجئے، کہ وہ اوّل تو خود بہشت سے نکلنا نہیں چاہیں گے،

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا (کہف) وہ جنت میں سدا رہیں گے اس سے منتقل ہونا نہ چاہیں گے

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس سے نکال دے تو اس کے لئے بھی وعدہ ہو چکا ہے،

وَمَا هُم مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ، (حجر-۴) اور وہ جنت سے نکالے نہیں جائینگے،

اب ذرا دونوں کا مقابلہ کیجئے، دوزخ کے متعلق یہ ہے کہ گنہگار اس سے نکل بھاگنا چاہیں گے، مگر نکل نہ سکیں گے اس سے خاموشی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ بھی ان کو اس سے نکالیگا یا نہیں، مگر اہل بہشت کے لیے یہ تصریح ہے کہ وہ نہ خود نکلنا چاہیں گے اور نہ وہ اس سے بدر کئے جائیں گے؛

کیا پھر کہا جائیگا کہ قرآن نے دونوں کی ابدیت کی یکساں حالت بیان کی ہے۔

اب آخری بات عرض ہے کہ دوزخ اور جنت دونوں سے نکلنے کی حد اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت ظاہر فرمائی ہے، لیکن دوزخ کے لیے اپنی مشیت کی تصریح نہیں کی کہ وہ کیا ہے؟ لیکن بہشت کے لیے کر دی ہے، کہ وہ غیر منقطع ہوگی، اہل دوزخ کے لئے فرمایا،

۱- اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ، (انعام ۱۵)	۱- آگ تمہارا ٹھکانا ہے جس میں رہا کرو گے لیکن جو اللہ چاہے بیشک تیرا رب حکمت والا علم والا ہے،
۲- فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ، (ھود)	تو لیکن جو بدنصیب ہوئے تو وہ دوزخ میں، اسمیں انکا چیخنا اور (گدھوں کی طرح) رینکنا ہے، ہمیشہ اسمیں رہینگے جبتک آسمان و زمین ہیں، لیکن جو تیرا پروردگار چاہے، بیشک تیرا پروردگار جو چاہے کر گذرنے والا ہے،

آپ نے دیکھا کہ ان دونوں آیتوں میں عذاب دوزخ سے نکلنے کی حد اور انتہا اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت قرار دی ہے لیکن اپنی مشیت نہیں ظاہر فرمائی، پہلی آیت میں صرف یہ فرمایا کہ بیشک تیرا پروردگار حکمت اور علم والا ہے" یعنی اسکی حکمت اور علم کا جو مقتضا جس کے متعلق ہوگا وہ کریگا، اب دیکھئے کہ اسی کے بعد اسی کے بالمقابل اہل جنت کیلئے کیا ارشاد ہوتا ہے،

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ	اور لیکن جو خوش قسمت ہوئے تو وہ جنت میں رہیں گے،

فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا   جب تک آسمان و زمین ہیں لیکن جو تیرا پروردگار چاہے
مَا شَاءَ رَبُّكَ ، عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ،   نہ ختم ہونے والی بخشش ہوگی (ہود۔۹)

اہل بہشت کے دوام کی حد اور انتہا بھی اپنی مشیئت ظاہر فرمائی، مگر فوراً ہی ساتھ ہی اس پر اپنی مشیئت کا قطعی اعلان فرمادیا کہ "غیر منقطع اور نہ ختم ہونے والی بخشش"،

کیا اب بھی کہا جائیگا کہ "قرآن میں دونوں کے لئے خلود و ابدیت کے الفاظ یکساں استعمال ہوئے ہیں"؟

قرآن پاک میں اہل دوزخ کے لیے ہے،

لَابِثِيْنَ فِيْهَا اَحْقَابًا ۔ (نبا)   وہ اس دوزخ میں صدہا سال پڑے رہیں گے،

"حقب" کے معنی بعض اہل لغت نے ۸۰ سال اور بعضوں نے مطلق غیر متعین وقت لکھے ہیں، مگر بہرحال اس کے معنی دوام کے نہیں ہیں، کہ یہی لفظ حضرت موسیٰ کے قصہ میں ہے، جہاں ظاہر ہے کہ دوام و ابد مقصود نہیں ہو سکتا،

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰى   اور موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ آؤنگا
اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ،   یہاں تک کہ دونوں دریاؤں کے سنگم تک چلوں یا
(کہف ۹)   سالہا سال (حقب) تک چلتا رہوں،

اور عرب جاہلیت کے کلام میں ہے،

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃً   من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

"اور ہم جذیمہ کے دونوں ساتھیوں کی طرح زمانہ تک رہے، یہانتک کہ کہا گیا کہ اب یہ دونوں جدا نہ ہونگے"

کیا اہل بہشت کے لیے بھی اس انتہا کی خواہ وہ کسی قدر طویل مدت ہو حضرت مدعی کوئی آیت قیامت تک پیش کرسکینگے؟

کیا اب بھی کہا جائیگا کہ "قرآن میں دونوں کے خلود و ابدیت کے الفاظ یکساں استعمال ہوئے ہیں"؟

حدیث کے دین ثابت کرنے کا الزام   حافظ صاحب لکھتے ہیں،

"مقدمۂ کتاب میں منصب نبوت پر بحث کرتے ہوئے سید صاحب (سید سلیمان ندوی) نے ان تمام

تاویلوں (؟)، کو جو حدیث کو دین (؟) ثابت کرنے کے لئے کی گئی ہیں، نہایت بسط و تفصیل اور قوت و زور کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اول تو مؤلف کی طرف سے منکرِ حدیث معترض کی خدمت میں شکریہ پیش ہے کہ اس نے بھی مؤلف کے "نہایت بسط و تفصیل اور قوت اور زور" کو تسلیم کر لیا، مگر ہم کو اختلاف اس نتیجہ سے ہے کہ اس بسط و تفصیل اور زور و قوت کے ساتھ مؤلف نے یہ ثابت کیا ہے کہ "حدیث دین ہے"، بلکہ جو کچھ اس "بسط و تفصیل اور زور و قوت کے ساتھ" جیسا کہ معترض نے خود سیرت کی عبارت نقل کی ہے، مؤلف نے ثابت کیا ہے، یہ ہے، کہ

"وحی (قرآن) اور ملکۂ نبوت (احادیث) دونوں کے احکام واجب الاتباع ہیں۔"

واجب الاتباع ہونا اور بات ہے، اور دین ہونا اور بات ہے، سیرت میں "الدین" پر مفصل بحث موجود ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں "الدین" کیا ہے، کیا اس الزام تراشی میں صداقت کا ایک ذرہ بھی ہے؟

ملکۂ نبوت مؤلف نے اس سلسلہ میں متکلمین کی اصطلاح ملکۂ نبوت کی تشریح کی ہے، اور بتایا ہے کہ اس سے ان کا مقصود کیا ہے؟ اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ نبی کو دو چیزیں ملتی ہیں، ایک تو "علم و حکمت اور فہم و شرح صدر" ہے، جو نبوت کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لیے نبی کو عنایت ہوتی ہے، اور کبھی اس سے منفک نہیں ہوتی، اور دوسری چیز "وحی" ہے جو وقتاً فوقتاً اس کو ملتی ہے، نبی اپنے ان دونوں ربانی ذریعوں سے ہم کو حکم دیتا ہے، اور ہم پر ان دونوں کا اتباع واجب ہے،
حافظ صاحب اور ان کے ہم خیالوں کا دعویٰ یہ ہے کہ نبی کو صرف وحی ملتی ہے جو قرآن ہے، اور صرف اسی کی پیروی لازم ہے، اس کے علاوہ پیغمبر کو کوئی نبوی علم و حکمت اور پیغمبرانہ فہم و شرح صدر نہیں ملتی، جس کی پیروی کی جائے اس لئے قرآن پاک سے باہر جو آنحضرت صلعم کے احکام و اقوال و افعال ہیں، ان کی پیروی ناجائز اور گمراہی ہے، یہی عام مسلمانوں اور اس جدید نو پیدا فرقہ کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے،

اس سلسلہ میں معترض مؤلف پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے کہ

"متکلمین کی یہ اصطلاح ملکۂ نبوت غلط فہمی میں ڈالنے والی ہے کیونکہ اس سے ذہنی قوت اور مہارت

کی طرف جاتا ہے، جو ورزش اور کسب سے حاصل ہوتی ہے، حالانکہ نبوت خالص وہبی نعمت ہے، جس میں ذرا بھی کسب کو دخل نہیں"۔

پھر اس امر پر کہ نبوت کسب نہیں، قرآن کی آیتوں سے استدلال کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ معترض نے سیرت کے پورے مقدمہ کو پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی ہے، اس مقدمہ کے ابتدائی بڑے حصہ میں یہی بات تو ثابت کی گئی ہے کہ نبوت وہبی نعمت ہے، کسبی نہیں، امام غزالی وغیرہ جنھوں نے ملکۂ نبوت کی اصطلاح اختیار کی ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں:

"نبوت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عطیۂ الٰہی اور موہبت ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔" (سیرت چہارم صہ بحوالۂ معارج القدس غزالی)

معترض نے جو الزام قائم کرنا چاہا ہے، اہل نظر فیصلہ کریں کہ کیا وہ صحیح ہے؟ کیا معترض نے ان فقروں میں اس الزام قائم کرنے کی یہ صریح کوشش نہیں کی ہے کہ مؤلف سیرت اور دوسرے متکلمین نبوت کو وہبی نہیں، بلکہ کسب و محنت کا نتیجہ کہتے ہیں، استغفر اللہ!

اب مؤلف سیرت نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سن لیجئے

"گذشتہ مباحث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ نبی میں علم و فہم کے تین ذریعے ہیں، وحی، ملکۂ نبوت، اور عام عقل بشری، ان میں سے اول و آخر کے ثبوت کے لیے اب کسی استدلال کی ضرورت نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اب تک ہم نے دوسری چیز یعنی ملکۂ نبوت کے لئے کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ کہنی ہے کہ جن علماء نے اس کی حقیقت ظاہر کی ہے انھوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لئے الگ الگ اصطلاحیں قائم کی ہیں، مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے وہ دراصل ایک ہیں سلف صالحین میں سے بعض نے اس کو القا فی الروع (دل میں ڈالنا) نبی کی حکمت قلبیہ توفیق ازلی، اور قوت تبیین سے تعبیر کیا ہے، امام غزالی و امام رازی اور دوسرے متکلمین نے اس کو ملکۂ نبوت سے ادا کیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب اور علمائے اصول نے اس کو "پیغمبرانہ قوت اجتہاد" کہا ہے، اور صوفیہ کی عام پسند

اصطلاح میں اس کو علم لدنی کہا جاتا ہے، گو ان سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں، یعنی نبی کے اندر کی وہ پیغمبرانہ قوت جو بشری عقل سے فوق ہے، اور جس کے ذریعہ سے وہ وحی کی تشریح، اسرار شریعت کا بیان اور دقائق حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے۔"

وحی متلو وغیر متلو اس کے بعد مؤلف نے قرآن پاک کی آیتوں سے پیغمبروں کی اس ربانی قوت علمی و اجتہادی کی تشریح کی ہے، اور بتایا ہے کہ احادیث و احکام نبوی کا سرچشمہ پیغمبر علیہ السلام کی یہی ربانی قوت علمی ہے جس کو قرآن نے علم و حکمت و فہم و شرح صدر و ارارت وغیرہ الفاظ سے ادا کیا ہے، پیغمبر اپنے اس ربانی علم اور پیغمبرانہ فہم کے ذریعہ سے وحی کی تشریح کرتا ہے، یہ تشریح لفظاً گو وحی نہیں کہی جا سکتی، مگر اس معنی کر کے کہ اس تشریح میں جو بات بیان کی گئی ہے، اس کے معنی وحی الٰہی کے اندر موجود ہیں، اس لئے اوّل کو فقہا اور علمائے اصول کی اصطلاح میں وحی متلو (وہ وحی جو قرآن میں مذکور ہے اور جس کی تلاوت کی جاتی ہے کیونکہ وہ معنی کے علاوہ لفظاً بھی وحی ہے) اور دوسری کو وحی غیر متلو (یعنی وہ تعلیم ربانی جو قرآن میں لفظاً مذکور نہیں اور جو صرف معنیً وحی ہے) کہتے ہیں، ایک مثال عرض ہے، قرآن میں حکم ہے،

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا، چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹو،

یہ وحی متلو ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلعم کی خدمت میں آکر ایک سرقہ کی واردات کا مقدمہ پیش کرتا ہے، آپ پہنچے سے اس کا ایک ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے ہیں، یہ حدیث نبوی ہے، جس سے یہ تشریح معلوم ہوئی کہ چور کے جس ہاتھ کو کاٹنے کا حکم وحی الٰہی نے دیا ہے، اس کا اطلاق پہنچے تک کے ہاتھ پر ہے، کہنی تک یا بغل تک ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا اب یہ حکم رسول کی اس پیغمبرانہ عقل و حکمت سے معلوم ہوا، جو دوسری بشری عقلوں کی فہم و بصیرت سے بالاتر اور معصوم تر ہے اور اسی لئے وہ ہمارے لئے واجب الاتباع ہے،

وحی متلو اور غیر متلو کی اصطلاح مؤلف نے پیدا نہیں کی ہے، بلکہ علمائے اصول نے پیدا کی ہے، مؤلف کا صرف یہ جرم ہے کہ اس نے اس اصطلاح کی موزوں تشریح کر دی ہے،

نزول کتاب و حکمت منکر حدیث کی حیثیت سے حافظ صاحب نے مؤلف کے اس قول پر اعتراض کیا ہے،

"آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال جن کے اصطلاحی نام احادیث و سنن ہیں، کتاب الٰہی کی عملی و زبانی تشریحات ہیں، کتاب الٰہی وحی ربانی کا نتیجہ ہے، اور احادیث و سنن سینۂ نبوی کی ملہمانہ حکمت کا ۱۱۵

معترض کہتا ہے،

"اب قرآنی آیات کو دیکھئے کہ کس قدر واضح اور صاف ہیں، دو جملوں میں حقیقت سامنے آجاتی ہے،

وَاَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ اور اللہ نے تیرے اوپر کتاب اور دانشمندی کی باتیں اتاریں

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ اور رسول انکو کتاب اور دانشمندی کی تعلیم دیتا ہے،

دونوں منزل، دونوں من جانب اللہ، اور رسول کا فریضۂ تعلیم و تبلیغ،

مؤلف کو معترض سے حرف بحرف اتفاق ہے، مگر ان آیتوں میں دو چیزوں کا ذکر ہے، ایک تو کتاب کا اور دوسری حکمت (دانشمندی) کا، کتاب تو ہم سمجھے کہ اس سے مراد کتاب الٰہی یعنی قرآن ہے، لیکن دوسری چیز حکمت جو رسول پر اتری تھی وہ کیا ہوئی؟ کیا مسلمانوں نے کھو دی، یا محفوظ ہے، اگر محفوظ ہے تو کتاب کے بعد وہ چیز کیا ہے؟

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ رسول پر دو چیزیں اتریں اور اس نے ہم کو دو چیزیں سپرد کیں ایک کتاب الٰہی اور دوسری حکمت ربانی، یہ حکمت ربانی رسول پر اتری، اور اس کے ذریعہ اس نے حکمت کی باتیں خدائی الہام سے پائیں، اور مسلمانوں کو سکھائیں جس طرح قرآن رسول کے قلب پر اترا جیسا کہ قرآن میں ہے، یہ حکمت ربانی بھی رسول کے سینہ میں اتری اور رسول نے اسکی تعلیم و تبلیغ کی،

للہ الحمد میان من او صلح فتاد

رسول سے صحابہ نے، اور صحابہ سے تابعین نے اس حکمت کو پایا، اور سینوں اور سفینوں میں اس کو محفوظ کر دیا،

اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ نے احادیث کی تحریر و کتابت کا حکم کیوں نہیں دیا، جواب یہ ہے کہ شروع میں اس وقت تک ان کے لکھنے سے ممانعت فرمائی جب تک کتاب الٰہی کی حفاظت کا پورا سامان نہ فرمالیا، جب یہ خدشہ جاتا رہا تو لکھوایا بھی، لکھوا کر بھیجا بھی، اور لکھنے کا حکم بھی دیا، تفصیل کے لیے تدوین حدیث پر مؤلف کے مضامین مطالعہ فرمائیے

اور احادیث وسنن کی طرف خود رجوع فرمائیے،

کسی چیز کی اشاعت اور حفاظت کا ذریعہ صرف تحریر و کتابت نہیں، زبانی یاد رکھنا بھی ہے، کیا کوئی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ صحابہ نے اور خلفاء نے احادیث کی روایت نہیں کی، اور ان کے مطابق مقدمات کے فیصلے اور احکام نہیں جاری کئے؟ اور اگر کئے تو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد آپ کون ہیں جو اسلام سے اُن کو خارج کریں، حافظ اسلم صاحب قرآن کا جو مطلب بیان کریں اور وہ ہم تک ان کے کسی شاگرد رشید کے ذریعہ پہنچے تو اسکی تقلید ضروری لیکن اگر رسول یا خلفاء، یا صحابہ کے شاگردوں کے ذریعہ پہنچے تو بقول ان کے دین سے خارج، اگر قرآن کے کسی حکم میں کوئی خفا ہو تو اسکی جو تفسیر آپ اپنے فہم سے کریں وہ داخل دین، لیکن اگر خود رسول نے اپنے قول یا فعل سے اسکی تفسیر کر دی تو دین سے خارج!

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

رسول اور قرآن | قرآن نے ہمارے سامنے دو چیزیں پیش کی ہیں،

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ (آل عمران ۱۰) — اور تم کیونکر کفر کرتے ہو، درانحالیکہ تم کو اللہ کی آیتیں پڑھکر سنائی جاتی ہیں، اور تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے،

اب اگر صرف آیات اللہ یعنی قرآن منع کفر و ضلالت کے لیے کافی تھا، تو امت کے اندر رسول کی موجودگی کا حوالہ خدا نے کیوں دیا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ہدایت کے لئے دو چیزیں ہیں، ایک کتاب اللہ اور دوسری رسول کی ہستی جس نے قول و عمل اور تعلیم و تزکیہ سے ہم کو ہدایت کی راہ دکھائی، اور یہ وہ واقعہ ہے جسکی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے جس سے نہ آسمان انکار کر سکتا ہے، نہ زمین۔

مؤلف کے بعض فروعی اغلاط | حقیر مؤلف کے اصولی اغلاط کے علاوہ اس کے بعض فروعی اغلاط کا نشان بھی دیا گیا ہے، کوئی مصنف اپنی نسبت عصمت کا دعویٰ نہیں کر سکتا، مگر کاش کہ اس پر صحیح حرفگیری کیجائے،

مؤلف نے لکھا تھا کہ "اتنا ہر ذی عقل تسلیم کریگا کہ انبیاء علیہم السّلام کے روحانی مدارج و مراتب شہداء سے بہر حال افضل ہیں" اعتراض ہے کہ یہ قیاس کا محل نہیں نص پیش کرو، عرض ہے،

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ — تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جنپر خدا نے انعام کیا

مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ — یعنی انبیاء، صدیق، شہید اور نیک لوگ،

وَالصّٰلِحِیْنَ۔ (نساء-۹)

یہ انبیاء، پھر صدیقین، پھر شہداء، پھر صالحین کی ترتیب فضیلت کی کھلی ہوئی آیت ہے، اگر شہداء کے معنی میں معترض کو شبہہ پیدا ہو تو اس کا حل بھی قرآن میں ہے،

حافظ صاحب کہتے ہیں کہ مؤلف نے حسب ذیل آیت کا غلط ترجمہ یہ کیا ہے، (۲۹۲ جامعہ)

رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ — اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے چھٹی روز حساب سے پہلے کر دے،

اس ترجمہ کا حوالہ سیرت نبوی کے ص ۵۹۳ کا دیا گیا ہے، تمام دنیا دیکھ سکتی ہے کہ اس صفحہ پر حسب ذیل ترجمہ درج ہے؛

"اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہماری چٹھی روز حساب سے پہلے جلد کر دے"

یہ تحریف کس نے کی؟ کہا جاتا ہے کہ مؤلف نے اس میں یہ غلطی کی ہے کہ "قط" کا ترجمہ "چھٹی" کیا ہے، "قط" کے معنی چھٹی کے نہیں بلکہ حصے کے ہیں؛ (ص ۲۹ جامعہ) گذارش ہے کہ "قط" کا ترجمہ "چھٹی" (چھوٹی) نہیں کیا گیا ہے بلکہ چٹھی (چ ٹھ ی) کیا گیا ہے، قطّ کے معنی "فرد حساب" کے ہیں، جس کو عام لوگ "چٹھا" کہتے ہیں، مؤلف نے اردو ترجمہ میں بقول آپ کے "اردو کے بہترین اور مستند ترین ترجمہ" یعنی شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ کی پیروی کی ہے؛

"اور کہتے ہیں اے رب شتاب کر دے ہم کو چٹھی ہماری پہلے حساب کے دن سے، (ص-۲)

چٹھی اور چھٹی میں ط کی جگہ کا ذرا سا فرق ہے، کتاب کے چھپنے میں ط کا نشان اپنی جگہ سے ذرا ہٹ گیا ہے، مگر

ع عاقلان بے نقطہ می روند،

سب سے آخر میں یہ الزام لگایا گیا ہے کہ

"ملکۂ سبا بلقیس کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ وہ جنی کے شکم سے تھیں" سیرت ص ۲۰۲، کاش سید صاحب کا قلم ایسی فضول بات سے آلودہ نہ ہوا ہوتا"

اگر مؤلف نے یہ لکھا ہے تو خدا نے بھی یہ کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں، اب کیا حافظ صاحب کو خدا پر بھی اعتراض ہے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب نے اعتراضات کی فراہمی میں کتاب کی صرف ورق گردانی کی ہے، کتاب پڑھی نہیں ہے، مؤلف نے اپنا عقیدہ یہ نہیں لکھا ہے، بلکہ عرب جاہلیت کے قبل از اسلام بیہودہ خیالات اور باطل اوہام کی تشریح میں اس کا ذکر کیا ہے، پہلے عرب شاعر کا یہ شعر لکھا ہے،

قاتل اللہ بنی السعلاۃ خدا سعلاۃ (جنّنی) کے بیٹوں کو ہلاک کرے،

اس کے نیچے اس کی شرح مین لکھا ہے کہ بلقیس ملکۂ یمن سعلاۃ ہی کے پیٹ سے تھی، یعنی اہل عرب کے زعم باطل مین، افسوس ہے کہ حافظ صاحب نے یہ نہین دیکھا کہ یہ بیان کس باب کے نیچے ہے، کاش کہ حافظ صاحب کا قلم ایسی فضول بات سے آلودہ نہ ہوا ہوتا،

مواعظ | حافظ صاحب کو گلہ ہے کہ اس میں کہیں کہیں مؤلف کے "مواعظ" آ گئے ہیں، مثلاً خدا کی محبت کا بیان، جو ص۲۱۲ سے ص۲۳۴ پر جا کر ختم ہوا ہے، جس کو انھون نے اگر اپنی کسی صوفیانہ تصنیف کے لیے محفوظ رکھ لیا ہوتا تو بہتر ہوتا، مین معترض کے طرز بیان کی رکاکت کو چھوڑ کر اس کے علم کے لئے کہتا ہون کہ یہی وہ "مواعظ" ہیں، جنھون نے کئی نوجوانون کو عیسائی ہونے سے بچایا ہے، اور یہ اگر وعظ ہے، تو سارا قرآن وعظ ہے، اس سے بھی ہاتھ اٹھا لیجئے،

اجنّہ | اعتراض ہے کہ مؤلف نے سیرت میں "جن" کی جمع کے لئے لفظ "اجنّہ" استعمال کیا ہے، حالانکہ عربی لغت کے رو سے یہ صحیح نہیں، اور اس پر ایک آیت سے بھی استدلال کیا ہے کہ جن کی جمع اجنّہ استعمال کرنا قرآن کے رو سے ناجائز ہے!

مؤلف کو اس غلطی کا اعتراف ہے، مگر عرض اتنی ہے کہ اس غریب نے کتاب اردو مین لکھی ہے، عربی میں نہین، اگر عربی میں لکھتا تو شاید حافظ صاحب کو بھی اعتراف ہوگا کہ اُن سے بہتر لکھتا، لیکن بدقسمتی سے وہ اردو مین لکھی گئی ہے، اردو کے بعض عربی خوان اہل قلم کو یہ دھوکا ہے کہ عربی کے الفاظ اور جمعون کو اردو مین صحیح عربی طریق سے لکھنا ضروری ہے، تاکہ عربی سے ناواقفیت کا الزام نہ آئے، مگر صحیح یہ ہے کہ عربی الفاظ اور اُن کی جمعین وہی صحیح ہیں، جو اردو مین رواج پذیر ہو گئی ہیں، جو علامۂ وقت ان کی تصحیح پر کمر باندھتا ہے، وہ علامگی کا ثبوت

دیتے ہیں، وہ زبان کے تصرفات کی تاریخ سے ناآشنا ہیں، اردو مین جِنّ کی بطریق عربی دو جمعین مستعمل ہین، جنّات، اور اجِنّہ اور دونوں عربی قاعدہ سے غلط ہین، مگر اردو مین دونوں صحیح ہین، عربی میں اس لفظ کی صحیح جمع جِنّۃ ہے، مگر کیا اردو میں یہ جمع کبھی مستعمل ہوئی ہے، اجنہ جنین کی جمع عربی میں ضرور ہے، مگر قرول باغ مین جامعہ ملیہ ہی سے قریب طبیہ کالج ہے وہان جنینون کے لئے اَجِنّہ ذرا جا کر بولئے پھر دیکھئے، کہ خود بولنے والے کو وہ اجنہ کا ایک فرد سمجھنے لگتے ہین یا نہین، اردو میں جِنّ کی جمع اجنہ اور جنّات دونون صحیح اور فصیح ہیں اور ان پر اعتراض کرنا نارواعلمیت کا اظہار کرنا ہے، اسی موقع پر صائب اپنے اس مصرع پر

جامہ را فاختہ ساختہ یعنی چہ !

مخاطب فارسی اور غائب عربی (یعنی) کے ملایانہ اعتراض کے جواب میں کہا تھا،

شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد !

سفرِ افغانستان

(۴)

میرے بعد ڈاکٹر اقبال کھڑے ہوئے، اور اپنے فلسفیانہ اندازِ بیان میں حسب ذیل تقریر ارشاد کی، جو اس موقع پر بہت پر اثر ثابت ہوئی،

ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال کی تقریر سید سلیمان صاحب ندوی اور ڈاکٹر سر راس مسعود کی تقریروں کے بعد جنمیں ہمارے جذبات کی نہایت خوبی سے ترجمانی کیگئی ہے، اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں ہے جسکو میں بیان کروں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انجمن ادبی کابل کے ارکان مجھے بھی یہ توقع رکھتے ہونگے کہ خیر مقدم اور خوش آمدید انھوں نے جس لطیف اور بلیغ ترین انداز میں کیا اور کہا ہے اسکے جواب میں میں بھی کچھ عرض کروں، میں انجمن ادبی کابل کا بہت ممنون ہوں کہ اُسنے اپنی مہربانی سے میرے متعلق نظم ونثر میں اچھے خیالات اور پر احساس جذبات ظاہر کئے ہیں،

میں بھی خواہش رکھتا ہوں کہ صرف اور صرف انجمنِ ادبی کابل کے نوجوان ارکان کے عملی پہلو (فعالیت) اور کارروائیوں سے بحث کروں، کوئی شک نہیں کہ انجمن اپنے کام کی اہمیت اور ذمہ داری سے بخوبی آگاہ ہے، میرا یہ عقیدہ ہے کہ آرٹ یعنی ادبیات یا مصوری یا موسیقی اور یا معماری، جو بھی ہو ہر ایک زندگی کی معاون اور خدمتگار ہے اور اسی بنا پر آرٹ کو چاہئے کہ میں ایجاد کہوں نہ تفریح، شاعر ایک قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد یا برباد کرسکتا ہے، اسوقت جب حکومت کوشش کررہی ہے کہ موجودہ زمانہ میں افغانستان کی تاریخ نئی زندگی کے میدان میں داخل ہو تو اس ملک کے شعرا پر لازم ہے کہ اخلاف نوجوان کے لیے سچے رہنما بنیں، زندگی کی عظمت و بزرگی کے بجائے موت کو زیادہ بڑھا کر نہ دکھائیں، کیونکہ "آرٹ" جب موت کا نقشہ کھینچتا ہے اور اسکو بڑھا کر دکھاتا ہے اسوقت وہ سخت خوفناک اور برباد کن"

ہو جاتا ہے، اور جو حسن، قوت سے خالی ہو وہ محض ایک پیغام موت ہے،

دلبری بے قاہری جادوگری است　　　　دلبری با قاہری پیغمبری است

میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ کو ایک مرکزی نقطہ کی طرف مبذول کراؤں، حیات نبوی صلعم کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے، روایت ہے، کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کے حضور میں امرؤالقیس کے، جو مشہور عرب شاعر ہے، کچھ اشعار پڑھے گئے، ارشاد ہوا،

اشعر الشعراء و قائدهم الى النار　　　　تمام شاعروں میں بہتر شاعر، اور انکو دوزخ کی طرف لیجانے والا،

اس ارشاد سراسر رشاد سے واضح طور پر روشن ہوتا ہے کہ شعر کا کمال بعض اوقات لوگوں پر برا اثر ڈالتا ہے، ایک قوم کی زندگی کی موقوف علیہ چیزیں محض شکل و صورت نہیں، بلکہ جو چیز حقیقۃً قوم کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے وہ وہ "تخیل" ہے جس کو شاعر قوم کے سامنے پیش کرتا ہے، اور وہ بلند نظریات ہیں جنکو وہ اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتا ہے، قومیں شعراء کی دستگیری سے پیدا ہوتی ہیں، اور اہل سیاست کی پامردی سے نشو و نما پاکر مرجاتی ہیں، پس یہ خواہش ہے کہ نوجوان افغانستان کے شعراء و انشاپرداز ہم عصروں میں ایسی روح پھونکیں جس سے وہ رفتہ رفتہ اخیر میں اپنے کو پہچان سکیں، جو قوم ترقی کے راستہ پر چل رہی ہے اس کی "انانیت" خاص تربیت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، اگر وہ تربیت جبکا خمیر احتیاط کے ساتھ اٹھایا جائے، پس انجمن کا کام یہ ہے کہ نوجوان نسلوں کی فکر کو ادبیات کے ذریعہ سے متشکل کرے، اور ان کو ایسی روحانی صحت بخشے کہ وہ بالآخر اپنی "انانیت" کو پالیں اور قابلیت بہم پہنچاکر پکار اٹھیں،

دو دستہ تیغم و گردوں برہنہ ساخت مرا　　　　فساں کشید و بروی زمانہ آخت مرا
من آں جہان خیالم کہ فطرت ازلی　　　　جہان بلبل و گل راشکست و ساخت مرا
نفس بسینہ گدازم کہ طائر حرمم　　　　تواں زگرمی آواز من شناخت مرا

میں ایک اور نکتہ بھی کہنا اور گذر جانا چاہتا ہوں، موسیو کیپنی نے ایک اچھا نظریہ قائم کیا ہے، جسکا مقصد یہ ہے کہ اٹلی کو چاہئے کہ اپنی نجات حاصل کرنے کے لئے ایک کروڑپتی کو پیدا کرے جو اٹلی کے گریبان کو اینگلو سکسن اقوام کے قرضہ جات کے چنگل سے چھڑا سکے، یا کسی دوسرے دانتے کو پیدا کرے جو نئی جنت پیش کرے، یا کسی نئے کولمبس کو حاصل کرے جو ایک نئے براعظم کا پتہ چلائے، اگر آپ مجھ سے افغانستان کی نجات کے متعلق سوال کریں تو میں کہونگا کہ افغانستان کو ایک ایسے مرد کی ضرورت ہے جو اس ملک کو اس کی قبائلی زندگی سے نکالکر وحدتِ ملی کی زندگی سے آشنا کرے، لیکن مجھے خوشی ہے، کہ افغانستان کو ایک ایسا مرد مل گیا ہے، جسکا وہ عرصہ سے انتظار کر رہا تھا، مجھے یقین ہے کہ اعلیحضرت نادر شاہ کی شخصیت ایجاد کار کو اسی لیے پیدا کیا گیا ہے، کہ افغانستان کا ایشیا میں ایک نئی قوم بنا کر دنیا سے تعارف کرائیں، اس وطن کے نوجوانوں کو چاہئے کہ اس بزرگ رہنما کو اپنی تعلیم و تربیت کا معلم سمجھیں، کیونکہ ان کی تمام زندگی ایثار، اخلاص، اور اپنے ملک کیساتھ صداقت، اور اسلام کے ساتھ عشق و محبت سے لبریز ہے"

ان تقریروں کے بعد لوگ کھانے کے لئے اٹھے، کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا سامان یعنی آفتابہ اور سلفچی موجود تھا، کھانے کا اہتمام ہوٹل کے وسطی کمرہ میں تھا، چاروں طرف پورے حلقہ میں بصورت دائرہ میز بچھی تھی، اور اسکی چاروں طرف کرسیاں لگی تھیں، پورا دائرہ مہمانوں سے بھرا تھا، میرا اندازہ ہے کہ پچاس ساٹھ آدمی دعوت میں شریک ہونگے، کھانے سب ہندوستانی طرز کے مطابق پہلے ہی سے دسترخوان پر لگا دیئے گئے تھے، کھانے میں مختلف اقسام کے گوشت، کباب، مرغ اور مختلف انواع کے پلاؤ، اور بعض یورپین مذاق کی چیزیں تھیں، کھانے میں خاص افغانستان کی کوئی ممتاز چیز نہیں معلوم ہوتی تھی، اور ہم کو ان میں اور ہندوستان کے دسترخوان اور الوان نعمت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا،

میرے پاس ایک پیر کہن سال افغان بزرگ تھے، جو ہندوستان میں سالہا سال رہ چکے تھے، سر سید احمد خاں مرحوم سے ملے تھے، اور حکیم اجمل خاں مرحوم سے بھی اُن کی محبت اور دوستی تھی، اردو اچھی بولتے تھے، اور باایں ہمہ سن و سال، ضعفِ قوی، اور ضعفِ اشتہا کا کوئی عملی گلہ ان کو نہ تھا،

کھانے کے بعد پھر پہلے کمرہ میں آکر لوگ بیٹھے، اور اب مجلس پہلے کی طرح باقاعدہ نہ تھی میں وسط مجلس میں ایک اور جگہ جاکر بیٹھا، جہاں ایک مصری فاضل زیدان بدران (رکن دائرۂ تعلیم وتربیت و دارالتالیف) نامی اور ایک بخارا فاضل جو عربی کے شاعر و ادیب تھے، بیٹھے تھے، ان سے دیر تک عربی میں گفتگو ہوتی رہی، بخاری فاضل بالشویک حکومت سے بھاگ کر یہاں پناہ گزیں تھے، اپنے ملک کے دردناک قصے سناتے تھے، اور کہتے تھے کہ عنقریب ہندوستان آکر ملیں گے، موصوف کی تعلیم شام میں ہوئی تھی،

جس طرح ہندوستان میں پان یا الائچی کھاتے ہیں، یہاں بادام، ورپستے بھنے ہوئے تشتریوں میں رکھے ہوتے ہیں، جن کو لوگ شغل اور تفکہ کے لئے کھاتے رہتے ہیں، یہاں پان کا وجود نہیں ہے، حقہ بھی ہم نے نہیں دیکھا البتہ نئے لوگوں میں سگریٹ اور سگار کا رواج خاصہ ہے، ڈاکٹر اقبال صاحب کا دلپسند مشغلہ حقہ ہے، ان کا حقہ بھی ان کا رفیق سفر تھا، چائے کے متعلق یہاں رواج یہ ہے کہ پہلی پیالی تو میٹھی ہوتی ہے، پھر دوسری پیالیاں بے شکر کے تلخ پی جاتی ہیں؛

مہمانوں میں ایک شنواری مولوی صاحب بھی تھے، دہلی اور دیوبند میں تعلیم پائی تھی، کہتے تھے کہ شاہ امان اللہ خاں نے اپنے اصلاحات کی نسبت مجھ سے فتوی پوچھا تھا، تو میں نے "دین و دولت" دونوں کے فائدوں کو پیش نظر رکھکر ان کے متعلق اپنی رائے لکھی، اور ہر مسئلہ کے سامنے اس کا جواب لکھکر ان کی خدمت میں پیش کیا، شاہ ممدوح اس کو پڑھکر نہایت برہم ہوے اور مجھے نظر بند کر دیا،

یہ مجلس ۱۰ بجے تک قائم رہی جس کے بعد سب لوگ ایک دوسرے سے ملکر رخصت ہوئے، ہم لوگ بھی اپنے قیام گاہ دارالامان میں واپس آئے، رات بآرام بسر کی، سردی ہمارے صوبہ کے دسمبر کی راتوں سے زیادہ نہ تھی، پلنگ پر جو کمبل لگے ہوئے تھے، وہ کافی تھے،

باغ بابر | آج اکتوبر کی ۱۹ تاریخ تھی، سردار خاں سے طے تھا کہ آج کابل کے بعض قابل دید مقامات کی سیر ہوگی صبح کی چائے اور ناشتہ سے فارغ ہوکر جو ہر شخص کو علحدہ علحدہ اس کے کمرہ میں پہنچا دیا جاتا تھا، میں باہر نکلنے کے لئے تیار

ہو گیا، تھوڑی دیر میں سردار خان آئے، اور ان کے ساتھ سب سے پہلے باغ بابر گیا، یہ باغ موجودہ آبادی سے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، دامن میں باغ اور فوارے ہیں، اور اس سے اونچائی پر باغ کی عمارت ہے، اور اس سے اوپر پہاڑی کے بالکل نیچے ایک احاطہ میں شہنشاہ بابر کا کھلا مزار ہے، مزار اور باغ کے بیچ میں جو عمارت ہے سنا ہے کہ امیر عبدالرحمن خان نے بنوائی ہے، اس اونچی عمارت اور زیریں باغ اور فواروں کو دیکھکر شالامار باغ لاہور کا ایک چھوٹا سا منظر نظر کے سامنے آگیا،

میرے کابل پہنچنے سے پہلے اسی باغ میں کابل کی بلدیہ (میونسپلٹی) کی طرف سے ہمارے رفقاء کو گارڈن پارٹی دی گئی تھی، لیکن چونکہ میں اس میں شریک نہ تھا اس لئے اسکی تفصیلات کی مجھے اطلاع نہیں،

عمارت مذکور اور مزار کے بیچ میں ہندوستان کی مغل عمارتوں کے نمونہ کی ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہوئی ہے جسے شاہجہان نے ۵۴ھ میں بنوائی تھی، مسجد کی بیرونی چھت کے سامنے کی بلندی پر بادشاہ مذکور کا تاریخی کتبہ مع سالِ بناکندہ ہے، مسجد سے اوپر بلندی پر بابر کے مزار کا احاطہ ہے، اوپر پہاڑ سے سنگستانی چشمہ اترتا ہوا نیچے بہ رہا ہے، احاطہ کے اندر بے سقف کی خالی زمین ہے، اس کے بیچ میں شہنشاہ بابر کا سادہ سنگی مزار ہے، جن لوگوں نے بابر کے بیٹوں اور پوتوں کے مزارات دہلی، آگرہ اور لاہور میں دیکھے ہیں، وہ ان کے مورثِ اعظم کے اس سادہ بے گنبد و عمارت قبر کو دیکھکر بے اختیار اشکِ عبرت بہائیں گے، لیکن اتنی تسکین کیا کم ہے، کہ ۱۲ ہزار کی جمعیت سے ۲۴ کروڑ کے ہندوستان کو فتح کرنے والا آج بھی اپنی قوم کے آزاد ملک کی آزاد سرزمین میں آرام کر رہا ہے، اپنی ایک خود مختار سلطنت کے بناؤ تعمیر میں جو بارہ برس تک خشک پہاڑیوں سے سر ٹکراتا رہا، وہ مرنے کے بعد بھی ایک پہاڑی ہی کے نیچے پتھروں کا مسند اور تکیہ لگائے محوِ خواب ہے،

یہ مزار جہانگیر کے عہد تک کتبہ سے بھی خالی تھا، جہانگیر نے سرہانے پتھر کا ایک کتبہ نصب کرایا ہے جس پر حسب ذیل فارسی شعر منقوش ہیں،

بادشاہے کز جبینش تافتے نورِ الٰہ   آں ظہیر الدین محمد بود بابر بادشاہ

باشکوہ و دولت و اقبال و عدل و داد و دین | داشت از توفیق و فیض و فتح و فیروزی سپاہ
عالم اجسام را بگرفت و شد روشن روان | بہر فتح عالم ارواح چون نور نگاہ
شد چو فردوسش مکان عنوان زمین تاریخ جست | گفتمش فردوس دایم جاے بابر بادشاہ

بابر کے مزار کے ایک پہلو میں ذرا دور ہٹ کر ہندال مرزا اور ہمایوں کے بھائی حکیم مرزا کے مزارات ہیں، اُن کی قبروں پر بھی جہانگیر نے کتبے لگائے ہیں، اور دوسرے پہلو پر دہلی کے عالمگیر ثانی کی دختر گوہر نسا بیگم کی قبر ہے، مزار کا کتبہ حسب ذیل ہے،

"مرقد گوہر نسا بیگم بنت عالمگیر ثانی تاریخ ۲۰ شعبان ۱۲۰۲ھ"

معلوم نہیں یہ "درِ مکنون" دہلی سے کابل کو کیونکر منتقل ہوا،

شہنشاہ بابر کے خاندان کا یہ گور غریباں دیکھکر دل بیحد متاثر ہوا مغفرت کی دعا مانگ کر آنسوؤں کے دو پھول مرقد شاہی پر چڑھائے، اعلیٰحضرت نادرخاں مرحوم نے اپنے زمانہ میں اس مزار کی درستی کرائی ہے، اور اس پر نہایت عمدہ قیمتی پتھروں کے پھول لگائے ہیں،

مزار سے باہر آکر چشمہ سے گذرتے ہوئے نیچے اترے، اور موٹر نے اب شہر خموشاں کے بجائے شہر آبادان کی طرف کوچ کیا،

کتب صنائع نفیسہ | افغانستان میں کتب کا لفظ مدرسہ یا اسکول کے معنوں میں بولا جاتا ہے، مزار بابر سے نکل کر ہم سب سے پہلے مکتب صنائع نفیسہ میں پہنچے، صنائع نفیسہ کے معنی فنون لطیفہ، یا "فاین آرٹس" سمجھئے، اس مدرسہ کو شاہ امان اللہ خان نے قائم کیا تھا، پتھر کی اچھی خاصی دو منزلہ عمارت ہے، سامنے لڑکوں کے کھیلنے کا میدان ہے، یہ میدان احاطہ سے گھرا ہوا ہے، اور احاطہ ایک پھاٹک سے بند ہے، موٹر جیسے ہی پھاٹک پر آکر رکا، بعض اساتذہ نے جو میدان میں کھڑے تھے، اور مدیر مکتب جناب غلام محمد خاں صاحب نے پرتپاک استقبال کیا، اور ایک ایک کلاس میں لیجا کر پورے اسکول کی سیر کرائی کل پانچ سو لڑکے اس میں اس وقت زیر تعلیم تھے، اور فنون لطیفہ میں سے نقاشی،

نجاری، قالین بافی، رنگ ریزی، اور مصوری، وغیرہ کے مختلف کلاس زیر تعلیم تھے نقاشی جس کو وہاں رسامی کہتے ہیں، اس کے معلم ایک ہندوستانی تھے، قالین بافی کے اعلیٰ استاد ایرانی تھے، اور نجاری کے اعلیٰ کلاس میں ایک جرمن تعلیم دے رہا تھا، میں نے ہر ایک کلاس میں جاکر لڑکوں کے کاموں کو دیکھا، میں نے لکھنؤ کا سرکاری آرٹس اسکول دیکھا ہے مجھے یہاں کے صنائع نفیسہ کا کام وہاں سے بہتر نظر آیا، جس درجہ میں بھی ہم لوگ پہنچے اس میں ایک طالب علم ایک خاص نعرۂ خیر مقدم لگاتا تھا، جس کو سننے کے ساتھ تمام طلبہ ادب سے سلام کرتے تھے، میں نے اس نعرہ کے غیر مفہوم نعرہ کا مطلب پوچھا، تو بتایا گیا کہ اس کے معنی خبردار اور ہوشیار کے ہیں،

مصوری کے کلاس میں ایک بوڑھا پٹھان لڑکوں کے سامنے بلندی پر چپ چاپ پڑا تھا، اور سب طلبہ پنسل لئے ہوئے ایک ایک ادا کی تصویر اتار رہے تھے،

قالین بافی کے کلاس کو پورا دیکھا، اون یہیں رنگا جاتا ہے، اور یہیں اس کا سوت تیار ہوتا ہے، اور پھر آخر تک اس کے پورے مراحل یہیں طے ہوتے ہیں، یہ رنگ یورپین ساخت کے نہیں ہوتے، بلکہ پرانے طرز پر ملکی نباتات سے رنگ کر اور ان کو گرم پانی میں جوش دیکر نہایت روشن چمکدار پختہ رنگ اون تیار کرتے ہیں، قالین بنتے ہوئے میں نے سب سے پہلے یہیں دیکھا، چھوٹے بڑے قالینوں کے اندازہ سے چوکھٹے دیواروں سے لگے کھڑے تھے، ان میں اونی دھاگے کے تانے اوپر سے نیچے کی طرف تنے ہوئے تھے، پھر چند لڑکے ایک ایک قالین کے چوکھٹے کے پاس بیٹھکر اس کے تانے بھرنے میں مصروف تھے، ہر قالین کے شروع کرنے سے پہلے اس قالین کا نقشہ اور ڈیزائن بنایا جاتا ہے، یہ نقشہ پہلے تیار کر لیا جاتا ہے، اس میں ہر رنگ کی جگہ اور مقدار اور پھولوں کی صورت اس طرح نقش کیجاتی ہے، جس طرح مصوری کا چارٹ یا نقشہ خطوط اور نقطوں کی صورت میں بنایا جاتا ہے، استاد یا کسی مستعد لڑکے کے ہاتھ میں وہ نقشہ ہوتا ہے اور وہ ایک خاص زبان اور اصطلاح میں ہدایات پڑھتا جاتا ہے، اور لڑکوں کے ہاتھ اُن کے مطابق مشین کی طرح اونی تاروں پر حرکت کرتے جاتے ہیں، اور مختلف نقش و نگار اُن کے ہاتھوں کے نیچے بنتے جاتے ہیں، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ترکی زبان کے الفاظ و اصطلاحات تھے، یہاں کے بنے ہوئے قالین اپنی خوبی

رنگینی، خوشنمائی اور دیرپائی میں ایرانی اور ترکی قالینوں کا مقابلہ کرتے ہیں، افسوس ہے کہ یہ ابھی تک اتنے زیادہ تیار نہیں ہوتے جو بازاروں میں اور بیرونی ملکوں کے مارکٹ میں بھیجے جائیں،

بخاری کے کارخانہ کو دیکھکر جی خوش ہوگیا، لکڑی اتنی اچھی جو میں نے ہندوستان میں نہیں دیکھی، ٹیک کی لکڑی جو بمبئی اور برما میں سب سے بہتر سمجھی جاتی ہے، اس سے وہاں کی لکڑی بہتر تھی، یعنی پختہ، وزنی اور اتنی چکنی کہ چیرنے کے بعد رندے اور خراد کے بغیرہ رندی اور خرادی ہوئی معلوم ہوتی تھی، لکڑی کے گودے میں ایسی خوشنما لکیریں کہ وہ بجائے خود نقش معلوم ہوتی تھیں، اس صیغہ میں لکڑی چیرنا، کاٹنا چھیلنا، ٹکڑے کرنا، اور ٹکڑوں کو جوڑنا تو معمولی کام تھے، آخری کام فرنیچروں کے نقشے اور ڈیزاین تیار کرنے اور ان کے مطابق عمدہ فرنیچروں کی ساخت ہے، اس آخری کلاس کا معلم ایک جرمن تھا، حکومت کا اثر یہ ہے کہ جب میں نے اس کے کلاس کے اندر قدم رکھا، اس نے اسلام علیکم کہہ کر استقبال کیا،

صنائع نفیسہ کے اکثر کلاسوں کو دیکھکر باہر نکلا تو میدان میں اس عظیم الشان اضافہ کو دکھایا گیا جو موجودہ حکومت اس مدرسہ کی عمارات میں کر رہی ہے، یہ عمارات زیر تعمیر معلوم ہوتی تھیں، جب کبھی وہ مکمل ہو جائینگی تو اس مدرسہ کی ظاہری حیثیت بھی بہت بلند ہو جائے گی، اور مدرسہ بہت وسیع ہو جائیگا،

سرکاری موٹر خانہ یہاں سے واپسی میں موٹر خراب ہوگیا، شوفر اس کو لے کر سرکاری موٹر خانہ میں گیا، یہ ایک چھوٹی سی عمارت ہے، جس میں بہت سے گیرج بنے ہوئے ہیں، یہاں خراب موٹروں کی مرمت کیجاتی ہے، افسر موٹر خانہ بڑی توجہ اور التفات سے پیش آیا، سردار خان کے کہنے سے اس نے خراب موٹر کو مرمت کے لئے لے لیا، اور دوسرا عمدہ موٹر اس نے بدل کر دیا، موٹروں کی مرمت و اصلاح کا یہ کارخانہ بھی، موجودہ حکومت کی پیداوار ہے،

نئی دوکانوں کی عمارتیں موٹر خانہ جاتے ہوئے راستہ میں دوکانوں کی جدید عمارتوں کا ایک وسیع سلسلہ نظر آیا، یہ یورپ کی دوکانوں کے طرز پر بنائی گئی ہیں، باہر دروازوں میں پورے پورے شیشے لگے ہیں، تاکہ دکانوں کے بند ہونے کے باوجود اندر کی چیزیں شائقین کو نظر آسکیں، یہ عمارتیں بھی موجودہ حکومت نے دوکانوں کے لئے بنوائی ہیں،

ابھی ان کی تعمیر پوری ختم نہیں ہوئی ہے، یہ دوکانیں جب آباد ہوجائینگی تو کابل پر بمبئی یا کسی یورپین شہر کا دھوکا ہوگا،

ہوائی جہازوں کا میدان ان دوکانوں کے بالمقابل دوسری طرف ابھی کوئی جوابی لائن نہیں بنی ہے، اسی کے سامنے ایک بہت بڑا میدان ہے، جس کو برابر کرکے مسطح کیا گیا ہے، اور اس کو ہوائی جہازوں کے اترنے اور اڑنے کیلئے مخصوص کیا گیا ہے،

بالاحصار کا مکتب حربی اس سے آگے بڑھکر بالاحصار کی پہاڑی اور میدان آیا، یہ مقام کابل کا سب سے بلند مقام ہے، اس کے پاس ہی جھیل یا تالاب سا پانی پھیلا تھا، یہ پہلے کابل کے امراء اور والیوں کا حاکم نشین قلعہ تھا، یہ قلعہ تاتاریوں کے حملہ کے وقت بھی موجود تھا، مگر دراصل بابر نے اس کو مضبوط و مستحکم کیا تھا، ہمایوں نے اپنے بھائی پر جب حملہ کیا تھا تو وہ اس وقت اسی قلعہ میں تھا، یہی وہ قلعہ تھا جس میں خرد سال اکبر کو ظالم چچا نے باپ کی توپوں کے گولوں کے رخ پر اس لئے بٹھا دیا تھا کہ ہمایوں کی توپیں قلعہ پر گولے سر نہ کرسکیں، اکبر نے تخت نشین ہوکر اس کو سر نو درست کیا، جب جہانگیر تخت آرا ہوا تو اس نے کاشی کاری کے کاموں سے اس کو زینت دی، شاہجہان کے زمانہ میں علی مردان خاں حاکم کابل نے جو شاہجہاں کا میر عمارت بھی رہ چکا تھا، یہاں بہت سی نئی عمارتیں بنا کر کھڑی کیں، اور کابل کا موجودہ مشہور چہار چتہ بھی اسی کی تعمیر ہے، اور اسی کے قریب اورنگ زیب نے مسجد گدری بنوائی،

بہرحال اس وقت سے لیکر آج سے پچاس ساٹھ برس پیشتر تک یہ مقام کابل کے امراء اور حکام اور سلاطین سدوزی کا دارالحکومت اور مستقر و قیامگاہ رہا، ۱۲۹۶ ہجری (۱۸۷۹ء) میں جب انگریزوں نے اپنے مقتول سفیر کیونری کے انتقام میں کابل پر چڑھائی کی تو اس تاریخی قلعہ کو بارود لگا کر اس طرح اوڑا دیا کہ وہ راکھ کا ڈھیر اور پتھروں کا انبار ہوکر رہ گیا، اس وقت سے لیکر آج تک یہ مقام اسی طرح ویران پڑا تھا، اور محض عبرت گاہ ایام تھا، سال گذشتہ اعلیحضرت نادر خاں شہید مرحوم نے اس مقام کی تاریخی حیثیت کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے اس کو مکتب حربی (ملٹری کالج) قائم کرنے کے لیے موزوں سمجھا، چنانچہ سال گذشتہ ۱۶؍ ثور کو اعلیحضرت شاہ شہید نے خود اپنے ہاتھوں سے اس تاریخی مقام میں مکتب حربی کا سنگ بنیاد نصب کیا، اور تمام حکام و اشراف و ارباب مناصب اور پرجوش اہل شہر نے اپنے ہاتھوں میں کدالی اور پھاوڑے لیکر اس زمین کو ہموار و مسطح کیا، گویا یہ دن کابل کے قومی جوش و خروش کا سب

بڑا تاریخی منظر ہوتا، جس وقت میں اس میدان میں پہنچا میرے رفیق سرور خاں نے قومی افتخار کے ساتھ اس میدان کی طرف اشارہ کیا، اور افغانوں کی چھ سو برس کی اُن روایات ملی کو جو اس مقام سے وابستہ ہیں، بیک جنبش نگاہ دہرا دیا، ابھی تک مکتب کی عمارت کی طرح نہیں ڈالی گئی ہے، اگر شاہ کی شہادت کا یہ غمناک حادثہ پیش نہ آیا ہوتا تو شاید تعمیر کا کام جلد شروع ہو جاتا،

دو صحابیوں کے مزار بالاحصار کی پہاڑی کے نیچے نیچے موٹر نے حرکت شروع کی اور بالاحصار کے کھنڈر کی دوسری طرف پہنچ کر ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں شاید پہلے آبادی ہو، مگر اس وقت وہ بے نشان ہے، اس سے آگے بڑھ کر ایک پرانے قبرستان کے پاس پہنچے، جو پہاڑی کے دامن میں واقع ہے، اس قبرستان میں ایک طرف مشہور ہے کہ دو صحابیوں کے مزار ہیں، افغانوں میں ان کے نام حضرت تمیم اور حضرت جبیر مشہور ہیں، گو تاریخ سے ان بزرگوں کی شخصیت کا ثبوت بہم پہنچانا دشوار ہے، تاہم شہرت عام کی قطعی تکذیب بھی مشکل ہے، بہرحال وہ صحابی ہوں یا تابعی ہوں شاہ شہید کی حکومت نے عقیدت عام کی بنا پر ان دونوں بزرگوں کی قبروں کی مرمت کرائی ہے، اور جس وقت میں پہنچا ہوں، اس کے چاروں طرف عمارت کا کام جاری تھا، اور معمار اس کے سامنے ایک فوارہ بنانے میں مصروف تھے، دعائے مسنون پڑھکر یہاں سے واپس ہوا،

سفراء کے مکانات یہاں سے واپسی میں اس سڑک سے گذر ہوا، جدھر اکثر دول غیر کے سفراء کے مکانات ہیں، میرے رفیق نے بتایا کہ سلطنتیں اپنے ہاں افغانی سفراء سے مکانات کی نسبت جو برتاؤ کرتی ہیں، وہی اُن کے سفراء کے ساتھ یہاں برتا جاتا ہے، یعنی اگر وہ مکانات کے کرایے لیتی ہیں، تو افغانی حکومت بھی ان سے یہاں کرایہ لیتی ہے، اور جو افغانی سفیروں کو بے کرایہ مکان دیتی ہیں تو ان کو بھی یہاں بے کرایہ مکان دیا جاتا ہے، چنانچہ جب ہم ایرانی سفیر کے قیامگاہ کے نیچے سے گذرے تو بتایا گیا کہ ایرانی حکومت چونکہ افغانی سفیر سے مکان کا کرایہ نہیں لیتی، تو یہاں بھی اس کے سفیر کو یہ مکان دوستانہ بے کرایہ دیا گیا ہے،

امان اللہ خان کے زمانہ ہی سے انگریزی سفارت خانہ ایک اور مقام پر اٹھ گیا ہے، جو کوہ دامن اور مکتب حربی

کے درمیان ہے، اور نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مقام دونوں سلطنتوں کے سیاسی مفاد کے لحاظ سے کہاں تک مناسب ہے'

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

دارالعلوم عربی | اب میں نے یہاں کے عربی مدرسہ کے دیکھنے کی خواہش کی جسکا نام دارالعلوم ہے، یہ مدرسہ پرانے شہر کے اندر ایک گلی میں واقع ہے، سڑک کی ایک گلی پر پہنچکر موٹر رک گیا، یہاں سے اتر کر گلی میں قدم رکھا، تھوڑی دور چل کر ایک بڑے مکان کے اونچے دروازہ کے اوپر دارالعلوم عربی کا سائن بورڈ نظر آیا، اندر سے عمارت خاصی بڑی تھی، دو منزلہ عمارت ہے، اور دونوں میں مدرسہ کی جماعتیں مصروف درس تھیں، رئیس مدرسہ کا نام قاری عبدالرحمٰن خاں ہے، اور مدرسین میں اکثر وہ افغانی علماء تھے جنھوں نے ہندوستان میں تعلیم پائی ہے، مدرسین فارسی زبان میں تقریر کر رہے تھے، طلبہ سروں پر سپید افغانی گول پگڑیاں، اور جسم میں گرم یا روئی دار لبادے تھے، اور ادب سے بیٹھے ہوئے استاد کی تقریریں سن رہے تھے،

سب سے پہلے جس جماعت میں پہنچا، اس میں مشکوٰۃ کا درس ہو رہا تھا، اور مقام وہ تھا جہاں اوقات ثلٰثہ (زوال، طلوع اور غروب) میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے، پھر اس کے مقابل وہ حدیث تھی جس میں بیان ہے کہ اگر طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت صبح کی ادا کرلی، یا غروب سے پہلے عصر کی ایک رکعت تمام کرلی ہے، تو دونوں نمازیں ہو جائینگی، چونکہ امام ابوحنیفہ کا مسلک اس بارہ میں یہ ہے کہ عصر کی نماز تو ہو جائیگی، مگر صبح کی نہیں ہوگی اس لئے مدرس صاحب نے علمائے احناف کے مشہور طریقۂ استدلال کو کہ چونکہ یہ دونوں حدیثیں یعنی منع صلوٰۃ اور اس ایک رکعت کے پالینے پر پوری نمازیں درست ہو جانے والی حدیث میں تعارض ہوا تو ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ عصر کی نماز ناقص وقت میں شروع کی گئی اور ناقص وقت میں تمام ہوئی، اس لئے درست ہوئی، اور صبح کی نماز صحیح وقت میں شروع ہوئی، اور ناقص میں تمام ہوئی، اس لئے وہ درست نہیں ہوئی، میرا جی چاہا کہ عرض کروں کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض سرے سے نہیں، حدیث منع کا منشا یہ ہے کہ عین زوال اور طلوع اور غروب کے وقت نماز شروع نہ کیجائے، اور دوسری حدیث کا مفاد یہ ہے کہ اگر کسی نے طلوع یا غروب سے پہلے نماز شروع کی تھی کہ ایک رکعت

بعد دوسری رکعت میں آفتاب طلوع یا غروب ہوگیا، تو نماز توڑی نہ جائے، تمام کیجائے، اور وہ نمازیں درست ہونگی، لیکن افغان علماء کے تشدد کا خیال کرکے میں نے جرأت نہ کی، سردار خاں نے کہا بھی کہ یہ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں، لیکن میں نے تردید کہ نہیں اس کی ضرورت نہیں،

یہاں سے اٹھکر اوپر کی منزل میں گیا، وہاں ہدایہ کا درس جاری تھا، وہاں بھی خاموش رہا، اس کے مقابل کے دوسرے کمرہ میں ہیئت قدیم میں شرح چغمینی ہورہی تھی، سبق ختم ہوا تو مولنا نے خوش اخلاقی کیساتھ مصافحہ کیا، اور گفتگو کی، اتنی نرمی پاکر میں نے عرض کیا کہ "حضرت اب تو آسمان ہی سرے سے مسلّم نہیں، اور آپ تو آسمانوں کی ترتیب پر استدلال قائم فرما رہے ہیں"، فرمایا کہ کیا کیا جائے یہاں جب تک ان علوم کو نہ پڑھیں، ہم کو ملا ہی تسلیم نہیں کیا جاتا،

مدرسہ کے نصاب جاری کا نقشہ دیکھا، وہی کتابیں تھیں جو ہندوستان کے قدیم عربی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں، طلبہ میں دو باتیں عجیب معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ کوئی طالبعلم بھی پچیس تیس چالیس برس سے کم کا نہیں معلوم ہوا، سبکی اچھی خاصی بڑی بڑی داڑھیاں، دوسرے یہ کہ ان طالبعلموں میں تیزی اور ذہانت کا کوئی ثبوت نہیں ملا، ہمارے ہاں کے عربی مدرسوں میں یوں بھی اگر کوئی باہر کا آدمی آجائے تو جید طالبعلم اپنی ذہانت اور تیزی کی نمائش کیلئے استاد سے سوالات اور اعتراضات اور جوابات کی بڑی قوت دکھاتے ہیں، افغان عربی طلبہ کی یہ سرد طبعی حقیقت میں انکی دماغی قوت کی کمزوری کے سبب سے نہیں ہے، بلکہ طریقۂ تعلیم کی کمزوری اور طرز تربیت کی خرابی سے ہے، ورنہ وہی افغان طلبہ جب نئے علوم پڑھتے ہیں تو ان کی فطری ذہانت اور تیزی آخر پوری طرح ظاہر ہوتی ہے،

ضرورت ہے کہ اس مدرسہ کے نظام تعلیم میں اصلاح کیجائے، اور اسکے نصاب میں نئے علوم کو داخل کیا جائے، اور ضرورت کے مطابق ان طلبہ کے رہنے سہنے کے طور طریق میں صفائی اور بلندی کا خیال رکھا جائے، وہاں علماء کے طبقہ کو ایسا سمجھا جاتا ہے کہ گویا تو شیشہ ہے کہ ذرا ہاتھ لگایا اور ٹوٹا، یا بارود ہے کہ اس میں بے احتیاطی سے ذرا گرمی پہنچی تو بھک سے اڑ جائیگا، اور زلزلہ پیدا کردیگا، یہ خطرہ ایک حد تک صحیح ہے، لیکن اگر افغانستان کو زندہ رہنا ہے تو اس خطرہ سے ایکدفعہ دوچار ہونا لازمی ہے، اور اسکی صحیح صورت یہ ہے کہ طریقہ تعلیم نظام تعلیم اور نصاب تعلیم میں رفتہ رفتہ اصلاح کیجائے، اور ایسے علماء پیدا کئے جائیں جو نئی تعلیم کے نوجوان افغانوں کی رہبری کرسکیں، اور مفید اصلاحات کی پیشرفت میں مدد دے سکیں، علمائے افغانستان نے گذشتہ دور حکومت میں جیسے بڑے کام انجام دیئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آج پھر یہی کام وہ انجام نہ دے سکیں، نظم و اصلاح دین و دانش اور علم و فن کے آج کتنے کام ہیں جو انکی نگاہ التفات کے منتظر ہیں،

(باقی)

صنعت وراقہ

(عہدِ عباسیہ مین)

از

جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڈھی

ذیل کا مضمون آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس ہفتم (منعقدۂ بڑودہ بتاریخ ۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر سنہ ۱۹۳۳ء)

کے شعبۂ اردو (بصدارت مولوی عبد الحق صاحب) مین پڑھا گیا تھا،

عہدِ اسلام مین کتابون کی نشر و اشاعت کا واحد ذریعہ نسخ و کتابت تھا، اور ایک ایسے زمانہ مین جب کہ طباعت کا کوئی طریقہ ہنوز ایجاد نہین ہوا تھا، لوگون کو اس کی اشد ضرورت لاحق ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ فن نسخ و کتابت نے اس زمانہ مین بہت رواج پایا، اور اس طرح اس خاص پیشہ کی بنیاد پڑی جس کو عربی مین **وراقہ** کہتے ہین،

"وراقہ" کے معنی | لفظ "وراقہ" کے اصل "ورق" یعنی کاغذ ہے اور اسی سے "وَرّاق" مشتق ہے، اس کا اطلاق دو معنون پر ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ سمعانی نے لکھا ہے،

"الوَرّاق ھذا اسم لمن یکتبُ المصاحف	وراق اسکو کہتے ہین جو قرآن مجید اور احادیث کی
وکتب الحدیث وقد یُقالُ لمن	کتابین لکھتا ہو، نیز بغداد مین کاغذ فروش کو بھی
یبیع الورق وھو کاغذ ببغداد[1]"	وراق کہتے ہین،

اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ لفظ وراقہ کتابت اور کاغذ فروشی دونون کے لئے مستعمل تھا، لیکن اندلس کے ایک وراقہ پیشہ لغوی اور ادیب ابوبکر الشنترینی (م ۶۷۱ھ) کے اشعار پر سے، جن کو ابن خلکان نے نقل کیا ہے[2]:

[1] کتاب الانساب ورق ۵۹۲ طبع عکسی لندن، [2] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۲۶۴،

اس کے انگریزی مترجم ڈی سلین (de Slane) نے قیاس کیا ہے، کہ وراقہ کے معنی جلد سازی کے بھی آتے ہیں[1]، مگر یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان اشعار سے یہ نہیں پایا جاتا کہ وراقہ کا اطلاق جلد سازی پر کیا گیا ہو، بہر حال وہ اشعار یہ ہیں :-

انّ الوراقة ھی انکد حرفة	یقیناً وراقہ ایک بدترین پیشہ ہے اس کے پتے
اوراقھا وثمارھا الحرمانُ ،	اور پھل مایوسی ہیں،
شبّھت صاحبھا بصاحب ابرة	میں اسکو اس درزی سے تشبیہ دیتا ہوں جو لوگوں
تکسو العراة وجسمھا العریانُ	کو کپڑے پہناتا اور خود ننگا رہتا ہے،

غالباً صاحب موصوف نے "کپڑے پہنانے" سے تجلید مراد لی ہے، مگر جیسا کہ خود ابن خلکان نے لکھا ہے، یہاں اس فن کی کساد بازاری کے لحاظ سے یہ مثال دیگئی ہے ،

رفتہ رفتہ وراقہ کا اطلاق کتب فروشی پر بھی ہونے لگا، جیسا کہ ابن الندیم کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ المتوکل کا وزیر فتح بن خاقان اکثر وراقین کی دکانوں پر جاتا اور وہاں کتب بینی کرتا تھا[2]، اسی طرح خطیب نے تاریخ بغداد کی ستائیسویں جلد میں صاحب اغانی کے حالات میں سوق الوراقین کا ذکر کیا ہے، جہاں سے ابو الفرج اصفہانی بہت سی کتابیں خرید کر لایا کرتا تھا[3]، بقول ابن جوزی بغداد میں کتب فروشوں کے بازار کو "سوق الوراقین" کہتے تھے[4]، اس اعتبار سے لفظ وراقہ حسب ذیل پیشوں کے لئے مستعمل تھا :-

(۱) نسخ و کتابت کے لئے،

(۲) کاغذ فروشی کے لئے،

(۳) کتب فروشی کے لئے،

---

[1] انگریزی ترجمہ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۶۱۰۵۹، [2] کتاب الفہرست صفحہ ۱۶۹ مصر، [3] عربی متن کے لئے دیکھو جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی سنہ ۱۹۱۲ صفحہ ۱۰۱، [4] مناقب بغداد صفحہ ۲۶،

اب ہم بیان ان فنون عنوانات اور ان سے متعلقات کی نسبت دکھانا چاہتے ہین کہ مسلمانون نے کثرت شوق علمی کی بناپر علوم و فنون کی اشاعت کے لئے ان پیشون کو کس قدر ترقی دی تھی، چونکہ مسلمانون کی ترقی تہذیب و تمدن اور اسلامی حکومتون کے عروج کا وسیع زمانہ کئی صدیون پر حاوی ہے، اس لئے ہم نے اپنے موضوع کا دائرہ صرف عہد عباسیہ تک محدود رکھا ہے جو علوم و فنون کا "عہد زرین" سمجھا جاتا ہے،

نسخ وکتابت،

اس مین شک نہین کہ مسلمانون کی علم دوستی اور فنون نوازی کی بدولت اس پیشہ کو غیر معمولی ترقی نصیب ہوئی، اسلام کی ابتدائی صدیون سے لیکر ساتوین صدی ہجری تک اس صنعت کو ممالک اسلامیہ مین بہت فروغ حاصل ہوا، اس کے ماہرین کو وراقین یا نساخین کہتے تھے، جن کا کام کتابون کی نقل و اشاعت تھا، اور جس طرح عرب مین ہر مشہور شاعر کا ایک وراق ہوا کرتا تھا، اسی طرح ہر مشہور عالم کا ایک وراق ہوتا تھا، چنانچہ امام واقدی کے وراق ابن سعد صاحب طبقات الکبیر تھے،[1] مشہور طبیب حنین ابن اسحاق کا وراق ازرق نامی تھا، جس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی جالینوس کی کتابین ابن ابی اصیبعہ نے دیکھی تھین، اور ان پر حنین کے دستخط تھے،[2] سندی ابن علی اسحاق الموصلی کا وراق تھا،[3] ابن عبدوس الجہشیاری کے وراق ایک ادیب احمد بن اخی الشافعی تھے،[4] اسی طرح احمد بن محمد ابو بکر القرشی کو ابو الحسن احمد بن عمیر المعروف بہ ابن قطیس دمشقی (م ۳۵۰ھ) نے اپنا وراق مقرر کیا تھا،[5] محمد بن سعید معروف بہ ابن ملساقہ کو مصر کے مشہور یہودی طبیب افرائیم ابن الزفان نے اپنا کاتب مقرر کیا تھا، ابن ابی اصیبعہ نے اس کی لکھی ہوئی کتابین دیکھی تھین جن پر افرائیم کے دستخط تھے،[6]

نسخ وکتابت کا پیشہ منفعت بخش ہونے کے لحاظ سے لوگون نے عام طور پر اس کو اختیار کیا تھا، حتی کہ بڑے بڑے علماء و فضلا بھی اس پیشہ کو معاش کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے، چنانچہ چوتھی صدی کے مشہور عالم ریاضیات و بصریات ابن ہیثم

---

۱ الفہرست صفحہ ۱۴۹ مصر، ۲ طبقات الاطبا جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ مصر، ۳ الفہرست صفحہ ۲۰۳، ۴ معجم الادبا ریاقوت الحموی جلد ۱ صفحہ ۲۰۱، ۵ ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۰۰، ۶ طبقات الاطبا جلد ۲ صفحہ ۱۰۵،

مصری ہر سال اقلیدس اور مجسطی کے نسخے لکھکر بیچا کرتے اور ہر سال بھر اسی کی آمدنی پر گذارہ کرتے تھے[1] اسی طرح قاضی ابو سعید سیرانی (م ۳۶۸ھ) جو بغداد کے بعض حصوں میں قاضی مقرر کئے گئے تھے اپنے عہدۂ قضاۃ کی تنخواہ نہ لیتے اور اسی کتابت کے ذریعہ کسبِ معاش کیا کرتے تھے چنانچہ اپنے فرائض ادا کرنے سے پہلے روزانہ دس ورق کی کتابت کر لیا کرتے تھے جس کی اجرت انھیں دس درم (تقریباً ۴ روپیہ) روزانہ مل جایا کرتی تھی[2]، فاس (FEZ) کے ایک مشہور ادیب اور قاری ابو العباس احمد بن عبد اللہ الحطیہ نسخ و کتابت پر بسر کرتے تھے[3] ایک اور ماہر نحو و لغت ابو عبد اللہ الکرمانی (م ۳۲۹ھ) اجرت پر لکھا کرتے تھے[4] اسکندریہ کے قاضی عبد الرحمن معروف بابن الجز (م ۵۶۰ھ) جو فقیہ محدث اور نحو و لغت کے فاضل تھے، اجرت پر کتابیں نقل کیا کرتے تھے[5]

کتابت بیکاروں کے لئے بطور ذریعۂ معاش کے

جن لوگوں کے پاس معاش کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا تھا تو وہ نسخ و کتابت سے کسب معاش کرتے تھے، اس کی ایک مثال یاقوت نے بیان کی ہے، کہ ایک عالم احمد بن سلیمان القلیبی کو تنگدستی کی وجہ سے جب فاقہ کشی تک نوبت پہنچی اور ان کے اہل و عیال کھانے تک کو محتاج ہو گئے تو ان کی بیوی کہنے لگی کہ ہم اور تم تو صبر کر سکتے ہیں لیکن یہ دو بچے کس طرح بھوک برداشت کر سکیں گے، لاؤ تمھاری کتابیں فروخت کر ڈالیں، مگر اس کتابوں کے شیدائی نے گوارا نہ کیا، اور اپنی کتابوں کو نقل کر کے فروخت کرنے لگے، اور اس طرح کتابت کا پیشہ اختیار کر کے اس مصیبت اور تنگدستی سے نجات پائی[6]

ایک اور بزرگ یعقوب بن سفیان، جو ترمذی اور نسائی کے مشایخ میں سے تھے تنگدستی کی وجہ سے کتابیں نقل کر کے روزی کماتے تھے، صفدی نے ان کے متعلق ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے، کہ اکثر وہ رات کے وقت لکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ خرچ پاس نہیں رہا تھا اس لئے بہت سرعت کے ساتھ لکھنے لگے، آدھی رات گذری تو آنکھوں میں نزول الماء (پانی اترنا) شروع ہو گیا، حتی کہ چراغ بھی ان کو نظر نہیں آتا تھا، اس حادثہ کی وجہ سے یہ خیال کر کے کہ اب وہ طلب علم سے محروم ہو گئے ہیں گریہ وزاری کرنے لگے اور اسی حالت میں سو گئے، تو خواب میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)

[1] طبقات الاطبا جلد ۲ صفحہ ۹، [2] معجم الادبا جلد ۳ صفحہ ۸۴ و ۱۰۵، [3] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۴۵، [4] بغیۃ الوعاۃ للسیوطی صفحہ ۴۰، [5] ایضاً صفحہ ۲۹۷، [6] معجم الادبا جلد ۱ صفحہ ۳۰-۳۹،

لو دیکھا، آپ نے فرمایا کہ کیون روتے ہو، تو عرض کی کہ حضور میری بینائی چلی گئی، اور اب آپ کی احادیث لکھنے سے محروم ہو گیا اور اپنی مجبوری وطن پر روتا ہون، حضور نے اپنا دستِ شفقت ان کی آنکھون پر پھیرا، اور کچھ پڑھکر دم کیا، پھر جب خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ بصارت عود کر آئی ہے، چنانچہ پھر چراغ کی روشنی مین بیٹھکر نقل و کتابت کے کام مین مصروف ہو گئے۔[1]

الرفاء السری (م ۳۶۲ھ) بغداد مین ایک جید شاعر تھے، امرائے بنو حمدان سیف الدولہ وغیرہ کی مدح مین ان کے کئی قصائد ہین، تنگدستی کی وجہ سے پہلے اپنے اشعار لکھ کر بیچا کرتے تھے، پھر جب بہت مقروض ہو گئے تو کتابون کو لکھ کر بیچنا شروع کیا،[2] بغداد کے ایک جید ادیب اور لغوی ابو نصر سلیمان بن قطرمش (م ۶۲۱ھ) کے باپ نے بہت کچھ سامان اور دولت چھوڑی تھی، جس کو اس نے قمار اور نرد بازی مین اڑا دیا، بالآخر محتاج ہو کر کتابت شروع کر دی اور کئی کتابین لکھین،[3]

ساتوین صدی ہجری مین فن کتابت کس قدر عام اور ارزان ہو گیا تھا، اس کا اندازہ الشنترینی کے اشعار مندرجۂ بالا سے ہو سکتا ہے، یہ معاش کی طرف سے بہت تنگ آگئے تھے، اور جب کوئی معمولی سی خدمت بھی نہ مل سکی تو کسی صوبہ کے گورنر کے ہان کاتب کے کام پر مامور ہوئے، لیکن وہان بھی گردشِ تقدیر نے چین نہ لینے دیا، تو آخر کار وراقہ سے گذران کرنے لگے،[4]

کثرت کتابت کتابت کے سلسلہ مین ایک بات خاص طور پر جاذبِ توجہ ہے، ان کاتبون یا وراقون مین اکثر ایسے زود نویس تھے کہ ان کے حالات پڑھکر ایک طرح کی حیرت طاری ہوتی ہے، حنبلی عالم محدث اور فقیہ احمد بن عبد الدائم المقدسی (م ۶۶۸ھ) بہت خوشخط اور زود نویس تھے، حتی کہ تمام دن مین فرصت کے اوقات مین نو سے زائد کراسہ لکھ ڈالتے تھے، کہتے ہین کہ فقہ کی مشہور کتاب قدوری کو انھون نے صرف ایک رات مین نقل کیا تھا، جو بہت دشوار معلوم ہوتا ہے، بچاس سال تک وہ اس پیشہ مین مشغول رہے، اور جیسا کہ انھون نے اپنے اشعار مین ذکر کیا ہے، دو ہزار جلدون کی کتابت کی اور دو مرتبہ تاریخ دمشق نقل کی جو بہت ضخیم کتاب ہے، اپنی کثرتِ کتابت کی نسبت فرماتے ہین :-

---

[1] نکت الہمیان فی نکت العمیان للصفدی صفحہ ۱۳۱۲، [2] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۲۵۳، [3] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۴۶،
[4] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۲۶۴ و بغیہ صفحہ ۲۸۸،

عَجَزْتُ عن حمل قرطاس فعن قلمٍ	قلم و کاغذ کے ساتھ تعلق پیدا کرکے اب میں ان کے
من بعد الفی بالقرطاس والقلم	اٹھانے سے عاجز آگیا ہوں،
کَتَبْتُ الثانی الثامنْ مجلدۃٍ	میں نے دو ہزار جلدوں کی کتابت کی ہے جن میں دنیا بھر
فیھا عُلُومُ الوَرىٰ مِنْ غَیْرِ مَا اَلَمِ	علوم بھرے ہوئے ہیں بجز انکے جو بے ضرر ہیں،
ما العلم فخر امرءٍ إلاّ لِعَامِلِہٖ	علم پر عالم باعمل ہی کو فخر ہو سکتا ہے، اگر عمل نہ ہو
اِن لَم یکُنْ عَمَلٌ فالعِلمُ کَالعَدَمِ	تو علم کوئی چیز نہیں ہے،
ما زلت اُطلبُہ دَھری وَاکتُبُہٗ	میں عمر بھر تحصیل علوم کرتا رہا اور ان کو لکھتا رہا یہانتک
حتی ابتلیتُ بِضُعفِ الجِسْمِ الھرمِ[۱]	کہ میں ضعف و پیری میں مبتلا ہو گیا،

بغداد کے مشہور فلسفی یحیی بن عدی کی نسبت ابن الندیم کا بیان ہے کہ وہ کثیر النسخ تھا، ایک مرتبہ کسی دوست نے کثرت کتابت پر ٹوکا، تو کہنے لگا کہ تمھیں اس وقت کس بات پر تعجب ہوتا ہے، میرے اس قدر کثرت سے بیٹھے رہنے اور مطالعہ کرنے پر تم تعجب کرتے ہو، حالانکہ میں نے اپنے قلم سے تفسیر طبری کے دو نسخے نقل کرکے اطراف و نواح کے سلاطین کو پیش کئے ہیں، اور متکلمین کی کتابیں جو لکھی ہیں ان کا تو شمار ہی نہیں ہے، اور بخدا! آج بھی دن رات میں ایک سو سے زیادہ اوراق لکھتا ہوں[۲]،

چھٹی صدی ہجری کے ایک محدث شاعر اور ادیب عبد الرحمان مشہور بہ ابن اخوۃ العطار (م ۵۴۸ھ) کی نسبت شاکر الکتبی نے لکھا ہے کہ انھوں نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں، ابن النجار نے کتاب التنبیہ مصنفہ ابو اسحاق شیرازی ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی تھی، اس کے آخر میں انھوں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک دن میں لکھی گئی ہے، انھوں نے اپنے ہاتھ سے ایک ہزار کتابیں لکھی تھیں[۳]، ساتویں صدی کے ایک محدث فلسفی اور مورخ ابن القوطی (۶۴۲ھ، ۷۲۳ھ) کو نسخ میں ید طولی حاصل تھا، اور نہایت خوشخط کاتب تھے، روزانہ اپنے قلم سے چار کراسہ لکھتے تھے، اس حالت میں کہ وہ بیٹھ کے

۱؎ نکت الہمیان صفحہ ۹۹ و فوات الوفیات جلد ۱ صفحہ ۳۴۶، ۲؎ تاریخ الحکماء للقفطی صفحہ ۳۶۹ طبع جرمنی۔
۳؎ فوات الوفیات جلد ۱ صفحہ ۲۶۸،

بل لیٹے ہوئے پہنچتے تھے، انھوں نے ایک کتاب پچاس جلدوں میں لکھی ہے جس کا نام مجمع الآداب فی معجم الاسماء علی معجم الالقاب ہے[۱]

کاتبوں کی کثرت

نسخ وکتابت کے پیشہ کے رواج اور کاتبوں کی کثرت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اکثر ذاتی، پبلک، اور شاہی کتبخانوں میں نقل وکتابت کے لئے کاتب بڑی تعداد میں رکھے جاتے تھے، اور ان کو بیش قرار تنخواہیں دیجاتی تھیں چنانچہ بنو عمار نے طرابلس الشام میں جو عظیم الشان کتبخانہ قائم کیا تھا، اس میں ۱۰۰ کاتب نقل وکتابت پر مامور تھے، جن میں سے تیس ملازمین شب و روز کے کسی حصہ میں بھی کتب خانہ سے علٰحدہ نہیں ہوتے تھے[۲]، اسی طرح مشہور مورخ ابوالفداء (والی حماۃ) کے کتبخانہ میں کئی کاتب ملازم تھے، ساتویں صدی کے وسط میں وزیر امین الدولہ ابوالحسن ابن الغزال کے کتبخانہ میں بیسیوں کاتب مقرر تھے، ایک مرتبہ اس نے حافظ ابن عساکر کی تاریخ دمشق کو نقل کرانا چاہا جو بہت باریک خط میں ۸۰ جلدوں میں لکھی ہوئی تھی، وہ دس کاتبوں کو لکھنے کے لئے دی تو ہر ایک کے حصہ میں آٹھ جلدیں آئیں، اور وہ دو سال تک لکھتے رہے، تب یہ کتاب پوری ہوئی[۳]، اسی طرح قاہرہ[۴] اور شیراز[۵] کے کتبخانوں میں بھی کاتب مقرر تھے، مثلاً مصر میں خلیفہ العزیز کے کتب خانہ میں، اور اندلس میں[۶] الحکم کے کتبخانہ میں[۷]، ابن خلکان نے فراء نحوی کے حالات میں اس کی دو کتابوں الحدود اور کتاب المعانی کو مامون کی فرمایش سے نقل کرانے کا واقعہ لکھا ہے، جس سے کاتبوں کی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے، فراء نحوی جب خلیفہ المامون کے پاس پہنچا تو اصول نحو پر ایک کتاب تصنیف کرنے کی اس کو فرمایش کی گئی اس کام کے لئے وراقین کو لکھنے کے لئے بٹھایا گیا، چنانچہ دو سال میں فراء نے کتاب الحدود لکھوائی، اس کے بعد جب کتاب المعانی لکھوائی تو املار کے لئے کاتبوں کو بلوایا، چنانچہ اتنے کاتب حاضر ہوئے کہ ان کا شمار نہ ہو سکا اور صرف ان میں جو لوگ قاضی تھے ان کو شمار کیا گیا تو ۸۰ کی تعداد میں تھے[۸]،

اسی طرح وزیر ابن کلس کے حالات میں لکھا ہے کہ اس کے مکان میں کاتبوں کی ایک جماعت مقرر تھی جو صرف قرآن کریم کی کتابت کیا کرتے تھے، ایک اور جماعت حدیث، فقہ، ادب، طب وغیرہ لکھنے پر مامور تھی، اور کئی کاتب صرف

---

[۱] فوات الوفیات جلد ۱ صفحہ ۲۰۷، [۲] تاریخ ابن الفرات قلمی ورق ۱۴۷ (الزہراء مصر) [۳] طبقات الاطباء جلد ۲ صفحہ ۲۳۴-۲۳۶، [۴] خطط مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۰۸، [۵] معجم الادباء جلد ۵ صفحہ ۳۴۴، [۶] مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۰۹، [۷] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ [۸] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۸،

قرآن مجید کے نسخون پر اعراب اور نقطے لگانے پر مقرر تھے[۱]

خوش نویسی | ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد مین نسخ وکتابت سے متعلق ہر چیز کو حیرت انگیز ترقی ہوئی، اس کے ساتھ ہی خطاطی اور خوشنویسی کا فن بھی معرض وجود مین آیا، جس نے بنو مقلہ، ابن البواب اور یاقوت مستعصمی جیسے ماہر خطاط اور استاد پیدا کئے، ان خوشنویسون مین بڑے بڑے علماء اور مصنفین تھے، مثلاً محدث ابن جوزی، جوہری مصنف کتاب الصحاح، اور نامور مفتی عبد المومن اصفہانی وغیرہ، ان خوشنویسون کی تحریرین خاص طور پر قابل قدر سمجھی جاتی تھین، اور اس اعتبار سے ان کی قیمت بھی زیادہ ہوا کرتی تھی، یاقوت بن عبداللہ الموصلی (م ۶۱۸ھ) جس کی کنیت ابوالدر (موتیون والا) تھی، بہت مشہور خوشنویس تھا، چنانچہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس کا خط تمام آفاق مین پھیل گیا ہے، جوہری کی کتاب الصحاح سے اس کو خاص شغف تھا، چنانچہ اس کے کئی نسخے لکھ کر اس نے سو سو دینار پر فروخت کئے[۲]، فخر الکتاب جوینی (م ۵۸۶ھ) بغداد کا مشہور کاتب تھا، اسکی لکھی ہوئی کتابین بڑی قیمت پر فروخت ہوتی تھین، ابن خلکان لکھتے ہین کہ معمرین اس وقت اس کے برابر لکھنے والا کوئی موجود نہین ہے[۳]،

بعض مشہور خوشنویسون کی کتابت اس قدر مرغوب ہوتی تھی کہ ان کی تحریرون مین غلطیان ہونے کے باوجود ان کی بہت قدر ومنزلت کیجاتی تھی، چنانچہ ابن القصار (م ۵۶۷ھ) بغدادی کی لکھی ہوئی کتابون کی، باوجود کتابت کی غلطیون کے بڑی بڑی قیمتین لگائی جاتی تھین[۴]،

اسلامی عہد تہذیب وتمدن مین خوشنویسی اور خطاطی کا فن ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، اور وسیع موضوع ہونے کے لحاظ سے ہم اس پر ایک مستقل مضمون تیار کر رہے ہین، یہان صرف فن کتابت کی مناسبت سے اس کا تذکرہ کیا گیا،

اجرت نسخ | کتابت کی اجرت کی کمی بیشی کا دارومدار اس کی خوشخطی صحت اور ضبط پر ہوتا تھا، اور اس لحاظ سے مشہور کاتبون خطاطون اور خوشنویسون کی تحریرین بہت گران قیمت پر دستیاب ہوتی تھین، قاضی سیرافی فی ورق ایک درم اجرت

---

۱ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۴۳۲، ۲ ایضاً صفحہ ۲۰۷، ۳ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۴۴، ۴ ایضاً صفحہ ۴۳۴،

لیتے تھے[1]، جبرئیل بن بختیشوع طبیب دو سو ورق کا معاوضہ ایک ہزار دینار لیتا تھا، فرّاء نحوی نے جب مامون کے حکم سے کتاب المعانی لکھوائی تو پہلے انھوں نے ۵ ورق فی درہم اجرت بتائی، اس پر فراء نے وراقون کو تنگ کیا تو وہ دس ورق فی درہم لکھنے پر راضی ہوگئے[2]، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری مین بغداد مین ۵ ورق کے لئے ایک درہم اجرت نسخ بہت گران خیال کیجاتی تھی، ابن خرزاذ النجیرمی کی تحریرین اگرچہ خوشخط نہین تھین تاہم کثرت صحت کے سبب سے[3] اہل مصر اس کو بہت پسند کرتے تھے، یہان تک کہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان جریر کا ایک نسخہ دس دینار کو بکتا تھا[4]، مصر کے امیر ابن المسیحی (م ۳۵۰۹ھ) کا خط بہت مرغوب ہونے کی وجہ سے ان کی کتابت کی اجرت فی پچاس ورق ایک اشرفی ہوتی تھی[5]،

کاغذ فروشی

اگرچہ وراقہ کا اطلاق کاغذ فروشی پر بھی ہوتا ہے، لیکن عربی تواریخ مین اس کے تفصیلی حالات نہین ملتے، البتہ فن کاغذ سازی سے متعلق بعض تفصیلات ملتی ہین، جن کا بیان کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کی طرح کتب فروشون ہی کی دکانون پر کاغذ بھی فروخت ہوتا تھا، کاغذ ساز کے لئے لفظ "کاغذی" مستعمل تھا، جیسا کہ علامہ سمعانی نے لکھا ہے[6]، ہمارے ہان گجرات اور کاٹھیاواڑ مین کاغذ فروش کو "کاگدی" کہتے ہین، عربی کتابون مین کاغذ کی اقسام کے سوا کاغذ فروشی اور اس کی قیمتون کے متعلق ہمین کوئی معلومات دستیاب نہین ہوتین، لیکن یہ آسانی سے قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ اسلامی تہذیب کے اس علمی دور مین کاغذ سازی کی صنعت کے رواج سے کس قدر کثرت سے کاغذ فروخت ہوتا ہوگا، اور کتنی تعداد مین دوکانین اسلامی ممالک مین کاغذ فروشی کے لئے قائم ہوگئی ہونگی، خصوصاً جب کہ ہمین معلوم ہے کہ جا بجا کاغذ سازی کے کارخانے قائم ہوگئے تھے، چیتھڑون سے کاغذ بنانے کا طریقہ عہد عباسیہ مین ایجاد ہوچکا تھا[7]، اور ۱۳۴ھ[751ء] مین بردی اور کتان سے چین کے طریقہ پر کاغذ بنانا شروع ہوگیا تھا، بعض محققین کا خیال ہے کہ لفظ "کاغذ" چینی زبان کا لفظ ہے، تالاس کے قریب جنگ اطلخ کے بعد چینی اسیران جنگ اس صنعت کو

[1] معجم الادباء جلد ۳ صفحہ ۴۰۸، [2] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۸، [3] ایضاً صفحہ ۱۵۱، [4] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۵۱، [5] کتاب الانساب ورق ۴۷۲، [6] الفہرست صفحہ ۳۲،

سمرقند لائے تھے[1]، تیسری صدی ہجری کے آخر میں کاغذ کا کارخانہ صرف ماوراء النہر میں قائم تھا[2]، اس کے بعد چوتھی صدی میں دمشق[3]، فلسطین[4]، اور طرابلس الشام[5] میں کاغذ سازی کے کارخانے موجود تھے، بایں ہمہ سمرقند کاغذ سازی کا مرکز بنا ہوا تھا، جہاں سے لوگ اپنے کتبخانوں کے لئے کاغذ منگوایا کرتے تھے مشہور انشاپرداز ابوبکر الخوارزمی نے اپنے ایک خط میں مذاقاً اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ چونکہ سمرقند سے بعد مسافت کی وجہ سے کاغذ گراں ملتا ہے اس لئے وہ خط نہیں لکھ سکتا[6]، اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ کاغذ سازی کے مرکز سے دور مقامات پر کاغذ مہنگا فروخت ہوتا ہوگا، ابن الندیم نے کاغذ کے مختلف اقسام کے نام بھی دیئے ہیں[7]، مثلاً فرعونی جو خود مصر میں پاپیرس کا مقابلہ کرتا تھا، سلیمانی منسوب بہ سلیمان بن رشید جو ہارون الرشید کے عہد میں خراسان کا خراجی تھا، جعفری، منسوب بہ جعفر برمکی، طلحی منسوب بہ طلحہ بن طاہر، خاندان طاہریہ کا دوسرا فرمان روا، طاہری منسوب بہ طاہر ثانی جو اسی خاندان کا ایک فرمانروا تھا، نوحی، منسوب بہ نوح اول، آل سامان کا فرمان روا،

جلد سازی

وراقہ کے سلسلہ میں بیجا نہ ہوگا اگر ہم اسلامی فن تجلید کا مختصراً ذکر کریں، مسلمان جلد بندی کے متعلق کس قدر صحیح اور لطیف مذاق رکھتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ عربی تواریخ میں قیمتی چمڑے کی بندھی ہوئی کتابوں کا ذکر آتا ہے[8]، ابن الندیم نے لکھا ہے کہ ابتداء میں جلد بندی کے فن میں پوری مہارت نہ ہونے کی وجہ سے نیز چمڑے کو چونے میں دباغت دینے سے جلدیں سخت اور درشت بندھتی تھیں، اس کے بعد کوفہ میں کھجوروں سے دباغت دینے کی ترکیب ایجاد ہوئی جس کی وجہ سے چمڑے میں نرمی اور لچک پیدا ہوگئی، ابن الندیم نے چند مشہور جلد سازوں کے نام بھی دیئے ہیں[9] جو حسب ذیل ہیں:۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ صفحہ ۶۲۲، [2] اصطخری صفحہ ۲۰۸ طبع یورپ، [3] احسن التقاسیم للمقدسی صفحہ ۱۸۰ طبع یورپ، [4] سفرنامہ ناصر خسرو صفحہ ۱۱ بمبئی، [5] رسائل الخوارزمی صفحہ ۲۰، [6] الفہرست صفحہ ۲۱، [7] صلۃ التاریخ الطبری لعریب القرطبی صفحہ ۰ ولیڈن، [8] الفہرست صفحہ ۱۰۱،

(۱) ابن ابی الحریش، جو مامون کے خزانۃ الحکمہ مین جلد سازی پر مامور تھا، (۲) شفۃ المقراض العجیفی، (۳) ابو عیسیٰ بن شیران، (۴) ومیانۃ الاعسر، (۵) ابراہیم، (۶) اس کا بیٹا محمد بن ابراہیم، (۷) حسین بن الصفار،

آگے چل کر جلدون کو مطلا اور مذہب بنانے اور ان پر نقش و نگار کرنے کا فن بھی بہت ترقی کر گیا تھا، حال ہی مین ایک یورپین مستشرق صارے (Sarre) نے اسلامی جلد بندی پر Islamic Bookbinding کے نام سے ایک ضخیم کتاب شایع کی ہے، جس مین ۳۶ عربی اور ایرانی جلد بندیون کی رنگین تصویرین دی ہین جو اس قدر خوبصورت اور اعلیٰ قسم کی ہین، کہ ان پر اصل کا گمان ہوتا ہے، اور ہم یقین کرنے کے لئے ان کو اپنی انگلیون سے چھو کر دیکھنے لگتے ہین، یہ تصویرین تمامتر برلن کے قیصر فریڈرک میوزیم کی کتابون سے لی گئی ہین،

تذہیب، تلوین اور تصویر

خطاطی اور تجلید کے ساتھ ہی ساتھ کتابون کی آرایش و تزئین کا فن بھی پیدا ہو گیا، چنانچہ کتابون کو رنگین بنانے ان پر طلا کاری کرنے اور ان مین تصویر نگاری کے فن مین اسلامی آرٹسٹ اور ماہر خطاطون نے بڑا کمال پیدا کیا تھا، ان مین بعض اہل علم بھی ایسے تھے جو اس فن مین دستگاہ رکھتے تھے، مثلاً ابو عبید اللہ معروف بہ طرسونی (م ۴۲۳ھ) نحوی لغوی اور ادیب کے تذکرہ مین سیوطی نے لکھا ہے کہ وہ جلد بندی کے علاوہ فن تذہیب مین بھی کمال رکھتے تھے[1]، علامہ سمعانی نے قلعہ شیزر (شام) کے ایک رئیس اور صاحب علم و فن ابو امامہ کی نسبت بیان کیا ہے کہ ان کے ہاتھ کا آب زر سے صوری ابرک پر خوشخط لکھا ہوا قرآن مجید جیسا کہ انھون نے دیکھا ہے ویسا کسی کی آنکھون نے نہ دیکھا ہوگا[2]، ابن الندیم نے مشاہیر ذیل کے نام دئیے ہین جو قرآن مجید پر تذہیب (طلا کاری) کرتے تھے[3]،

(۱) الیقطینی، (۲) ابراہیم الصغیر، (۳) ابو موسیٰ بن عمار، (۴) ابن السقطی، (۵) محمد، (۶) اس کا بیٹا ابو عبد اللہ الخزیمی، (۷) اور اس کا بیٹا جو ابن الندیم کا معاصر تھا،

[1] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۱، [2] کتاب الانساب ورق ۳۴۴ و معجم الادباء جلد ۲ صفحہ ۱۹۰، [3] الفہرست صفحہ ۱۴،

اگرچہ اپنے احکام مذہبی کی بنا پر مسلمان صنعت گرون کی تمام کوششین نقش و نگار اور بیل بوٹون تک محدود رہین، لیکن بعد کو کتابون مین تصاویر بھی دیجانے لگین، چنانچہ یاقوت کا بیان ہے کہ ۶۲۰ھ مین وہ شام مین تجارتِ کتب کے سلسلہ مین گیا تھا، اس کے ذخیرۂ کتب مین ایک نسخہ بلخی کی کتاب صور الاقالیم کا بھی تھا جو نہایت خوشخط اور باتصویر تھا، اس نے سلطان صلاح الدین کے بیٹے ملک الظاہر والی حماۃ کو وہ نسخہ بلاقیمت پیش کیا،[1]

ممالک اسلامیہ اور یورپ کے کتب خانون مین صدہا باتصویر کتابین موجود ہین، جن سے اس صنعت مین مسلمانون کے کمالِ فن کا اندازہ ہوتا ہے، احمد تیمور پاشا کے کتب خانہ مین ایک طبی مجموعہ آنکھون کے علاج مین ۵۹۲ھ کا ابو الحسن عبد الرحمن بن یونس انصاری کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے، جس مین اعضاء جسمانی کی تصویرین ہین، حنین بن اسحاق وغیرہ کی تصنیف سے آٹھ رسائل کا ایک قدیم مجموعہ آنکھون کی ساخت اور امراضِ چشم کے معالجات پر ہے جس مین آنکھ کی عجیب و غریب رنگین تصاویر دیگئی ہین، ان مین سے بعض جرجی زیدان نے اپنی تاریخ آداب اللغۃ مین نقل کی ہین، استنبول مین سلطان محمود کے کتبخانہ مین قانون بوعلی سینا کا ایک باتصویر نسخہ پانچوین صدی ہجری کا لکھا ہوا موجود ہے، جس مین نباتات، مچھلیون اور حیوانات کی تصویرین ہین، اسی طرح دمشق کے مکتبۂ آل ایوبی مین قزوینی کی عجائب المخلوقات کا ایک نسخہ ہے، جس مین عجیب و غریب رنگین تصویرین ہین، لبنان کے ایک عیسائی فاضل جرجیس بک صفا کے پاس ابن فضل اللہ العمری کی مسالک الابصار کی دو جلدین موجود ہین، جن مین حیوانات اور نباتات کی تصویرین ہین، پیرس اور پٹرسبرگ کے کتبخانون مین عربی کتابین باتصویر ہین، ان مین عبد الرحمٰن صوفی کی کتاب الکواکب والصور کا ایک نسخہ ہے، جس مین ستارون کی تصویرین جاندارون کی ہیئت مین بنائی گئی ہین، پٹنہ کے کتبخانہ مین اندلس کے مشہور سرجن ابو القاسم الزہراوی (۴۰۴ھ) کی کتاب التصریف موجود ہے، جس مین آلاتِ جراحی کی تصویرین دی گئی ہین،[2]

تجارتِ کتب

مسلمانون کے علمی ذوق و شوق اور کتابون کی کثرت کی وجہ سے بلادِ اسلامیہ مین تجارتِ کتب کی زبردست

---

[1] معجم الادبار، [2] محاضرات المجمع العلمی العربی جلد ۱ صفحہ ۱۰۵،

منڈیان قائم ہوگئی تھین، اور کاغذ کے رواج نیز قیمتون کی ارزانی کے باعث کتابون کی تجارت کو بڑا فروغ حاصل ہوا ہورخ یعقوبی لکھتا ہے کہ تیسری صدی ہجری مین بغداد مین ایک سو دکانین کتب فروشون کی تھین[1]، مقریزی نے قاہرہ کی سوق الکتبیین کا ذکر کیا ہے[2]، بقول خطیب بغدادی چوتھی صدی ہجری کے وسط مین بغداد مین کتب فروشون کا بازار بہت معمور، بارونق اور دکانین کتابون سے بھری ہوئی تھین[3]، یہ دوکانین چھوٹی چھوٹی ایک دوسری سے متصل اور عموماً کسی مسجد کے قرب وجوار مین واقع ہوتی تھین، لکڑی کی چرکیون پر فروخت کے لئے رکھی ہوئی کتابون کی پشت پر ایک چٹ لگادی جاتی تھی، تاکہ خریدار یا کتب فروش کو کتاب کا نام معلوم کرنے مین آسانی ہو، خود کتب فروش یا اون کے ملازمین اس قسم کی چٹین لگادیا کرتے تھے، اس سلسلہ مین یہ معلوم کرنا لطف سے خالی نہ ہوگا کہ آٹھوین صدی کے ایک نابینا عالم زین الدین آمدی باوجود اندھے ہونے کے کتابون کی تجارت کرتے تھے اور وہ اپنی تمام کتابون کی قیمت سے واقف تھے، اس طرح پر کہ جب کوئی کتاب خریدتے تو ایک باریک کاغذ کی بتی بناکر اس سے حساب جمل کے مطابق حروف تہجی بناکر جلد کے اندر ایک کونے پر چپکا دیتے، اور اس پر اتنا ٹکڑا کاغذ کا لگادیتے جس سے کاغذ دب کر حروف ابھر آتے، اور جب کتاب کی قیمت یاد نہ ہوتی تو اس مقام کو ٹٹول کر معلوم کرلیتے[4]،

عام طور پر کتابین خانگی یا نیلام سے فروخت کیجاتی تھین، اور نیلام کرتے وقت جو شخص آواز لگاتا اس کو منادی کہتے تھے[5]، ان کتب فروشون مین اکثر اہل علم وفضل ہوتے تھے، مثلاً مشہور لغوی اور ادیب ابوحاتم سہل بن محمد السجستانی اور مشہور مورخ وجغرافیہ نویس یاقوت (م ۶۲۶ھ)، وغیرہ ان کتب فروشون کے ایجنٹ بھی ہوتے تھے، جو دلال الکتب اور سمسار الکتب کہلاتے تھے[6]، وہ کتابون کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے، جیسے شاعر الخطیری جو اپنے پیشہ کی وجہ سے دلال الکتب کے نام سے مشہور تھا[7]، اسی طرح مصر مین الوجیہ ابن صورہ کتابون کا ایجنٹ تھا، جو اپنے مکان کے دروازہ پر بیٹھا کرتا تھا، اور دوشنبہ اور چہارشنبہ کو بڑے بڑے علما ورؤسا اس کے ہان جمع ہوتے تھے، اور وہ اپنی کتابین اُن کے ہاتھ

[1] وان کریمر بحوالہ الیعقوبی، [2] خطط مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۶۵، [3] اقتباس از تاریخ خطیب جلد ۲ مندرجہ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۲ء صفحہ ۱، [4] نکت الہمیان صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸، [5] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۹، [6] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۲۳۶، [7] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۸۶،

فروخت کیا کرتا تھا،[1]

قیمت کتب کاغذ کے رواج اور کثرت تجارتِ کتب کی وجہ سے اگرچہ کتابون کی قیمتین نسبۃً بہت ارزان ہوگئی تھین تاہم وہ کچھ زیادہ ارزان نہین معلوم ہوتین، پانچوین صدی ہجری مین جمہرۂ ابن درید کا ایک نسخہ ساٹھ دینار پر (تقریباً سوا چار سو روپیہ مین) فروخت ہوا[2] طبری کی ضخیم کتاب کا ایک نسخہ سو دینار (سات سو روپیہ) مین خرید اگیا،[3] اموی شاعر جریر کا دیوان دو سو دینار (۱۴۰۰ روپیہ) مین بکا،[4] خلیل بن احمد کی کتاب العین کا ایک نسخہ، جسے ایک کتب فروش خراسان سے بصرہ کے بازار مین لایا تھا پچاس دینار (۳۵۰ روپیہ) مین فروخت ہوا،[5] اسکندر افرودسی کی کتاب الاکری شرح (السماع) کے عربی ترجمہ کا ایک نسخہ سو دینار پر خرید اگیا،[6] لیکن رفتہ رفتہ کثرتِ نسخ اور کثرتِ تعداد کتب کی بناء پر کتابون کی قیمت مین تخفیف ہوتی گئی،

یہان کتابون کی قیمت کے متعلق ایک مغالطہ عام طور پر پایا جاتا ہے، جس کو دور کرنا چاہئے، سید امیر علی[7] اطالین مستشرقہ مس اولگا پنٹو (Olga Pinto)[8] اور اس کے تتبع مین پروفیسر کرنکو (Krenkow) نے یاقوت حموی کی ایک تحریر سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس زمانہ مین ایک کتاب کا اوسط قیمت ایک دینار تھا، حالانکہ یاقوت کی عبارت کا یہ مطلب نہین ہے، چنانچہ وہ مرو کے کتبخانہ الدمیریہ سے کتابین مستعار لینے کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے،[9]

لا یفارق منزلی من - مائتی مجلدۃ	میری قیامگاہ کبھی دو سو کتابون سے خالی نہین ہوتی
وأکثرها بلا رهن، تکون قیمتها	تھی اور ان مین اکثر بغیر رہن کے ہوتی تھین جنکی قیمت
مائتی دینار،	دو سو دینار ہوتی تھی،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یاقوت کے پاس مستعار کتابون مین سے اکثر دو سو دینار کی قیمت تک کی کتابون ہوتی تھین اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا کسی طرح صحیح نہین ہوسکتا کہ اس زمانہ مین فی کتاب ایک دینار قیمت کا اوسط پڑتا تھا،

۱؎ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۶۲۳، ۲؎ ایضاً صفحہ ۴۰۷، ۳؎ مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۰۰، ۴؎ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۵۲۲، ۵؎ الفہرست صفحہ ۴۴، ۶؎ طبقات الاطبا جلد ۱ صفحہ ۷۰-۷۹، ۷؎ ہسٹری آف سارا سین صفحہ ۴۰۴ طبع جدید، ۸؎ اسلامی کتبخانے عہد عباسیہ مین ہمارا اردو ترجمہ صفحہ ۲، ۹؎ معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۵۰۹ و ۵۱۰،

بعض اوقات مالی احتیاج کی بنا پر اہم اور قیمتی کتابیں معمولی قیمت پر دستیاب ہوتی تھیں، چنانچہ بوعلی سینا کہتے ہیں کہ میں نے ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعۃ پڑھی مگر اس کے مطالب کو سمجھ نہ سکا، اور باوجودیکہ میں نے اسے چالیس[؟] مرتبہ پڑھکر حفظ کر لیا تھا، پھر بھی اس کو میں اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا تھا، انہی دنوں میں ایک روز عصر کے وقت کتب فروشوں کے بازار میں گیا، اس وقت دلال ایک کتاب نیلام کر رہا تھا، اس نے مجھے ایک کتاب پیش کی جو میں نے بیکار سمجھ کر واپس کر دی، اس نے کہا یہ لو بہت سستی ہے، صرف تین درم (۳) میں دیتا ہوں، اس کے مالک کو روپیے کی ضرورت ہے، چنانچہ اس کے اصرار سے میں نے وہ کتاب خرید لی، یہ ابونصر فارابی کی کتاب فی اغراض مابعد الطبیعۃ تھی جس نے ارسطو کی کتاب کے مطالب مجھ پر واضح کر دیئے، اس خوشی میں میں نے بطور شکرانہ فقراء کو بہت کچھ صدقہ دیا[1]،

کتب فروشوں کی چالاکیاں چونکہ کتب فروشی اس زمانہ میں بہت منفعت بخش پیشہ ہو گیا تھا، اور کتابوں کی بڑی بڑی قیمتیں ملتی تھیں، اس لئے بعض چالاک اور متقی کتب فروش کسی مشہور مصنف کی کتاب میں اضافہ کر کے یا اس کے نام سے منسوب کر کے بڑی بڑی قیمتیں وصول کیا کرتے تھے، چنانچہ مشہور موسیقی دان اسحاق موصلی کی وفات کے بعد ایک کتب فروش نے گیتوں کی ایک کتاب لکھکر اس کے نام سے فروخت کی[2]، اس قسم کی پر فریب حرکتیں ان کتب فروشوں کے بازار میں اکثر ہوتی رہتی تھیں، بعض اوقات جعلی مہروں اور جھوٹی تاریخوں والے مخطوطات معرض بیع میں لائے جاتے تھے، لیکن یہ چالاکیاں کتب فروشوں تک ہی محدود نہ تھیں، بلکہ خریدار بھی بعض اوقات ان کو دھوکا دینے کے لئے آمادہ نظر آتے تھے، چنانچہ عبد اللہ بن احمد الخشاب نحوی کتب فروشوں کے بازار میں پہنچ کر جہاں کتابوں کے ڈھیر نیلام کے ذریعہ فروخت ہوتے تھے، کتابوں کو ٹٹولتے اور جب کوئی کام کی کتاب نکل آتی جسے خریدنا منظور ہوتا تو کتب فروش کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس میں سے کچھ ورق علیحدہ کر دیتے، اور اسے نامکمل بتا کر سستے داموں خرید لیتے، پھر بقیہ اوراق بھی معمولی قیمت پر حاصل کر لیتے[3]، بغداد کے ایک قاضی ابوسعید سیرافی کی نسبت بغداد کے کتب فروشوں ابن الخزاز ابوبکر القنطری اور ابوالحسین الخراسانی کا بیان ہے کہ قاضی صاحب جب کوئی کتاب فروخت کرنا چاہتے تو تنگی معاش کی وجہ سے زیادہ قیمت حاصل کرنے کے لئے اپنے

[1] طبقات الاطباء جلد ۲ صفحہ ۳-۴، [2] الفہرست صفحہ ۱۴۱، [3] بغیۃ الوعاۃ بحوالہ القفطی تذکرۃ النحاۃ صفحہ ۷۰۲

شاگردون سے لکھوا لیتے، اور خواہ اس کا ایک حرف بھی انھون نے نہ دیکھا ہوتا، مگر وہ اس کے آخر مین لکھدیتے کہ مین نے اس کتاب کا اصل سے مقابلہ کرکے تصحیح کی ہے، جس سے مقصد یہ تھا کہ معتبر ہونے کی وجہ سے زیادہ قیمت پر فروخت ہو[1]

کتب فروشون کی دوکانون پر مجالس علمیہ،

اس زمانہ کی علمی سوسائٹی مین کتب فروشون کی دوکانون کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی جہان عام طور سے علمار اور طلبہ کی نشستین رہا کرتی تھین، یہ کتب فروش صرف ناشرین علم ہی نہین بلکہ اکثر وہ خود بھی مصنف ہوا کرتے تھے، سوق الکتب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ وزیر المہلبی نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی، کہ وہ بازار مین سوائے کتب فروشون کی دوکانون کے اور کہین نہ ٹھہرے[2]، اس سلسلہ مین مقریزی نے کسی شاعر کے یہ اشعار نقل کیے ہین[3]:-

مجالسۃ السوق مذموم مۃ — بازار مین بیٹھنا بری بات ہے،
ومنہا مجالس قد تجتنب — اور بعض نشستین ایسی ہین جن پر اجتناب کیا جاتا ہے،
فلا تقربن غیر سوق الجیاد — تو سوائے گھوڑون کے بازار اور ہتیارون کے
وسوق السلاح وسوق الکتب — بازار اور بازار کتب کے اور کہین نہ ٹھہرو،
فہاتیک آلۃ اہل الوغی — کیونکہ وہ جنگجو سورماؤن کے آلات ہین،
وہاتیک آلۃ اہل الادب، — اور یہ (بازار کتب) اہل ادب کا آلہ ہے،

اس بنا پر یہ دوکانین شائقین علم کی تفرجگاہین بنی ہوئی تھین، چنانچہ یاقوت نے سعد نامی کتب فروش کی دکان کا ذکر کیا ہے، جو مقام ربا مین واقع تھی، اور جہان ہر وقت تمام ادبار کی نشست رہا کرتی تھی، یہ سعد کوئی معمولی یا جاہل آدمی نہ تھے بلکہ بڑے علم دوست شاعر اور ادیب تھے[4]، اسی طرح یاقوت نے ابو الغنائم حبشی بن محمد نحوی دم ۵۶۵ھ) کے حالات مین لکھا ہے، کہ جس وقت وہ بغداد مین تھے تو باوجود نابینا ہونے کے ہمیشہ رات کے وقت سوق الکتب مین جو ان کے مکان سے قریب تھی، جایا کرتے تھے، اور اسی طرح بیس برس تک جاتے رہے[5]، ساتوین صدی کے ایک عالم ابن القونغ کی

---

[1] معجم الادبار جلد ۲ صفحہ ۱۹، [1a] الفہرست صفحہ ۳۲، [2] معجم الادبار جلد ۲ صفحہ ۲۳ وتزیین الاسواق، [3] خطط جلد ۳ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶، [4] معجم جلد ۳ صفحہ ۲ ونکت الہمیان صفحہ ۱۴۴،

نسبت سیوطی لکھتے ہین کہ وہ دمشق مین کتب فروشون کے بازار مین بیٹھا کرتے تھے[1] ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) بغداد کی سوق الوراقین کا ذکر کرتے ہوئے، تحریر فرماتے ہین کہ وہ علماء اور شعراء کی نشستگاہ تھی[2] مقریزی نے مصر قدیم کے بازار کتب فروشان کا ذکر کیا ہے، جس کے آثار اسکے زمانہ ۸۰۰ھ تک باقی تھے اور اس کے بعد یہ بازار قاہرہ (مصر جدید) مین منتقل ہو گیا تھا، اسکی نسبت وہ لکھتے ہین کہ یہ بازار ہمیشہ اہل علم کا مرکز اجتماع تھا، جہان وہ بار بار آیا کرتے تھے[3]

خاتمہ،

صنعت وراقہ کی ترقی اور اس کی وسعت کا اندازہ کرنے کے لئے صرف یہ کافی ہوگا کہ ان بے شمار ذاتی، وقف شدہ، شاہی اور عام کتبخانون کی تعداد کتب کا خیال کیا جائے، جو تمام ممالک اسلامیہ کے طول و عرض مین جا بجا مساجد، مدارس، خانقاہون، سراؤن، شفاخانون اور شاہی محلون مین پھیلے پڑے تھے،

ہمارا خیال ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے اتنی کتابین لکھی، لکھوائی اور جمع نہ کی ہون گی جتنی کہ مسلمانون نے اپنے عہد حکومت مین کی تھین، افسوس اور صد افسوس! کہ عربی دنیا کا وہ عظیم الشان سرمایہ جو لاکھون کرورون کی تعداد مین مہیا ہو گیا تھا، اس کا ایک بڑا حصہ حملۂ تاتار کی بدولت غرق دجلہ ہوا، کچھ صلیبی مجاہدین کی وحشیانہ غارت گری سے نذر آتش ہوا، کچھ آپس کی خانہ جنگیون مین برباد ہوا، باین ہمہ آج بھی مشرق اور مغرب کے بڑے بڑے کتبخانون مین فرزندان اسلام کی علمی داستانون کے اوراق لاکھون کی تعداد مین بکھرے پڑے ہین،

کچھ قمریون کو یاد ہین، کچھ بلبلون کو حفظ
عالم مین ٹکڑے ٹکڑے میری داستان کے ہین

---

[1] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۹۰، [2] مناقب بغداد صفحہ ۲۷،

[3] خطط مقریزی جلد ۳ صفحہ ۱۷۵،

تلخیص و تبصرہ

جزیرۂ مالٹا کی موجودہ زبان اور عربی زبان

جزیرۂ مالٹا پر عربوں نے تقریباً ۲۲۰ سال حکومت کی، یہ جزیرہ، جزیرۂ صقلیہ کی اسلامی حکومت کے ماتحت تھا، اس پر صقلیہ کے مسلمانوں نے ۲۵۶ھ میں قبضہ کیا، اور صقلیہ کی اسلامی حکومت کے زوال کے بعد یہ جزیرہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر نارمنوں کے قبضہ میں چلا گیا، اور جب سرزمین صقلیہ سے مسلمانوں کی آخری جلاوطنی ہوئی، تو جزیرۂ مالٹا کو بھی ۶۴۷ھ / ۱۲۴۹ء میں مسلمانوں کے وجود سے خالی کرا لیا گیا،

اس طرح عربوں کو کل ۲۲۰ سال یہاں فرمانروائی کا موقع ملا، عربوں کے بعد یورپ کی مختلف قوموں نے یہاں حکومت کی، مثلاً نارمنوں نے ۱۰۴ برس تک اس پر قبضہ رکھا، جرمنوں کو ۷۲ سال حکومت کا موقع ملا، پھر اسپینیوں نے ۲۴۴ سال حکومت کی، پھر بعض دوسرے عیسائی حکمران ۲۶۸ سال فرمانروائی کرتے رہے، آخر میں کچھ دنوں ترکوں کو بھی حکومت کا موقع ملا، اور عربوں سے پہلے ۳۳۷ برس یونانیوں کی حکومت رہ چکی تھی،

لیکن یہ حیرت انگیز واقعہ ہے کہ مالٹا سے عربوں کی حکومت کے زوال کے تقریباً ایک ہزار برس کے بعد بھی (جب کہ ان سے زیادہ مدت تک دوسری قوموں کو فرمانروائی کا موقع مل چکا ہے، اور وہ اپنی اپنی زبانوں کے ساتھ یہاں رہ چکے ہیں) وہاں کی ملکی زبان پر عربوں کی محض ۲۲۰ سالہ حکومت کے دور کے ایسے گہرے نقوش آج تک قائم ہیں، کہ کوئی ماہر لغت آج مالٹا کی زبان کی اصل بجز عربی کے کسی دوسری زبان کو قرار نہیں دے سکتا،

قومیت کے جدید امتیاز یعنی موجودہ تحریک وطنیت کے دور میں مالٹا میں بھی یہ آواز پیدا ہوئی یا پیدا کرائی

گئی ہے، کہ مالٹا کی ملکی زبان مالطی یعنی مالٹوی ہے، اس کا اساس و بنیاد کسی مستقل منفرد زبان پر قائم نہیں، عربی زبان سے بھی اسے اُسی طرح علاقہ ہے جس طرح دوسری اجنبی زبانوں سے، چنانچہ اسی مناسبت سے مصر کے ایک اہل قلم محمد بک وجیہ نے اس موضوع پر ایک مضمون رسالہ الہلال بابت ماہ فروری ۱۹۳۲ء میں شائع کرایا ہے، موصوف دو مرتبہ مالٹا جا چکے ہیں، اور اہل مالٹا سے روابط رکھتے ہیں، اور مالٹا کی موجودہ زبان سے بخوبی واقف ہیں، انھوں نے مالٹا کی زبان کے ایک لغت، اور بعض رسائل و اخبارات کے اقتباسات دکھا کر عربی اور مالطی زبان کے باہم تعلقات دکھائے ہیں، اور اسی سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ اس وقت مالٹا میں ایطالوی و انگریزی زبانوں میں مسابقت جاری ہے، کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ موجودہ مالطی زبان میں عربی زبان کے بعد زیادہ اثرات ایطالوی زبان ہی کے ہیں، اور حکومت اٹلی آجکل بھی اپنی زبان کے رواج دینے اور برطانوی حکومت اُس کے اثرات کو روکنے میں مصروف ہے، لیکن خود باشندگان مالٹا ایطالوی زبان کے حق میں ہیں، اور اس کو رواج دینے کے لئے کوشاں ہیں، لیکن جزیرہ کی برطانوی دستوری حکومت نہایت شدومد سے اس کی مخالفت پر آمادہ ہے، چنانچہ دستوری قوانین کے رو سے آجکل مالٹا کے مدارس ابتدائی میں تو صرف مالطی اور انگریزی زبانیں پڑھائی جاتی ہیں، اور پھر ایطالوی زبان ثانوی مدارس میں بھی ممنوع قرار پا چکی ہے، تاہم حکومت اٹلی اور باشندگان مالٹا دوسرے ذرائع سے جزیرہ میں ایطالوی زبان کے رائج کرنے میں مصروف ہیں،

اسی سیاسی کشمکش کا نتیجہ ہے کہ یہ تحریک پیدا کرائی گئی ہے کہ مالٹا کی موجودہ زبان مالطی ہے، اور اس کی بنیاد و اساس کسی دوسری زبان پر نہیں، لیکن مالطی زبان کے الفاظ، تلفظات اور لہجے اس پروپیگنڈے کے ابطال کے لیے کافی ہیں، اگرچہ آج مالطی زبان کا رسم خط لاطینی ہے، اور یہاں کی موجودہ سیاسیات میں کسی اسلامی حکومت کو دخل نہیں، اور نہ موجودہ یورپین قومیں اس حقیقت کا اب اقرار کر سکتی ہیں کہ مالٹا کی موجودہ زبان تمامتر عربی زبان کے اساس و بنیاد پر قائم ہے، تاہم یہ واقعہ ہے کہ عربوں کی محض اسی ۲۰۰ سالہ حکومت کا یہ حیرت انگیز اثر رہا کہ اس جزیرہ کی زبان بھی اسی طرح عربی ہے، جس طرح مصر اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی وہ مادری زبان ہوا

چنانچہ مالطی زبان کے الفاظ، ترکیبیں، جملے، اور عبارتیں، اپنی نوعیت واصل کے اعتبار سے ۹۰ فیصدی عربی ہوتی ہیں، ۱۰ فیصدی میں غالب تعداد ایطالوی زبان کے لفظوں اور ترکیبوں کی ہے، اور پھر دوسری زبانوں کے اثرات ہیں، اس لئے اگر آج مالٹا میں بھی عربی زبان کے قیام وبقاء واحیاء کے ویسے ہی مواقع ہوتے جیسے مصر و شمالی افریقہ وغیرہ میں حاصل ہیں، اور اس زبان کا رسم الخط لاطینی کے بجائے عربی ہوتا، تو آج مصر و مالٹا کی زبان میں سرمو فرق نہ ہوتا، کیونکہ اگر مالطی زبان میں ۱۰ فیصدی اجنبی زبانوں کے اثرات ہیں، تو ایطالوی، فرنچ اور انگریزی زبانوں کے یہ اثرات مصر کی خالص عربی زبان میں بھی کم وبیش پائے جاتے ہیں، اور اس لیے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ موجودہ مالطی زبان میں جو ۱۰ فیصدی غیر عربی الفاظ اور ترکیبیں ہیں، وہ عربی اثرات کے زوال کے بعد اس زبان میں داخل ہوئے ہیں، اور اس لئے انھیں اصل زبان قرار نہیں دیا جا سکتا، ذیل کے اقتباسات سے اس حقیقت کا پورا اندازہ ہوگا۔

الفاظ

عربی الفاظ	مالطی زبان کے الفاظ جس طرح اہل مالٹا زبان سے ادا کرتے ہیں	عربی الفاظ	مالطی زبان کے الفاظ جس طرح اہل مالٹا زبان سے ادا کرتے ہیں
الخبز	خبز	اللبن	حلیب[1]
الماء	إلما	الزيت	زيت
النبيذ	إمبيت	الملح	ملح
الطفل	طفل	السكينة	سكينة
الخل	خل	المرأة	مرا
الدقيق	دقيق	بائع اللبن[2]	تاع الحليب
الفرن	فرن	الخياط	خياط

[1] معارف:- الحلیب بھی خالص عربی ہے" [2] معارف:- بائع الحلیب بھی کہہ سکتے ہیں"

السکر	زوکر	الفوان	تاع الحبز

تراکیب

عربی	مالطی	عربی	مالطی
الثلاثاء القادم[1]	الثلاثا الجایین	غداً الخامس عشر	بھاالغد احمستاشر
الاربعاء الماضی	الاربعا اللی عدو	شئ جمیل	شی جمیل
کل یوم خمیس	کل نھار تاع خمیس	النھار کلہ	ال (جورناتا - الیالونتا) کلھا
الیوم الجمعۃ	اللوم الجمحۃ	دعنی انظر اسنانہ	حلی نرحی سنینہ

جملے

کم ھم ؟	کم ھیم	ماذاک الرجل	صیح لداک الراجل
ھم اثنان فقط	ھم تنین بس	ھل ھذا للبیع ؟	دن عالبیع ؟
ھل یمکن ؟	یسطاع یکون ؟	کم مضی علیک ھنا؟	کم الک ھاون ؟
من یعرف ؟	مین یعاف ؟	لا تتکلم بسرعۃ ھکذا	تتکلمش ھیک معجل
احب أتعلم	نشتاق نتعلم	لیس عندی شئ واحد	ماعندلیش حلاف واحد
بکل سرور	بال (بیاشیر) کلہ (بیاشبھر لیالوتی) ی مسرور	لا شأن لی	ماخصنیش فیھا (لاعضنی شیئ) فیھا
من قال لک ؟	مین قال لک ؟	ماذا بک ؟	شعندک او شی نحس ؟
ماذا ترید ؟	شی ترید ؟	من فضلک	ایاک تعجبک

ان الفاظ، ترکیبوں اور جملوں میں عربی دانوں کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ بعض الفاظ یا جملوں کے سامنے جو مالطی الفاظ یا جملے بظاہر عربی جملوں اور لفظوں سے مختلف نظر آتے ہیں، ان میں بھی کوئی ان کا مترادف عربی لفظ یا عربی فقرہ

[1] معارف: "الثلاثاء الجای" سے زیادہ قریب تر"

کا مادہ موجود ہے، اب ذیل کی چند مسلسل عبارتیں ملاحظہ ہوں،

مالٹی زبان کی عبارت لاطینی حروف میں	عربی حروف میں	مالٹی عبارت کی توضیح عربی زبان میں
Inhabbru il me- ullas Sur Frances co Spiteri ta 31 Se- na minn llezzal bar li miet il gimgha l'ohra uara marda ta 15 il giurnata iec- onforta tis Sacra- menti Halla fin nichel li ta dollo- rata maltu, ulied- u-om muhulu. Kr- aba tuuh bieb u li natuhom l'ghom- or u issaber	انخبروا الموت تا السور فرانشیسکو سبیتری تا ۳۱ سنة من حاطبار الی مات الجمعة الاخری ورا مرضه تا ۱۵ ال (جی رناتا) (ایطالوی) ایکونفو رتاتا (ایطالوی) بال "سکرامنتو" (ایطالوی)	نخبر بموت...... البالغ ۳۱ سنة من بلد تو...... الذی مات الجمعة الماضیة بعد مرض ۱۵ یوما مزودًا باسرار الکنیسة،
Akbarijet ta Malta	اخباریات تاع مالطا	اخبار مالطہ
Id Direttur ta Posta jgharraf illi millie- m il kuddiem il Posta diretta ghal napoli Tghalak fil uffic- io tal Posta il Belt fil 8a.m. nhar il Tlieta il Hamis u is Sibt	الدیرتیور (ایطالوی) تاع البوسطة یعرف الی ملیوم لقدام البوسطة دیرتا (ایطالوی) علی نابولی بالاریوبلان (الطیارہ) تغلق فی الاوفیسیو (ایطالوی) تاع البوسطة البلد ۱۱ ۸ ۸.m نهار الثلاثا الخمیس والسبت،	مدیر البوسطة یعلن انه من الآن فصاعدًا، البوسطة المصدرة الی نابولی تغلق فی مکتب بوسطة البلد فی الساعة ۸ صباحًا ایام الثلاثاء والخمیس والسبت، "ر"

ایران کی موجودہ صحافت

پچھلے دس سالوں کے اندر ایرانی زندگی کے ہر شعبہ میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں، ان میں سے ایک نمایاں تبدیلی ابتدائی تعلیم کی ترقی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اخباروں اور رسالوں کی مانگ زیادہ ہوگئی ہے۔

ایران کی آبادی تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ ہے، تخمیناً اس کا دس فی صدی حصہ لکھ پڑھ سکتا ہے، پوری آبادی کی ایک چوتھائی خانہ بدوش قوموں پر مشتمل ہے جو اپنے گلوں کو لئے ہوئے گھاس اور پانی کی تلاش میں پہاڑوں پر گھومتی پھرتی ہیں، نصف آبادی چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں رہتی ہے اور زراعت کا پیشہ کرتی ہے، بقیہ چوتھائی سے وہاں کے بڑے بڑے شہروں کی آبادی ہے جو تعداد میں بہت کم ہیں، یہی حصہ لکھ پڑھ سکتا ہے، اور یہیں اخبار پڑھنے والے پائے جاتے ہیں،

دارالسلطنت طہران سے اس وقت سات روزنامے شائع ہوتے ہیں، اور تبریز، اصفہان، ہمدان، قزوین، رشت، اور مشہد کے اخبارات ہفتہ میں کئی بار نکلتے ہیں، طہران کے متعدد روزناموں میں بجز ایک کے اور سب صبح کو شائع ہوتے ہیں، ان میں سے اشاعت کی کثرت اور اپنے اثر کے لحاظ سے "ایران"، "شفق سرخ"، "ستارۂ جہاں"، اور "اطلاعات" زیادہ ممتاز ہیں، سب سے بڑے روزنامہ کی تعداد اشاعت تین ہزار ہے، اس شمار میں وہ تعداد بھی شامل ہے جو مدیر کے احباب اور مختلف مدارس کو بھیجی جاتی ہے، "ستارۂ جہاں" کے پرچے مدارس نسواں کی تمام معلمات کے پاس بھیجے جاتے ہیں،

ان اخباروں کے علاوہ متعدد رسالے بھی ہیں جنمیں سے آجکل سب سے زیادہ نمایاں مصور ہفت روزہ "ایران باستان" ہے، یہ رسالہ بمبئی کے زردشتی فرقہ کے زیر نگرانی نکلتا ہے، اس میں یورپ کی خبروں اور تصویروں کے علاوہ ایران کے مختلف حالات اور کھیل وغیرہ کی تصویریں ہوتی ہیں، "ایران باستان" کی ایک نہایت ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مدیر حتی الامکان صرف ایرانی الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جدید ایرانی صحافت کی ایک بڑی

کمزوری یہ ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ اور فقرے ایرانی رسم خط میں نقل کر دیئے جاتے ہیں، جنکا سمجھنا ناظرین کے لئے بیشتر دشوار ہوتا ہے،

ہفتہ وار مزاحیہ "ناہید" سالوں سے جاری ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت وقت کے خلاف کسی چبھتے ہوئے کارٹونوں کی اشاعت پر یہ کچھ دنوں کے لئے بند کر دیا جاتا ہے،

حال تک اخباروں کی آمدنی کا خاص ذریعہ حکومت کے عہدہ داروں سے ان کی بے ضابطگیوں کی پردہ پوشی کے معاوضہ میں روپیہ حاصل کرنا تھا، نتیجہ یہ تھا کہ اخبار بہت تھوڑے دنوں تک جاری رہ سکتے تھے، چند سال ہوئے کسی اخبار کے مدیر نے حکومت کے ایک عہدہ دار کے خلاف جس نے معہودہ رقم کے ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا کوئی بات شائع کی محتسب (سنسر) فوراً اخبار کو ضبط کرنے کے لیے پہنچ گیا، لیکن اس نے دیکھا کہ دفتر اور مطبع سب خالی پڑا ہے، دوسرے روز وہ پرچہ حسب معمول پھر نکلا، فرق صرف یہ تھا کہ اب بجائے "ستارۂ شمال" کے "ستارۂ مشرق" کے نام سے نکلا، اور اس نے اپنا مقام اشاعت تبدیل کر دیا تھا،

لیکن اب امریکہ کے موٹروں کی تجارت سے اس حالت میں بہت کچھ فرق آگیا ہے، جب امریکہ کی موٹر کاریں اوران کے پرزے وغیرہ ایران کے بازاروں میں کثرت سے آنے لگے تو ان کے اشتہار کا رواج بھی شروع ہوگیا، ان اشتہاروں کی طباعت سے اخباروں کے لئے ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ پیدا ہوگیا،

ایران کے نوجوانوں نے صحافت کو بطور ایک پیشہ کے اختیار کرنا شروع کر دیا ہے، طہران کے امریکن کالج میں صحافت کا جو نصاب ہے اس سے روز بروز زیادہ دلچسپی لیجارہی ہے،

طہران کے تمام بڑے بڑے اخبارات تار کے ذریعہ سے ماسکو، برلن، پیرس اور لندن سے خبریں منگاتے ہیں، اب سے دو سال قبل تک ہر اخبار کی اشاعت سے قبل محکمۂ پولیس کا ایک محتسب اس کی ایک ایک سطر پڑھ لیتا تھا، اور اگر کوئی بات کسی نہج سے بھی حکومت کے خلاف درج ہوتی، یا آزادی نسواں کی حمایت میں کچھ لکھا ہوتا یا کسی طرح پر اسلام کی اہانت ہوتی، یا کسی غیر حکومت یا غیر ملکی مقصد کا پروپگنڈا ہوتا تو وہ اخبار سے نکال دی جاتی

لیکن دو سال ہوئے مدیروں سے بلاکر کہا گیا کہ وہ وعدہ کریں کہ شاہ اور حکومت موجودہ کے خلاف کوئی بات شائع نہ کرینگے تو آیندہ محتسب کی نگرانی سے آزاد کر دیئے جائیں،

چنانچہ اس آزادی کا سب سے زیادہ نمایاں نتیجہ یہ حاصل ہوا ہے کہ اب اخباروں میں مفید عمرانی مباحث پر مقالات لکھے جانے لگے ہیں، "کوشش" اس باب میں سب سے پیش پیش ہے اور اپنی ہر اشاعت میں ایک افتتاحیہ تحت عامۂ تعلیم اور آزادیِ نسواں وغیرہ پر لکھتا ہے، اب جس قسم کے افتتاحیہ مقالات اخبارون میں لکھے جاتے ہیں، اُسکی ایک مثال "آیندہ ایران" مورخہ ۱۴ ر دسمبر ۱۹۳۲ء سے لے کر درج ذیل کیجاتی ہے:-

"اگر کسی فلسفی یا عالم سے سوال کیا جائے کہ ترقی کی راہ کونسی ہے تو یقیناً جواب یہی ہوگا کہ ماؤں کی تعلیم، بدقسمتی سے اس چیز پر ہمارے ملک میں کوئی توجہ نہیں کیجاتی، ہماری لڑکیوں کی تعلیم کہاں ہونی چاہئے؟ کیا موجودہ مدارس میں اور اس ناقص نصاب تعلیم کے ساتھ؟ اور کیا ہمارے جیسے گھروں میں جہاں وہم پرستی، بدخواہی اور دشمنی اور زن وشو کے درمیان جھگڑے لڑائی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی؟ - آج ہمیں اپنے گھروں میں اپنی لڑکیوں کی تعلیم کی توقع نہ رکھنی چاہئے، ہمیں ایسے مدارس کی ضرورت ہے جہاں جدید طریقۂ تعلیم دی جاتی ہو، جہاں ہماری لڑکیوں کو اچھے استاد مل سکیں، جہاں انھیں عمدہ، اخلاقی اور سائنٹفک متحرک تصویریں دکھائی جائیں، جہاں وہ اچھی باتیں سنیں، اچھے کام دیکھیں اور صحیح طریقہ پر سوچ سکیں، اس وقت ہم فخریہ کہہ سکیں گے کہ جسے حقیقی معنوں میں خاندان کہتے ہیں اس کی پرورش و پرداخت کے لئے ہمارے ہاں مائیں موجود ہیں، یہ کام کس کا ہے؟ یہ کام وزارت تعلیم کا ہے"

ایران کے موجودہ پریس میں مذہب کا عنصر بہت کم ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ عوام کو مذہب سے دلچسپی زیادہ نہیں ہے، کیونکہ جیسا کہ تمام دنیا کی حالت ہے، اخبارات وہی خبریں اور اسی قسم کے مضامین شائع کرتے ہیں جن سے ناظرین کو دلچسپی ہوتی ہے، گذشتہ نو مہینوں میں طہران کے تمام روزناموں کے روزانہ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان میں صرف ستائیس مقالات ایسے شائع ہوئے جن کو مذہبی کہا جا سکتا ہے، ان میں سے بعض مقالات

کمزوری یہ ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ اور فقرے ایرانی رسم خط میں نقل کر دیئے جاتے ہیں، جنکا سمجھنا ناظرین کے لئے بیشتر دشوار ہوتا ہے،

ہفتہ وار مزاحیہ "ناہید" سالوں سے جاری ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت وقت کے خلاف کسی چبھتے ہوئے کارٹون کی اشاعت پر یہ کچھ دنوں کے لئے بند کر دیا جاتا ہے،

حال تک اخباروں کی آمدنی کا خاص ذریعہ حکومت کے عہدہ داروں سے ان کی بے ضابطگیوں کی پردہ پوشی کے معاوضہ میں روپیہ حاصل کرنا تھا، نتیجہ یہ تھا کہ اخبار بہت تھوڑے دنوں تک جاری رہ سکتے تھے، چند سال ہوئے کسی اخبار کے مدیر نے حکومت کے ایک عہدہ دار کے خلاف جس نے مطلوبہ رقم کے ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا کوئی بات شائع کی، محتسب (سنسر) فوراً اخبار کو ضبط کرنے کے لیے پہنچ گیا، لیکن اس نے دیکھا کہ دفتر اور مطبع سب خالی پڑا ہے، دوسرے روز وہ پرچہ حسب معمول پھر نکلا، فرق صرف یہ تھا کہ اب بجائے "ستارۂ شمال" کے "ستارۂ مشرق" کے نام سے نکلا، اور اس نے اپنا مقام اشاعت تبدیل کر دیا تھا،

لیکن اب امریکہ کے موٹروں کی تجارت سے اس حالت میں بہت کچھ فرق آگیا ہے، جب امریکہ کی موٹر کاریں اور ان کے پرزے وغیرہ ایران کے بازاروں میں کثرت سے آنے لگے تو ان کے اشتہار کا رواج بھی شروع ہوگیا، ان اشتہاروں کی طباعت سے اخباروں کے لئے ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ پیدا ہوگیا،

ایران کے نوجوانوں نے صحافت کو بطور ایک پیشہ کے اختیار کرنا شروع کر دیا ہے، طہران کے امریکن کالج میں صحافت کا جو نصاب ہے اس سے روز بروز زیادہ دلچسپی لیجارہی ہے،

طہران کے تمام بڑے بڑے اخبار تار کے ذریعہ سے ماسکو، برلن، پیرس اور لندن سے خبریں منگاتے ہیں، اب سے دو سال قبل تک ہر اخبار کی اشاعت سے قبل محکمۂ پولیس کا ایک محتسب اس کی ایک ایک سطر پڑھ لیتا تھا، اور اگر کوئی بات کسی نہج سے بھی حکومت کے خلاف درج ہوتی، یا آزادی نسواں کی حمایت میں کچھ لکھا ہوتا، یا کسی طرح پر اسلام کی اہانت ہوتی، یا کسی غیر حکومت یا غیر ملکی مقصد کا پروپگنڈا ہوتا تو وہ اخبار سے نکال دی جاتی

لیکن دو سال ہوئے مدیروں سے بلا کر کہا گیا کہ وہ وعدہ کریں کہ شاہ اور حکومت موجودہ کے خلاف کوئی بات شائع نہ کرینگے تو آیندہ محتسب کی نگرانی سے آزاد کر دیئے جائیں،

چنانچہ اس آزادی کا سب سے زیادہ نمایاں نتیجہ یہ حاصل ہوا ہے کہ اب اخباروں میں مفید عمرانی مباحث پر مقالات لکھے جانے لگے ہیں "کوشش" اس باب میں سب سے پیش پیش ہے اور اپنی ہر اشاعت میں ایک افتتاحیہ صحت عامہ تعلیم اور آزادیِ نسواں وغیرہ پر لکھتا ہے، اب جس قسم کے افتتاحیہ مقالات اخباروں میں لکھے جاتے ہیں، اُسکی ایک مثال "آیندہ ایران" مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء سے لے کر درج ذیل کیجاتی ہے:۔

"اگر کسی فلسفی یا عالم سے سوال کیا جائے کہ ترقی کی راہ کونسی ہے تو یقیناً جواب یہی ہوگا کہ ماؤں کی تعلیم، بدقسمتی سے اس چیز پر ہمارے ملک میں کوئی توجہ نہیں کیجاتی، ہماری لڑکیوں کی تعلیم کہاں ہونی چاہئے؟ کیا موجودہ مدارس میں اور اس ناقص نصاب تعلیم کے ساتھ؟ اور کیا ہمارے جیسے گھروں میں جہاں وہم پرستی، بدخواہی اور دشمنی اور زن وشو کے درمیان جھگڑے لڑائی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی؟ ۔ آج ہمیں اپنے گھروں میں اپنی لڑکیوں کی تعلیم کی توقع نہ رکھنی چاہئے، ہمیں ایسے مدارس کی ضرورت ہے جہاں جدید طریقہ پر تعلیم دی جاتی ہو جہاں ہماری لڑکیوں کو اچھے استاد مل سکیں، جہاں انھیں عمدہ، اخلاقی اور سائنٹفک متحرک تصویریں دکھائی جائیں، جہاں وہ اچھی باتیں سنیں، اچھے کام دیکھیں اور صحیح طریقہ پر سوچ سکیں، اس وقت ہم فخریہ کہہ سکیں گے کہ جسے حقیقی معنوں میں خاندان کہتے ہیں اس کی پرورش و پرداخت کے لئے ہمارے ہاں مائیں موجود ہیں، یہ کام کس کا ہے؟ یہ کام وزارت تعلیم کا ہے"

ایران کے موجودہ پریس میں مذہب کا عنصر بہت کم ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ عوام کو مذہب سے دلچسپی زیادہ نہیں ہے، کیونکہ جیسا کہ تمام دنیا کی حالت ہے، اخبارات وہی خبریں اور اسی قسم کے مضامین شائع کرتے ہیں جنسے ناظرین کو دلچسپی ہوتی ہے، گذشتہ نو مہینوں میں طہران کے تمام روزناموں کے روزانہ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان میں صرف ستائیس مقالات ایسے شائع ہوئے جن کو مذہبی کہا جاسکتا ہے، ان میں سے بعض مقالات

میں ایرانیوں کے لئے ایران کو مخصوص کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ رائے ظاہر کی گئی ہے، کہ بجائے مکہ اور کربلا کے ایرانیوں کو اپنے مشہد اور قم ہی کی زیارت کرنی چاہئے،

ایران کے تمام اخبارات بخوشی اپنے ناظرین کی بھیجی ہوئی نظمیں، مقالات اور افسانے شائع کرتے ہیں، عموماً ان چیزوں کا معاوضہ نقد کی شکل میں ادا نہیں کیا جاتا، بلکہ مصنف کے پاس وہ پرچہ ہدیۃً بھیجدیا جاتا ہے، جس میں اُس کی کوئی نظم یا مضمون نکلتا ہے، اکثر مقالات کا کوئی سلسلہ یا کسی غیر زبان کی کتاب کا ترجمہ باقساط اشاعت کے لئے بھیجا جاتا ہی جو ٹائپ اس قسم کے مضامین کے چھاپنے میں استعمال کیا جاتا ہے، اسی کو روز دوبارہ جما کر اس مضمون یا افسانہ کو اس کی کتابی شکل میں چھاپتے رہتے ہیں، اس طرح جس وقت اُس مضمون کا سلسلہ اخبار میں ختم ہوتا ہے، اسی وقت کتاب بھی تیار ہو جاتی ہے اور صرف جلد بندی کا کام باقی رہ جاتا ہے،

تعجب یہ ہے کہ ایران میں کتابوں کی تعداد طباعت بہت کم ہے، کسی ناشر کے لئے پانچ سو جلدیں بہت زیادہ خیال کیجاتی ہیں،

جدید ایرانی ادب کی نثر کی کتابیں تعداد میں بہت ہی کم ہیں، ان کی قلتِ اشاعت کی توجیہ معمر ایرانیوں کی ایک جماعت نے یہ کی کہ صدیوں سے اہل ایران کسی کتاب کو پڑھنے کی بہ نسبت اُسے سُن لینے کے زیادہ عادی ہوگئے ہیں، چنانچہ ہر گاؤں یا پڑوس میں ایک کتاب سنانے والا ہوتا ہے، وہاں کے سب لوگ اُس کے گرد جمع ہو کر کتاب سُن لیتے ہیں، اسی لئے آج بھی جب کہ پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے، اگر کوئی کتاب کسی گاؤں میں پہنچ جاتی ہے تو کوئی ایک شخص اُسے بلند آواز کے ساتھ پڑھکر دوسروں کو سنا دیتا ہے،

ایران میں صحافت بتدریج حقیقی معنوں میں صحافت ہوتی جاتی ہے، قدیم طرز کی علمی اور مقفیٰ عبارت لکھنے والوں کی جگہ اب نوجوان مدیروں نے لے لی ہے جو غیر ملکی زبانوں سے واقف ہوتے ہیں اور موجودہ واقعات عالم سے دلچسپی لیتے ہیں، اس لئے امید ہے کہ ایران کا جدید پریس رائے عامہ کی تشکیل اور قوم کی ترقی پر زبردست اثر ڈالے گا،

(م و جنوری ۳۴ء)

"ع ز"

اخبارِ علمیہ

بیسوین صدی مین غلامی کا رواج

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اب غلامی کا رواج تمام دنیا سے مٹ گیا، لیکن باوجود اس کے کہ بردہ فروشی قانوناً ممنوع قرار پا چکی ہے، دنیا کا ایک معتدبہ حصہ اب بھی اس مین مبتلا ہے، بردہ فروشی کو مٹانے کے لئے سب سے پہلا ہاتھ اسلام نے اٹھایا تھا، لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ جہان اس کے اور احکام کی پابندی سے غفلت برتی جانے لگی وہان غلامی کے قانون کی گرفت بھی کمزور ہوتی گئی، گذشتہ صدی کی ابتدا تک امریکہ اور یورپ کی تقریباً تمام طاقتور سلطنتون مین بردہ فروشی کا رواج تھا، ۱۸۳۳ء مین ولیم ولبر فورس (William Wilberforce) کی ان تھک کوششون سے برطانیہ کی پارلیمنٹ نے اسے قانوناً ممنوع قرار دیا، اس نے نہ صرف آئندہ کے لئے اسے خلاف قانون ٹھہرا دیا بلکہ سات لاکھ غلام آزاد کرکے ان کے مالکون کو دو کرور پونڈ بطور معاوضہ کے ادا کر دیئے، ۱۸۶۳ء مین ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر لنکن (Lincoln) کے ایک فرمان کے بموجب چالیس لاکھ غلام آزاد ہو گئے، اسی طرح ڈچ اور فرانسیسی سلطنتون مین بھی بہت سے غلام آزاد کئے گئے، لیکن اب بھی غلامون کی تعداد پچاس لاکھ سے زیادہ ہے، انجمن اقوام بردہ فروشی کی سراسر مخالف ہے، مگر باوجود اس کے کہ حبشہ کی سلطنت انجمن اقوام کی ایک رکن ہے غلامی کا رواج وہان اس وقت بھی جاری ہے، اور اس کے دو لاکھ باشندے غلامی کی حالت مین زندگی بسر کر رہے ہین، امریکہ کے حبشیون نے جمہوریۂ لیبریا (Liberia) محض آزادی کے لئے قائم کی تھی، اور وہان غلامی قطعی طور پر ممنوع قرار دیدی گئی تھی، لیکن اب وہان بھی غلام رکھنے کی اجازت دیدی گئی ہے، جن کی تعداد کا تخمینہ پانچ لاکھ ہے، اہل پرتگال مزدورون سے معاہدہ لے کر انھین بعض جزیرون مین قہوہ کی کاشت کے لئے بھیج

دیتے ہیں، معاہدہ کے شرائط اس قدر سخت ہوتے ہیں کہ ان مزدوروں کی حیثیت حقیقۃً غلاموں ہی جیسی ہوتی ہے، چین میں سیاسی خلفشار کی وجہ سے افیون اور بچوں کی تجارت کے لئے ایک عمدہ موقعہ ہاتھ آگیا ہے، لاکھوں لڑکوں کو ان کے والدین نے قیمتاً فروخت کر دیا ہے، اور وہاں کے مختلف کارخانوں میں چھوٹے چھوٹے بچے دو ڈالر یا (پانچ روپیہ سے کچھ زیادہ) پر رکھ لئے جاتے ہیں شنگھائی میں ایک لوہار کی دوکان میں اکتیس لڑکے بند پائے گئے انھیں نہ پیٹ بھر کھانا ملتا تھا نہ سونے کے لئے کافی جگہ تھی، اگر وہ کام کرنے سے انکار کرتے تو ہاتھ باندھ کر دیوار سے لٹکا دیئے جاتے، اور لوہا گرم کر کے ان کو داغا جاتا، ہانگ کانگ میں دس ہزار لڑکیاں ایسی ہیں جو خانگی خدمت یا پیشہ کیلئے فروخت کر دی گئی ہیں سیلون میں بھی بچوں کی خرید و فروخت جاری ہے، اگرچہ اسے "گود لینے" (Adoption) کے معزز نام سے منسوب کر رکھا ہے، بغیر معاوضہ کے بچوں کو کام کرنا پڑتا ہے، اور اگر وہ قابل اطمینان طور پر کام نہیں کرتے تو انھیں سخت سزائیں دیجاتی ہیں، انھیں گرم لوہے سے داغتے ہیں یا ان کے ناخنوں کے نیچے سے سوئی چبھو دیتے ہیں، چنانچہ ایک بچہ کے جسم پر اس قسم کے (۴۵) زخم پائے گئے، جاپان میں والدین لڑکیوں کو فروخت کر سکتے تھے، اور وہاں اس کا بہت رواج تھا، لیکن اب ایسی لڑکیوں کو اپنے کو آزاد کرا لینے کا حق قانوناً حاصل ہو گیا ہے تاہم ان کے لئے آزادی حاصل کر لینا آسان نہیں ہے، اسی طرح عرب، مصر، طرابلس، اور شمالی افریقہ کے دوسرے حصوں میں بھی غلامی کا رواج کسی نہ کسی حد تک اب بھی باقی ہے،

رسالہ "اسلامک آرٹ" امریکہ

میچگین یونیورسٹی (امریکہ) کے شعبہ تحقیق فنون اسلامی اور ڈٹرولے (امریکہ) کے ادارۂ فنون نے حال میں ایک ششماہی رسالہ "اسلامک آرٹ" کے عنوان سے نکالا ہے، اس رسالہ کے اجرا کا مقصد اسلامی فنون کی تحقیق اور ریسرچ ہے، اس میں دنیا کے ممتاز ترین مورخین و ارباب فن کے اوریجنل مقالات شائع ہوتے رہیں گے، اور اس کے صفحات اس موضوع سے متعلق علمی مباحث کے لئے کھلے رہیں گے، اس رسالہ نے ان صاحبانِ علم کو بھی

جو مشرق بعید، وسط ایشیا، ہندوستان، اور قرون وسطیٰ کے یورپ کے آرٹ پر تحقیق و ریسرچ کر رہے ہین دعوت دی ہے، کہ وہ اپنے مخصوص موضوع اور اسلامی آرٹ کے درمیانی تعلق اور باہمی اثراندازی پر برابر مضامین لکھتے رہین، اس مین اسلامی تاریخ، لٹریچر، فلسفہ اور مذہب پر مستشرقین کے ایسے مقالات بھی شائع ہون گے، جن کا تعلق کسی حیثیت سے اسلامی فنون و حرفت سے ہوگا، رسالہ کا ایک حصہ موجودہ لٹریچر پر ریویو کے لئے مخصوص ہوگا، اور تمام ممالک کی مختلف حصون اور آثار قدیمہ سے متعلق کھدائی وغیرہ کی کارگزاریان بیان ہوتی رہین گی، رسالہ اسلامک آرٹ ایک بین الاقوامی علمی رسالہ ہے، اس کے مقالات انگریزی، جرمن اور فرانسیسی زبانون مین ہون گے، رسالہ سال مین دو حصون مین جنوری اور جون مین شائع ہوگا، ہر حصہ مین (۸۵) صفحون سے زائد متن کے اور (۲۰) صفحے تصویرون کے ہون گے، ہر حصہ کی قیمت تین ڈالر (قریب آٹھ روپئے) اور پوری جلد کا سالانہ چندہ جسمین دونون حصے شامل ہونگے پانچ ڈالر (تیرہ روپیہ سے کچھ زائد) ہے، اس رسالہ کے اڈیٹر محمد آغا اغلو (Mehmet Aga-oglu) ہین،

روشنی کرنے کے قدیم طریقے

امریکہ کے ڈاکٹر والٹر ہف (Walter Hough) نے حال مین وہ تمام ایجادین جمع کی ہین، جو زمانہ قدیم مین دنیا کے مختلف ممالک مین روشنی کرنے کے لئے رائج تھین، زیادہ عرصہ نہین گذرا کہ جزائر شٹ لینڈ (اسکاٹلینڈ کے شمال مین) کے رہنے والے پٹرل نامی ایک چھوٹی بحری چڑیے سے روشنی کا کام لیتے تھے، اس چڑیے مین چربی بہت زیادہ ہوتی ہے، اسے مار کر اس کے حلق کے اندر ایک بتی ڈال کر جلا دیتے جس سے ہلکی ہلکی روشنی ہوتی رہتی تھی، اسی طرح ڈنمارک کے قدیم باشندے آک (Auk) نامی ایک بہت چربی دار چڑیے کے پیٹ مین بتی ڈال کر اسے جلاتے تھے، یہ چڑیا اب مفقود ہوگئی ہے، چربی دار مچھلیان بھی روشنی کے لئے استعمال کیجاتی تھین، اس کی ایک نمایان مثال شمع ماہی یا (Candle fish) ہے، یہ بہت موٹی اور چربی دار مچھلی شمالی امریکہ کے شمالی مغربی ساحل پر پائی جاتی تھی، ایک لکڑی چیر کر اس مین اس مچھلی کو دبا کر کھڑا کر دیتے تھے اور

پھر شمع کے طور پر اسے جلاتے تھے، ریاست میں (امریکہ) کے باشندے یون ہی سکر (Sucker)
نامی ایک دوسری قسم کی مچھلی استعمال کرتے تھے، نیو فاؤنڈلینڈ کے ماہی گیر کلب ماہی (Dog fish)
کی دم کی دھجیان کرکے اسے روشنی کے لئے جلاتے تھے، اسی طرح نیوزی لینڈ کے ساحل والے بھی ایک دوسری
ہی قسم کی مچھلی سے مشعل کا کام لیتے تھے، یورپ اور ورجینیا (امریکہ) مین شمع کی ایجاد سے پہلے موم کی بتی کا رواج تھا،
سفید نسل والون کی آمد سے قبل شمالی امریکہ مین متعدد اقسام کی مشعلین رائج تھین، میکسیکو مین ایک درخت ہوتا ہی
جس کی چھال اس قدر روغن دار ہوتی ہے، کہ قدیم زمانہ سے لیکر اس وقت تک روشنی کے کام مین استعمال کیجاتی
ہے، اسی طرح ورجینیا مین بھی ایک درخت کی لکڑی سے روشنی کا کام لیتے ہین، ڈاکٹر ہف نے جو نمونے جمع کئے
ہین ان مین متعدد اقسام کے تیل کے لیمپ بھی ہین، جو مٹی، کوڑی، اور دوسری چیزون کے بنے ہوئے ہین، اور
ایسی لالٹینین بھی ہین جنمین جگنو پکڑکر روشنی کے لئے بند کر دیئے جاتے تھے،

چار ہزار برس کا پرانا گیہون،

حال مین سندھ کے قدیم شہر موہنجو دارو مین جو آثار قدیمہ برآمد ہوئے ہین ان مین کچھ گیہون بھی تھے جو ایک مقبرہ سے نکالے گئے ہین، یہ مقبرہ چار ہزار سال کا بنا ہوا تھا، اور اُس وقت کے دستور کے مطابق اسمین کچھ گیہون مردہ کی روح کے لئے رکھ دیئے گئے تھے، ایک عیسائی مبلغ نے انھین سے چند دانے لیکر بو دیئے، اور وہ اگ بھی آئے، چنانچہ فصل تیار ہونے کے بعد اس نے اپنے مشن کی طرف سے ایک اونس فی شلنگ کے حساب سے اسے فروخت کرڈالا، سر ڈینیل ہیملٹن نے اس مین سے کچھ خرید کر سندر بن کے علاقہ مین تجربتہً بو دیا ہے، اور اب اس کی فصل تیاری کے قریب ہے، انھون نے ۱۱ر فروری ۱۹۳۳ء کو ایک تقریر مین اس گیہون کی مختصر تاریخ بیان کی، اور بتایا کہ یہ نہایت اعلیٰ قسم کا گیہون ہے، اگرچہ بعض باتون مین گیہون کے مروجہ اقسام سے مختلف ہے، کہ یہ بجائے خود ایک مستقل قسم ہے،

"ع ز"

ادبیات

جواب خطاب بملّت افغان

ازسرور خاں صبا، کابل،

یاد ہوگا کہ معارف دسمبر سنہ ۳۳ء میں "خطاب بہ ملت افغان" کے عنوان ایک نظم چھپی تھی، معاصر روزنامۂ اصلاح کابل نے ۷ جنوری سنہ ۳۴ء کے پرچہ میں اس نظم کا فارسی میں ترجمہ چھاپا، اور اس کے جواب میں کابل کے ایک شیوا بیان شاعر سرور خاں صبا نے "جواب خطاب بہ ملت افغان" لکھکر روزنامۂ مذکور میں شائع کیا، چونکہ اس نظم سے ایک دوستانہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے، اسلئے "خطاب بملتِ افغان" کے مصنف محمد یحیٰی صاحب نے اسکا ازالہ ضروری سمجھا، پہلے ہم صبا صاحب کے چند اشعار نقل کرتے ہیں، جن سے اُن کا مفہوم آشکارا ہوگا،

جہاں شد پر تاسف اے خدا بر داغ ناسورم بسوز دہر و مہ را دل بحال چشم بنیورم

مصیبت دیدہ ام جان رفتہ از کف زار و مجبورم دریں عالم نباشد جز فغان و نالہ منظورم

جدا شد از بر ما گوہرِ نایاب و طاقت ہم دم رسوخت بہجراں جان بزارم راحت ہم

فلک بر ما عجب نردِ دغا را باختی آخر تو ما را زخمیٔ تیرِ ملامت ساختی آخر

بحالِ خویش ما را یکدمی نگذاشتی آخر ندانستم زنیرنگت چہ سودے داشتی آخر

نمودی کشورِ ما را سراے شیون و ماتم نمودی درجہاں ما را عجب افسانۂ عالم

عزیزاں عالم ہجر است و چوں آئینہ حیرانم کبابِ داغ ماتم شمعِ بزمِ سوگوارانم

سپندِ مجمرِ دردم، زبانِ آہ و افغانم چو نی فریاد می خیزد دمادم از رگِ جانم

بجا باشد کہ گویم شکرِ لطفِ غم شریکاں را بجان منت شناسم التفاتِ دوستداراں را

به اعظم گڈھ معارف تا قیامت جلوه گر بادا همیشه با سلیمان خاتم و تخت هنر بادا

کمالِ لطفِ یحییٰ سخنور بیشتر بادا درایں طوطیِ هندی را دهان تنگ شکر بادا

سروده نوحهٔ جانکاه برای خسروِ لائق ولے کرده خطابِ قتلِ شه بر ملتِ صادق

همی شاید حقیقت را نویسم بر جناب وی زنم از دیده آبی بر دلِ آتش مناب وی

گذارم مرهمی بر سینهٔ ریشِ کباب وی کنم از اشکِ افغان منطفی آن التهاب وی

که هم بزم پریشانی پریشان میتوان گشتن نبوده ار و دردِش شامِ هجران میتوان گشتن

زبان تا چند باشی در خموشی نطق و تقریری ندارد طاقت گفتن زبان اے خامه تحریری

چو در کارِ قضا بر ملت ما نیست تقصیری ز آه و خلق میخواهم کنون امداد تاثیری

مرا در دیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد وگر دم در کشم ترسم که مغز استخوان سوزد

چو ممکن نیست بارے دم زدن در عالمِ امکان کند تدبیر را تقدیر ایزد تابعِ فرمان

دریغا از دُرِ دُردانیان و گوهرِ افغان که گشته همچو گنج شایگان از دیدگان پنهان

درین کارِ قضا هرگز قصورِ ملک و ملت نیست وفادار است ملت، جانی و اهل خیانت نیست

اگر بوده یکی از فرد ملت قاتل بیعار کجا دارد کسے یاراں سراغِ گلشنِ بے خار

نباشد بیوجود خوب دید دنیای حسرت بار کم است اشخاص بد در ملت ما خوب شد بسیار

همی خواهد چو جان خویش ملت اهلِ خدمت را نمی بیند بچشم کینه اربابِ صداقت را

. . . .

اگر در رفت از کف بے بدل دردانه داریم پریشان می نگردد زلف ما چوں شانه داریم

بقلب ایشیا در دهر از خود خانه داریم با وجِ خود ز گیتی گوش در افسانه داریم

بود سالِ نکو را ظاهر آثار بهارانش خوش آن زخمی که باشد مرهمی ظاهر بدرمانش

شرحِ خطاب بہ ملتِ افغان

از محمد یحییٰ صاحب، اعظم گڑھ

نہ تنہا بود آتش بجاں اے قومِ غمخوارم
کہ از سوزِ دروں من ہم فغاں سنج و دل افگارم

نہ تنہا نالۂ غم سر کنی در عالمِ ہجراں
کہ از جوشِ غمت چشمِ جہانے گشتہ خوں افشاں

غمت تنہا غمِ تو نیست ہاں اے ملتِ محزوں!
یقیں داری کہ قلبِ ایشیا از صدمات شد خوں

سرد صبحِ مسرت گر بہ چشمت شامِ ہجراں شد
کہ آں مہرِ وطن افروز زیرِ خاک پنہاں شد

دریغا در دمے ماتم سرا بزمِ عزیزاں شد
کہ از یک موجِ صرصر کشتہ آں شمعِ فروزاں شد

بایں الطاف و اخلاصت چہ شکر اے مہرباں گویم
نمی دانم چہ گویم، چند گویم، یا چساں گویم

معارف با سلیماں مخزنِ علم و ہنر بادا
بہ بزمِ تو سلیماں با معارف جلوہ گر بادا

ہمیشہ آں باستقلالِ تو وقفِ دعا بادا
ہمیشہ ایں بہ شمعِ علم و عرفاں رہنما بادا

الٰہی تا سلیماں خسروِ ملکِ ہنر باشد
صبا تختِ کمالش را بجائے بال و پر باشد

بناز اے قوم! تو ہم سرور[1]ِ شیریں بیاں داری
بناز اے قوم! تو ہم طوطیِ شکر فشاں داری

بہ آں بوئے دلآویز تو اے موجِ صبا رقصم
بہ فرطِ بیخودی با آں شمیمِ جانفزا رقصم

کز آں گلزارِ حریت بہ ہندوستاں فرستادی
قفس پروردہ را از چمن ریحاں فرستادی

بہ مہر و التفاتِ خاص لطفے تازہ فرمودی
بدینساں یک گدائے بینوا را پایہ افزودی

شناسایانہ فرمودی شریکِ ماتمِ خویشم
نہادی از تلطف مرہمے بر سینۂ ریشم

ز فیضِ ہم نوائی بر فلک بردی فغانم را
بہ آبِ دیدہ شستن خواستی داغِ نہانم را

بخود بالم کہ در چشمِ عزیزاں عزتے دارم
ہمی نازم کہ با تو ارتباط و نسبتے دارم

[1] سرور خان صبا

ولے بایں تفاخر می خلد در سینہ ام خارے — کہ داری از نواے آتشینم درد و آزارے
بسمع نازکت طرز فغانم ناصواب آمد — ترا ناخوشگوار از بندہ انداز خطاب آمد
دریں ہنگامۂ غم عذر من باشد کہ بپذیری — کہ باشد تلخی طرز فغاں از فرط دلگیری
چگونہ برجہد از سینہ ام آہنگ شادابے — کہ دارم یکدلے درد آشنا و جان بیتابے
ہزاراں برق مضطر می طپد اندر رگ جانم — ولے دارم کہ از فیضش سراپا شمع سوزانم
ولے دارم کہ دارد اضطراب برق بیتابے — ولے دارم کہ دارد از ازل تقدیر سیمابے
ولے دارم کہ از سوز نہانش دمبدم سوزد — ولے دارم کہ شمع درد از دودش برافروزد
ولے دارم کہ از فیض جراحت ہاست سیپارہ — ولے دارم کہ برق بیقرارے راست گہوارہ
ولے دارم کہ طوفانیست در ہر قطرۂ خونش — ولے دارم کہ عمانیست در ہر موج گلگونش
ولے دارم کہ از اشک و داغ حسرت آبگل دارد — ولے دارم کہ ہر داغش جہانے مستقل دارد
ولے دارم کہ از خون جگر لعل و گہر باشد — ولے دارم کہ از سوز نہاں برق شرر باشد
ولے دارم کہ صد مشق شکستن آرزو دارد — ولے دارم کہ از خون تمنا رنگ و بو دارد
ولے دارم کہ یک گنجینۂ مہر و وفا دارم — ولے دارم کہ یارب یک متاع بے بہا دارم
نمی دانی مگر تو آہ آں جوش عقیدت را — نۂ آگاہ آں کیفیت درد محبت را
کہ در قلب حزینم داشتم باآں شبہ غازی — کہ در راہ وطن کردہ بجان خویشتن بازی
چہ گویم تاچہ با من کردہ آں اندوہ جانکاہے — کے از شدت درد نہانم نیست آگاہے
دراں عالم کہ رخصت شد ز دل صبر و شکیبائی — دراں عالم کہ می کردم ز خوں پیمانہ پیمائی
سرودم از سر سوز و گداز آں نالۂ خونیں — کہ جیب و آستینم شد ز لعل بے بہا رنگیں
تو طعن انگاشتی آں نالۂ بے اختیاری را — ملامت بر شمردی آں فغان اضطراری را

خطابے با تو کردم چارهٔ دیگر نه دانستم
که شرحِ درد را شکلے ازیں بہتر نه دانستم

چو از قومے یکے بیدانشی کرد، ایں نمی دانی
چہ فرمودہ است سعدی مصلحِ اخلاقِ انسانی

دلم می سوزد اے ملت کنوں بر ابتلائے تو
مگر حاشا کہ شک دارم بہ آئینِ وفائے تو

اگر در ماتمِ تو نالہ سر کردم ملامت کو؟
اگر با تو ہم آہنگِ فغاں گشتم شماتت کو؟

کجا در شورِ ماتم امتیازِ نیک و بد ماند
کجا در جوشِ غم خود داریِ ہوش و خرد ماند

گذشت آنچہ گذشت اکنوں دعائے خیر میگویم
کہ می جوشد دعا از بہرِ تو از ہر بنِ مویم

خدا محفوظ دارد مر ترا از فتنۂ دوراں
نہ بازد بازیِ دیگر کنوں ایں گنبدِ گرداں

ز نیرنگِ جہانت حفظِ ایزد پاسباں باشد
دگر از فتنۂ ایام، ملت را اماں باشد

ہمیشہ مست و سرشارِ مےِ حبِ وطن باشی
بکامِ دوستاں در راہِ الفت گامزن باشی

بہ فرقِ دشمنانِ دین و ملت تیغ زن باشی
بہ چشمِ شوخِ اعدائے وطن ناوک فگن باشی

بہر حال آبروئے ملک و ملت را نگہداری
وقارِ پاکستانِ زاد و بومت را نگہداری

معطر سازی از عطرِ وفا بزمِ اخوت را
ز سر تازہ نمائی رسم و آئینِ محبت را

گرت یک گوہرِ شہوار از کف رائگاں باشد
بحمد اللہ کنوں ہم با تو گنجِ شائگاں باشد

زہے آں تابشِ "درِ یتیم" و "گوہرِ نادر"
کہ از فیضِ وجودش دولتِ بیدا شد ظاہر

مبارک آں فروغِ کشور و آں نازشِ ملت
مبارک آں جواں بخت و جواں سال و جواں ہمت

بہ مشرق آفتابے تازہ گردند ارزانی
کہ از کابل بہ عالم می نماید لمعہ افشانی

الٰہی ایں سریر آرائے افغاں کامراں باشد
بہ ہر ایں نیرِ رخشندہ دائم ضو فشاں باشد

بہارِ ایں چمن از فیضِ ایں گل جاوداں بادا
صبا از موجِ بوئش ہمچنیں عنبر فشاں بادا

مطبوعاتِ جدیدہ

اخبار الدّولۃ السلجوقیہ (عربی) مصحح جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب، استاذ زبان فارسی پنجاب یونیورسٹی،

ناشر پنجاب یونیورسٹی لاہور، حجم ۲۲۸ صفحے، لکھائی چھپائی ٹائپ میں جلد مطلا،

سلاجقہ کی تاریخ میں ابھی تک بہت کم مستقل کتابیں شائع ہوئی ہیں، ڈاکٹر محمد اقبال صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ اُنھون نے اس کتاب کو منظر عام پر لاکر اس سلسلہ میں ایک نئی کڑی کا اضافہ کیا، اخبار الدولۃ السلجوقیہ کا نسخہ برٹش میوزیم مین محفوظ ہے، زیر نظر نسخہ اوسی سے مرتب کیا گیا ہے، اس مین سلاجقہ کی ابتدا سے ۵۹۰ھ تک کے حالات مین، برٹش میوزیم کے نسخہ مین کتاب کے سرورق پر مصنف کا نام صدر الدین ابو الحسن علی مرقوم ہے، لیکن مختلف مستشرقین نے اپنے مضامین مین، خود اس کتاب کے اندر کے شواہد کی بنیاد پر اس انتساب کی تردید کی ہے، اور اپنی قیاس آرائیون سے مصنف کو متعین کرنا چاہا ہے، مصحح کتاب نے ان مضامین کا خلاصہ اپنے دیباچہ مین دیدیا ہے، لیکن ضرورت تھی کہ کتاب کے اس شائع شدہ نسخہ کے سرورق پر بھی اس انتساب کو کسی مشکوک لفظ کے ساتھ ظاہر کر دیا جاتا، کہ دیباچہ کی زبان انگریزی ہے، اس لئے انگریزی نہ جاننے والے عربی دانون کے غلط فہمی مین مبتلا ہو جانے کا امکان رہ جاتا ہے،

الفاروق (فارسی) مترجمہ خواہر اعلیٰحضرت غازی محمد نادر شاہ، حجم جلد اول ۲۷۶ و جلد دوم ۴۰۰ صفحات، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت درج نہیں ہے،

مولانا شبلی مرحوم کی الفاروق کا ترکی زبان مین چند سال پہلے ترجمہ شائع ہو چکا ہے، اور اب یہ کتاب اردو سے فارسی زبان مین ترجمہ ہو کر سامنے آئی ہے، اور اس کا نمایان وصف ایک یہ ہے کہ اس کو فارسی کا جامہ پہنانے والی ہستی ایک خاتون کی ہے، جو سابق شاہ افغانستان اعلیٰحضرت نادر شاہ مرحوم کی خواہر محترمہ ہین، انھین اردو زبان پر کامل عبور حاصل ہے، اور محض اپنے ذوق و شوق سے اس کو فارسی زبان مین منتقل کیا ہے، ترجمہ کی زبان شستہ شیرین

اور سہل ہے، کتاب کے آخر میں ایک رسالہ "مجموعہ اقوال حضرت عمر فاروق" مع منظوم فارسی ترجمہ کے منسلک ہے،

رحمۃ للعالمین، جلد سوم، از جناب قاضی محمد سلیمان صاحب مرحوم منصور پوری، حجم ۴۰۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت بے جلد سے مجلد مطلا ہے، پتہ:- منیجر اخبار مسلمان سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ (پنجاب)

رحمۃ للعالمین کی دو جلدیں اس کے مصنف مرحوم کی زندگی میں شائع ہو کر قبولیت عام حاصل کر چکی ہیں، اب تیسری جلد ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی ہے، اس حصہ کا موضوع اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے امتیازی خصوصیات ہیں، چنانچہ مختلف ابواب خصائص نبوی، خصائص قرآن، اور خصائص اسلام وغیرہ میں منقسم ہے، اس کتاب کی نمایاں خصوصیت سوانح و واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات، دوسرے صحف سماوی سے موازنہ اور یہود و نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال رہی ہے، یہ خصوصیت اس جلد میں بھی موجود ہے، اور دوسری جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی مناظرانہ طریق کے باوجود کمال تہذیب و متانت بھی اپنی جگہ برقرار ہے، اور اس جلد کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی نظر آتی ہے کہ اس پر جامع و مکمل سیرۃ النبی حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی نے مقدمہ لکھا ہے، جس میں اس کتاب اور اس کے مصنف مرحوم پر اظہار خیال ہے،

فہرست کتبخانہ بانکی پور، جلد ششم (انگریزی)، مرتبہ مولوی عبد الحمید صاحب، حجم ۱۶۹ صفحے، ناشر:- سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پرنٹنگ بہار و اڑیسہ، پٹنہ،

بانکی پور پٹنہ کے مشرقی کتبخانہ کی قلمی کتابوں کی فہرست کی اشاعت کا جو سلسلہ جاری تھا، اس کی آخری قسط جلد ششم حصہ دوم ابھی حال میں شائع ہوئی ہے، اس میں مختلف مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، وہابی، شیعہ اور زیدی کی فقہی کتابیں علٰحدہ علٰحدہ درج ہیں، اور آخر میں قانون وراثت اہل سنت و قانون وراثت شیعی کی کتابیں مندرج ہیں،

بوستان نعت، مرتبہ جناب میاں احمد علی صاحب سیفؔ، کلانور ضلع گورداسپور، ناشر جناب ملک نواب علی اعوان، ڈاکخانہ رسول، ضلع گجرات، (پنجاب) قیمت ۴/

جناب میاں احمد علی صاحب سیفؔ، ریاست بہاولپور کے دامن سے وابستہ اور حکومت کی حوصلہ افزائی سے

مفید خدمت مین مصروف ہین، بوستان نعت انھین کی مساعی کا نتیجہ ہے، اس مین پاکیزہ نعتیہ کلام یکجا کئے گئے ہین، خدا کرے اسے حسن قبول عطا ہو،

سعیدی ڈکشنری یا سعید اللغات مولفہ مولوی محمد منیر صاحب منیر صدیقی، ناشر مطبع مجیدی کانپور

حجم ۱۰۱۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، مجلد، قیمت درج نہین،

سعیدی ڈکشنری، اسکول کے طلبہ کی ضروریات کا لحاظ رکھکر مرتب کی گئی ہے جس مین اردو مین عام رائج الفاظ خواہ کسی زبان کے ہون، جمع کئے گئے ہین، پھر قانونی، سیاسی، اخباری، اور اقتصادی اصطلاحات وغیرہ علحدہ ضمیمون مین ہین، اردو اور فارسی کے محاورات کی تشریح کے لئے ایک جداگانہ ضمیمہ ہے، آخر مین اردو محاورون کے مترادف انگریزی محاورے تقریباً سو کی تعداد مین یکجا کر دیئے گئے ہین، طلبہ کے لئے جو ڈکشنریان اب تک مرتب ہوئی ہین، اون مین یہ سب سے جامع، مکمل اور کارآمد ہے

افشائے راز نہان } مولفہ جناب منشی احمد علی خانصاحب حجم بر ترتیب ۲۰۰ و ۱۷۰ صفحے، پتہ: منشی احمد علی
راز حیات } خانصاحب، نمبر ۲۲۹ کوچہ تاراچند، دہلی قیمت بر ترتیب ۱۲ و ۸

امریکہ کی مس کیتھرائن میو نے اپنی کتاب مدر انڈیا مین جو زہر فشانی کی تھی، منشی احمد علی خان نے امریکہ کی ایک دوسری خاتون مس کیتھرائن بیجنیٹ ڈیوس پی ایچ ڈی کی ایک تصنیف کا ملخص ترجمہ کرکے اوس کا جواب دیا ہے، وہی ترجمہ افشائے راز نہان کے نام سے شائع ہوا ہے، اس کتاب کی مصنف نے امریکہ مین ایک طبی جماعت قائم کرکے اصلاح معاشرت وصحت کی غرض سے امریکہ کی دس ہزار عورتون سے اون کی اندرونی زندگی اور اوس کے تجربے اور اثرات دریافت کئے تھے، ان مین سے دو ہزار عورتون نے جوابات دیئے جو حیاسوز حرکات کی رودادون سے مملو ہین، پھر مصنف نے انھین جوابات کو سامنے رکھکر مختلف شمار اور نتائج نکالے، اور انھی کو اس کتاب مین عورتون کے بیانات کے اقتباسات کے ساتھ شائع کیا ہے،

دوسرے رسالہ راز حیات مین منشی صاحب موصوف نے مسلمانون کو خطاب کیا ہے، اولاً اسلام کی خوبیان اور اوس کے برکات بتائے ہین، پھر مسلمانون کا موجودہ نقشہ کھینچا ہے، اور آخر مین ترقی کے تدابیر بیان کئے ہین، "ر"

جلد ۳۳ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۴ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

یہ خبر نہایت رنج و افسوس کیساتھ درج کیجاتی ہے کہ ندوۃ العلماء کے مشہور سفیر و وکیل مولانا غلام محمد صاحب شملوی نے ۲۹ مارچ ۱۹۳۴ء کو وفات پائی، ندوۃ العلماء کے مقاصد کی اشاعت اور اس کیلئے مالی امدادون اور چندون کے حصول میں انکی کوششین بہت کامیاب تھین، وہ جوانی مین تارک الدنیا فقیر ہوگئے تھے، اور جنگلوں میں رہتے تھے، ندوۃ العلماء کے ابتدائی اجلاسوں کے روحانی اثرات نے اُن کو دوبارہ دنیا مین داخل کیا اور ندوۃ العلماء کی خدمت کا ایسا دلولہ ان مین پیدا کیا جو مرتے دم تک سرد نہین ہوا، وہ بڑے پرجوش مقرر، روشنخیال عالم، اور صاحب عزم مخلص تھے، ندوہ کی خدمت مین انھون نے ہندوستان کی گلی گلی کی خاک چھانی، اور ہر چھوٹے بڑے سے ملے، مدت سے اُن کی صحت خراب تھی، وفات کے وقت انکی عمر ستر کے قریب ہوگی، تاہم ان مین ایسی ہمت تھی جو جوانون کو شرماتی تھی، خدا مغفرت فرمائے،

امسال مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اواخر مارچ مین میرٹھ مین منعقد ہوا، نواب ڈاکٹر سر مزمل اللہ خان بہادر اس کے صدر منتخب تھے، مگر افسوس کہ وہ اپنی علالت کی وجہ سے شریک اجلاس نہو سکے تاہم انکا لکھا ہوا خطبۂ صدارت پڑھا گیا، موصوف نے اس خطبہ مین جسمین شعر و ادب کی دلچسپی بھی کافی ہے، اپنی زندگی کے تعلیمی تجربون کو پوری وضاحت سے بیان کیا ہے، دار المصنفین ممنون ہے کہ اسکے ناچیز خدمات کو بھی اس خطبہ مین پوری طرح سراہا گیا ہے، یہ پہلا موقع ہے جسمین کانفرنس نے ہم گوشہ نشینون کو یاد کیا ہے،

آجکل اسلامی اخبارات مین بعض انگریزی اخبارات و رسائل کے اُن مضامین کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہے جنہین ذات پاک نبوی اور خلفائے اسلام و تاریخ اسلام پر ناجائز نکتہ چینی کیگئی ہے، مسلمان اندازہ کرتے ہونگے کہ اس قسم کے مضامین مسلسل اور بالتواتر انگریزی اخبارات مین نکلتے رہتے ہین، اور کبھی کبھی ہماری چیخ پکار پر وہ معافی بھی مانگ لیتے ہین، اس کا علاج صرف یہ ہے کہ انگریزی میں ہمارا اسلامی تاریخی لٹریچر اتنا پیدا کیا جائے جو اس پروپگنڈے کا جواب ہو سکے،

مقالات

سیرۃ النبی جلد چہارم پر تبصرہ

(۲)

عالم مثال و عالم برزخ

(مؤلف)

عالم مثال حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور دوسرے علمائے کبار اور حضرات مجددیہ کی تقلید میں مؤلف نے عالم مثال کی نسبت لکھا تھا:-

"ایک تو عالم اجساد ہے جس کو تم مادہ اور مادیات کہتے ہو، دوسرا عالم ارواح یا عالم غیب جو مادہ اور مادیات سے منزہ اور ما فوق ہے، اور تیسرا عالم مثال یا عالم برزخ ہے، یہ وہ عالم ہے جہاں عالم اجساد و عالم ارواح عالم شہادت اور عالم غیب دونوں کے اوصاف و قوانین مجتمع ہوتے ہیں" (سیرۃ سوم - طبع دوم ص۲۶)

اس بیان پر حافظ اسلم صاحب جیراجپوری کا ایراد ہے،

"کیا حقیقت میں ایسا کوئی عالم ہے، کیا شاہ ولی اللہ صاحب جو قرآن کے مترجم بھی تھے اور ماہر بھی اس عالم کے وجود پر اس سے ایک حرف کی بھی سند لا سکے، کیا اللہ جس نے عالم جسمانی اور عالم روحانی دونوں کی پوری پوری تفصیلات اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں، اتنے بڑے عالم سے جو دونوں کا جامع ہے بالکل خاموش رہگیا!؟"

اگر بقول ناقد، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب درحقیقت "قرآن کے ماہر" تھے تو اس کو باور کرنا چاہئے تھا کہ ایسا

ماہر قرآن بے حقیقت بات زبان پر نہیں لاسکتا تھا، مگر ظاہر ہے کہ جو سلف صالحین کی تقلید کا منکر ہے وہ بارہویں صدی کے ایک "مترجم قرآن" کا گو وہ "ماہر" ہی ہو مقلد کیونکر ہو سکتا ہے، لیکن میرا حسن ظن یہ ہے کہ ناقد نے یا تو شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ پڑھی ہی نہیں ہے، یا پڑھی ہے تو سمجھی نہیں، ورنہ وہ احادیث کے علاوہ قرآن پاک کی آیت بھی اس عالم کے متعلق اس میں پاتے،

سب سے پہلے تو میرا الزامی جواب ہے کہ آپنے "عالم جسمانی" اور "عالم روحانی" دو دنیاؤں کو تو مطابق قرآن تسلیم کر لیا، لیکن کیا ایک آیت بھی ہمارا موجودہ ماہر قرآن ایسی پیش کر سکتا ہے جس میں "عالم جسمانی" اور "عالم روحانی" کی "پوری پوری تفصیلات" مذکور ہوں، قرآن پاک میں لفظ "عالم" کے ساتھ ان میں سے کسی عالم کا ذکر نہیں جسم کی پیدایش اور روح کے خلق ہونے کا ذکر ہو مگر یہ کہ ایک جسمانی عالم اور دوسرا روحانی عالم اس سے الگ ہی اس دعوی کے ثبوت میں وہ ایک ہی آیت پیش کریں

دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں، (جامعہ جنوری ۱۹۳۲ء ص ۹۳)

" اب رہا بقاے روح بعد از موت کا سوال تو روح کے متعلق قرآن نے تصریح کر دی ہے کہ وہ "عالم امر" ہے جس کا تم کو بہت کم علم دیا گیا ہے"

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ	اور لوگ تجھ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں کہدے
اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا	کہ روح میرے پروردگار کے "امر" میں سے ہے اور
قَلِيْلًا ۔ ۱۰-۱۵	تم کو علم نہیں دیا گیا ہے مگر بہت کم،

ع ، غلطی ہاے مضامین مت پوچھ، اولاً تو اس آیت میں روح کی حقیقت کے سوال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ وہ رب کے امر سے ہے، اور انسان کو علم کم دیا گیا ہے، نہ کہ روح کی بقا کے اس لئے بقاے روح کے سلسلہ میں اس آیت کو پیش کرنا آئین خرد نہیں، دوسرے ذرا منکر حدیث ماہر قرآن" کی تحریف اور قرآن میں اپنی عقل سے تحریفانہ اضافہ کی ایک مثال دیکھئے، کہ قل الروح من امر ربی، کا ترجمہ وہ کرتا ہے "کہدے کہ روح میرے پروردگار کے امر میں سے ہے" تمام دنیا کے ماہرین زبان عربی سے میری درخواست ہے کہ وہ بتائیں کہ اس ترجمہ "امر میں" "میں" کس قرآنی لفظ کا ترجمہ ہے

صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "کہدے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے" ایک لفظ "میں" بڑھا کر یہ کر دیا کہ "امر" کو ایک مظروف بنا دیا ہے، جس میں کوئی چیز ہو، پھر یہ بھی ناقد کو معلوم ہو کہ جس روح کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد روح انسانی کے بجائے غالباً روح القدس ہے۔

اب آخر میں سوال یہ ہے کہ امر رب (رب کا حکم یا رب کا راز) کو ایک پورا عالم (عالم امر) ناقد نے کس قرآنی آیت کے حکم سے بنا دیا، قرآن پاک میں ایسا اضافہ رسول کی عقل سے، اور کسی محدث و امام کی فہم و اجتہاد سے تو جائز نہیں، لیکن ہر زید و عمر کی عقل و فہم سے قرآن پاک میں تو بہ تو اضافے کس طرح جائز ہو گئے؟ اس "عالم امر" کے ثبوت پر قرآن پاک کی کونسی آیت دال ہے،

اصل یہ ہے کہ ہماری بول چال میں لفظ عالم یا دنیا، کسی ایک عمومی کیفیت یا عمومی حالت کے مشترک مفہوم کیلئے بولا جاتا ہے، آپ دنیائے شباب، دنیائے خواب، عالم مدہوشی، عالم پیری، دنیائے سیاست، دنیائے عقل، عالم تنہا وغیرہ سینکڑوں لفظ بولتے ہیں، مگر کبھی آپ کا ذہن ادھر متوجہ نہیں ہوتا کہ آپ نے عالم جسمانی و عالم روحانی کے علاوہ سینکڑوں عوالم اور دنیائیں بنا لیں، اسی طرح مثالی حالت اور برزخی کیفیت کو عالم کہدیا گیا ہے، جیسا کہ آپ نے "امر" کو عالم مان لیا ہے، اور یہ نہیں سوچا کہ اس عالم امر کے ثبوت میں قرآن کی کوئی آیت بھی ہے'

عالم مثال کی اصطلاح بولنے والوں کے نزدیک، عالم مثال سے وہ عالم مراد ہے جس میں مجسم شے، کسی دوسرے مناسب جسم میں، یا غیر مجسم شے مجسم ہو کر نظر آتی ہے، احادیث کے علاوہ قرآن پاک کی وہ آیت جس سے یہ اصطلاح ماخوذ ہے حسب ذیل ہے،

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، (مریم) — تو فرشتہ مریم کے لئے (یا مریم کے سامنے) طاقتور (یا تندرست) آدمی کی مثالی صورت میں آیا،

غیر مجسم فرشتہ جو روح ہے (روح القدس) وہ بشر ہو کر نہیں، بلکہ بشر کی صورت میں متمثل ہو کر نظر آیا، اسی کا نام عالم مثال ہے، قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کے پاس مہمانوں کی صورت میں فرشتوں کا آنا، اور حضرت لوطؑ کے پاس خوب حسین نوجوان بنکر آنا مذکور ہے، یہ سب عالم مثال کی مثالیں ہیں، غور کیجئے کہ غیر مجسم ارواح کس طرح مجسم ہو کر آتی ہیں، عالم

در رویا میں بھی یہی ہوتا ہے کہ غیر مجسم چیزیں یا حقیقتیں اپنی مناسب معنوی شکلوں میں مجسم ہو کر دکھائی دیتی ہیں، اسی تمثل اور جسم و روح کی وجہ مناسبت کو سمجھ لینا، علم تاویل رویا یعنی علم تعبیر خواب ہے ،

قرآن پاک میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کو آفتاب و ماہتاب اور گیارہ ستارے سجدے کرتے نظر آئے حضرت یعقوبؑ نے کہا کہ تم اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے مت کہنا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ اس تمثل کی حقیقت کو سمجھ گئے تھے، واقعات اب پہلو پر پہلو بدلتے جاتے ہیں، یہانتک کہ حضرت یوسفؑ مصر کی مسند وزارت پر ہوتے ہیں، اور حضرت یوسفؑ کے والد، والدہ اور گیارہ بھائی ان کے ہاں آتے ہیں، اور ان کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں، اور حضرت یوسفؑ خوشی سے پکار اٹھتے ہیں،

هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ، (یوسف) یہ ہے میرے خواب کی تعبیر،

دیکھئے کہ اس تمثل میں باپ آفتاب، ماں چاند، اور گیارہ بھائی گیارہ ستاروں کی صورتیں اپنے اپنے درجہ اور مرتبہ کے مطابق نظر آتے ہیں، یہی عالم مثال کا دیدار ہے، پھر قحط اور سرسبزی کو دبلی اور موٹی گایوں کی صورت میں شاہ مصر کو دکھایا گیا، اور حضرت یوسفؑ نے اس کا مفہوم سمجھا،

موت کے بعد فرشتے کفار کی روحوں کو منھ اور پشت پر مارتے ہوئے لیجاتے ہیں قرآن کہتا ہے،

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ، (انفال) اور اگر تو دیکھے جب فرشتے وفات دیتے ہیں، کافروں کو مارتے ہوئے انکے منھوں کو اور پیٹھوں کو،

یہ بعد موت اور قبل حشر کا واقعہ ہے، اس میں مرنے والے کفار کے منھوں اور پیٹھوں کے فرشتوں کے ذریعہ پیٹے جانے کی تصریح ہے، اس سے علاوہ انہیں کہ برزخ کا عذاب ثابت ہو جا رہا ہے، جس کے انکار کے لیے معترض نے مضمون لکھا ہے، سوال یہ ہے کہ مرنے کے بعد یا مرنے کی حالت میں کفار کے منھوں اور پیٹھوں کو فرشتے مارتے ہیں، اسکی تصدیق ہمارا فرض ہے، لیکن بظاہر یہ ہمارے مشاہدہ کے خلاف ہے کہ کفار کے منھوں اور پیٹھوں پر اس مار کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا، شاہ ولی اللہ صاحب اس قسم کے واقعات کو عالم مثال کے مناظر کہتے ہیں ،

قرآن میں ہے،

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا، (نساء-۱)

بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ظلم کرکے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں، اور عنقریب وہ دوزخ میں پیٹھینگے،

دنیا کے ظاہری ومادی مشاہدہ میں تو یہ نہیں ہے کہ یتیموں کا مال جو لوگ ظلماً کھاتے ہوں، ان کے پیٹوں میں آگ بھری ہوتی ہو، عالم مثال ماننے والے کہتے ہیں کہ مال حرام کی مثالی صورت یہی ہے، جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ، (بقرہ ۲۱-۲)

بیشک جو لوگ کتاب سے اللہ نے جو اتارا اس کو چھپاتے ہیں اور اس کے ذریعہ (دنیا) کی تھوڑی دولت کماتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے لیکن آگ،

یہی عالم مثال ہے، سود کھانے والوں کے حال میں ہے،

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ (بقرہ)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھتے لیکن جس طرح وہ اٹھتا ہے جس کو شیطان نے چھوکر مخبوط بنادیا ہو،

اس میں قیامت کا لفظ نہیں اور نہ استقبال کی تصریح ہے، حال کا صیغہ ہے اس میں سود خوار کیلئے مجنون کی مثالی صورت ظاہر کیگئی ہے، اس قسم کی اور بیسیوں آیتیں ہیں، اور انھیں آیتوں اور حدیثوں پر غور کرکے علماے روحانی نے عالم مثال کی اصطلاح قائم کی ہے، اور اس مثال وتمثل کا لفظ قرآن میں اور احادیث میں ہے جنکی تفصیل سیر جلد ۴ میں مذکور ہے،

کیا اب بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام قائم کیا جائے گا کہ

"کیا شاہ ولی اللہ صاحب جو قرآن کے مترجم بھی تھے اور ماہر بھی اس عالم کے وجود پر اس (قرآن) سے ایک حرف کی بھی سند لا سکے"

عالم برزخ افسوس ہے کہ ناقد نے برزخ کے متعلق ہمارے قرآنی دلائل کے ابطال اور اپنے دعووں کے اثبات

میں جو کچھ کہا ہے، وہ نہ صرف یہ ہے کہ قرآن واحادیث واجماع امت اور تصریحات سلف کے خلاف ہے، بلکہ انسانی عقل عام یعنی "کامن سنس" کے بھی خلاف ہے،

مؤلف نے اسلامی عقائد کے مطابق قرآن پاک کی آیتوں سے ثابت کیا ہے کہ مرنے کے بعد سے لیکر قیامت تک جو مدت ہے، اور جسکا نام قرآن نے برزخ بتایا ہے، اس برزخ میں بھی نیکوکاروں کو بہشت کا جلوہ اور بدکاروں کو دوزخ کا منظر دکھایا جاتا رہتا ہے، معترض اس کے برخلاف دو باتیں ثابت کرنا چاہتا ہے،

۱۔ مرنے کے بعد مردوں میں قرآن نے کسی قسم کا حاسہ تسلیم نہیں کیا ہے، نہ وہ انسانوں کی پکار سنتے ہیں، اور نہ علم وخبر رکھتے ہیں،

۲۔ میت کو برزخ میں زمانہ کا احساس نہیں ہوتا، اس لئے زمانہ نہیں ہوتا، نتیجہ یہ ہے کہ اس کو موت کے وقت اور قیامت کے دن میں فصل محسوس نہ ہوگا،

انھیں دونوں مقدموں سے بالآخر یہ منطقی نتیجہ کسی طرح نکل آیا کہ عالم برزخ مطلق عالم ممات ہے، جس میں نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے،

یہ دونوں باتیں نہ صرف یہ کہ غلط بلکہ بالکل بے بنیاد اور قرآن پر صریح تہمت ہیں،

پہلی بات کے ثبوت میں وہ حسب ذیل آیتیں پیش کرتے ہیں،

۱۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ،	اور جنکو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے ہیں، بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں، مردہ ہیں زندہ نہیں، اور (اتنی بھی) خبر نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے،

۲۱/۱۶

اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ مردوں میں حیات وشعور واحساس نہیں" غور سے پڑھئے اس میں کہیں یہ ہے کہ "مردوں میں کسی قسم کی حیات، اور شعور واحساس نہیں ہوتا" پھر مکرر پڑھئے، ان میں سے ایک چیز کا بھی ذکر ہے

اگر ہے تو یہ ہے کہ ان بتوں اور پتھروں میں جنکو عرب کے یہ کفار و مشرکین پوجتے ہیں اور پکارتے ہیں، خلق اور پیدا کرنے کی قوت نہیں، بلکہ وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، ان بتوں، معبودوں اور پتھروں میں تو حیات بھی نہیں، وہ تو مردہ ہیں، ان میں تو علم بھی نہیں، ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے، حالانکہ خدا وہ ہے جو خالق ہو، جو حیّ (زندہ) ہو، جس کو یہ معلوم ہو کہ قیامت کب ہوگی،

ناظرین آیت مذکورہ پر پھر غور کریں کہ اس میں مردہ انسانوں کے عدم حیات و عدم شعور و احساس کے متعلق ایک حرف بھی خدا نے فرمایا ہے؟

۲- وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْ مِنْ	اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ان لوگوں
دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	کو پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک بھی اس کو جواب
وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ	نہیں دینے کے، اور وہ اُن کی پکار سے بے خبر ہیں
كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ	اور جب لوگ اٹھائے جائینگے تو وہ ان کے دشمن بنجائینگے
احقاف	اور انکی پرستش کا انکار کرینگے،

اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ مردے برزخ کے عالم میں بے خبر اور غافل رہتے ہیں، ناظرین! تامل کی ایک ایک نظر! اس آیت میں اس قسم کا کوئی مفہوم ہے کہ مردے عالم برزخ میں بے خبر اور غافل رہیں گے؟ اگر ہے تو یہ ہے کہ جن بتوں، مورتوں، پتھروں، فرشتوں، جنوں اور آدمیوں کو وہ مصیبت کے وقت پکارتے ہیں، ان میں سے کوئی انکی دہائی اور پکار کو قیامت تک نہیں پہنچے گا، بلکہ وہ ان کے اس دہائی پکارے جانے کی اور ان کی اس التجا و درخواست کی خبر بھی نہیں رکھتے، بلکہ قیامت کے بعد جب سب اگلے پچھلے اکٹھے ہونگے، وہ اپنے پوجنے والوں کے منکر اور دشمن ہوجائینگے اس میں مردوں کے عالم برزخ میں بے خبر اور بے احساس ہونے پر کون سا حرف دلالت کر رہا ہے،

۳- وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا	اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ انکو
يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ	ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ

شفعاؤنا عند اللہ قل اتنبئون اللہ بما لا یعلم — کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں، کہدے کہ کیا اللہ کو ان کے ذریعہ

فی السموات ولا فی الارض ۔ (۱۸) — سے خبر پہنچاتے ہو جنکو آسمان اور زمین کی کسی شے کا علم نہیں؛

اول تو اس ترجمہ میں حسب دستور تحریف کیگئی ہے، بما میں ب استعانت کے لئے نہیں بلکہ تنبئون کا صلہ ہے پھر "کسی شے" کا لفظ قرآن میں نہیں جس کو بڑھادیا گیا ہے، آیت کے خط زدہ حصہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے "کیا تم اللہ کو وہ بتاتے ہو جس کو وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے، نہ زمین میں" ان دو ترجموں میں سے کون صحیح ہے، اس کا فیصلہ علماء اور مفسرین کی راے کے مطابق آپ کو قبول نہ ہوگا، اس لئے جامعۂ ملیہ کا ہر عربی جاننے والا مدرس اس کا ثالث ہے،

اب اس تحریف کو جانے دیجئے، آئیے غور کریں کہ اس آیت کے کس حرف سے یہ ثابت ہوا کہ عالم برزخ میں انسان علم سے محروم رہتے ہیں؟ آپ کی تحریف کے بموجب بھی اگر ثابت ہوگا تو یہ کہ بت اور اصنام اور دیگر معبود باطل خواہ زندہ ہوں یا مردہ، آسمان وزمین کی کسی شے کا علم نہیں رکھتے،

۴۔ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَاءَکُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ۔ (۲۵)

اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں، اگر تم ان کو پکاروگے، تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے، اور جو سنتے بھی، تو جواب نہ دیتے، اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کریں گے،

اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے، کہ مردے سنتے نہیں، حالانکہ اس سے ثابت یہ ہوتا ہے، کہ معبودان باطل جنکی دہائی یہ کفار پکارتے ہیں، سنتے ہی نہیں، اور بالفرض سنیں بھی تو ان کی درخواست کی قبولیت کا جواب بھی نہیں دے سکتے، اور قیامت کے دن ان کے ان مشرکانہ اعمال سے وہ انکار کریں گے، کہ ہم کو ان سے کوئی تعلق نہیں،

فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا، (بنی اسرائیل-۵)

جس نے تمکو پہلی بار پیدا کیا، اس پر یہ لوگ تیرے آگے (انکار کے طور پر) سر مٹکانے لگیں گے، اور کہینگے کہ وہ کب ہوگا کہہ کہ عجب نہیں کہ قریب ہو جسدن وہ تمکو بلائیگا اور تم اسکی تعریف کرتے ہوئے تعمیل حکم کروگے، اور گمان کروگے کہ بس تم تھوڑے ہی دنوں رہے،

۲- وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ. وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. (روم-۶)

اور جسدن قیامت قائم ہوگی مجرم قسم کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی کے علاوہ نہیں ٹھہرے، اسی طرح یہ لوگ بہکے تھے، اور وہ لوگ جنکو علم اور ایمان دیا گیا کہیں گے کہ تم خدا کے نوشتہ میں یوم البعث تک ٹھہرے اور یہ یوم البعث (قیامت) ہی ہے، مگر تمکو اس کا علم (یقین) ہی نہ تھا،

۳- يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا، (طٰہٰ-۵)

جسدن نرسنگا پھونکا جائیگا، اور ہم مجرموں کو اکٹھا کریں گے اس دن انکی آنکھیں نیلی ہونگی، آپس میں چپکے چپکے کہتے ہوں گے نہیں ٹھہرے تم مگر دس دن، ہم اس سے واقف ہیں جو وہ کہینگے جب ان میں سب سے زیادہ صحیح اٹکل والا کہے گا کہ نہیں ٹھہرے تم مگر ایک دن،

۴- وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ. (یونس-۵)

اور جسدن وہ انکو اکٹھا کریگا گویا وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی، آپس میں وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے، بیشک ٹوٹے میں ہیں وہ جنہوں نے خدا کی ملاقات کو جھٹلایا اور نہ تھے وہ ہدایت یافتہ،

۵- وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ

اور جلدی نہ کران کے لئے جس دن وہ دیکھیں گے جسکا ان سے

یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (احقاف) وعدہ کیا جاتا ہے گویا وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی،

۶۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰهَا، اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا، اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا، کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا، (نازعات ۲)

یہ لوگ تجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اسکا کہیں تھل بیڑا بھی ہے؟ تم اسکی فکر میں کہاں پڑے ہو، اسکی انتہا تیرے رب تک (جا کر ٹھہرتی) ہے، تم تو جو اس سے ڈرتا ہو اسکو خبردار کرنے والے ہو، جس دن وہ اس کو دیکھیں گے، گویا نہیں ٹھہرے مگر آخر پہر یا اول پہر،

۷۔ قٰلَ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ، فَاسْئَلِ الْعَادِّیْنَ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۂ مومنون ۶)

خدا کہیگا تم زمین میں گنتی کے کتنے برس ٹھہرے؟ وہ جواب دینگے ہم ایک دن یا اس سے بھی کم ٹھہرے تو گننے والوں سے پوچھ، خدا کہیگا تم بہت کم ٹھہرے کاش تم (اسکو) جانتے ہوتے،

یہ سات آیتیں ہیں جنمیں یہ بیان ہے کہ گنہگار قیامت کے دن "مدت قلیل کے قیام اور ٹھہرنے کا اقرار کرینگے" سوال یہ ہے کہ یہ کہاں کے قیام اور ٹھہراؤ کے متعلق سوال و جواب ہے، بیشتر اس کی تصریح نہیں ہے، اب ناقد کا ان میں سے بعض آیتوں کو جن میں "گھڑی بھر" کا ذکر ہے، برزخ کے قیام سے متعلق بتانا، ذاتی قیاس و اجتہاد کے سوا کس دلیل قرآنی پر مبنی ہے؟ اور "لبث فی الارض" اور "لبث فی کتاب اللہ" کی تفریق قرآن سے بے ثبوت ہے، کتاب اللہ کے معنی "خدا کے علم میں" ہیں، انھیں معنوں میں قرآن پاک نے اس محاورہ کو ایسے مواقع پر استعمال کیا ہے، ان میں سے ہر آیت میں "گویا" کا لفظ ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ کا صحیح احساس ان کو نہ ہونا، واقعہ نہ ہوگا،

جس حالت میں کہ برزخ میں بقول ناقد زمانہ ہی نہیں، گنہگاروں کا یہ کہنا کہ ہم برزخ میں گھڑی بھر رہے ہے، یا ایک شام رہے، یا ایک صبح رہے، محض بے معنی ہے، اور پھر اس بار بار کے اظہار کی کہ ہم برزخ میں ایک گھنٹہ رہے، حاجت کیا ہے؟ اور کس فائدہ کے لئے اس کا اعادہ ہے؟

اگر بالفرض ان آیتون کا یہی منشا ہو کہ مردے قبرون مین اپنے پوجنے والون کی آواز اور پکار نہین سنتے، تو اس سے اس بات کی تردید کیونکر ہوگئی، کہ برزخ مین بہشت و دوزخ کے مناظر بھی ان کو اللہ تعالیٰ نہین دکھاتا، حالانکہ ہماری بحث سماع موتی کے مسئلہ پر نہین، بلکہ برزخ کے عذاب و ثواب کے مسئلہ پر ہے، مؤلف نے یہ دعوی نہین کیا کہ مردے اپنے پکارنے والون اور دہائی دینے والون کی آوازین سنتے ہین، بلکہ یہ دعوی کیا ہے کہ وہ فرشتون کی آوازین سنتے ہین، اور عالم برزخ کے مناظر دیکھتے ہین، !

موت اور قیامت مین فصل زمانی نہین یہ معترض کا دوسرا دعویٰ ہے، جو نہ صرف یہ کہ دلائل سے خالی ہے، بلکہ عقلاً بے معنی ہے، آپ کچھ بھی کیجئے، اور کہیں بھی جائیے، زمان و مکان سے آزاد نہین ہو سکتے، دعویٰ یہ ہے کہ "موت اور قیامت مین فصل زمانی نہین" اور ثابت یہ کیا گیا ہے کہ مردون کو زمانہ کا احساس نہین ہوگا، کیا دعویٰ اور نتیجہ میں کوئی منطقی تطابق ہے؟ ایک بے ہوش بیمار یا مجروح کو زمانہ کا صحیح احساس نہیں ہوتا، لیکن کیا زمانہ اس کے حق مین فنا ہو جاتا ہے؟

اس بارہ میں قرآن مجید کی جو آیتین انھون نے پیش کی ہیں، ان میں سے کسی میں بھی ان کے اس دعویٰ کی تائید نہیں، ان کی پیش کردہ پہلی آیت یہ ہے،

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ (۴۵/۱۰)

اور جس دن اللہ ان کو اٹھائیگا وہ خیال کرینگے کہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہونگے،

اس آیت میں "وہ خیال کرینگے" کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے اور "گویا" کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے، وہ معترض کا خود اپنے دل سے اضافہ ہے، اور "حشر" کے معنی اٹھانے کے بھی نہیں، جمع کرنے کے ہیں، ہمارے دعویٰ کی دلیل کتب لغت اور قرآن ہے، فرعون نے جادوگروں کو جمع کیا، تو فرمایا گیا فحشر فنادیٰ، قیامت سے پہلے کے احوال میں ہے، واذا الوحوش حشرت یہود کی جلاوطنی کے لئے ہے، لاول الحشر، وغیرہ، اس لئے آیت مذکورہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے،

"اور جبدن وہ (خدا) ان (کافر مردوں) کو اکٹھا کریگا، گویا کہ وہ دن کی ایک گھڑی رہے، آپس مین پہچانتے ہونگے"

۱- اول تو سوال یہ ہے کہ جب دن کی ایک گھڑی کا بھی احساس ہوگیا تو زمانہ کا احساس ہوگیا،

۲- اس آیت میں کہیں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے بالتخصیص یہ معلوم ہو کہ یہ سوال زمین میں قبر کے اندر یا برزخ میں یا دنیا میں رہنے کے متعلق ہے؟ پھر اس کو بالیقین برزخ میں رہنے کے متعلق قرار دینا بے وجہ قرآن پر اضافہ کرنا ہے،

۳- خدائے تعالیٰ آیت میں فرماتا ہے کہ "گویا وہ ایک گھڑی رہے" اس "گویا" کا صاف مفہوم یہ ہے کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوا کہ وہ دن کی ایک ہی گھڑی رہے، بلکہ اُن کو معلوم ایسا ہوگا،

اسی طرح اس قسم کی دوسری آیتوں کے ترجمہ میں بھی، اسی قسم کی تحریف کی گئی ہے،

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ - ۴۶ جسدن وہ اس (حشر) کو دیکھینگے جبکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ (خیال کرینگے) کہ بس دن کی ایک گھڑی رہے ہیں'

اس آیت میں "وہ خیال کرینگے" کے الفاظ کہیں نہیں ہیں، صحیح ترجمہ یہ ہے،

"وہ جسدن دیکھینگے جبکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے لیکن دن کی ایک گھڑی"

"گویا" کے مفہوم سے یہ ظاہر ہے کہ ان گنہگاروں کا ایسا سمجھنا کہ وہ دن کی ایک ہی گھڑی رہے واقعہ نہ ہوگا،

ایک اور آیت میں ہے،

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ۔ ۳۰ اور جسدن قیامت کھڑی ہوگی مجرم قسم کھائینگے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے (خدا کہتا ہے) کہ اسیطرح وہ بھٹکائے جاتے تھے'

صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مجرموں کے اس قول کو کہ "وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے" بھٹکنا (افک) فرما رہا ہے' کہ جسطرح وہ دنیا کی زندگی میں بھٹکتے رہے، اسی طرح اس اظہار میں کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے بھٹک رہے ہیں، اور باطل کہہ رہے ہیں' اب جس امر کو یعنی مجرموں کے اس کہنے کو کہ وہ ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں رہے، خدا افک اور باطل فرمائے اس کو ناقد کا حق کہنا اور سمجھنا کسی طرح حق ہو سکتا ہے؟

قیامت کے دن مجرموں کے اس قول کا کہ "وہ بہت کم رہے" قرآن کی حسب ذیل آیتوں میں ذکر ہے، جنکو ادھ کٹا کرکے معترض نے نقل کیا ہے

۱- فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي پس یہ لوگ کہیں گے ہم کو دوبارہ کون زندہ کرسکے گا؟ کہہ کہ وہ

س نے جگایا" اور اس میں بھی برزخ کی کیفیت کو نیند سے تعبیر کیا گیا ہے، اور یہ بھی ہمارے دعوئ کے موافق ہے،

اب آئیے خالص لغت کی کتابیں دیکھیں،

ویحتمل ان یکون المرقد مصدرا ویحتمل — اور احتمال ہے کہ مرقد مصدر ہو اور (یہ بھی) احتمال ہو کہ

ان یکون موضعًا وهو القبر (لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۱۲۸) — ایک جگہ ہو یعنی قبر،

بہر حال لفظی بحث کو چھوڑ کر اصل معنی پر آئیے، اب خواہ مرقد سے بستر مرگ مراد لیجئے، یا قبر یا مصدری معنی خواب ہر حال میں تسلیم کرنا ہو گا، کہ برزخ کی کیفیت ایک خواب کی ہو گی، جیسا کہ مؤلف نے بدلائل کہا ہے، نہ کہ مطلق بے خبری و بے حسی و بے عملی اور فنائے محض اور ممات مطلق کی،

برزخ کے معنی — قرآن کی آیت ہے،

وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ، — اور ان (مرنے والوں) کے پیچھے پردہ ہے اس وقت تک کہ وہ اٹھائے جائیں گے

سوال یہ ہے کہ پردہ کن دو چیزوں کے درمیان ہے، صاف ظاہر ہے کہ اسکی ایک حد تو بعث یعنی اٹھایا جانا ہے، اور دوسری حد یہ موجودہ دنیاوی زندگی ہے، اور ان دونوں حدوں کا کنایہ خود اسی آیت مذکورہ سے نکلتا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ برزخ کا پردہ، حیات دنیاوی اور بعث بعد الموت یا قیامت کے بیچ کا وقفہ ہے، اب دیکھئے کہ معترض اس آیت سے کیا مفہوم سمجھتا ہے،

"مردوں کیلئے برزخ موت سے حشر تک ہے، اس درمیان میں وہ اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں"

برزخ رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جانے کا نام نہیں، یہ قرآن پاک کے مفہوم میں اپنے ذاتی قیاس سے اضافہ ہے، بلکہ برزخ حیات دنیا اور قیامت کے بیچ کی آڑ یا حاجب یا پردہ یا درمیانی منزل کا نام ہے، جیسا کہ قرآن کی آیت مذکورہ میں ہے،

وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ، — اور ان (مرنے والوں کی حیات دنیا کے) پیچھے اس دن تک پردہ ہے، جب وہ اٹھائے جائیں گے،

پس یہ پردہ حیات دنیا اور قیامت کے بیچ میں ہے، نہ کہ "رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جانے کے" جسکا اس

آیت میں تذکرہ تک نہیں، خود ناقد نے برزخ کو موت سے حشر تک مانا ہے، مگر پھر رب کی حضوری سے آڑ کہکر آیت بالا کے مفہوم اور برزخ کی حقیقت کے اظہار میں غلطی کا ارتکاب کیا ہے،

الیوم | مؤلف نے موت کے وقت ہی سے عذاب و ثواب کے مناظر شروع ہو جانے کے ثبوت میں وہ چند آیتیں پیش کی تھیں جنمیں موت کے واقعہ کے سلسلہ میں یہ مذکور ہو کہ آج عذاب کا مزہ چکھو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے وقت ہی سے عذاب و ثواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، ناقد اس کے جواب میں کہتا ہے کہ چونکہ موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں اس لئے "آج" کے معنی قیامت کے دن کے ہیں، نہ کہ موت کا دن، اس دعویٰ کی کہ موت اور قیامت کے درمیان فصل زمانی نہیں ابھی پردہ دری ہو چکی ہے، اور ناقد کی غلطی عیاں کیجا چکی ہے، اس لئے موت کے سلسلہ میں آج سے مقصود قیامت کا دن قیامت تک نہیں ہو سکتا،

ناقد کو نحو کا یہ مسئلہ معلوم ہونا چاہئے کہ الیوم (آج) ظرف زمان ہے، یہ جس فعل کے سلسلہ میں بولا جائیگا اسی فعل کا زمانہ مقصود ہوگا، مثلاً اگر آپ یہ کہیں دشمن سے لڑائی ہو رہی ہے آج بہادری کا حال معلوم ہوگا، تو اس آج سے مراد لڑائی کا دن ہوگا اور اگر آپ یہ کہیں، امتحان ہو رہا ہے، آج آپکی علمیت کا پتہ چل جائیگا، تو اس آج سے مقصود امتحان کا دن ہوگا، بنا بریں موت کے ذکر میں جب آج کا لفظ آئیگا تو اس سے موت کا دن مراد ہوگا، نہ کہ قیامت کا مثلاً قرآن میں ہے،

وَلَوْ تَرٰىٓ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ	اور کاش تو دیکھے جب ظالم موت کی بیہوشیوں میں ہوں اور
الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ	فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوں، نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت
تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ	کے عذاب کی سزا دیجائیگی، اس لئے کہ تم خدا پر ناحق
عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ۹۳	بات کہتے تھے،

اب یہاں الیوم (آج) سے مراد موت کا وقت ہوگا، اب اگر کسی دوسری آیت میں الیوم کا اطلاق قیامت کے دن پر بھی ہوا ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں کہیں بھی الیوم بولا جائے وہاں قیامت ہی کا دن مراد ہو، قرآن میں ہے

۱- الیوم اکملت لکم دینکم (مائدہ ۱) — آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا،

غور فرمائیے کہ سات آیتوں میں سے ساتویں آیت میں تخصیص ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سوال اور گنہگاروں کا جواب زمین میں قیام اور سکونت اور ٹھہرنے کے متعلق ہے، خواہ وہ زمین کے اوپر رہنا ہو یعنی دنیاوی زندگی، یا زمین کے اندر رہنا ہو یعنی قبر میں، غرض ہر انسان کی دنیاوی زندگی کے آغاز سے لیکر قیامت کے دن تک کے ٹھہراؤ اور قیام کے متعلق یہ بیان ہے کہ وہ نہایت ہی قلیل مدت ہوئی،

پہلی، دوسری اور تیسری آیت میں یہ تصریح ہے کہ قیامت کے منکر قیامت کو بہت بعید سمجھکر جلدی کرتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی، لاکھوں برس تو وعدہ پر گذر چکے، ہمارے باپ دادوں سے بھی یہی وعدہ ہوا، اور ہر پیغمبر نے آکر یہی کہا کہ بس قریب ہے، مگر وہ آئی ہی نہیں، دراصل قیامت کے ان منکرین یا مستبعدین کے جواب میں یہ آیات ہیں کہ جب قیامت آئیگی تو تم کو یہی معلوم ہوگا کہ قیامت کے آنے میں جو دیر ہوئی وہ ایک گھنٹہ یا ایک صبح یا ایک شام یا ایک دن سے زیادہ نہیں ہوئی، اس لئے قیامت کو بہت دور نہ سمجھو، یہ ہے ان آیات کا منشا جس کو معترض نے اپنی غلط فہمی سے اس ثبوت میں پیش کیا ہے، کہ برزخ میں زمانہ نہیں، اور موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں، اگر یہ استدلال صحیح ہے تو کیا جس ساتویں آیت میں بالتخصیص زمین میں قیام کی نسبت سوال ہے کیا اس سے یہ استدلال درست ہوگا کہ حیات دنیاوی میں زمانہ نہیں، اور حیات دنیاوی اور قیامت میں فصل زمانی نہیں،

دیکھئے اصحاب کہف از روے قرآن تین سو برس تک سوتے رہے، مگر جب وہ جاگے تو ان کو یہ اتنی بڑی مدت صرف ایک دن یا ایک دوپہر معلوم ہوئی،

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ . . . . وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ، (کہف ۳و۲۶)	ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنا ٹھہرے؟ انھوں نے جوابدیا ہم ایکدن یا اس سے بھی کم ٹھہرے، انھوں نے کہا تمہارا پروردگار زیادہ جانتا ہے جتنا تم ٹھہرے . . . . اور وہ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے اور نو برس اور زیادہ (ٹھہرے)، کہہ اللہ زیادہ جانتا ہے جتنا وہ ٹھہرے،

اسی طرح ایک اور صاحب نے جنکو اللہ تعالیٰ نے سو برس کی موت کے بعد زندہ کیا، یہی کہا،

فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ، قَالَ کَمْ لَبِثْتَ ، قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ، قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَۃَ عَامٍ (بقرہ - ۳۵)

پس اسکو خدا نے سو برس تک مردہ رکھا، پھر اس کو اٹھایا، خدا نے پوچھا تم کتنا ٹھہرے، اس نے جواب دیا میں ایکدن یا اس سے بھی کم ٹھہرا، خدا نے کہا بلکہ تم سو سال تک ٹھہرے،

کیا اصحاب کہف اور اس صد سالہ مردہ کے یہ کہنے سے کہ ہم ایک دن یا آدھے دن تک سوتے یا مرے رہے، یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جس حالت میں تھے، وہ حالت زمانہ کی قید سے پاک تھی، حالانکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلی جماعت ۳۰۹ برس تک سوتی رہی، اور دوسرے صاحب سو برس تک مرے پڑے رہے،

غرض مردہ کو زمانہ کا صحیح احساس نہ ہونا اور بات ہے، اور نفس زمانہ کا برزخ میں فنا ہونا اور بات ہے، فافھم،

مرقد| مؤلف نے لکھا تھا کہ مردہ میں برزخ کے عذاب و ثواب کا تصور خواب کے واقعات کی طرح ہوگا، اور اس ثبوت میں قرآن پاک یہ آیت نقل کی تھی کہ قیامت میں لوگ کہیں گے،

مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ، (یس) ہم کو کس نے ہمارے خوابگاہ سے جگایا،

مؤلف نے یہ لکھا تھا کہ "مرقد" یعنی خوابگاہ سے مراد "قبر" یا برزخ کا مقام ہے، خواہ وہ زمین ہو یا دریا ہو یا کسی شیر کا پیٹ ہو، یا کوئی جگہ بھی ہو معترض کہتا ہے کہ "مرقد" خوابگاہ سے مراد وہ پلنگ یا بستر ہے جہاں پڑے ہوئے مردہ نے وفات پائی، یہ ایک لغت کی بحث ہے، اسکا فیصلہ صرف لغت سے ہوسکتا ہے، ہر اردو فارسی جاننے والا بھی یہ جانتا ہے کہ "مرقد" قبر سے استعارہ ہے، نہ کہ بستر مرگ سے، کتنے شاعروں نے اس لفظ کو استعمال کیا ہوگا، اور شاید معترض نے بھی بحیثیت شاعر کے مرقد کو کتنی بار قبر کے معنوں میں استعمال کیا ہوگا،

اب آیئے کتب تفسیر میں لغت کی حیثیت سے، نہ کہ روایت کی حیثیت سے اس کی تحقیق کریں، ابن جریر طبری نے اہل لغت سے اسکی دو تحقیقیں نقل کی ہیں، ایک یہ کہ یہ ظرف ہے اور اسکے حقیقی معنی خوابگاہ ہیں، اور مجازی معنی قبر کے ہیں، دوسری یہ کہ یہ مصدر میمی ہے، اور اس کے معنی خواب اور نیند کے ہیں، اس دوسری صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم کو ہماری نیند سے

۲۔ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ، (مائدہ) آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کی گئیں،

۳۔ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ اَمِينٌ، (یوسف) تم آج ہمارے ہاں بڑے رتبہ والے امانتدار ہو،

۴۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، (یوسف) تم پر آج کوئی سرزنش نہیں،

۵۔ فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا، (مریم) میں آج کسی آدمی سے بات نہیں کرسکتی،

۶۔ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى (طٰہٰ) اور آج وہ کامیاب ہے جو بازی لے گیا،

۷۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ، (یونس) پس آج ہم تیرے بدن کیساتھ تجھکو نجات دینگے،

ان تمام آیتوں میں الیوم (آج) سے مقصود وہ دن ہے جسمیں اسکا فعل واقع ہوا، چنانچہ پہلی آیت میں الیوم سے مقصود دین کی تکمیل کا دن (ذوالحجہ سنہ ۱۰ھ) ہے، دوسری میں پاک چیزوں کے حلال ہونے کا دن، تیسری میں حضرت یوسف کا عزیز مصر کے دربار میں عزت پانے کا دن، چوتھی میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا حضرت یوسفؑ کو پہچان لینے کا دن، پانچویں میں روزہ کا دن، چھٹی میں حضرت موسیٰ اور مصری جادوگروں کے مقابلہ کا دن، اور ساتویں میں فرعون کے ڈوبنے کا دن۔

الیوم کو ہر جگہ قیامت کے معنی میں سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی پرانے لالہ صاحب فارسی میں فردا کے معنی کہیں قیامت کے سن لیں، تو ہر جگہ فردا کے معنی قیامت ہی کے لگانے لگیں،

واؤ بمعنی یعنی | مؤلف نے برزخ کے عذاب کے ثبوت میں یہ آیت پیش کی تھی، کہ فرعونیوں کے بارہ میں قرآن میں ہے،

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ آگ، پیش کئے جاتے ہیں وہ اس پر صبح اور شام اور جسدن
تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ قیامت کھڑی ہوگی، (حکم ہوگا) آل فرعون کو زیادہ سخت
(مؤمن) عذاب میں داخل کرو،

اس آیت میں چونکہ قیامت سے الگ، بلکہ پہلے ہی ہر صبح وشام فرعونیوں کے آتش دوزخ پر پیش ہونے کا ذکر ہے، جس سے کھلے طور پر برزخ کے عذاب کا ثبوت ہوتا ہے، اس لئے ناقد نے اسکی تاویل اس طرح کی کہ کہتا ہے کہ مؤلف نے ویوم تقوم الساعۃ (اور جس دن قیامت کھڑی ہوگی) میں واؤ کا ترجمہ اور کیا ہے، جو غلط ہے، بلکہ واؤ کا ترجمہ یعنی کرنا چاہئے یعنی

آگ جس پر وہ صبح اور شام پیش کئے جائینگے، یعنی قیامت کے دن حکم دیا جائیگا، کہ آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کردو!

اب گویا ناقد کے نزدیک یہ ثابت ہوگیا کہ صبح وشام سے قیامت مقصود ہے،

واؤ کا اس طرح "یعنی" ترجمہ ہونا، میں تحدی کرتا ہوں کہ نحو کے کسی قاعدہ سے ثابت کیا جائے، عربی زبان میں اس طرح واو کا ترجمہ یعنی نہ کبھی ہوا ہے، نہ ہوسکتا ہے، نہ ہوگا، یہ سراسر قرآن کی تحریف ہے، میں ہر اس شخص سے جو عربی نہیں جانتا، یہ التماس کرونگا کہ اس کے پاس اگر قرآن کا اردو یا انگریزی ترجمہ ہے تو وہ چوبیسویں پارہ میں چالیسویں سورہ (مومن)، کی پانچویں رکوع کی چھیالیسویں آیت میں دیکھے کہ ویوم میں "و" کا ترجمہ "اور" کیا گیا ہے یا "یعنی"

شاید ناقد کے کانوں میں طالب علمی کے وقت عطف بیان یا عطف تفسیر کا لفظ پڑا ہوگا، مگر ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عطف بیان میں "واؤ" نہیں آتا، جیسے ابوحفص عمر، دوسرا عطف مرادفات ہے، جو مرادفات کے بیچ میں آتا ہے، جیسے حسن وجمال، فضل وکمال، یا اور اسی قسم کے الفاظ کے درمیان جیسے قرآن میں ہے انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ (یوسف) غدوا وعشیا (یعنی صبح وشام) اگر ویوم تقوم الساعۃ (جس دن وہ گھڑی ہوگی) کا مرادف وہ ثابت کرسکیں تو عطف ترادف لینا ممکن ہوگا، مگر یہاں ایسا ممکن نہیں، کہ صبح وشام کا اطلاق ہر صبح وشام پر ہوتا ہے اور "جس دن وہ گھڑی کھڑی ہوگی" کا جملہ صبح وشام کا مرادف نہیں، یہ خاص روز قیامت کے وقوع سے عبارت ہے، بنابریں یہ واؤ یعنی کے معنی نہیں دے سکتا، الغرض "واؤ" اپنے ماقبل کی تفسیر کیلئے یوں نہ کبھی آتا ہے، اور نہ آسکتا ہے، نہ عربیت میں اسکی کوئی مثال ہے، اور یہ صریحاً قرآن پاک کی تحریف ہے،

موت وحیات کے معنی

ناقد کی اصلی دقت یہ ہے کہ موت وحیات کے قرآنی معنی پر اسکی نظر نہیں، قرآن پاک میں روح اور جسم کے ائتلاف کو حیات، اور ان کے افتراق کو موت کہا گیا ہے، قرآن کے اشارات سے ثابت ہے کہ اجسام کی خلقت سے بہت پہلے ارواح کی پیدائش ہے، جنھوں نے الست بربکم کا جواب دیا تاہم جب تک ان ارواح کا ان کے اجسام سے ائتلاف نہیں ہوا، ان پر موت کا اطلاق کیا گیا، کنتم امواتا فاحیاکم، پھر جب موت کے وقت روح نے

جسم سے مفارقت کی تو اس پر موت کا اطلاق ہوا، اور یہ عالم برزخ کی کیفیت ہے، پھر جب قیامت میں روح کا جسم سے اتصال ہوگا تو وہ حیات ہوگی،

موت کے لئے قرآن نے روح کو جسم سے نکالنا کہا ہے، فنا کرنا نہیں کہا ہے،

ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت — اور کاش تو دیکھے جب ظالم موت کی بیہوشیوں میں ہوں

والملٰئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم — اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوں، کہ نکالو اپنی جانیں،

فلولا اذا بلغت الحلقوم۔۔۔۔۔ فلولا ان کنتم — تو کیا جب روح گلے میں آ پہنچے۔۔۔ پس اگر تم کسی کے تابع نہیں

غیر مدینین ترجعونھا ان کنتم صٰدقین (واقعہ) — ہو تو روح کو (جسم میں) کیوں نہیں پلٹاتے، اگر تم سچے ہو،

اس سے معلوم ہوگیا کہ موت روح کے جسم سے نکلنے کا نام ہے، روح کی فنا کا نام نہیں ہے، قرآن پاک نے دوسری جگہ اس کو امساک روح یعنی "خدا کا روح کو اپنے پاس روک لینا" کے الفاظ سے ادا کیا ہے،

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت — خدا وفات دیتا ہے روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کو

فی منامھا فیمسک التی قضٰی علیھا الموت — موت نہیں آئی (انکو وفات دیتا ہے) ان کو سونے کی حالت میں

ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمی (زمر) — تو روک لیتا ہے ان کو جن پر موت کا فیصلہ کر چکا، اور دوسرے کو مقرر

آپ نے دیکھا کہ خدا کا روح کو اپنے پاس روک لینے کا نام موت ہے، یہ کہنا کہ انفس کے معنی "اشخاص" کے ہوتے ہیں، قرآن اور عربیت سے انحراف کرنا ہے، نیند اور موت کی حالت میں اشخاص کو اپنے پاس روک لینے اور چھوڑ دینے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے، اور یہاں انفس کے معنی سوائے ارواح کے کچھ اور نہیں ہو سکتے، نیند اور موت کی حالت میں اشخاص چھوڑے اور روکے نہیں جاتے، روحیں چھوڑی اور روکی جاتی ہیں،

قیامت کے دن جو دوبارہ حیات ہوگی، اسکی صورت کیا ہوگی،

واذا النفوس زوجت (تکویر) — اور جب روحیں جوڑی جائینگی،

یعنی روحوں کا جسموں سے دوبارہ اتصال ہوگا،

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ارواح عالم برزخ میں باقی اور قائم رہتی ہیں، اور اس حالت بقا اور قیام میں وہ عذاب و ثواب کے مناظر سے دوچار ہوتی ہیں، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا،

برزخ کے عذاب و ثواب کی آیتیں | ناقد کے نزدیک صرف شہید لوگ برزخ کو ایک دم پار کرکے جنت میں چلے جاتے ہیں، بقیہ تمام اصناف انسانی برزخ میں عالم ممات مطلق میں بے خبر پڑی رہتی ہیں، مؤلف نے اس سلسلہ میں سورہ یٰس کی ایک آیت پیش کی تھی جس میں ایک شخص کے مرنے کے بعد ہی جنت میں چلے جانے کا ذکر ہے،

قیل ادخل الجنۃ قال یٰلیت قومی یعلمون، (یٰس) کہا گیا جنت میں داخل ہو، اس نے کہا کاش میری قوم جانتی الخ

مؤلف نے تفسیر کی بعض روایات کی بنا پر یہ لکھا تھا سورہ یٰس میں اپنی قوم کے ایک خیر خواہ کا ذکر ہے جو عمر بھر اپنی قوم میں تبلیغ کرتا رہا، اور پھر وہ غالباً اسی حق کی راہ میں شہید ہوا، ناقد اس سے زیادہ تفصیل اور تیقن کے ساتھ یہ لکھتا ہے

"سورہ یٰس کے رکوع دوم میں جو رسولوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک بستی میں بھیجے گئے، وہاں کے لوگوں نے جھٹلایا، اور دھمکی دی، یہ سنکر اس بستی کا ایک شخص جو درپردہ ایمان لایا تھا، دوڑا ہوا آیا، اور اس نے نہایت جوش کے ساتھ اپنی قوم کو مخاطب کرکے ان رسولوں کی حمایت میں تقریر شروع کی،

مگر جب وہ اس جملے پر پہنچا کہ

انی اٰمنت بربکم فاسمعون ۔ تم سن رکھو کہ میں تمھارے رب پر ایمان لایا ہوں،

تو اسکی قوم نے اس کو قتل کر دیا، (صفحہ ۳۹)

خط زدہ عبارت جس میں یہ بیان ہے کہ مگر جب وہ اس جملے پر پہنچا ... تو اسکی قوم نے اس کو قتل کر دیا؛ منکر حدیث ناقد کو کس ماخذ سے معلوم ہوئی قرآن پاک میں تو اس کا کوئی بیان نہیں، اور ناقد روایات کا منکر ہے، ایسی حالت میں اس اضافہ کا علم ناقد کو کس وحی سے ہوا؟ اب یا تو وہ احادیث و روایات کو تسلیم کرے، اور یا اس قسم کے اضافوں سے پرہیز کرے، جنکا بیان قرآن میں نہیں،

ع منکر مے بودن و ہمرنگ مستاں زیستن!

الغرض قرآن سے اس شخص کا شہید ہونا ثابت نہیں، اور قرآن کے باہر سے استدلال درست نہیں،

اب ذیل میں برزخ کے عذاب و ثواب کی چند آیتیں لکھی جاتی ہیں، قرآن میں موت کے وقت کا نقشہ بیان ہوا ہے

۱۔ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ . . . (انعام - ۱۱)

اور کاش تو دیکھے جب ظالم موت کی بیہوشیوں میں ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمکو ذلت کے عذاب کی سزا دیجائے گی، اسلئے کہ تم خدا پر ناحق بات کہتے تھے،

۲۔ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ، (انفال - ۷)

اور کاش تو دیکھے جب فرشتے کافروں کو وفات دیتے ہیں انکے چہروں اور گدیوں پر مارتے ہیں، اور کہتے ہیں) چکھو دوزخ کا عذاب،

۳۔ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ وَأَمَّا إِن كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ وَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ، (واقعہ ۳)

تو کیا جب (روح کھنچ کر) گلے تک پہنچ جائے اور تم اس وقت دیکھتے ہو، اور ہم تمہاری بہ نسبت اس (جان بلب) سے زیادہ قریب ہیں لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا، تو اگر تم کسی کے تابع نہیں ہو تو روح کو کیوں نہیں واپس لاتے اگر تم سچے ہو، پس اگر وہ (مرنے والا) مقربوں میں ہے تو اس کیلئے آرام اور روزی اور نعمتوں کی بہشت ہے، اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں ہے تو داہنے ہاتھ والوں میں تجھ پر سلام اور اگر جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں ہے تو گرم پانی کی مہمانی اور دوزخ میں داخل ہونا ہے،

دو پہلی آیتوں سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت ہی سے عذاب کی دھمکی اور مناظر شروع ہو جاتے ہیں اور تیسری آیت میں پوری تفصیل ہے کہ موت کے وقت ہی سے عذاب و ثواب کے مشاہد و مناظر پیش ہونے لگتے ہیں،

۴۔ وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔ (مومن-۵)

اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا، آگ جس پر وہ صبح اور شام پیش کئے جاتے ہیں، اور جب قیامت کھڑی ہوگی حکم ہوگا کہ آل فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو،

اس سے صاف ثابت ہے کہ فرعونیوں کو قیامت سے پہلے ہی برزخ میں عذاب ہو رہا ہے، دوسری جگہ قوم نوح کے متعلق قرآن میں ہے، کہ طوفان میں ڈوبنے کے بعد فوراً ہی دوزخ میں چلی گئی،

۵۔ اُغرقوا فاُدخِلوا نارًا، (نوح-۲)

وہ ڈبو دیئے گئے، پھر فوراً ہی ایک آگ میں داخل کر دیئے گئے،

ف تعقیب بلا تراخی کے لئے آتا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ طوفان میں غرق کرکے فوراً ہی کسی آگ میں داخل کر دیئے گئے، حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی بیویوں کی موت کے بعد ہی عذاب کا ذکر ہے،

۶۔ وقیل ادخلا النار مَعَ الدّٰخلین، (تحریم ۲)

اور کہا گیا داخل ہو تم دونوں آگ میں داخل ہونے والوں کیساتھ،

اب کیا یہ کہا جائیگا کہ یہ کافرہ عورتیں بھی "شہید ہو کر" ایک دم برزخ کو پار کر گئیں؟ کہ جو الفاظ یہاں ہیں، وہی یٰسٓ کے رکوع دوم میں ہیں، دونوں کے الفاظ یکساں ہیں،

قیل ادخل الجنۃ، (یٰس ۲)

کہا گیا تو جنت میں داخل ہو،

نیکوکاروں کے متعلق خدا فرماتا ہے،

۷۔ الّذین تتوفّاھم الملٰئکۃ طیبین یقولون سلٰم علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون، (نحل-۴)

وہ لوگ جنکو فرشتے وفات دیتے ہیں اور وہ (گناہوں سے) پاک تھے انسے فرشتے کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو، جنت میں جاؤ بوجہ اسکے جو تم کرتے تھے،

دیکھئے کہ پاک لوگوں کے روح قبض کرنے کے ساتھ، فرشتے ان کو سلام کرتے ہیں، خوشخبری سناتے ہیں، اور جنت میں جانے کو کہتے ہیں، اس میں شہید اور غیر شہید کی تفریق نہیں،

یہ چند سرسری باتیں حوالۂ قلم کی گئی ہیں، مفصل مباحث دوسرے اصحاب قلم کے مضامین میں آئیں گے،

سفر افغانستان

(۵)

جدید مدارس | اس عربی مدرسۂ دار العلوم کے علاوہ یہاں جدید تعلیم کی بھی چند درسگاہیں ہیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں، مکتب حبیبیہ، مکتب نجات، مکتب استقلال، مکتب دار المعلمین، مکتب غازی، مکتب صنائع نفیسہ، مکتب زراعت، مکتب طبی، دار الحفاظ، یتیم خانۂ نادری، مکتب دواسازی، مکتب حربیہ، مکتب قبائل، یہ تو بڑے مدرسے ہیں، ان کے علاوہ شہر میں تین ابتدائی مدرسے بھی ہیں،

افغانستان میں مکتب کا لفظ ہائی اسکول اور کالج کے لئے بولا جاتا ہے، ہمارے ہندوستانی ناظرین، ان مکتبوں سے اپنے ہاں کے بچوں کے مکتب نہ سمجھیں،

ان مکاتب میں سب سے پرانا مکتب حبیبیہ ہے جو امیر حبیب اللہ خاں کی یادگار ہے، انھیں کے زمانہ میں بنا تھا، یہاں پہلے بھی اور اب بھی زیادہ تر ہندوستانی مسلمان معلم و مدرس ہیں، انگریزی تعلیم ہوتی ہے، مکتب حربیہ یعنی فوجی کالج بھی یہاں پہلے سے ہے، امیر امان اللہ خاں نے اپنے زمانہ میں ایک فرانسیسی اور دوسرا جرمن زبان کے لئے دو اسکول قائم کئے تھے جنہیں سے ایک کا نام امانیہ اور دوسرے کا امانی رکھا تھا، مگر اب جرمن کالج کا نام مکتب نجات اور فرانسیسی کالج کا نام مکتب استقلال ہے، مکتب دار المعلمین میں استاد تیار ہوتے ہیں، مکتب صنائع نفیسہ کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، مکتب زراعت کاشتکاری و باغبانی کی تعلیم کے لئے ہے، کابل و پغمان کے بیچ میں اسکی عمارت ہے، مکتب طبی شاہ نادر خاں کے عہد کی یادگار ہے، یہ دار الامان میں واقع ہے، اور جس دار الفنون کابل یعنی کابل یونیورسٹی کا تخیل شاہ مرحوم کو تھا، اس کی بنیاد اوّلیں کے طور پر پہلے اسی طبی کالج کا شعبہ قائم کیا گیا ہے، اور یہ کھل گیا ہے، اور اسکا کام عمدگی سے

جاری ہے، اسی کیساتھ دواسازی کا بھی ایک مدرسہ کھول دیا گیا ہے، تاکہ دوائیں خود افغانستان میں تیار ہو سکیں،

دار الحفاظ میں صرف حفظ قرآن کے لئے لڑکے جاتے ہیں، اور حافظ ہوتے ہیں، یتیم خانہ خاص نادر خاں مرحوم کا قائم کیا ہوا ہے، اس میں شہر کے یتیم بچے رہتے اور پڑھتے ہیں، اور مکتب صنائع میں صنعت و حرفت سیکھتے ہیں، مکتب حربیہ جسمیں فوجی تعلیم ہوتی ہے، بہت بڑے پیمانہ پر قائم ہے، ترک، ایطالوی، جاپانی اور جرمن استاد ہیں، نادر خاں نے اپنے زمانہ میں مکتب قبائل کے نام سے ایک اور جنگی اسکول قائم کیا تھا، اس میں سرحد کے بڑے بڑے سرداران قبائل کے بچوں کو مفت فوجی تعلیم دیجاتی ہے، سرور خاں گویا نے مجھے بتایا کہ اس میں اسوقت تین سو بچے زیر تعلیم ہیں،

مکتب نجات اور مکتب استقلال جن کے پہلے نام امانیہ و امانی ہیں، جرمن اور فرنچ تعلیم کیلیے مخصوص ہیں، استقلال سے مقصود اخیر جنگ انگریز و افغان کے بعد امان اللہ خان کے زمانہ میں افغانستان کی خود مختاری ہے، اور نجات سے مراد بچہ سقہ کے فتنہ کا فرو ہونا ہے، ان دونوں مدرسوں کے یہ جدید نام افغانستان کے دو گذشتہ اہم واقعات کی یادگار ہیں،

ملک افغانستان میں اب تک کوئی متحدہ نظام تعلیم جاری نہیں، حبیبیہ، نجات اور استقلال تین طرزوں کی تین مستقل درسگاہیں ہیں، جنمیں اول میں انگریزی، دوم میں جرمنی، اور سوم میں فرنچ ذریعۂ تعلیم ہے، اور یہ قرار دیا گیا ہے کہ انگلستان، فرنچ اور جرمنی ان تین ملکوں میں سے جس ملک میں جن فنون کی تعلیم بہتر ہوتی ہے، ان کے لئے یہاں انگریزی یا فرنچ یا جرمن کی تعلیم افغان بچوں کو دلاکر، بعد کو ان فنون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ان کو انگلستان، فرانس اور جرمنی بھیجا جائے، گویا یہاں ان تینوں ملکوں کی ابتدائی تعلیم کے مدرسے ہیں، اور اُن کی تکمیل کی اصلی درسگاہیں انگلستان یا فرانس یا جرمنی میں ہیں،

اس نظام تعلیم نے ملک میں بیحد ابتری پیدا کر دی ہے، ایک ایک افغان بچہ کی تعلیم اور یورپ کی آمد و رفت اور قیام اور تعلیم پر جو صرف آتا ہے اس سے افغانستان میں ایک چھوٹا موٹا مدرسہ چل سکتا ہے، علاوہ ازیں ملک کے اندر تین مستقل غیر ملکی زبانیں، غیر ملکی معاشرتیں، غیر ملکی سیاستیں اور غیر ملکی ذہنیتیں جڑ پکڑ رہی ہیں، اور جنکا نقصان افغانستان کو آج نہیں تو کل اسی طرح معلوم ہو گا جس طرح ٹرکی کو گذشتہ جنگ عظیم میں معلوم ہو گیا، یہی وہ خیالات ہیں جنکی بناپر شاہ نادر خاں مرحوم کو خود کابل میں ایک افغان یونیورسٹی (دار الفنون کابل) کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی

مدارس کے بعد موجودہ تمدن کا دوسرا ستون مطبع ہے،

سرکاری مطبع عمومی دار العلوم سے نکل کر یہاں کے سرکاری مطبع عمومی کو دیکھنے گیا، اگرچہ کابل میں مطبعوں کا رواج امیر شیر علی خان کے زمانہ سے شروع ہو گیا تھا، مگر اخباری و صحافتی حیثیت سے کابل میں اس صیغہ کی تکمیل امیر حبیب اللہ خان کے زمانہ میں ہوئی، اور سراج الاخبار کے لئے ایک اچھے مطبع کی ضرورت پیش آئی، اور لیتھو کی جگہ ٹائپ کو دینی پڑی، امیر امان اللہ خاں کے عہد میں مزید ترقی کے مواقع ملے، اور مطبع عمومی کے نام سے ایک وسیع سرکاری مطبع وجود میں آیا، اور عجیب بات یہ ہے کہ اس پروپگنڈے کے عہد میں افغانستان کے ہر گذشتہ انقلاب میں سلطنت کے دیگر کارخانوں میں جو افراتفری ہوئی ہو، مگر اس کارخانۂ اشاعت کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہوا، امان اللہ خاں کے زمانہ میں یہاں سے امان افغان نکلتا تھا، بچہ سقا کے فتنہ میں یہاں سے حبیب الاخبار نکلا، اور شاہ نادر خاں کے عہد میں اصلاح نکلنے لگا، اور جو اب تک اسی نام سے نکل رہا ہے،

مطبع عمومی ارکِ شاہی کے قریب بلکہ متصل واقع ہے، سڑک کے رخ دو عمارتیں ہیں، اور ان دونوں کے بیچ میں ایک چوڑی سی گلی ہے، موٹر سے سڑک پر اتر کر پہلے ایک عمارت میں داخل ہوا، یہ ایک وسیع ہال تھا، جس میں تریڈل (پاؤں سے چلائے جانے والے ٹائپ کے پریس) اور دوسری بڑی بڑی مشینیں کام میں مصروف تھیں بجلی کی طاقت سے کام ہو رہا تھا، میرا اندازہ ہے کہ آٹھ دس مشینیں کام کر رہی تھیں، یہ تمام مشینیں نہایت عمدہ، نہایت صاف اور بالکل جدید طرز کی تھیں، سرکاری اسٹامپ، رجسٹروں کے کاغذ، ڈاک کے ٹکٹ، اور دوسرے سرکاری کاموں کے علاوہ، سرکاری کتابیں، انجمن ادبی کے تصنیفات و رسائل، اور روزانہ اخبار اصلاح وغیرہ سب اسی مطبع میں چھپتے ہیں،

اس وقت پریس میں جو کام ہو رہا تھا وہ یہ تھا، ایک پریس پر رجسٹر کے اوراق، دوسرے پر رسالۂ کابل، اور تیسرے پر قرآن پاک چھپ رہا تھا، یہ قرآن پاک حکومت افغانستان کی طرف سے وہاں کی مجلس علماء کے زیر نگرانی نہایت اہتمام سے چھپ رہا ہے، اس وقت تک اس کے دو پارے چھپے تھے،

یہاں سے نکل کر مطبع کی دوسری عمارت میں گیا، یہ مطبع کی صناعت نفیسہ کا شعبہ تھا، یہاں زنکو گرافی اور فوٹو گرافی

اور فائن آرٹ کی اعلیٰ ترین اور نفیس ترین چھپائی کا کام ہو رہا تھا، یہیں ایک کمرہ سیاہ پردوں کے غلاف میں فوٹو لینے کے لئے تیار کیا گیا تھا، پھر اس کا بلاک بنانے اور اس کے چھاپنے کے آلات اور پریس تھے،

یہاں کا عملہ زیادہ تر خود افغان کارکنوں پر مشتمل تھا، افسر اعلیٰ صوفی عبد الحمید خاں ہیں، جو باوجود نحیف و لاغر جسم ہونے کے اپنے فن میں کامل ہیں، طباعت نفیسہ کے شعبہ میں ایک دو جرمن کام کرنے والے بھی نظر آئے، زنکوگرافی کے استاد ایک ترک تھے،

اس پریس میں مجھے تین خصوصیتیں نظر آئیں،

۱- سامان سب اعلیٰ اور عمدہ اور جدید تھا،

۲- کام کا نمونہ نہایت صاف ستھرا تھا،

۳- پریس اور پریس کے تمام کام کرنے والے بلکہ پریس کی تمام زمین و آسمان سب میں حد درجہ صفائی اور ستھرائی تھی، کہیں داغ دھبہ، یا زمین پر کوڑا کرکٹ، بلکہ ردی کاغذ تک پڑا نظر نہیں آتا تھا،

صوفی صاحب نے فرمایا کہ مطبع کے لئے اعلیٰ حضرت نادر شاہ نے بہت سی نئی مشینیں جرمنی سے منگوائی ہیں جو عنقریب آنے والی ہیں، اُن کے آجانے کے بعد یہ مطبع قریبًا دونا ہو جائیگا،

اخبارات اور رسائل اس مطبع عمومی کی مناسبت سے یہاں کے اخبارات اور رسائل کا تذکرہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، افغانستان میں سب سے پہلا اخبار امیر شیر علی خان کے عہد میں سنہ ۱۲۹۰ھ میں شمس النہار کے نام سے ہفتہ وار نکلا تھا، پھر سراج الملۃ والدین امیر حبیب اللہ خان کے زمانہ میں سراج الاخبار نکلا، لیکن درحقیقت امیر امان اللہ خاں کے زمانہ میں لوگوں کو اخبارات کی طرف توجہ زیادہ ہوئی، امان افغان کے نام سے سرکاری اخبار کابل سے نکلنے لگا، اور اسی زمانہ میں جنرل نادر خاں نے جلال آباد سے سنہ ۱۳۳۸ھ میں اتحاد مشرقی کے نام سے دوسرا اخبار نکلوایا،

بہرحال اس وقت یہاں سے جو اخبارات اور رسائل نکل رہے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے،

۱- اصلاح کابل شاہ نادر خاں بچۂ سقا کے فتنہ کے خلاف جب مصروف جہاد تھے، تو اس نام سے یہ موقت اخبار

اپنے معسکر (کیمپ) سے نکلوایا، کامیابی کے بعد اس کو مستقل طور سے سرکاری اخبار کی حیثیت سے جاری کردیا، یہ اخبار چار بڑے صفحوں میں نسخ ٹائپ میں چھپتا ہے، زبان فارسی ہے، اس میں زیادہ تر اخلاقی، ادبی، تجارتی، مذہبی، قومی اور سیاسی مقالات شائع ہوتے ہیں، پھر تمام دنیا کی خبریں اس میں درج ہوتی ہیں، پھر مقامی خبریں اور حکومت کے اعلانات اور گزٹ ہوتے ہیں، مدیر کا نام برہان الدین کشکگی ہے، ملک کے اندر ۳ افغانی، اور باہر نصف پونڈ قیمت ہے،

۲- انیس، کابل، یہ اخبار آج سے چھ برس پہلے ۱۳۰۶ شمسی میں غیر سرکاری یعنی قومی حیثیت سے نکلا تھا، اور آج نکلتا ہے، اور اس کی حیثیت اب بھی سرکاری کے بجائے قومی ہے، اس کے موجودہ اڈیٹر کا نام محمد امین خان فوگیانی ہے، ہفتہ میں ایک دفعہ شائع ہوتا ہے،

۳- اتفاق اسلام، ہرات، یہ اخبار ۱۲۹۹ شمسی میں نکلا تھا، اور اب تک کہ ۱۳۱۲ شمسی ہے یہ نکل رہا ہے، ہندوستان کے موجودہ افغان جنرل کونسل صلاح الدین خاں سلجوقی بھی اس کے اڈیٹر رہ چکے ہیں، موجودہ اڈیٹر میر محمد عثمان الحسینی ہیں،

۴- بیدار۔ مزار شریف، یہ ۱۳۰۰ شمسی سے نکلتا ہے، قدیم خراسان کا نام آج مزار شریف ہے، کہ یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار ہونا مشہور ہے، اور اس لئے اس کا نام مزار شریف مشہور ہوگیا ہے، یہ روسی ترکستان سے ملحق ہے، اس کے موجودہ اڈیٹر کا نام مجاہد ہے،

۵ طلوع افغان۔ قندھار، یہ اخبار بھی ۱۳۰۰ شمسی سے نکل رہا ہے، پہلے اس کی بھی زبان فارسی تھی، مگر اب پشتو ہے، اور اس کے موجودہ اڈیٹر عبدالحی خان ہیں، قندھار آجکل پشتو تحریک کا مرکز ہے،

۶- اتحاد، خان آباد قطغن، اس کی اشاعت بھی ۱۳۰۰ شمسی سے ہے، اور اب تک نکل رہا ہے، اس کے موجودہ اعزازی اڈیٹر غلام جیلانی خاں جلالی ہیں،

ان اخبارات کے علاوہ چند رسالے بھی خاص شہر کابل سے نکل رہے ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱- مجلۂ کابل، یہ انجمن ادبی کا رسالہ ہے، اور علمی و ادبی و تاریخی مضامین پر مشتمل ہر مہینہ شائع ہوتا ہے، اس میں افغانستان کے تمام بڑے بڑے ادبار اور شعرار کے مضامین اور اشعار چھپتے ہیں، غیر زبانوں کے محققانہ مضامین بھی ترجمہ

ہو کر اس کے اوراق میں جگہ پاتے ہیں، اعلیٰ درجہ کی تصاویر اور بلاک کے نقشے بھی اس میں ہوتے ہیں، یہ تین سال سے نکل رہا ہے، نصف پونڈ قیمت ہے،

۲- **آئینۂ عرفان**۔ یہ رسالہ گو امیر امان اللہ خاں کے زمانہ میں سنہ ۱۳۰۲ شمسی میں نکلا تھا، مگر بند ہو گیا تھا، نادر خاں کے زمانہ میں یہ دوبارہ نکلا اور اب تک نکل رہا ہے، یہ افغانستان کی وزارت تعلیم کا رسالہ ہے، اس میں مدارس و مکاتب کے مدرسین و معلمین اپنے مضامین و تراجم شائع کراتے ہیں، اور مدرسوں کی رودادیں وغیرہ چھپتی ہیں، اڈیٹر کا نام ہاشم خاں شائق ہے، کابل میں ۹ افغانی، صوبوں میں ۱۰ افغانی اور ہندوستان میں ساڑھے چار روپیہ قیمت ہے،

۳- **مجلۂ اقتصاد**، اس رسالہ میں تجارتی، زراعتی، مالیاتی، صنعتی الغرض معاشی مضامین شائع ہوتے ہیں، یہ بھی نادر خاں کے عہد حکومت کی یادگار ہے، تین سال سے جاری ہے، مہینہ میں دو دفعہ شائع ہوتا ہے، محمد خاں ترہ کی اس کے اڈیٹر کا نام ہے، اس کی قیمت افغانستان میں ۷ افغانی، ولایات میں ۰ افغانی، اور باہر ۸ شلنگ ہے، اس رسالہ کو یہاں کی وزارت تجارت کا نمایندہ سمجھئے،

۴- **مجموعۂ اردوی افغان**، یہ افغانستان کا فوجی رسالہ ہے، امیر امان اللہ خان کے زمانہ میں نکل کر بند ہو گیا تھا، نادر خان کے زمانہ میں دوبارہ نکلا، افغانستان کی نظامی یعنی باقاعدہ فوج کے چند نوجوان فوجی افسر اس میں مضامین لکھتے ہیں، اڈیٹر کا نام سید اکبر خان ہے،

۵- **مجموعۂ صحیہ**، یہ افغانستان کے محکمۂ حفظان صحت کی طرف سے نکلتا ہے، یہ پہلے امیر امان اللہ خان کے زمانہ میں سنہ ۱۳۰۶ شمسی میں نکل کر بند ہو گیا تھا، دوبارہ نادر خان کے زمانہ میں سنہ ۱۳۱۰ میں نکلا، اور اب تک نکل رہا ہے، رشید لطفی اس کے اڈیٹر کا نام ہے، اس کی قیمت کابل میں ۶ افغانی، ولایات میں ۸ افغانی اور بیرون ملک میں چار شلنگ ہے،

۶- **حی علی الفلاح**، یہ افغانستان کے محکمۂ دینیات یا مجلس علمار کا نمایندہ ماہوار رسالہ ہے، اس میں مذہبی و اخلاقی مضامین نکلتے ہیں، اڈیٹر کا نام میر غلام خان ہے،

ان تمام رسالوں کی زبان فارسی ہے، اور سب مطبع عمومی میں ٹائپ میں چھپتے ہیں،

کابل سے باہر دو اور رسالے نکلتے ہیں، ہرات اور پشتو، ہرات فارسی زبان میں شہر ہرات سے نکلتا ہے، اور پشتو قندھار سے، یہ قندھار کی انجمن ادبی کا نمایندہ ہے،

سپہ سالار شاہ محمود خاں کی رخصتانہ ملاقات، مطبع سے دار الامان واپس آیا، تھوڑی دیر کے بعد سپہ سالار سردار شاہ محمود خاں وزیر حربیہ ملنے آئے، سر راس مسعود صاحب کے کمرہ میں سب لوگ بیٹھے، ادبیات پر گفتگو ہوتی رہی، سردار شاہ محمود خاں سے کتاب خیام کا تذکرہ آچکا تھا، اور یہ بھی مذکور ہوا تھا کہ اس کا ایک نسخہ میرے ساتھ آیا ہے، اس وقت سردار موصوف نے اس کا اشتیاق ظاہر کیا، اتفاق سے وہ نسخہ سید راس مسعود صاحب کے مطالعہ میں تھا، انھوں نے اس کی بہت تعریف کی، اور نسخہ مذکور کی لوح پر یہ لکھکر کہ "میں اس کتاب کو مولوی سید سلیمان صاحب ندوی سے چراکر سردار شاہ محمود خاں کے نذر کرتا ہوں" ان کے حوالہ کیا، میں نے اس کے نیچے یہ الفاظ لکھدیئے، کہ "میں اپنی محبت وعقیدت کی یادگار کے طور پر یہ ہدیہ پیش خدمت کرتا ہوں"، سردار موصوف نے بڑے شوق سے یہ کتاب لی، تھوڑی دیر کے بعد وہ ہم لوگوں سے ایک ایک کرکے بغلگیر ہوئے، اور آخری ملاقات کی رسم ادا کرکے رخصت ہوے، حق یہ ہے کہ موصوف میں بڑی ہر دلعزیزی کی شان ہے، اردو بہت اچھی بولتے ہیں، کہ وہ ہندوستان کے ایک لائق استاد مولوی نجف علیخاں صاحب برادر ڈاکٹر عبد الغنی صاحب (پنجاب) کے شاگرد ہیں،

پغمان گذر چکا ہے کہ سردار احمد خاں وزیر دربار کی دعوت پر شام کو ۴ بجے پغمان جانا طے پایا تھا، ڈاکٹر سر اقبال کو اعلیٰحضرت سے رخصتانہ ملاقات کرنی تھی، اس لئے وہ ہمارے ساتھ نہ جاسکے، وہ شام کو وزیر خارجیہ سردار فیض محمد خاں کیساتھ دلکشا گئے، اور باقی لوگ یعنی، سید راس مسعود، پروفیسر ہادی، بیرسٹر غلام رسول اور سرور خاں گویا، دو موٹروں پر پغمان روانہ ہوئے، یہاں پغمان کی وہ حیثیت ہے جو شملہ اور نینی تال کی ہے، یا بمبئی میں پونہ کی ہے، یہ افغانستان کا شاہی اور عمومی تفرجگاہ اور سیرگاہ ہے، یہ کابل سے ۱۰ میل دور اور ایک ہزار فٹ اونچا ہے، مگر یہ اونچائی ایسی بتدریج اور رفتہ رفتہ آتی ہے کہ چلنے والے کو اونچائی کا احساس نہیں ہوتا، پھر لطف یہ ہے کہ یہ پہاڑوں کی سی بلندی نہیں بلکہ خود زمین مرتفع ہوتی چلی گئی ہے، آب و ہوا کے لحاظ سے یہ کابل کا بہترین مقام سمجھا جاتا ہے، اور غالبًا اسی سبب

کابل اور پغمان کے بیچ میں نادر خاں مرحوم نے خاص اپنی جاگیر کی زمین وقف کرکے وہاں سینی ٹیریم، تربیت خانۂ حیوانات اور مدرسۂ زراعت قائم کیا ہے،

کابل سے پغمان کی طرف آدھی دور تک نئی سڑک ایسی عمدہ ہے، جیسی ہندوستان کے بڑے شہروں میں سول لائنس کی ٹھنڈی سڑکیں ہوتی ہیں، اور دوسری آدھی سڑک بھی خاصی ہے، تاہم اصلاح طلب ہے، کابل کے حدود سے نکلتے کیسا ہی عجیب کیف انگیز مناظر گذرنے لگے، سڑک کے دونوں طرف چنار کے زرد درخت، اور کہیں آلو بالو کے سرخ پھولوں والے درخت، کہیں اخروٹ کے درخت، جابجا چشمے اور آبجو، جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، فضا میں زرد اور سرخ پھولوں اور پتوں کی چادریں پھیلی نظر آتی تھیں، یہ یہاں خزاں کا مہینہ تھا جس کی یہ خزاں ہے اس کی بہار کیسی ہوگی،

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

راستہ میں سینی ٹیریم، تربیت خانۂ حیوانات اور مدرسۂ زراعت کی عمارتیں گذریں، واپسی میں ان کے دیکھنے کا خیال تھا، اس لئے آگے بڑھ گئے، پغمان جیسے جیسے قریب آتا جاتا تھا، فضا کی رنگینی، ہوا کی برودت اور درختوں کی بہار بڑھتی جاتی تھی، سب سے پہلے پغمان کا صدر دروازہ یا پھاٹک ملا، جو بجائے خود ایک چھوٹی سی عمارت تھی اس کے بعد شاہی قیامگاہ کی عمارت آئی، پھر باغ عمومی (پبلک گارڈن) آیا جو پبلک کی سیر و تفریح کا مقام ہے، بالآخر پغمان کی سب سے مرتفع سطح پر ہم پہنچ گئے، جو اس بہشت زار کی فردوس بریں ہے، یہاں دو منزلہ مختصر لیکن بلند عمارت ہے،

سردار احمد خان وزیر دربار یہیں مقیم تھے، وہ نیچے اتر کر آئے، اور مہمانوں کو اوپر کی منزل پر لے گئے، اور ایک ایسے کمرہ میں بٹھایا، جس میں ہر طرف شیشے لگے تھے، اور اس لحاظ سے اس کو شیش محل کہنا چاہئے، اس وقت موسم سرد تھا اور ابر بھی تھا، اس لئے شیشے کے یہ سب دروازے بند تھے مگر یہاں بیٹھنے والوں کی مشتاق نگاہیں شیشوں کو پار کرکے جہاں تک پہنچ سکتی تھیں، فضا کی بلندی میں سیدھے اور راست قامت درختوں کے جھنڈ اور زرد اور سرخ پھولوں کے درختوں کی قطاریں، اور زمین کی سطح پر رنگ برنگ پھولوں کی خوش آیند مرتب ہندسی شکلیں آنکھوں کو پر نور اور دلوں کو مسرور کر رہی تھیں، پروفیسر ہادی نے ایران کی سیاحت کی ہے، وہ کہتے تھے کہ یہ بالکل ایران

کا منظر ہے، جنھوں نے کشمیر دیکھا تھا، وہ کہتے تھے کہ خاص یہ مقام کشمیر سے زیادہ دلپذیر ہے،

اسی شیش محل کمرہ میں خوش سلیقہ میزبان نے چائے کی دعوت کا سامان کیا تھا، میز پر مختلف قسم کے بسکٹوں اور مٹھائیوں کے علاوہ کابل کے اچھے سے اچھے میوے تھے، مختلف رنگ کے انگوروں اور میووں کو خوبصورت ظروف میں مناسب رنگ کے پتوں اور پھولوں سے اس طرح مزین کرکے رکھا گیا تھا، کہ میز لذتِ کام و دہن ہونے کے علاوہ فردوسِ نظر بھی معلوم ہوتی تھی،

لوگوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق چائے اور کافی پی، سید راس مسعود صاحب نے کشمیری چائے کی فرمایش کی تھی، وہ بھی بنکر آئی، گو رنگ تو کشمیری چائے کا ضرور تھا، مگر مزہ ہمارے ہندوستان کے کشمیری بھائیوں کی چائے سے کم تھا، افغانستان میں چائے کی پیالی کئی پیالیاں پی جاتی ہیں، مگر صرف پہلی پیالی میٹھی ہوتی ہے، باقی تلخ، مگر یہ تلخ تو مجھ "صوفی" کو "ام الخبائث" ہی معلوم ہوئی،

میز پر زیادہ تر یورپ کے مختلف شہروں کے مناظر پر گفتگو ہوتی رہی سردار احمد خاں مدت تک یورپ رہے تھے اور اکثر شہروں میں کئی کئی مہینے جاکر ٹھہرے تھے، سید راس مسعود اور سردار موصوف انھیں شہروں اور وہاں کے مختلف ہوٹلوں پر اظہار رائے فرماتے رہے،

چائے سے فارغ ہوکر سب لوگ نیچے اترے، کابل سے ایک فوٹوگرافر بلوایا گیا تھا، وہ نیچے موجود تھا، وزیر ممدوح نے پہلے سب کا ایک گروپ باغ کی ایک اونچی سیڑھی پر لیا، اسی کے سامنے انسانی ہاتھوں کی کاریگری سے چند اوپر نیچے پتھروں سے قدرتی چٹانوں کی نقل بنی ہوئی تھی، حاضرین میں سے ہر ایک الگ الگ ان پتھروں پر بے ترتیب بیٹھ گیا، اور اس بے تکلف فطری نشست کی پھر مصنوعی نقل اتاری گئی، اس شاہی باغ سے نکل کر اب ہم لوگ باغ عمومی کی طرف چلے، پیدل چلنے میں محسوس ہو رہا تھا کہ اب بلندی سے ہم نشیب میں اتر رہے ہیں، تھوڑی دیر چلکر وہ باغ آگیا، اس باغ کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا، اللہ اکبر کیا باغ تھا، گذشتہ زمانہ کی تو خبر نہیں، لیکن آج بے تکلف کہا جاسکتا ہے، کہ اس سلیقہ کا باغ تیموریوں نے شاید ہندوستان میں بھی نہیں لگایا ہوگا، درختوں کو چھوڑ کے یہ پر لطف مناظر کشمیر کے سوا ہندوستان میں

وہ کہاں سے لا سکتے تھے، یہ خزاں کا موسم تھا سرخی کے بجائے پتوں میں زردی چھائی تھی، سرو و چنار کے درخت اور قسم قسم کے پھولوں کی بہار اور اُن کی ترکیب و ترتیب کس کس چیز کا ذکر کیا جائے، پہاڑیوں پر سے ہر طرف قدرتی چشمے بہ رہے تھے، باغ کے بیچ میں ایک قطار میں پانچ فوارے چھوٹ رہے تھے، جنکا پانی بلا مبالغہ پچاس ساٹھ فیٹ اوپر چھوٹ رہا تھا، اور وہاں سے ہلکی ہلکی پھواریں بن کر فرش زمین پر گر رہا تھا،

یہاں بھی ان پانچوں فواروں کی طرف پشت کرکے (بیک گرونڈ) ایک مرقع لیا گیا،

دریائے کابل | یہاں سے نکل کر دریائے کابل کیطرف چلے، باغ کے بعد سڑک تھی اور سڑک کے بعد کچھ ہٹ کر کابل کا نا "زمین" دریا بہ رہا تھا، دریائے کابل کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، ہم ہندوستانیوں کو جو گنگا اور جمنا کے دیکھنے کے عادی ہیں، اسکو دریا کہنے اور ماننے میں بہت کچھ تامل ہوگا، یہ دریا جہاں جہاں سے ہم کو نظر آیا، اس کا عرض کہیں دو تین گز سے زیادہ نہیں دیکھا، با ایں ہمہ اس کے طول کا یہ عالم ہے، کہ یہ کابل سے چلکر ہندوستان کے دریائے سندھ میں آکر گرتا ہے جا "ڑوں" میں اس میں برف جمتی ہے، اور پھر پورے سال بھر اس کی روانی قائم رہتی ہے، سنا ہے کہ جاڑوں کے زمانہ میں افغان آتے ہیں، اور لات مار کر برف کو توڑ ڈالتے ہیں، اور نیچے کے ٹھنڈے پانی سے، نہ صرف وضو بلکہ غسل بھی کرتے ہیں، ہندوستان کے لوگوں کو تو اس تصور سے بھی سردی معلوم ہونے لگیگی، دریا کے نیچے اور دائیں بائیں، ہر طرف پتھر کی سلیں پڑی ہیں اور انھیں پر سے "پھسلتا ہوا اور اٹکتا ہوا" یہ بہتا رہتا ہے، اس دریا پر آنے کی غرض بھی فوٹو لینا تھی، مگر دریا کے نیچے ہونے کی وجہ سے دریا کی روانی کے ساتھ مرقع نہیں کھینچ سکا، بالآخر دریا کو پیچھے کرکے سڑک پر کھڑے ہوکر چوتھا گروپ لیا گیا،

اس کے بعد ہم لوگ موٹروں پر بیٹھکر کابل کی طرف روانہ ہوئے، خیال تھا کہ راستہ میں سینی ٹیریم وغیرہ دیکھنگے مگر واپسی میں اتنی دیر ہوئی کہ ان عمارات کو دور سے دیکھنے کے سوا اتر کر دیکھنے کا موقع نہیں ملا، مگر بیرسٹر غلام رسول خاں ان کو دیکھ چکے تھے، ان سے سنکر اور دوسرے احباب کابل سے جو کچھ معلوم ہوا وہ سپرد قلم کیا جاتا ہے،

دار الصحت یا سینی ٹیریم | اخیر جنگ انگریز و افغان کے کامیاب نتیجہ کے بعد امیر امان اللہ خاں نے جنرل نادر خاں سپہ سالار کو ان کے حسن خدمات کے صلہ میں کابل و پغمان کے بیچ میں ایک زمین جاگیر میں دی تھی جسکا نام علی آباد ہے، نادر خانی

نے زمانہ میں اس زمین کو باتفاق اطباء دارالصحت (سینی ٹیرم) کے لئے موزوں سمجھکر اس میں دق وسل کے مریضوں کے لئے قامت گاہ بنوایا، اس دارالصحت کی عمارت اور دیگر مصارف کے لئے بھی شاہ نادر خاں نے اپنی جیب سے روپیہ دیا، عمارت سہ منزلہ ہے، ساٹھ مریضوں کے رہنے کے لئے اس میں کمرے، بستر اور راحت کے دوسرے سامان ہیں، سامنے عمدہ باغ، خوبصورت روشیں، چمن زار، اور سڑکیں ہیں،

تربیت خانۂ حیوانات اسی کے قریب اسی راہ پر حیوانات کی پرورش اور اُن کی عمدہ نسل لینے کا محکمہ ہے، جسکا نام "دائرۂ تربیت حیوانات و نسل گیری" ہے، اس دائرہ کے افسر اعلیٰ کا نام محمد یوسف خاں ہے، ہمارے رفیق غلام رسول خاں جنھوں نے اس کو دیکھا تھا اسکی بڑی تعریف مجھ سے کی، یہاں جانوروں کی علمی اور سائنٹفک طریق سے بہترین پرورش اور علاج کا سامان ہے، اور عمدہ نروں کے ذریعہ سے اچھی اور قوی بچوں کی نسل لینے کا پورا اہتمام ہے،

بعض احباب کی ملاقات پغمان سے سیدھے دارالامان کو واپسی ہوئی، بعض احباب ملاقات کو آئے، مولوی بشیر صاحب صدر جمعیت مجاہدین چرقند، مولنٰا محمد میاں صاحب (المعروف بہ منصور) یہ مولنٰا عبداللہ صاحب انصاری مرحوم سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی کے خلف الرشید، اور مولنٰا محمد قاسم صاحب بانیِ مدرسۂ دیوبند کے نواسہ ہیں، اور ایک افغان عالم تھے جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، ان صاحب نے مولنٰا حسین احمد صاحب اور مولنٰا کفایت اللہ صاحب تک سلام پہنچانے کی خدمت میرے سپرد کی تھی جس سے بحمد اللہ کہ میں عہدہ برآ ہو گیا، اُن کے ساتھ اخبار انیس کابل کے اڈیٹر محمد امین خاں خوگیانی بھی تھے، تھوڑی دیر کے بعد منشی میر شمس الدین مرحوم سابق ناظم حمایت اسلام لاہور (جو افسوس کہ اس مہینہ وفات پا گئے) کے صاحبزادہ میر رحمت اللہ ہمایوں اور مقبول الحق یہاں کے سرکاری کارخانۂ گوگرد (دیاسلائی) کے مہتمم آئے،

کل صبح کابل سے غزنین کو روانگی ہے، اس لئے احباب رخصت کرنے کے لئے آرہے ہیں، احباب کے رخصت ہونے کے بعد میں نے اور میرے ملازم نے مل کر کل صبح کی روانگی کے لئے سامانِ سفر درست کیا، اور اس سے فارغ ہو کر، نماز کے بعد کابل کی آخری شب بسر کرنے کے لئے بستر پہ دراز ہو گیا،

(باقی)

وہ کہاں سے لا سکتے تھے، یہ خزاں کا موسم تھا، سرخی کے بجاے پتوں میں زردی چھائی تھی، سرو وچنار کے درخت اور قسم قسم کے پھولوں کی بہار اور اُن کی ترکیب و ترتیب کس کس چیز کا ذکر کیا جائے، پہاڑیوں پر سے ہر طرف قدرتی چشمے بہ رہے تھے، باغ کے بیچ میں ایک قطار میں پانچ فوارے چھوٹ رہے تھے، جنکا پانی بلا مبالغہ پچاس ساٹھ فیٹ اوپر چھوٹ رہا تھا، اور وہاں سے ہلکی ہلکی پھاریں بن کر فرش زمین پر گر رہا تھا،

یہاں بھی ان پانچوں فواروں کی طرف پشت کر کے (بیک گرونڈ) ایک مرقع لیا گیا،

دریاے کابل یہاں سے نکل کر دریاے کابل کیطرف چلے، باغ کے بعد سڑک تھی اور سڑک کے بعد کچھ ہٹ کر کابل کا نامی دریا بہ رہا تھا، دریاے کابل کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، ہم ہندوستانیوں کو جو گنگا اور جمنا کے دیکھنے کے عادی ہیں، اسکو دریا کہنے اور ماننے میں بہت کچھ تامل ہوگا، یہ دریا جہاں جہاں سے ہم کو نظر آیا، اس کا عرض کہیں دو تین گز سے زیادہ نہیں دیکھا، بایں ہمہ اس کے طول کا یہ عالم ہے، کہ یہ کابل سے چلکر ہندوستان کے دریاے سندھ میں آکر گرتا ہے، جاڑوں میں اس میں برف جمتی ہے، اور پھر پورے سال بھر اس کی روانی قائم رہتی ہے، سنا ہے کہ جاڑوں کے زمانہ میں افغان آتے ہیں، اور لات مار کر برف کو توڑ ڈالتے ہیں، اور نیچے کے ٹھنڈے پانی سے، نہ صرف وضو بلکہ غسل بھی کرتے ہیں، ہندوستان کے لوگوں کو تو اس تصور سے بھی سردی معلوم ہونے لگیگی، دریا کے نیچے اور دائیں بائیں، ہر طرف پتھر کی سلیں پڑی ہیں، ہم انھیں پر سے "پھسلتا ہوا اور اٹکتا ہوا" یہ بہتا رہتا ہے، اس دریا پر آنے کی غرض بھی فوٹو لینا تھی، مگر دریا کے نیچے ہونے کی وجہ سے دریا کی روانی کے ساتھ مرقع نہیں کھینچ سکا، بالآخر دریا کو پیچھے کر کے سڑک پر کھڑے ہو کر چوتھا گروپ لیا گیا،

اس کے بعد ہم لوگ موٹروں پر بیٹھکر کابل کی طرف روانہ ہوئے، خیال تھا کہ راستہ میں سینی ٹیریم وغیرہ دیکھینگے مگر واپسی میں اتنی دیر ہوئی کہ ان عمارات کو دور سے دیکھنے کے سوا اتر کر دیکھنے کا موقع نہیں ملا، مگر بیرسٹر غلام رسول خاں ان کو دیکھ چکے تھے، ان سے سنکر اور دوسرے احباب کابل سے جو کچھ معلوم ہوا وہ سپرد قلم کیا جاتا ہے،

دار الصحت یا سینی ٹیریم اخیر جنگ انگریز و افغان کے کامیاب نتیجہ کے بعد امیر امان اللہ خاں نے جنرل نادر خاں سپہ سالار کو ان کے حسن خدمات کے صلہ میں کابل و پغمان کے بیچ میں ایک زمین جاگیر میں دی تھی جسکا نام علی آباد ہے، نادر خاں نے

اپنے زمانہ میں اس زمین کو باتفاق اطبا دار الصحت (سینی ٹیرم) کے لئے موزوں سمجھکر اس میں دق وسل کے مریضوں کے لئے اقامت گاہ بنوایا، اس دار الصحت کی عمارت اور دیگر مصارف کے لئے بھی شاہ نادر خاں نے اپنی جیب سے روپیہ دیا،

عمارت سہ منزلہ ہے، ساٹھ مریضوں کے رہنے کے لئے اس میں کمرے، بستر اور راحت کے دوسرے سامان ہیں، سامنے عمدہ باغ، خوبصورت روشیں، چمن زار، اور سنگین پل ہیں،

تربیت خانۂ حیوانات اسی کے قریب اسی راہ پر حیوانات کی پرورش اور اُن کی عمدہ نسل لینے کا محکمہ ہے، جسکا نام "دائرۂ تربیت حیوانات و نسل گیری" ہے، اس دائرہ کے افسر اعلیٰ کا نام محمد یوسف خاں ہے، ہمارے رفیق غلام رسول خاں جنھوں نے اس کو دیکھا تھا اسکی بڑی تعریف مجھ سے کی، یہاں جانوروں کی علمی اور سائنٹفک طریق سے بہترین پرورش اور علاج کا سامان ہے، اور عمدہ نروں کے ذریعہ سے اچھی اور قوی بچوں کی نسل لینے کا پورا اہتمام ہے،

بعض احباب کی ملاقات پغمان سے سیدھے دار الامان کو واپسی ہوئی، بعض احباب ملاقات کو آئے، مولوی بشیر صاحب جمعیت قندھار مجاہدین چمرقند، مولنا محمد میاں صاحب (المعروف بہ منصور) یہ مولنا عبد اللہ صاحب انصاری مرحوم سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی کے خلف الرشید، اور مولنا محمد قاسم صاحب بانی مدرسۂ دیوبند کے نواسہ ہیں، اور ایک افغان عالم تھے جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، ان صاحب نے مولنا حسین احمد صاحب اور مولنا کفایت اللہ صاحب تک سلام پہنچانے کی خدمت میرے سپرد کی تھی، جس سے بحمد اللہ کہ میں عہدہ برآ ہوگیا، اُن کے ساتھ اخبار انیس کابل کے اڈیٹر محمد امین خاں خوگیانی بھی تھے، تھوڑی دیر کے بعد منشی میر شمس الدین مرحوم سابق ناظم حمایت اسلام لاہور (جو افسوس کہ اس مہینہ وفات پاگئے) کے صاحبزادہ میر رحمت اللہ ہمایوں اور مقبول الحق یہاں کے سرکاری کارخانۂ گوگرد (دیاسلائی) کے مہتمم آئے،

کل صبح کابل سے غزنین کو روانگی ہے، اس لئے احباب رخصت کرنے کے لئے آرہے ہیں،

احباب کے رخصت ہونے کے بعد میں نے اور میرے ملازم نے مل کر کل صبح کی روانگی کے لئے سامان سفر درست کیا، اور اس سے فارغ ہو کر، نماز کے بعد کابل کی آخری شب بسر کرنے کے لئے بستر پر دراز ہوگیا،

(باقی)

وہ کہاں سے لاسکتے تھے، یہ خزاں کا موسم تھا، سرخی کے بجائے پتوں میں زردی چھائی تھی، سرو چنار کے درخت اور قسم قسم کے پھولوں کی بہار اور اُن کی ترکیب و ترتیب کس کس چیز کا ذکر کیا جائے، پہاڑیوں پر سے ہر طرف قدرتی چشمے بہ رہے تھے، باغ کے بیچ میں ایک قطار میں پانچ فوارے چھوٹ رہے تھے، جنکا پانی بلامبالغہ پچاس ساٹھ فیٹ اوپر چھوٹ رہا تھا، اور وہاں سے ہلکی ہلکی پھواریں بن کر فرش زمین پر گر رہا تھا،

یہاں بھی ان پانچوں فواروں کی طرف پشت کرکے (بیک گرونڈ) ایک مرقع لیا گیا،

دریائے کابل | یہاں سے نکل کر دریائے کابل کیطرف چلے، باغ کے بعد سڑک تھی اور سڑک کے بعد کچھ ہٹ کر کابل کا نا "زین" دریا بہ رہا تھا، دریائے کابل کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، ہم ہندوستانیوں کو جو گنگا اور جمنا کے دیکھنے کے عادی ہیں، اسکو دریا کہنے اور ماننے میں بہت کچھ تامل ہوگا، یہ دریا جہاں جہاں سے ہم کو نظر آیا، اس کا عرض کہیں دو تین گز سے زیادہ نہیں دیکھا، بایں ہمہ اس کے طول کا یہ عالم ہے، کہ یہ کابل سے چلکر ہندوستان کے دریائے سندھ میں آکر گرتا ہے، جاڑوں میں اس میں برف جمتی ہے، اور پھر پورے سال بھر اس کی روانی قائم رہتی ہے، سنا ہے کہ جاڑوں کے زمانہ میں افغان آتے ہیں، اور لات مار کر برف کو توڑ ڈالتے ہیں، اور نیچے کے ٹھنڈے پانی سے، نہ صرف وضو بلکہ غسل بھی کرتے ہیں، ہندوستان کے لوگوں کو تو اس تصور سے بھی سردی معلوم ہونے لگیگی، دریا کے نیچے اور دائیں بائیں، ہر طرف پتھر کی سلیں پڑی ہیں، اور انھیں پر سے "پھسلتا ہوا اور اٹکتا ہوا" یہ بہتا رہتا ہے، اس دریا پر آنے کی غرض بھی فوٹو لینا تھی، مگر دریا کے نیچے ہونے کی وجہ سے دریا کی روانی کے ساتھ مرقع نہیں کھینچ سکا، بالآخر دریا کو پیچھے کرکے سڑک پر کھڑے ہوکر جو تھا گروپ لیا گیا،

اس کے بعد ہم لوگ موٹروں پر بیٹھکر کابل کی طرف روانہ ہوئے، خیال تھا کہ راستہ میں سینی ٹیریم وغیرہ دیکھینگے مگر واپسی میں اتنی دیر ہوئی کہ ان عمارات کو دور سے دیکھنے کے سوا اتر کر دیکھنے کا موقع نہیں ملا، مگر بیرسٹر غلام رسول خاں ان کو دیکھ چکے تھے، ان سے سنکر اور دوسرے احباب کابل سے جو کچھ معلوم ہوا وہ سپرد قلم کیا جاتا ہے،

دارالصحت یا سینی ٹیریم | اخیر جنگ انگریز و افغان کے کامیاب نتیجہ کے بعد امیر امان اللہ خاں نے جنرل نادر خاں سپہ سالار کو ان کے حسن خدمات کے صلہ میں کابل و پغمان کے بیچ میں ایک زمین جاگیر میں دی تھی جسکا نام علی آباد ہے، نادر خاں نے

اپنے زمانہ میں اس زمین کو باتفاقِ اطبّاء دارالصحت (سینی ٹیرم) کے لئے موزوں سمجھکر اس میں دق وسل کے مریضوں کے لئے اقامت گاہ بنوایا، اس دارالصحت کی عمارت اور دیگر مصارف کے لئے بھی شاہ نادر خاں نے اپنی جیب سے روپیہ دیا،

عمارت سہ منزلہ ہے، ساٹھ مریضوں کے رہنے کے لئے اس میں کمرے، بستر اور راحت کے دوسرے سامان ہیں، ہاتھ میں عمدہ باغ، خوبصورت روشیں، چمن زار، اور سڑکیں ہیں،

تربیت خانۂ حیوانات اسی کے قریب اسی راہ پر حیوانات کی پرورش اور ان کی عمدہ نسل لینے کا محکمہ ہے، جسکا نام "دائرۂ تربیت حیوانات ونسل گیری" ہے، اس دائرہ کے افسرِ اعلیٰ کا نام محمد یوسف خاں ہے، ہمارے رفیق غلام رسول خاں جنھوں نے اس کو دیکھا تھا اسکی بڑی تعریف مجھ سے کی، یہاں جانوروں کی علمی اور سائنٹفک طریق سے بہترین پرورش اور علاج کا سامان ہے، اور عمدہ نروں کے ذریعہ سے اچھی اور قوی بچوں کی نسل لینے کا پورا اہتمام ہے،

بعض احباب کی ملاقات پغمان سے سیدھے دارالامان کو واپسی ہوئی، بعض احباب ملاقات کو آئے، مولوی بشیر صاحب جمعیت مجاہدین چمرقند، مولنا محمد میاں صاحب (المعروف بہ منصور) یہ مولنا عبداللہ صاحب انصاری مرحوم سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی کے خلف الرشید، اور مولنا محمد قاسم صاحب بانی مدرسۂ دیوبند کے نواسہ ہیں، اور ایک افغان عالم تھے جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، ان صاحب نے مولنا حسین احمد صاحب اور مولنا کفایت اللہ صاحب تک سلام پہنچانے کی خدمت میرے سپرد کی تھی جس سے بحمداللہ کہ میں عہدہ برآ ہوگیا، اُن کے ساتھ اخبار انیس کابل کے اڈیٹر محمد امین خاں خوگیانی بھی تھے، تھوڑی دیر کے بعد منشی میر شمس الدین مرحوم سابق ناظم حمایت اسلام لاہور (جو افسوس کہ اس مہینہ وفات پاگئے) کے صاحبزادہ میر رحمت اللہ ہمایوں اور مقبول الحق یہاں کے سرکاری کارخانہ گوگرد (دیاسلائی) کے مہتمم آئے،

کل صبح کابل سے غزنین کو روانگی ہے، اس لئے احباب رخصت کرنے کے لئے آرہے ہیں،

احباب کے رخصت ہونے کے بعد میں نے اور میرے ملازم نے مل کر کل صبح کی روانگی کے لئے سامانِ سفر درست کیا، اور اس سے فارغ ہوکر، نماز کے بعد کابل کی آخری شب بسر کرنے کے لئے بستر پر دراز ہوگیا،

(باقی)

اصول تاریخ بینی،

(نطق نواب ڈاکٹر سر احمد حسین المخاطب بہ امین جنگ بہادر)

مترجمہ

مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی،

ذیل کا خطبہ انگریزی زبان میں حیدرآباد دکن کی ایک علمی مجلس میں پڑھا گیا تھا،

میرے مکرم دوست مولوی نیرؔ صاحب، جن کی حیدرآباد میں بے غرض خدمات سے ہم سب واقف اور ثناخواں ہیں، ان کی فرمایش تھی کہ میں اس جلسہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں، جلسے کی یہ نئی عمارت خان بہادر علاء الدین صاحب کے جذبۂ رفاہی کی منت پذیر ہے، اور اس میں یہ سب سے پہلا عام جلسہ ہے، اگر نیرؔ صاحب کی فرمایش قبول کرتے وقت میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں نے رواروی میں ایسا موضوع انتخاب کر لیا جو مشرق و مغرب دونوں جگہ کے اہل علم میں محلِ اختلاف و نزاع رہا ہے، اوّل تو "تاریخ" کی کوئی ایسی تعریف نہیں کیگئی جسے ہر شخص بلا تأمل تسلیم کرلے، دوسرے تاریخ کے مقاصد و فوائد کے متعلق بہت کچھ اختلاف آرا پایا جاتا ہے، تیسرے ملت اسلامی کی من حیث الکل کوئی ایسی تاریخ ابھی تک تحقیقات جدید کے اصول پر فراہم اور اس قوت و صفائی کے ساتھ قلمبند نہیں کیگئی جیسی کہ مثلاً گرین کی "مختصر تاریخ اقوام انگلستان" ہے، سب سے پہلے اس قسم کی قابل ذکر کوشش سید امیر علی مرحوم نے کی، اور "ہسٹری آوف ساراسینز" لکھی لیکن جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے یہ نقش اوّل، پوری تصویر کو بسیط پیمانے کے ہو بہو دکھانے میں کامیاب نہ ہوا، دراصل ہمیں ایک مسلمان جی ایچ ویلز کی ضرورت ہے، کہ آفرینش عالم سے لیکر مجلس اقوام حاضرہ کے بننے تک ملِ اسلامی کا مرقع تیار کر دے، اگر کوئی اعتراض کرے کہ ساتویں صدی عیسوی سے قبل اسلام کہاں تھا، تو مسلمان ویلز کا جواب یہ ہوگا کہ دنیا میں "اسلام" یعنی امن و آشتی کے مذہب کے سوا کوئی دوسرا مذہب نہ تھا، اور نہ آیندہ کبھی ہوگا،

بہرحال میں تاریخ کی چند مستند تعریفات سے قطع نظر کرکے اپنا بیان اس طرح جاری رکھتا ہوں کہ گویا اس کے مقاصد وفوائد کے متعلق کوئی مناقشہ نہیں، کیونکہ میرا منشا یہ ہے کہ تاریخ اور اس کے مطالعے کے طریق کی نسبت جو کچھ میری رائے ہے اسے آپ کے سامنے پیش کردیا جائے، اس بیان میں میں نے معلقہ اسلامی تاریخ کی مثالیں نقل کی ہیں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ میرے اکثر سامعین کے پسند خاطر ہونگی،

میں "عملیت" کا قائل ہوں، ایسی چیزیں یا خیالات جو کام میں نہ آئیں، مجھے ان سے دلچسپی نہیں، میرا اذعان ہے کہ جو شے عملی نہ ہو وہ بیکار سے بھی بدتر ہے، تاریخ کا عملی تخیل میں نے یہ قائم کیا ہے کہ وہ محض واقعات کا بہ ترتیب وقوع بیان نہیں ہے، اور اس قسم کے بیان کو تاریخ نہیں بلکہ "وقائع یا سنین نگاری" کہیں گے، اسی طرح کسی عہد کے ملوک ومشاہیر یا معائب ومحاسن ہونگے، وبدکردار اشخاص کی زندگی کے خاص خاص پہلو یا سوانح کو پیش کرنا بھی تاریخ نہیں ہوسکتا بلکہ یہ محض کسی عہد کے تراجم وسیر یا تذکرے ہیں،

پھر کیا چیز ہے جسے میں تاریخ سمجھتا ہوں؟

تاریخ کا وہ عمومی تصور جو مجھے درست وپسندیدہ نظر آیا، یہ ہے کہ وہ کسی ملک یا نسل کے جمہور ذکور واناث کے جسمانی وروحانی جذبات کے اسباب وعواقب کا تحریری احوال ہے، جسمانی وروحانی جذبات سے میری مراد وہ خیالات، حسیات اور ہیجانات ہیں، جنکا لوگوں کے روزمرہ کی زندگی پر اثر پڑتا ہے، جو قدیم عادات ورسوم کو بدل دیتے ہیں، جو لوگوں کو جنگ وجدل یا ممالک غیر میں جبرًا دخل اور توطن پر آمادہ کرتے ہیں، اور جن کی بدولت علوم تجربی، ادبیات اور فنون لطیفہ میں جدتیں اور ترقیاں ظہور میں آتی ہیں، مثال کے طور پر اسلام کے برگزیدہ پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے متعلق یہ لکھنا کہ وہ کہاں پیدا ہوئے، بڑے ہوئے، حجر اسود کو اٹھا کے ایک جگہ جمانے میں انھوں نے قبیلۂ قریش کی باہمی نزاع کا کس طرح فیصلہ کیا، کن غزوات میں شرکت فرمائی، کن کن قلعوں کو فتح کیا، مخالفت والی لوگوں نے آپکے ساتھ اور آپنے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، اور اسی قبیل کے حالات، محض "سیرت" یا "شمائل" میں داخل ہونگے، لیکن اگر لکھنے والا تحریر کا دوسرا پیرایہ اختیار کرے اور یہ بتائے کہ آنحضور (صلعم) نے کس طرح عرب کے عہد جاہلیت کے عادات ورسم ورواج میں تغیر پیدا کیا اور اپنی تعلیم اور مبارک مثال سے مکہ ومدینہ وغیرہ مقامات کے باشندوں کے افکار واعمال پر کیونکر اثر ڈالا، تو یہی سیرت، تاریخ بن جائے گی، خدا کی توحید کی نئی کرم

(علیہ التحیاۃ والتسلیم) نے مخصوص طریق و تدبیر سے تلقین فرمائی، بحث مشکلات و عوارض کے باوجود جدوجہد سعی کی کہ بنی نوع انسان متحد ہو کر ایک بہت بڑی اور طاقتور برادری بن جائیں، انھی نتائج کو واقعات سے مستنبط کرنا خالص تاریخ ہوگا، اور اگر مصنف وہ داخلی اور خارجی اسباب جمع کر سکے جو توحید کی تلقین کے محرک ہوئے، اور جن افراد نے یہ عقیدہ تسلیم کر لیا، اُن کے ذاتی اور قومی اعمال پر اس کے آثار مترتب ہوئے، ان کی بھی تصریح کر سکے تو یہ بہت عمدہ تاریخ ہوگی،

مذکورۂ بالا بیان سے یہ بھی عیاں ہو گیا ہوگا کہ میں تاریخ کے تصور سے علم الاقوام حتی کہ قبائل کی جزئی خصائص کو بھی خارج نہیں کرتا، اور مشاہیر رجال و نسا کی سیرتیں، عہد ماضی کے وقائع بلکہ آثار قدیمہ تک اس میں داخل ہو جاتے ہیں، انکے بغیر تاریخ نہیں چل سکتی، وہ انہی سب علوم کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے، لیکن جب واقعات و سنین، رسم و رواج اور افکار و عقائد کو سامنے رکھکر وہ ان سے استنے وسیع اسباب و علل کا استخراج کرتی ہے، جنکا میں نے ذکر کیا، تو یہ اس کا اپنا میدان ہے جس میں مذکورۂ بالا علوم پیچھے رہ جاتے ہیں، تاریخ ان شخصی سوانح کو بھی نظر انداز نہیں کرتی جو کسی قابلِ مثال فرد کو پیش آئے ہوں یعنی ایسے فرد کو جسے اپنے معاصرین کی تعداد کثیر کا نمونہ سمجھا جا سکے، فی المثل ہر اسلامی تاریخ میں بی بی خولہ کا اپنے بھائی کے ساتھ جنگ میں جانا ضرور مذکور ہوگا، کیونکہ یہ بی بی ان صدہا خواتین میں سے ایک تھیں، جن کے دل میں اسلام کی تعلیم نے ان دونوں خالصۃً خدا اور اس کے رسول (صلعم) کے لئے جنگ کرنے کا جوش بھر دیا تھا، اسی طرح کوئی تاریخ حضرت علیؓ کی زندگی کے اس چھوٹے سے واقعے کو قلم انداز نہ کر سکے گی، کہ ایک مرتبہ کسی دشمن نے جسے انھوں نے پچھاڑ دیا تھا، اُن کے منہ پر تھوک دیا، اُسے یقین تھا کہ حضرتؓ اسے فوراً قتل کر دینگے، مگر انھوں نے اُسے چھوڑ دیا، اس واقعے سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اُن مبارک ایام میں لوگ کس درجہ ایثار نفس اور شجاعت رکھتے تھے، خلاصہ یہ کہ ایک عمدہ مورخ بشیتر یہ بتا کر کہ وہی اسباب و تاثرات جو آج ہمارے گروہ کثیر کے افکار و اعمال پر اثر انداز ہیں، پہلے بھی یہی اثر رکھتے تھے، اپنے ناظرین کے سامنے عہد رفتہ کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ سکتا ہے،

میں نے تاریخ کی تعریف بیان کرنے میں محض اس لئے ذرا آزادی اور طوالت سے کام لیا کہ اسی ضمن میں تاریخ کو پڑھنے کا طریقہ بھی منکشف ہو جائے، یعنی جس وقت آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کی پوری توجہ عہد ماضی کی اہم تحریکات

کے اسباب وعواقب پر نیز ان افراد کے اقوال وافعال پر مبذول رہے، جن کی اکیلی ذات اپنے عہد، معاصرین کے خیالات اور آرزوؤں کا نمونہ پیش کرتی ہے، طالب علم کو انسانی فطرت کی یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ کسی فرد کی نسبت تو یہ حکم لگانا غیر ممکن ہے کہ خاص خاص حالات پیش آجانے کی صورت میں وہ کیا کریگا، لیکن ایک بڑے گروہ یا اجتماع کے متعلق بے شبہہ آپ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر کوئی ناگہانی آفت آجائے تو ان سب لوگوں کا طرزِ عمل کیا ہوگا، اس کی سادہ سی تمثیل یہ ہے کہ فرض کیجئے حاجیوں کا ایک قافلہ کسی جنگل سے گذر رہا ہے جس میں درندوں کی کثرت ہے، اب اگر ببر شیروں کی ایک ٹولی یکایک قافلے پر آگرے تو یقین کیساتھ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اہل قافلہ میں سے زید، بکر، سلیم یا جعفر منفرداً کیا کرینگے، کون بھاگ کھڑا ہوگا، یا مقابلے میں ڈٹ جائیگا، اور کون جوانمرد جان پر کھیل کر بے بس عورتوں اور بچوں کو بچانے کی کوشش کریگا؟ لیکن یہ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ اُن سب کو بلا استثنا یہ فکر پڑ جائیگی کہ شیروں سے زخمی یا ہلاک نہ ہوں، سبب یہ کہ خطرے سے بچنا انسانی فطرت کا مقتضی ہے اور یہ حقیقت افراد کے معاملے میں اتنی آشکارا نہیں ہوتی جتنی ناگہانی موقعوں پر بہت سے اشخاص ہوں، تو اس کا ظہور ہوتا ہے، یہ جاننا کہ عہد گذشتہ میں گروہِ کثیر کے افعال سے فطری خواص کس طرح ظاہر ہوئے زیادہ دلچسپ بھی ہے، بہ نسبت اس کے کہ یہ بتایا جائے کہ کسی زید و بکر پر کیا گذری یا اس نے کیا کیا کام کئے، البتہ اگر یہ فرد اپنے عہد کا نمونہ ہو تو اس کُلیے سے مستثنیٰ ہوگا، اور کوئی بادشاہ ہو یا امیر، بزم سیاست کا شاطر ہو یا رزم کا مردِ میدان، اسے نمونہ اسی وقت قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ اس کی ذات میں اپنی رعایا، برایا، بہت سے متبعین یا حاشیہ نشینوں کے خیالات اور تمنائیں منعکس ہوں، مگر ایسے مشاہیر کی تدابیر و کارہائے نمایاں کے قصے پڑھتے وقت ہمیں محض ان کے علانیہ افعال و اقوال معلوم کرنے پر قناعت نہ کرنی چاہئے بلکہ ان کے اندرونی اسباب و محرکات کی تہ تک پہنچنا چاہئے، یہ تاریخ کا خاص کام ہے کہ وہ "اشتہا" اور "نفرت" کو انسانی افعال کا اصلی سرچشمہ ثابت کرتی ہے، اگرچہ ان دو جذبوں کی، محرکات و مقاصد کے نام سے صدہا صورتیں ہو گئی ہیں، اشتہا میں عشق و محبت اور جملہ خواہشیں داخل ہیں اور وہ کسی نہ کسی مقصد کے حصول میں ساعی رکھتی ہے، نفرت میں غضب اور دوسرے وہ جذبات شامل ہیں جو حصولِ مقصد و آرزو کے موانع سے جدّوجہد کرتے ہیں، کامیابی کا بڑا انحصار اس پر ہے کہ لوگوں کی منشا اور محرکاتِ نفسی کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اُن کے مطابق طرزِ عمل

اختیار کیا جائے، یزید کا منشا دین کو بگاڑنا تھا تاکہ خود اپنی قوت کو مضبوط کرے، سیدنا امام حسینؓ اس منشا اور دلی مقصد کو بخوبی سمجھ گئے تھے، ورنہ مکے سے کوفے کا سفر نہ کرتے، آنحضرتؓ نے اپنا فرض سمجھا کہ خود جائیں اور دین کی خرابی کو روکیں، لیکن اگر آپ کو اہل کوفہ کے محرکات نفسی کا صحیح علم ہوتا تو آپ مٹھی بھر ساتھیوں کے ہمراہ دشمن کے علاقے میں اقدام نہ فرماتے آپ سمجھے تھے کہ یہ لوگ جو یزید کے مظالم سے تنگ آکر آپ سے مدد کی التجا کر رہے ہیں، ان کا دلی منشا یہ ہے کہ پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے نواسے کے حق کی نصرت و حمایت کریں گے، لیکن جیسا کہ آیندہ واقعات سے ثابت ہوا یہ حضرت امام اور ان کے مشیروں کی غلطی تھی، کوفیوں کا منشا محض اپنی خیر منانا تھا کہ فریقین میں سے جس کو قوی تر دیکھیں، اسی کا دامن تھام لیں، انھوں نے بہادر امامؓ کو پیام پر پیام بھیجکر بلایا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حق اور قوت دونوں اُن کے ساتھ ہیں، اور حضرت حسینؓ لشکر جرار لیکر آئیں گے، لیکن جب معلوم ہوا کہ حضرت امام مکے سے بغیر کسی لشکر کے روانہ ہوئے اور ان کے ہمرکاب کوئی معقول بدرقہ تک نہیں ہے، تو اہل کوفہ سمجھے کہ ان کا "حق" تو ہے مگر ان کے پاس "تلوار" نہیں ہے، لہذا یزید کی قوت سے ڈر کر انھوں نے حضرت امام کا ساتھ چھوڑ دیا اور انھیں دشمن کے ہاتھ سے ہلاک کرا دیا، اس مثال سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ لوگوں کے دلی منشا اور محرکات سے آگہی، کامیابی کیلئے کسقدر ضروری ہے،

اب میں تاریخ کے سہ گونہ افادے پر ایک نظر ڈالتا ہوں جسے ایک فارسی کہاوت میں اجمالاً اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "تاریخ آئینہ گذشتہ است، درس حال و فال مستقبل"۔ اس قول کی تصریح و تمثیل کے لیے طول طویل مضمون درکار ہے لیکن میں آپ کی سمع خراشی کرنی نہیں چاہتا بلکہ اس قول کو نقل کرنے سے میرا مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ تاریخ کا مفید و کارآمد مطالعہ کس طرح کیا جا سکتا ہے،

(۱) اس قول کے پہلے جزء میں جو استعارہ لایا گیا ہے، ہم اس سے قطع نظر کئے لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ شاعری کی مثل جو شاہد فطرت کا نقاش ہے، مورخ کا کام ہی یہ ہے کہ عہد ماضی کی تصویر کھینچ دے، اور جیسا کہ میں نے ادھر اشارہ کیا وہ کتاب تاریخ کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی جس میں کسی ملک یا قوم کے کسی عہد گذشتہ کا صاف اور صحیح نقشہ نظر کے سامنے نہ آجائے، پس یہ جزء ہم تاریخ نگار کے لئے چھوڑتے اور اس موقع پر محض "تاریخ بیں" کی ادنیٰ حیثیت اختیار کرکے، مذکورۂ بالا

قول کے دوسرے اور تیسرے جزسے بحث کرتے ہیں،

(ب) عہد ماضی کے واقعات اور ان کے اسباب و عواقب پڑھنے کے بعد ہم اگر اپنے حالات حاضرہ میں اُنسے کوئی سبق نہ لیں یا نہ لے سکیں، تو یہ مطالعہ محض تضیع اوقات و دردسر کا موجب ہوگا، فرو ڈوسیلی جیسے تاریخ نویس اور اسپنسر و مل جیسے فلاسفہ نے مناظرے کئے ہیں، کہ تاریخ علوم عقلی (فلسفہ) میں داخل ہے یا علوم تجربی (سائنس) میں، یا دونوں سے خارج ہے؛ عجب نہیں کہ ارباب فضیلت کی جبین تامل پر یہ تعریف سنکر شکن پڑ جائے کہ تاریخ وہ فلسفہ ہے جس کی نظائر کے ذریعے تعلیم دیجاتی ہے' لیکن تاریخ جو کچھ بھی ہو، یا نہ ہو میں سمجھتا ہوں کہ اس کا اصلی کام ناظرین کے لئے درس بصیرت فراہم کرنا ہے، جس طرح یہ مسلّم ہے کہ آپ کسی شخص کی سیرت کو اس کے سابقہ حالات کو جانے بغیر نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح کم سے کم یہ ماننا پڑے گا، کہ آپ حالاتِ حاضرہ کی تہ کو اسوقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ آپ ان کی سرگذشت سے (جسے عام طور پر تاریخ کہتے ہیں) آگاہ نہ ہو جائیں، اسی سیدھی سچی بات کو شاعرانہ لفاظی نے یوں ادا کیا ہے کہ" زمانۂ ماضی، عہد حاضر کا خلاق ہے، اس کی مخلوقات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ خلاق سے واقفیت بہم پہنچائی جائے "

میسور کی ایک سن رسیدہ خاتون نے کسی انگریز کو جو اس کے ساتھ بہت نیکی اور مہربانی سے پیش آیا تھا اپنی گھریلو زبان میں اس طرح دعا دی کہ،

" تمھاری ماں کا پیٹ ٹھنڈا ہو، تمھاری جورو کی چوڑیاں فولاد کی ہوں "

اس کا لفظی ترجمہ سنکر انگریز ہکا بکا رہ گیا، اور غالبًا یہ سمجھا کہ بوڑھی خاتون اس کی ماں کی موت اور بیوی کو چوڑیاں پہنائے جانے کی دعا دے رہی ہے، وہ اسی چکّر میں تھا کہ یہ دعا ہے یا کوسنا، تاآنکہ کسی شخص نے جو اس خاتون کے گذشتہ حالات سے واقف تھا، انگریز کو سمجھایا کہ وہ ٹیپو سلطان کے خاندان کی بیوی ہے اور دکن کے بیگمات کی زبان میں اسے دعائیں دے رہی ہے، ہندوستان میں عام خیال ہے کہ اگر کوئی ماں اپنے سپوت بیٹے سے خوش ہوگی تو اس کی کوکھ کو ایسا آرام ملیگا جیسے تھکے ہارے مسافر کو دھوپ کی تپش سے بچکر ٹھنڈے سایے میں آجانے

سے ملتا ہے، اور شادی شدہ عورتیں خواہ ہندو ہوں یا مسلمان ہمیشہ کانچ کی چوڑیاں پہنتی ہیں جن سے رشتۂ مناکحت کی نازکی دکھانی مقصود ہوتی ہے اور شوہر کے مرتے ہی یہ چوڑیاں توڑ دیجاتی ہیں، پس بوڑھی خاتون کا مطلب یہ تھا کہ اس انگریز کے مدارج میں روز بروز ترقی ہو جس پر اس کی ماں فخر و ناز کرے، اور اس کی عمر اتنی دراز ہو کہ اس کی بیوی کی کمزور کانچ کی چوڑیاں فولاد کی سی مضبوط معلوم ہونے لگیں، بہ الفاظ دیگر، وہ یہ دعا دینا چاہتی تھی کہ تمھاری عمر دراز اور زندگی بامراد اور شاندار ہو جیسے اس طرح ہیرسپیر کے اس نے بیان کیا،

میں نے یہ ہنسی کا قصہ اس لئے نقل کیا کہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ روزمرہ کی زندگی میں چھوٹی چھوٹی بات کو بھی ہم اگر اس کی "تاریخ" سے آگاہ نہ ہوں تو اچھی طرح سمجھنے سے قاصر رہیں گے، ملکی، معاشری یا اقتصادی واقعات جو ہماری آنکھوں کے سامنے سے گذر رہے ہیں، انھیں سمجھنے کے لئے تو اُن کی تاریخ سے واقف ہونا اور بھی ضروری ہے، یعنی جب تک ان کے ماقبل واقعات یا خود ان کے وقوع میں آنے کی صحیح کیفیت سے آگہی نہ ہوگا اس وقت تک ہم ان کے اصلی مفہوم نہ پاسکیں گے، جامع الفاظ میں، اس کا سبب یہ ہے کہ عہد حاضر زمانۂ ماضی سے نکلا اور مستقبل میں بہ جاتا ہے،

شاید آپ خیال کریں کہ میں نے تاریخ کی ضرورتیں تو بتائیں مگر اب تک یہ بیان نہ کیا کہ تاریخ سے سبق کس طرح لیا جاتا ہے، مگر جواب میں میں کہونگا کہ عہد گذشتہ کی روشنی میں اپنی انفرادی یا قومی زندگی کے واقعات کو سمجھنا ہی تاریخ سے بہت عمدہ سبق اخذ کرنا ہے،

نہاوند کی فیصلہ کن جنگ کے بعد عربوں کو معلوم ہوا کہ جتنی آسانی سے انھوں نے ایران فتح کیا اتنی آسانی سے اہل ایران کو مسلمان بنانا ممکن نہیں، ایرانیوں میں نسل کا غرور اتنا سخت و مستحکم تھا کہ اپنا دین چھوڑ کر مسلمان ہوجانا اور مذہبی جور و جبر سے بچنا قبول نہ کیا اور اس کے بجائے اپنے پرانے مذہب پر قائم اور ذمی بنکر جزیہ ادا کرتے رہے، امام زین العابدینؒ کے زمانے میں یہی کیفیت رہی کہ ایرانیوں کی تعداد کثیر اسلام سے کچھ واسطہ نہ رکھتی تھی، لیکن امام موصوف کے وقت میں یہ مذہب کمال سرعت سے ایران میں پھیل گیا، مگر تاریخ کا یہ کرشمہ اس وقت تک

ہماری کچھ سمجھ میں نہ آئے گا، جبتک ہمیں یہ نہ معلوم ہو کہ ایرانیوں کے آخری بادشاہ یزدجرد کی اکلوتی بیٹی پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اکلوتی صاحبزادی کے فرزند سیدنا امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حبالۂ عقد میں آگئی تھیں اور اس طرح عالی تبار خسروانِ عجم کا شاہی خون امام زین العابدین سے امام مہدی تک ان محترم داعیانِ اسلام کی رگوں میں ساری ہوگیا تھا، یہ اتفاقاً دیگرے یہ شادی ایک عمدہ تدبیر تھی جس نے ایرانیوں کو اسلام کی جانب مائل کر دیا، کیونکہ اب ان کو نظر آتا تھا کہ اسلام کے ممتاز اکابر خودان کے دودمانِ شاہی میں شامل ہیں، پھر اپنی شاہزادی کے شوہر (حضرت امام حسینؓ) کی شہادت نے انھیں اولادِ حسین کا اور زیادہ محب و غمگسار بنادیا، اسی شہادت سے ملت اسلامی میں فرقہ بندی کی ابتدا ہوئی، لیکن ان سب واقعات سے ہم اپنے فوائد حاضرہ کے لئے کیا سبق لے سکتے ہیں؟ اس بارے میں خود آپ کی عقل سلیم رہنمائی کریگی، میں صرف تین باتیں بیان کئے دیتا ہوں، ایک تو یہ کہ اجنبیوں کے مقابلے میں رشتہ داروں کا اثر زیادہ ٹھہرتا ہے، دوسری یہ کہ تبلیغ کے لئے جبر و نمائش اتنی مفید نہیں جتنی یہ بات مفید ہے کہ غالب تدبیروں سے لوگوں کے محسوسات پر اثر ڈالا جائے، اور تیسری یہ کہ نسل کا پاس و غرور آج بھی دنیا کے ہر حصے میں، شورشوں اور مناقشوں کی تہ میں موجود ہے،

(ج) زیر بحث مقولے کا یہ تیسرا جزو کہ تاریخ " فالِ مستقبل" ہے، شاید اتنا صاف اور صریح نہیں ہے جتنا کہ دوسرا جزو جس پر ہم ابھی گفتگو کر رہے تھے، اس میں تو کچھ شک نہیں کہ جیسا ہم نے بیان کیا تاریخ سے ہر شخص اپنے اپنے پیشے یا دائرہ عمل میں کام لینے کے لئے بہت سے ضروری سبق سیکھ سکتا ہے، لیکن کیا تاریخ میں آیندہ واقعات کا کوئی اشارہ اور ان سے روبراہ ہونے کی کوئی سبیل بھی مضمر ہوتی ہے؟ میرا خیال ہے کہ اس عام اصول کے مطابق کہ ع

سالے کہ نکوست از بہارش پیدا"

مذکورۂ بالا سوال کا جواب اثبات میں دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ہم آثار کو اصل واقعات نہ سمجھ بیٹھیں، کیونکہ اس اعتبار سے قدیم یونانی کاہنوں کے اقوال کی طرح، تاریخ سے بھی اچھے برے دونوں معنی لئے جاسکتے ہیں، جیسا کہ یہ ذومعنیین قول کہ "یونان روما فتح کریگا" کہ پہلے رومیوں نے بزور شمشیر یونان کو فتح کیا اس وقت، اور جب آخر میں یونان

کی تہذیب و رعایا پر غالب آئی تو اس وقت بھی صحیح تھا،

بہرحال واقعاتِ ماضی کے اسباب و عواقب سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے، کہ اس قسم کے اسباب وہی نتائج پیدا کریں گے جیسے پہلے رونما ہوئے تھے، البتہ یہ فیصلہ کرنا کہ یہ بالکل ویسے ہی اسباب ہیں جیسے پہلے جمع ہوئے تھے، کچھ آسان نہیں ہے کیونکہ مختلف اسباب سے بھی ایک ہی نتیجہ رونما ہو سکتا ہے،

مغل اور ترکمان قومیں عراق، شام اور ایشیائے کوچک میں صلح و آشتی یا جنگ و جبر سے داخل ہو کر آباد ہو گئیں تو انھی ملکوں کا عام مذہب (اسلام) بھی قبول کر لیا، اور آیندہ حروب صلیبیہ میں ان ممالک کے اصلی باشندوں سے جنمیں عرب، معرب اور مستعرب سبھی شامل ہیں، یہی نو مسلم زیادہ پر جوش مسلمان ثابت ہوئے اب فرض کیجئے کہ جمہوریۂ روس ملک عرب کو فتح کرے اور وہاں کے ریگستانوں میں بھی فتحمند روسی آباد ہو جائیں، تو کیا ہم ترک و مغل اقوام کی تاریخی مثال کی بنا پر یہ پیشین گوئی کر سکتے ہیں، کہ عرب کے روسی فاتح بھی اسلام اختیار کر لین گے اور آگے چل کر خود عربوں سے بہتر مسلمان ثابت ہونگے؟ اس کا جواب یقین کے ساتھ اثبات میں دینا ممکن نہیں جس کی صریحی اور وہ بھی چند وجوہ یہ ہیں کہ نسل و عروۃ قومی معاشرت کے تعصبات اور آبا و اجداد کے مذہب کے لحاظ سے روسی عوام الناس اور قدیم ترکمان و مغل اقوام میں بڑا فرق ہے، پس ہم یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ روسیوں کا طرز عمل عرب میں وہی ہوگا جو ان قوموں کا شام و ایشیائے کوچک میں رہا، اس طرح آپ خود خیال کر سکتے ہیں کہ تاریخ سے پیشین گوئی کرنا ایسا آسان اور یقینی نہیں ہے جیسا کہ اس سے سبق اخذ کرنا، تاریخ کے آثار و رموز شدنی واقعات کے متعلق اتنے قطعی نہیں ہو سکتے جتنے کہ سائنس یا علوم تجربی میں ہوتے ہیں، اسی لئے تاریخ کو ان علوم تجربی میں شامل نہیں کرتے، البتہ سب نے اسے ایک عمدہ مشق تسلیم کیا ہے، اور تمثیلی استدلال، جو مسلمان فقہا کو بہت مرغوب ہے، تاریخ اس کا وسیع میدان پیش کر دیتی ہے، اب مختصر طور پر یہ بیان کرنے کے بعد کہ تمثیلی استدلال کسے کہتے ہیں، اور اس سے تاریخ کا مطالعہ کرنے میں کس طرح کام لینا چاہئے، میں اس مضمون کو ختم کر دونگا:-

تمثیلی استدلال، مماثل اشیا سے استخراجِ نتائج کی ایک صورت کا نام ہے، تاریخ کے دو موقعوں یا دو مشہور

شخصوں کو کئی لحاظ سے مشابہ دیکھکر تاریخ لکھنے یا پڑھنے والا یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ ان مماثل مواقع یا اشخاص کے طرز عمل کا نتیجہ یکساں ہوگا، مثلاً سید امیر علی نے متوکل علی اللہ کو عرب قوم کا نیرو لکھا ہے، اس نقیاد مورخ کو روم کے بادشاہ نیرو اور بغداد کے خلیفہ متوکل کے ذاتی اور سیاسی افعال میں اتنی مشابہتیں نظر آئیں کہ اُسنے یہ نتیجہ استخراج کرنے میں کچھ تامل نہ کیا کہ خلافت عباسیہ کے زوال و انتزاع کا آغاز ٹھیک اسی طرح متوکل کے ظالمانہ عہد سے ہوا جس طرح نیرو کے پرمظالم عہد سے رومۃ الکبریٰ کی خرابی اور تباہی کا آغاز ہوا تھا، اور جس طرح گبن نے نیرو کے بارے میں لکھا، امیر علی نے متوکل کے متعلق یہ الفاظ تحریر کئے کہ وہ عیاشی میں مبتلا، دائم الخمر رہتا تھا اور مطلق پروا نہ تھی کہ سلطنت تباہی کی طرف جارہی ہے؛

یہ جتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اگر مشابہ امور کم ہوں، اور بہت سے اختلافات نظرانداز کرئے جائیں تو یہ تمثیلی استدلال بالکل مغالطہ آمیز ہوگا،

تاریخ سے خواہ عبرت حاصل کیجائے خواہ آیندہ کے قرائن، ہر صورت میں دو موقعوں یا کم سے کم دو شخصوں کے حال کا مقابلہ کرنا پڑے گا، یہ بالکل یکساں تو نہیں ہو سکتے مگر لازم ہے کہ مشابہت رکھتے ہوں، یعنی اس قدر مختلف نہ ہوں جتنے ایک دوسرے کے مماثل ہیں، چنانچہ بغداد کی ملکہ زبیدہ کا احمد نگر کی چاند بی بی سے کوئی موازنہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان میں کئی اعتبار سے بڑا فرق پایا جاتا ہے اور مماثلت کے پہلو کم ہیں، اسی طرح اسلام کے قرون اولیٰ میں عربوں نے جو طریق جنگ اختیار کیا اسکا محاربات صلیبی کے زمانے کے اسلامی طریق جنگ سے مقابلہ کرنا فضول ہے، البتہ ان دونوں میں جو فرق ہیں وہ مماثل امور کی نسبت تعداد یا اہمیت میں زیادہ ہوں، تو انکا مقابلہ کرکے تاریخی شواہد و قرائن کا استنباط کر سکتے ہیں،

تمثیلی استدلال نے علوم تجربی کو نئے انکشافات میں اکثر مدد دی ہے، اور تاریخ کے لئے بھی وہ نہایت کارآمد عامل ہے، اسی بنا پر میں نے مضمون کے ابتدائی حصہ میں یہ بیان کیا تھا کہ ایک عمدہ مورخ بیشتر یہ بتا کر کہ وہی اسباب و تاثرات جو آج ہمارے گروہ کثیر کے افکار و اعمال پر اثر انداز ہیں، پہلے بھی یہی اثر رکھتی تھیں، اپنے ناظرین کے سامنے عہد رفتہ کی جیتی جاگتی تصویر کھینچ سکتا ہے، دوسرے لفظوں میں جیسا بوشر نے ایک جگہ لکھا ہے "تاریخ نوع انسان کی تعلیم کا مستند بیان ہے"۔

۱؎ چونکہ یہ خطبے میرے نہیں بلکہ پروفیسر ای ای اسپیٹ نے پڑھا دیئے ہیں، جنھوں نے مہربانی سے اس خطبہ کا مسودہ دیکھا تھا، انھوں نے بہت سی تصحیحیں بھی میرے نام ممنون کی ہیں، اس لئے ان کے شکر یہ میں یہ خطبہ ان کے نام سے معنون کرتا ہوں،

مستشرقین کے متعلق دو متضاد رائین

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی،

اس سیاسی دور مین جب کہ ہر کام اور ہر عمل کی تہ مین کوئی نہ کوئی غرض پنہان ہوتی ہے مشرقیات اور اسلامیات کے متعلق مستشرقین کی تحقیقات کے قبول کرنے کا سوال نہایت اہم ہے، اس مین شبہہ نہین کہ بہت سے مستشرقین نے مسلمانون کی بڑی خدمت کی، انھون نے ساری ساری عمرین اسلامیات کی تحقیق مین صرف کر دین، اور بڑی جانکاہ محنت اور جانی و مالی قربانی برداشت کرکے مسلمانون کے علوم و فنون اور ان کی گذشتہ عظمت کو دنیا کے سامنے پیش کیا، ان کی نادر اور نایاب کتابون کا پتہ چلایا، اور بڑی مشقت اور بڑے اخراجات برداشت کرکے انھین حاصل کیا، اور نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ شائع کیا، ان پر حواشی لکھے، ان کی شرحین کین، مختلف زبانون مین ان کے تراجم شائع کئے، اسلامی موضوع پر نہایت بلند پایہ کتابین تالیف کین، اور اسلامی علوم و فنون کی ہر شاخ پر اتنا نہایت وسیع لٹریچر فراہم کر دیا، جو مسلمانون سے بھی ممکن نہ تھا،

ان کی ان اسلامی خدمات سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا، اور ان کی محنت و جانفشانیون کی داد نہ دینا ظلم اور احسان فراموشی ہے لیکن اسی کے ساتھ جہان تک مذہب اسلام کے متعلق ان کے افکار و خیالات اور تحقیقات کا تعلق ہے، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ان کے قبول کرنے کا سوال نہایت اہم ہے، اس لئے کہ اسلامی مسائل کے متعلق اپنی تحقیقات مین انھون نے اب تک نیک نیتی کا کوئی ثبوت نہین دیا ہے، یا تو وہ مشرقی روایات مشرقی مذاق اور اسلامی ذوق و نظر سے بیگانہ ہونے کی وجہ سے اسلامیات کے سمجھنے اور اس کے پیش کرنے مین نہایت فاش

غلطیاں کرتے ہیں، یا عمداً وہ اسلام کو نہایت مسخ شدہ صورت میں پیش کرتے ہیں بہرحال جو صورت بھی ہو ان کی یہ غلطیاں علم و فن کی خدمت اور تحقیق اور ریسرچ کے پردہ میں ہوتی ہیں، یہ زمانہ ریسرچ و تحقیق کا ہے، اس لئے ان سے خود مسلمانوں اور غیر قوموں میں اسلام کے متعلق سخت گمراہیاں پھیلتی ہیں، بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کو یونانی فلسفہ، مجمی دہریت اور ہندی خرافات کسی سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا ان محققین کی زہر آلود تحریروں سے پہنچتا ہے، جس کے مظاہر آئے دن آج کل کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں نظر آتے ہیں، اس لئے مذہب اسلام کے متعلق اون کی تحقیقات پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے،

ہندوستان کی طرح مصر میں بھی مستشرقین کے بارہ میں دو متضاد رائیں ہیں، ایک جماعت اون کی علمی شہرت سے مرعوب ہو کر ان کی ہر جنبش قلم کو بلا چون و چرا مان لیتی ہے، اور دوسری جو ان کی زہر چکانیوں سے واقف ہے، وہ ان کی تحریروں کو ناقدانہ نظر سے دیکھتی ہے، حال میں مصر کے دو ممتاز اہل قلم ڈاکٹر حسین ہراوی اور ڈاکٹر ذکی مبارک نے علی الترتیب مستشرقین کی مخالفت اور موافقت میں اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں، ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، تاکہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ اصحاب اور اہل علم بھی اس مسئلہ کی اہمیت سے واقف ہوں، حسین ہراوی لکھتے ہیں کہ

مستشرقین سے فائدہ سے زیادہ نقصان پہنچا ہے، جب ہم یورپین زبانوں کی کسی ایسی تالیف پر نظر ڈالتے ہیں، جس میں مصر، مشرق یا اسلام کے اجتماعی یا عمرانی موضوع پر مباحث ہوں تو ہمکو بہت سی خلاف عقل و قیاس باتیں نظر آتی ہیں خصوصاً ان کتابوں میں جو مذہب اسلام پر ہیں، ان میں نہ صرف خلاف حقیقت اور خلاف عقل و قیاس باتیں ہوتی ہیں، بلکہ ان میں اسلام کی ایسی عجیب و غریب اور بھیانک تصویر پیش کیجاتی ہے، جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کرسکتا، مشرقی آدمی اس کی یہ تاویل کرلیتا ہے کہ یہ غلطی مشرق کے حالات اور یہاں کے عادات و فضائل سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اور مسلمان اسلام کی بھیانک تصویر دیکھ کر پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا ہے،

میں نے یہ رائے ان یورپین تصنیفات کو پڑھ کر قائم کی ہے جن سے بیک نظر ظاہر ہو جاتا ہے، کہ لکھنے والے

کو عموماً مشرق اور خصوصاً اسلام کی حقیقت سے مطلق واقفیت نہیں ہے، مثلاً:

مارشل اپنی کتاب "شادی" میں لکھتا ہے، کہ مصر میں اسلامی پردہ کا یہ اثر ہے کہ وہاں چودہ سال کی عمر کے بعد باپ بھی اپنی لڑکی کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی، یا اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر ہے کہ یعنی مصری لڑکی اپنے چہرہ کے علاوہ باقی جسم کے تمام حصوں کو مردوں کے سامنے عریاں کر سکتی ہے، یا کتاب "شادی اور وراثت کی نسبت" میں ہے کہ اسلام نے پردہ اور تعدد ازدواج کے حکم سے تمدن پر ایک کاری ضرب لگائی ہے، یا اسی کتاب میں ایک اور مقام پر ہے کہ (نعوذ باللہ) محمد صلعم محض ایک زن پرست آدمی تھے، ان خیالات اور علمی ریسرچ سے لکھنے والی کی نسبت صاف ظاہر ہے کہ وہ حق و انصاف کو پامال کر کے محض اسلام کو بدنام کرنا چاہتا ہے،

یورپین مصنفات کی یہ خوبی ہے کہ اس میں ماخذوں کے حوالہ بھی دے دیئے جاتے ہیں، جب میں اصل ماخذوں کی طرف رجوع کرتا تھا، تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کا ماخذ محض مستشرقین کے دماغ ہیں،

اس میں شبہہ نہیں ہے کہ یورپین زبانوں میں عام خاص تاریخوں اور مختلف قوموں اور ان کے علمی کارناموں پر نہایت عمدہ کتابیں ہیں میں نے یہ کتابیں دیکھی ہیں، ان میں دیکھنے والے کو ایک خاص بات نہایت نمایاں نظر آتی ہے، کہ جب تک وہ قدیم و جدید تاریخ مثلاً مصر قدیم اور اس کے آثار اور عراق اور اس کی گذشتہ عظمت وغیرہ پر لکھتے ہیں اس وقت تک نہایت محققانہ لکھتے ہیں، لیکن جب اسلامی مباحث یا رسول اللہ صلعم کی سیرت پر قلم اٹھاتے ہیں، تو ان کا قلم بہک جاتا ہے، اور وہ نہایت لغو مہمل، ذلیل، رکیک بلکہ جھوٹ باتیں تک لکھ جاتے ہیں، مثلاً ان کا قلم رسول اللہ صلعم کی یہ تصویر پیش کرتا ہے، کہ (نعوذ باللہ) "وہ جنگی مذہب کا بانی تھا، اور اس کو انسانی فضائل سے کوئی علاقہ نہیں" بلکہ اس سے بھی زیادہ خرافات بک جاتے ہیں،

مشہور پروفیسر مارگولیتھ جو یورپ میں اسلامیات کے امام فن مانے جاتے ہیں اور آکسفورڈ میں اسلامیات کا درس دیتے ہیں، اپنی کتاب "تاریخ العالم العام" میں یہ نادر تحقیق پیش کرتے ہیں، کہ محمد (صلعم) عبداللہ کے بیٹے ہیں، اور عبداللہ عرب میں اس لڑکے کو کہا جاتا تھا جس کا باپ لامعلوم ہو، بہت ممکن ہے کہ محمد کے باپ کا نام عبداللہ بھی اسی وجہ

بڑا ہو، اگر کوئی معمولی مستشرق اس قسم کی بے ہودہ بات کہتا تو قابل درگذر تھا، لیکن یہ اس شخص کی تحقیق ہے جو یورپ مین عربی کا سب سے بڑا ماہر ہے،

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کو لیجیے جہان تک عام تاریخ اسلام کا تعلق ہے، اس مین تمام چھوٹے بڑے مسائل پر نہایت تاریخی استقصار کے ساتھ بحث ہے، لیکن اسی محققانہ کتاب مین رسول اللہ صلعم کے متعلق نہایت دل شکن اور تکلیف دہ باتین درج ہین، اس کی کیا تاویل کیجا سکتی ہے،

"لجنۃ العمل المغربی" کی تقریرون کے مجموعے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمیٹی سیاسی استعمار کا ایک دام ہے، جسکا کام مستشرقین کے ذریعہ سے مشرق مین استعمار کی جڑین مضبوط کرنا ہے، چنانچہ یہ کمیٹی مشرق مین اسلام کے مقابلے کے گُر بتاتی ہے، اور مستشرقین ان پوشیدہ تقریرون کو جنمین اسلام کے مقابلہ کی صورتین بتائی جاتی ہین، غیر ملکون مین اپنی حکومتون کے پاس بھیجتے ہین، چونکہ اسلام استعمار کے خلاف ایک زبردست تعلیم ہے، اس سے اسلام کو کمزور کرنے کے لئے یہ چال بھی چلی جاتی ہے، کہ شمالی افریقہ اور دوسرے اسلامی ملکون مین جہان کی مادری زبان عربی ہے، عربی کی اہمیت گھٹا کر وہان کے باشندون کو مقامی زبانون کے زندہ کرنے کے دام مین پھنسایا جاتا ہے، تاکہ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر عربی زبان بھول جائین، اور قرآن کے سمجھنے والے باقی نہ رہین، اس وقت ان کے خیالات اور رجحانات کو اپنے سانچے مین ڈھال لیا جائے (جیسا کہ آج کل ہندوستان مین ہو رہا ہے اور اس کے مذموم نتائج بھی نکل رہے ہین)

یہ تقریر جس کا مین نے اوپر ذکر کیا ہے، یورپین مصنفات کی طرح اسلام کے متعلق خرافات کا ایک زہر چکان مجموعہ تھی سبھی یورپ کے قیام کے زمانہ مین یورپین اشخاص سے اسلام پر گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ ابتدا سے ان کی پرورش ایسے ماحول مین ہوتی ہے، جس مین شروع ہی سے اسلام سے نفرت اور مسلمانون کی تحقیر سکھائی جاتی ہے، تاکہ نہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو سکین اور نہ مسلمانون سے مل سکین،

مشرق والون کو مستشرقین سے کسی خیر خواہی اور ہمدردی کی توقع رکھنا عبث ہے، کہ وہ سانچے ہی مشرق کے مفاد کے خلاف ہین، جن مین مستشرقین ڈھالے جاتے ہین، یورپ کی یونیورسٹیون مین خاص اغراض و مقاصد کے ماتحت

طلبہ کو مشرقی زبانوں کی تعلیم دیجاتی ہے، ان میں جو طلبہ پڑھتے ہیں، انھیں مشرق سے کسی قسم کا تعلق ہوتا ہے اور نہ مشرقی زبانوں سے کوئی محبت و انسیت ہوتی ہے، بلکہ وہ اجنبی طلبہ ہوتے ہیں جنھیں استعماری مشین چلانے کے لئے انھیں اصولوں پر ڈھالا جاتا ہے، جس سے وہ استعماری مشین کا پرزہ بن سکیں اور اس کا خاص اہتمام رکھا جاتا ہے، کہ ان کی قومی عصبیت ضائع نہ ہونے پائے، تاکہ وہ مشرق میں جا کر شرق یا اسلام کی طرف مائل نہ ہو سکیں، ایسی صورت میں ان سے جنمیں بعض آگے چل کر مستشرقین کے زمرہ میں آجاتے ہیں، یا ان کے اساتذہ سے جو بڑے بڑے مستشرقین ہوتے ہیں مشرق یا اسلام کے ساتھ انصاف کی توقع رکھنا بے کار ہے، مستشرقین خواہ یونیورسٹی کے احاطہ میں استاذ کے لباس میں ہوں یا باہر مصنف کی شکل میں اپنے اصل مقصد کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کر سکتے،

مستشرقین نے اسلام کے خلاف زہر پھیلانے کے لئے یہ عجیب فریب وہ طریقہ نکالا ہے، کہ جب تک وہ اسلامی تاریخ پر بحث کریں گے اس وقت تک خالص مورخ رہیں گے، لیکن جب رسول اللہ صلعم کی سیرت، مذہب اسلام یا قرآن کی طرف متوجہ ہوں گے تو ہمیشہ مخالفانہ لکھیں گے، کہ دوسرے اس کو پڑھ کر اسلام سے خوف زدہ ہوں، اسلامی مباحث پر لکھنے میں وہ علمی دیانت اور تحقیقی اصول کو بالکل بھول جاتے ہیں، ان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ اپنے ذہن میں ایک نظریہ یا ایک خیال فرض کرتے ہیں، اس کے بعد اس کے اسباب تلاش کرتے ہیں، اگر قرآن میں کوئی ایسی شے مل گئی جو ان کے خیال میں ان کے مفید مطلب ہو یا اسے کھینچ تان کر اپنے مقصد کے مطابق بنا سکتے ہیں، تو فوراً اسے لے لیتے ہیں، اور اگر قرآن ان کے مقصد کے معارض پڑتا ہے، تو اسے نظر انداز کر کے کہہ دیتے ہیں کہ قرآن میں ہے ہی نہیں، یہ تنہا میرا سوئے ظن نہیں ہے، بلکہ اس کے ثبوت میں واقعات موجود ہیں، اس موقعہ پر مشتے نمونہ از خروارے دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں:

مثلاً انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے چیف اڈیٹر موسیو ونسک جو یورپ میں اسلامیات کے بڑے متبحر عالم مانے جاتے ہیں، اور جن کی رائے اسلامی مباحث پر فیصلہ کا حکم رکھتی ہے، حضرت ابراہیم اور کعبہ کے متعلق لکھتے ہیں :-

" اسپرنگر پہلا شخص ہے، جس کا ذہن سب سے پہلے ادھر منتقل ہوا کہ قرآن میں ابراہیم کی شخصیت بانی کعبہ

۔۔ینت حاصل کرنے سے پہلے کئی دوروں سے گذر چکی ہے اسپرنگر نے آنحضرت صلعم کو بدنام کرنے اور آیندہ اس موضوع ۔۔۔ لکھنے والے مستشرق کے لیے ایک معمولی سی بنیاد ڈال دی، اس کے بعد سنوک ہرگرونیہ نے اتنا سہارا پاکر ایک ۔۔۔ عظیم الشان عمارت تعمیر کردی، اور یہ دعوی کردیا کہ قرآن کی ان سورتوں میں جو پہلے نازل ہوئی ہیں یا مکی سورتوں میں ۔۔۔ مثلاً ذاریات آیہ ۲۴، حجر آیہ ۵۰، صافات آیہ ۸۱، انعام آیہ ۷۴، اور مریم آیہ ۴۲) میں ابراہیمؑ کی حیثیت محض ایک رسول کی ہے ۔۔۔ دوسرے انبیاء و رسل کی طرح اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے، ان سورتوں میں اسمٰعیلؑ کے ساتھ ابراہیمؑ ۔۔۔ کے کسی تعلق کا بھی ذکر نہیں ہے، اسی ضمن میں ہمارا مستشرق باتوں باتوں میں اشارۃً عرب میں رسول کی بعثت سے بھی ۔۔۔ انکار کر جاتا ہے، اور ثبوت میں (سجدہ آیہ ۲، سبأ آیہ ۴۴، اور یٰس آیہ ۵) کو پیش کرکے کہتا ہے، کہ آیات میں اس کا ۔۔۔ کہیں تذکرہ نہیں ہے، کہ ابراہیمؑ کعبہ کے معمار یا پہلے مسلمان تھے،

"لیکن مدنی سورتوں میں یہ حالت بدل جاتی ہے، اور ابراہیمؑ حنیف مسلم اور ملۃ ابراہیمی کے بانی ہو جاتے ہیں جنھوں نے اسمٰعیلؑ کے ساتھ خانۂ کعبہ کو بنایا جیسا کہ (بقرہ آیہ ۱۲۰ الخ اور آل عمران آیہ ۶۰ الخ) سے ظاہر ہوتا ہے"

ان مفروضہ مقدمات کے بعد پھر یہ نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اس اختلاف کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ نے ابتداءً مکہ میں یہودیوں پر اعتماد کیا تھا، لیکن انھوں نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد محمدؐ کے خیالات کو دشمنی سے محمول کیا، اس سے محمد (صلعم) کو کسی دوسرے مددگار کی ضرورت پیش آئی، اس وقت ان کی ذکاوت اور عقل سلیم نے ابوالعرب ابراہیمؑ کی ایک نئی شان کی جانب توجہ دلائی جس کے وسیلہ سے ان کو اس زمانہ کی یہودیت سے گلوخلاصی حاصل کرکے ابراہیم کی یہودیت سے جو اسلام کا منشا اور مولد ہے، رشتہ جوڑنا آسان ہو گیا، اور جب مکہ والوں نے ان کے پیغمبرانہ خیالات کو قبول کرنا شروع کر دیا، اس وقت ابراہیم اس مقدس شہر کے مقدس گھر کے بانی ہو گئے"

ونسنک کے ان خیالات کو پڑھ کر دھوکا ہوجاتا ہے، کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے، وہ صحیح ہے، اور اس نے اس تحقیق میں استقصاء کے ساتھ قرآن کی ایک ایک آیہ کو پڑھکر یہ رائے قائم کی ہے، لیکن اسکو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اس نے اس دعوی میں انتہائی خیانت اور بد دیانتی سے کام

لیاہے، اور اس کذب صریح سے اس کا مقصد صرف آنحضرت صلعم کی رسالت کی تکذیب ہے، اور اس کے زعم مین یہ آیات قرآنی اسکا ثبوت ہین،

وہ نہایت بے باکی کے ساتھ دعوی کرتا ہے کہ مکی سورتون مین ابراہیم کا ذکر معمار کعبہ کی حیثیت سے اور اسمعیل کے ساتھ ان کے کسی تعلق کا ذکر نہین ہے، اور مدنی سورتون سے ملت ابراہیم کا ذکر شروع ہوتا ہے، لیکن یہ تینون دعوے سراسر جھوٹ ہین،

سورہ ابراہیم خود مکی ہے جس مین نہایت واضح طور پر کعبہ اور ابراہیم اور اسمعیل کے تعلق کا تذکرہ موجود ہے،

رَبَّنَا اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ	اے ہمارے رب مین نے اپنی کچھ اولاد بے کھیتی والی
زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ	وادی مین تیرے معزز گھر کے پاس بسائی ہے تاکہ وہ نماز
فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ	پڑھین پس تو لوگون کے دلون کو ان کی طرف مائل کردے
مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ	اور ان کو پھلون سے رزق دے، تاکہ یہ تیرا شکر ادا کرین
مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ	اے ہمارے رب جو کچھ ہم چھپاتے ہین اور جو کچھ ظاہر کرتے ہین
شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ	اور اللہ پر کوئی چیز چھپی نہین ہے، نہ زمین مین اور نہ آسمان
الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ	مین خدا کا شکر ہے جس نے مجھکو بڑھاپے مین اسمعیل اور
اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (ابراہیم ع ۶)	اسحق دیئے، میرا رب دعا کا سننے والا ہے،

اسی طریقہ سے سورہ انعام اور سورہ نحل مین جو مکی ہین ملۃ ابراہیمی کا تذکرہ ہے، سورۂ انعام مین ہے،

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ	اے پیغمبر لوگون سے کہدو کہ میرے رب نے مجھ کو
مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ	سیدھا راستہ دکھادیا ہے اور وہی ٹھیک دین ہے
حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ،	جو ابراہیم کا دین ہے جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور
(انعام ع ۲۰)	اور مشرکین مین نہ تھے،

اور سورہ نحل میں ہے

ثُمَّ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ (انعام ع ۲۰)

پھر ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکین میں نہ تھے،

ان صریح آیات کے بعد ونسنک کے دعوی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مستشرقین اسلامی موضوع پر لکھنے میں علمی دیانت سے کام نہیں لیتے اور جہاں مذہبی ماخذ ان کے مقصد کے خلاف پڑتے فوراً اس سے انکار کر جاتے ہیں، جیسا کہ اوپر کی مثال سے واضح ہے تنہا صرف ایک ہی واقعہ میں یہ حالت نہیں ہے، بلکہ وہ عموماً خیانت اور بددیانتی سے کام لیتے ہیں،

یہ بھی عجیب نادانی کی بات ہے کہ مستشرقین اسلام یعنی ملت ابراہیمی کو جس یہودیت سے ماخوذ بتاتے ہیں وہ حضرت ابراہیمؑ کی نسل کے بہت بعد کے ایک شخص یہوداہ کی جانب منسوب ہے، جن کا زمانہ حضرت ابراہیمؑ سے سینکڑوں برس بعد ہے، ایسی حالت میں ایک چیز اپنے صدیوں بعد کی پیدا شدہ چیز سے کس طرح ماخوذ ہو سکتی ہے، تعجب ہے کہ اس قسم کے خرافات اور واضح غلط بیانیوں کے بعد لوگ مستشرقین کی تحقیقات کو وحی سمجھتے ہیں انکی باتوں پر تو ایک لمحہ کے لئے اعتماد نہ کرنا چاہیے،

اوپر کا بیان ڈاکٹر حسین ہراوی کے خیالات کا خلاصہ ہے، ڈاکٹر زکی مبارک جن کی رائے میں مستشرقین سے فائدہ زیادہ پہنچا ہے اپنی رائے کی تائید میں یہ دلائل پیش کرتے ہیں،

مستشرقین سے نقصان سے زیادہ فائدہ پہنچا ہے، | مستشرقین کی جماعت ایک فاضل اور باکمال جماعت ہے ان کے ساتھ ہمیں تعلق قائم رکھنا چاہیے، اور ان سے تعاون کرنا چاہیے، جو لوگ ان سے علمی اور ادبی تعلقات قائم نہ رکھنے کی دعوت دیتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ

مستشرقین مستعمرین کی فوج کا طلیعہ ہیں، لیکن بالفرض اگر یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو استعمار فی نفسہ کونسا جرم ہے، اور وہ اگر کوئی مضر اور قابل نفرت شے ہے، تو اس کے انسداد کا یہ طریقہ تو نہیں ہے کہ ہم مستعمرین کے

محض دشمن نہ چاہئیں، اور ان سے ہر طرح کے روابط و تعلقات منقطع کر لیں بلکہ ہمیں اس کی مضرتوں کو روکنے کے مناسب وسائل اختیار کرنے چاہئیں، اور استعمار کے تدارک کے لئے مستشرقین کے علوم و فنون اور ان کے ان اسرار کا پتہ لگانا چاہئے جن کے ذریعہ سے وہ ہم پر وار کرتے ہیں، اور استعمار کا دام بچھاتے ہیں، میرے نزدیک جو شخص اس کی زحمت گوارا نہیں کرتا، اور انھیں ناقابل التفات سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے، وہ اپنا اور اپنی قوم دونوں کا دشمن ہے، اسلئے کہ ان کے لٹریچر اور خیالات سے ناواقفیت اور ان کے اغراض و مقاصد کے انسداد سے غفلت اور بے پروائی کرنا انکے مقاصد کو پورا کرنا اور انھیں غفلت میں دام ڈالنے کی جرأت دلانا ہے،

یہ بھی علی الاطلاق صحیح نہیں ہے کہ سارے کے سارے مستشرقین دام استعمار کا حلقہ ہیں، اور وہ ساری عمر اسی کار خیر میں صرف کر دیتے ہیں، مستشرقیت کی ابتدا اس لئے ہوئی تاکہ یورپین نوجوانوں کو ایسے کاموں کی ترغیب دلائی جائے جس کے وسیلہ سے وہ نو آبادیات میں زندگی بسر کر سکیں، اور اس غرض کے لئے یورپ کے بڑے بڑے ملکوں میں عربی اور فارسی وغیرہ بڑی بڑی زندہ مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لئے خاص درسگاہیں قائم کی گئیں، جن کے تعلیم پائے ہوئے اکثر سفارتوں، تراجم کے دفاتر اور بعض درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے ہیں، ان کی بڑی تعداد ایسے شعبوں میں کھپ جاتی ہے، جو معاش کے لئے مفید ہوں، اور بہت تھوڑی تعداد مشرقی علوم و آداب کے درس و مطالعہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرتی ہے، اس شرذمۂ قلیل میں آیندہ چل کر بڑے بڑے علما پیدا ہوتے ہیں، جو ایک عمر کی مشقت اور جد و جہد کے بعد صحیح معنوں میں عالم کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں، ان کے علمی مذاق کی وجہ سے استعمار کی رگ اگر ہوتی بھی ہے، تو دب جاتی ہے، اور وہ مشرق کے شرف و عظمت کے بڑے نقیب اور انکی تہذیب و معاشرت بلکہ انکے مذاہب کے بڑے حامی و مددگار بن جاتے ہیں،

ان کے اس خالص اور بے آمیز مشرقی میلان کا ثبوت بعض مستشرقین کا خالص نظری مسائل کیجانب انہماک ہے، جس میں کہیں سے استعماری اغراض کی آمیزش نہیں ہوتی، مثلاً بہت سے مستشرقین بصریوں اور کوفیوں کے صرفی و نحوی مذاہب کے فروق کے درس و مطالعہ میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور مصادر کے جمع کرنے اور ان کے نصوص و شواہد اور

ن کے فیصلون کی طبع واشاعت مین برسہا برس گذار دیتے ہین، بعض مختلف قبائل کی بولیون اور ان کے لہجون کے ت کی تحقیق مین برسون صرف کر دیتے ہین، اور اس قبیل کے بہت سے خالص علمی اور بے غرضانہ خدمات انجام دیتے ان خدمات کو کون منصف مزاج استعماری اغراض کے ماتحت شمار کر سکتا ہے،

سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ مستشرقین غلطیاں کرتے ہین یہ اعتراض صحیح ہے لیکن یہ غلطیان عموماً کسی متن کی ح مین ہوتی ہین، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری زبانون کی طرح عربی زبان مین بھی خاص رموز باریکیان اور اداً ین جن کو اہل زبان کے سوا دوسرا نہین پا سکتا، انھین باریکیون اور اداؤن کی ناواقفیت کی وجہ سے مستشرقین اشعار سمجھنے مین نہایت مضحک غلطیان کرتے ہین، اس موقع پر اس کی دو مثالین پیش کیجاتی ہین، مثلاً مشہور مستشرق مسٹر بیولیتھ نے ابوالفتح ابن العمید کے اشعار ذیل

یقول لی الواشون کیف تحبها	فقلت لهم بین المقصر والغالی
ولولا حذاری منهم لصدقتهم	وقلت هوی لم یعرها قط امثالی
وکم من شفیق قال مالک واجما	فقلت انی مالی وتسالی مالی

فہم مین نہایت فاش غلطی کی ہے، اوپر کے دونون شعر اور تیسرے شعر کے پہلے مصرعہ کے معنی بالکل صاف ہین، البتہ دوسرے مصرعہ کے معنی نہین نکلتے اسکے سمجھنے مین مسٹر مارگولیتھ گڑ بڑا گئے اور اپنی فہم کے مطابق اسکی یہ اصلاح کر دی، فقلت نا مالی وان تسالی مالی، حالانکہ ان کی یہ تصحیح پہلی غلطی سے زیادہ مضحک ہے، اگر وہ ابن خلکان کو جسمین یہ مصرع صحیح لکھا ہوا ہے، دیکھ لیتے تو انھین معلوم ہو جاتا کہ یہ مصرع اس طرح ہے" فقلت تری مالی وتسال عن حالی

دوسری غلطی مستشرقین کی ایک پوری جماعت سے جو موسیو ڈوزی کے ساتھ نفح الطیب کی تصحیح مین شریک تھی سرزد ہوئی ہے، انھون نے ابوالولید کے ان اشعار

الیک اباحفص وما عن ملالة	ثنیت عنانی والحبیب حبیب
مقالا یطیر الحسیر عن جنباته	ومن تحته قلب علیک یذوب

کو جو نفح الطیب میں ہے کسی دوسری کتاب میں مقالاً کے لفظ کو مقالاتِ پڑھکر لکھدیا، مگر ان اشعار کے معنی صحیح نہیں نکلتے اور معلوم ہوتا ہے کہ درمیان سے کوئی شعر حذف ہو گیا ہے، حالانکہ مقالاً ہی صحیح ہے، اور اسی سے صحیح معنی نکلتے ہیں، اس غلطی کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ مقالاً کی ترکیب نحوی کو نہ سمجھ سکے، اگر انھیں معلوم ہوتا کہ مقالاً پہلے شعر کے لفظ "الیک" کا مفعول بہ ہے تو یہ غلطی نہ ہوتی،

پہلی غلطی معجم الادباء میں ہے، جسے مارگولیتھ نے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے، اور دوسری غلطی نفح الطیب میں ہے، ممکن ہے تلاش کرنے سے دس پانچ اور زیادہ فاحش غلطیاں نکل آئیں لیکن یہ خفیف غلطیاں اس عظیم الشان خدمت کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہیں، جو مارگولیتھ اور موسیو ڈوزی نے معجم الادباء اور نفح الطیب جیسی اہم کتابوں میں نہایت صحت اور اہتمام کیساتھ شائع کرکے عربی زبان کی انجام دی ہے، آخر الذکر کتاب اندلس کے اسلامی عہد کی علمی اور ادبی تاریخ کا سب سے پہلا ماخذ ہے، مصر میں بھی یہ کتاب چھپی ہے، لیکن نہایت مسخ شدہ شکل میں جس میں فہرست تک کا پتہ نہیں ہے، ایسی حالت میں اس عظیم الشان اسلامی خدمت کے مقابلہ میں ان معمولی اغلاط کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہجاتی،

دوسرا اہم اعتراض یہ ہے کہ مستشرقین شریعت اسلام کی شرح میں غلطیاں کرتے ہیں، یہ اعتراض البتہ صحیح ہے بہت سے مستشرقین اسلام کے متعلق ایسے خرافات لکھتے ہیں جو کسی طرح علماء اور محققین کے شایان شان نہیں ہیں خصوصاً جب آنحضرت صلعم کی سیرت پر کچھ لکھتے ہیں لیکن اس میں بھی آپ کی زندگی کے خانگی اجتماعی اور تشریعی پہلوؤں پر ان کے خاص نظریے ہیں، جن سے بعض مذہبی پہلوؤں کی خدمت ہوتی ہے،

میری رائے تو یہاں تک ہے کہ اسلام دشمن مستشرقین نے اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے بھی اکثر بڑی خدمات انجام دی ہیں مثلاً اس سلسلہ میں انھوں نے قرآن و حدیث اور اس کے متعلقات پر نہایت عمدہ تالیفیں طبع کیں انکی فہرستیں بنائیں، ان کی ایسی بہتر ترتیب اور تبویب کی کہ ہمارے شیوخ ازہر سے بھی ممکن نہ تھی، موسیو ونسنک نے بھی جو ہمارے دوست حسین ہراوی کے تیر ملامت کا سب سے زیادہ نشانہ ہیں، حدیث نبوی پر اپنی تالیف سے اسلام کی بڑی خدمت انجام دی، بالفرض اگر ہم مناظرانہ طور پر یہ بھی مان لیں کہ اس کتاب کی اشاعت میں حق و صداقت کا جذبہ اور حسن نیت شامل نہ تھا، تو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس غیر ارادی طریقہ سے اسلام کی خدمت ہو گئی، آج کل امریکہ اور یورپ میں آثار اسلامیہ

کی اشاعت سے زیادہ اسلام کی کون سی خدمت ہو سکتی ہے، اور یہ خدمت مسلمانون کا فرض تھا، لیکن افسوس انھون نے اس فرض کو محسوس نہین کیا، اور اس کو دوسرون پر چھوڑ دیا کہ وہ ان کی میراث مین جو تصرف چاہین کرین'

افکار کی زندگی ان پر بحث و تنقید مین ہے، افکار کے لئے یہ قابل افسوس نہین ہے، کہ لوگ اس پر تنقید یا اس کی مخالفت کرتے ہین، بلکہ افسوسناک یہ ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے اور مدعا اور ذرا اسپر کچھ نہ کہا جائے، اسلئے اسلام اون کے خیر سے استفادہ کیطرح اون کے شر سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے، مین قیام پیرس کے زمانہ مین بدھ مذہب کے افسانون اور خرافات کی اشاعت کی کثرت پر رشک کرتا تھا، اور دعا کرتا تھا کہ کاش خدا اسلام کو بھی ایسے خدام عطا کرتا جو ان ممالک مین اسکے فضائل کی اشاعت کرتے،

مستشرقین نے ہم سے تین صدی پہلے اسلام کے اسلامی اور ادبی درس و مطالعہ کی طرف توجہ کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مصر بلکہ مشرق کا بڑے سے بڑا محقق ان کی علمی بحث و تحقیقات کو جو شہر شہر مین پھیلی ہوئی ہے نظر انداز نہین کر سکتا'

کس قدر شرم اور افسوس کی بات ہے کہ ازہریون کو جو اسلام کا ملجا و ماوٰی سمجھا جاتا ہے، چند برسون پہلے اسلامی تاریخ پڑھانے کا ڈھنگ بھی نہ آتا تھا، کس قدر شرم کی بات ہے کہ آج بھی جامعہ مصریہ کے ادبی کالج مین عربی زبان حاصل کرنے والے طالب علمون کی تعداد سار بن یونیورسٹی کے عربی طلبہ سے کم ہے، کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ پیرس کی السنۂ مشرقیہ کی درسگاہ مین عربی کے اتنے اور ایسے ایسے مطبوعہ ماخذ ہین کہ مصری دار الکتب مین ان کا نام بھی نہین'

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ ان کی علمی فضیلت کی وجہ سے ہمارے ذہن و دماغ مین ان کے اثرات زیادہ پائدار ہوتے ہین، اپنی قوم کو میرا یہ مشورہ ہے کہ وہ ان مستشرقین کے نقش قدم پر ضرور چلین لیکن اسی کے ساتھ ہم کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ مستشرقین انسان ہین فرشتہ نہین ہین، ان کے بھی اغراض و مقاصد ہین، اور وہ بھی انسانون کی طرح غلطیان کرتے ہین اور چونکہ ان کے پاس خیالات کی نشر و اشاعت کیلئے وسائل زیادہ وسیع ہین، ان کی یہ غلطیان پھیل جاتی ہین، اور ان کا نقش زیادہ پائدار ہوتا ہے، مین مستشرقین کی غلطیون کو ناقابل التفات نہین سمجھتا، اور بے سمجھے بوجھے ان کی پیروی کرنے کی دعوت نہین دیتا، لیکن میرا عقیدہ ہے کہ ان کی کوششون سے لغوی اور اسلامی درس مین زندگی پیدا ہو گئی اور دنیا مین کوئی چیز خالص شر اور خالص خیر نہین ہے، لیکن ان علماء مستشرقین کے کامون مین نفع کا پہلو غالب ہے،

تلخیص و تبصرہ

جزیرۂ سقوطرہ میں عیسائیت اور اسلام

اپیٹشین مورخہ ۱۰ مارچ ۳۴ء میں "جزیرۂ سقوطرہ" کے عنوان سے کسی یورپین عیسائی نے ایک مقالہ لکھا ہے، جس کی تلخیص حسب ذیل ہے،

سقوطرہ کی قدیم تاریخ صحیح طور پر معلوم نہیں، پرانے زمانہ میں یہ ایک وسیع اور ویران جزیرہ تھا، لیکن اسوقت بھی تجارتی دنیا میں اسے کسی قدر اہمیت حاصل تھی، کیونکہ اس کے شمالی ساحلوں پر زیادہ تر غیر ملکی باشندے آباد تھے، مثلاً عرب، ہندوستانی، یونانی جنھوں نے تجارت کی غرض سے وہاں بود و باش اختیار کرلی تھی، اس جزیرہ میں مخا (یمن) کے عرب تاجر چاول، گیہوں، ہندوستانی ململ، اور لونڈیوں کی تجارت کی غرض سے برابر آتے رہتے تھے،

خیال ہے کہ سقوطرہ میں کبھی یونانی اور آسیرین دونوں قومیں آباد تھیں، ایک روایت یہ ہے کہ یونانیوں کو خاندان طالیمی (یہ یونانی بادشاہوں کا ایک خاندان تھا جس نے ۳۲۳ سے ۳۰ قبل مسیح تک مصر میں حکومت کی) کے فرمانرواؤں نے وہاں آباد کیا تھا، اور آسیریا والوں کو سکندر اعظم نے ان کے ملک سے نکال کر وہاں بھگا دیا تھا، ادریسی کا بیان ہے کہ سقوطرہ کی یونانی آبادی جزائر آئی اونین کے اُن باشندوں پر مشتمل تھی جنھیں سکندر اعظم نے ارسطو کے مشورہ کی بنا پر کچھ تو ایلوا (صبر سقوطری) کی کاشت اور کچھ زمین کی زرخیزی اور آب و ہوا کی خوبی کی وجہ سے منتقل کر دیا تھا، ایلوا کی کاشت تو وہاں ضرور کثرت سے ہوتی ہے، لیکن آب ہوا کے متعلق سکندر کی رائے مشکل سے تسلیم کی جائے گی، گمان غالب یہ ہے کہ ابتداءً وہاں کی نوآبادی ان لوگوں سے قائم ہوئی جو سکندر کی فوج کے پست ترین طبقہ میں تھے، یہ لوگ ان تاجروں سے مل گئے جنھوں نے جزیرہ کو اپنا مستقر

بنالیا اور ممکن ہے کہ بعد میں وہ جرائم پیشہ اشخاص بھی اگر ان میں شامل ہو گئے ہوں جو یونان اور بحر روم سے جلاوطن کر دیئے گئے تھے بہرحال ابتدا جو بھی رہی ہو اتنا معلوم ہے کہ اس جزیرہ کے باشندے عہد عیسوی کے شروع میں یونانی یا اسیری زبان بولتے تھے اور سب کے سب سیاہ فام تھے، آبادی کا بڑا حصہ مسیحی تھا، کچھ لوگ دوسرے مذہبوں کے بھی تھے، ابوالفدا ان سب کو "عیسائی اور بحری قزاق" بیان کرتا ہے، اس امر کی تصدیق کہ سقوطرہ کی مذہبی حالت بہت اچھی تھی اور وہ چھٹی صدی عیسوی تک نسطوری کلیسا کا ایک علاقہ بن چکا تھا اور کلیسائے فارس نے اپنا ایک اسقف بھی وہاں بھیجا تھا، نکولو کونتی (Niccolo Conti) (وینس کا ایک سیاح اور مصنف جو قریب ۱۴۱۹ء کے اپنے وطن سے روانہ ہوا اور ۲۵ سال تک سیاحت اور تلاش و تحقیق میں مصروف رہا) کے بیان سے بھی ہوتی ہے جس نے دو مہینے اس جزیرہ میں گذارے، وہ لکھتا ہے کہ پندرہویں صدی کی ابتدا میں وہاں کی آبادی کا بیشتر حصہ نسطوری عیسائی تھا،

لیکن سولہویں صدی میں مذہبی انحطاط شروع ہو گیا تھا، نہ صرف عوام بلکہ مذہبی پیشوا بھی بے پڑھے لکھے تھے، اگرچہ دوران نماز میں خوشبو وغیرہ سلگانے کا اہتمام مبالغہ کے ساتھ کیا جاتا تھا تاہم دعائیں ایک بھولی ہوئی زبان میں پڑھی جاتی تھیں جسے حاضرین کسی طرح سمجھ نہیں سکتے تھے،

سترہویں صدی میں لوگ بظاہر عیسائیت کا عقیدہ رکھتے تھے لیکن حقیقۃً انھیں اس مذہب سے کوئی واقفیت نہ تھی، ان کا مذہب دراصل اسلام اور بت پرستی کے بعض ارکان کا ایک مرکب عقیدہ تھا، ان میں ختنہ کی رسم جاری تھی اور وہ شراب اور سور کے گوشت سے مذہبًا پرہیز کرتے تھے، لیکن وہ ماہتاب کے لئے قربانیاں بھی کرتے تھے، امساک باران کی حالت میں قرعے ڈالتے تھے، اور اگر پھر بھی بارش نہ ہوئی تو جس بدقسمت کے نام قرعہ نکلتا اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے، ان کے گرجے گندے، نیچے، اور تاریک تھے، گرجوں میں قربان گاہ پر اب بھی صلیب اور شمع بدستور رہتی تھی، تین نمازیں ہر روز دن میں اور تین ہر رات میں ہوتی تھیں، جنہیں بہت سا خوشبودار مسالہ جلا دیا جاتا تھا، لیکن مذہبی پیشواؤں کا انتخاب اور تقرر عوام خود کرتے تھے، اور انھیں صرف ایک سال کیلئے

مقرر کیا جاتا تھا، علاوہ بریں بپتسمہ اور عشائے ربانی کے رسوم مفقود ہو چکے تھے،

آج سقوطرہ کا مذہب خالص اسلام ہے اور عیسائیت کا کوئی نشان باقی نہیں ہے، علاوہ چند مستثنیات کے عموماً لوگ بے پڑھے لکھے ہیں، ان کے پاس دولت بھی نہیں ہے،

سقوطرہ کی تاریخ کے سیاسی پہلو پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدن کی اہمیت کے مقابلہ میں وہ ہمیشہ ناقابلِ اعتنا سمجھا گیا، صرف دو بار اس نے کسی قدر شہرت حاصل کی، ایک بار جب اہل پرتگال اول اول وہاں پہنچے، اور دوسری بار جب دخانی جہاز چلنے لگے، لیکن دونوں مرتبہ اس کی شہرت چند سالوں سے زیادہ قائم نہ رہ سکی اور اس مدت کے ختم ہونے پر وہ پھر اپنی قدیم محکومی کی حالت پر واپس آگیا،

پہلی بار اس کے نمایاں ہونے کا سبب ایک حد تک اسکا مذہب تھا، اس میں شبہہ نہیں کہ پرتگال کے بادشاہ امانوئل (Emmanuel) کو اس جزیرہ کا خیال اسکی تجارتی اہمیت کی بنا پر جو عدن اور بحر احمر کی قربت کی وجہ سے اسے حاصل تھی پیدا ہوا تھا لیکن اس میں مذہبی ہمدردی کو بھی دخل تھا جو وہاں کے عیسائی باشندوں کے ساتھ اُسے تھی، پرتگال کے بادشاہ کو مشرق کی بحری تجارت سے مسلمانوں کا عنصر خارج کر کے اس پر خود قابض ہو جانے کا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا، اس کے اسباب چند در چند تھے لیکن اجمالی طور پر یہ اس بغض وعناد کا نتیجہ تھا جو اسپین، پرتگال، اور مراکش میں مسلمانوں سے صدیوں کی جنگ نے پیدا کر دیا تھا، بہرحال قبل اس کے کہ انتقام کے اس جذبہ پر عمل درآمد شروع ہو ۱۵۰۳ء میں لوڈ ویکو ڈی وارتھیما (Ludovico de Varthema) عدن میں اتر چکا تھا اور اس کے دو سال بعد ایک دوسرے مغربی سیاح ڈایوگو فرنانڈس پریرا (Diogo Fernandes Pereira) نے جزیرۂ سقوطرہ کو دریافت کر کے اس کی امکانی اہمیت کا اندازہ کر لیا تھا وہاں کی عیسائی آبادی نے شاہ امانوئل کے زیر حفاظت آنے کی استدعا کی جسے امانوئل نے بخوشی منظور کر کے فوراً الفانسو ڈی البوکرک (Alfonso de Albuquerque) کو پانچ اور ٹرسٹاؤ ڈا کنہا (Tristao da Cunha) کو گیارہ جہازوں کے ساتھ روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ خلیج فارس اور ہندوستان جانے

سے پہلے سقوطرہ کے مسلمانوں کو ان کے قلعہ سے نکال دیں، اس حکم کی تعمیل کی گئی اور ۱۵۰۷ء کے ابتداء سے گرما میں مسلمانوں کے قلعہ پر گولہ باری کرکے اس پر قبضہ کر لیا گیا، مدافعین میں جنکی تعداد ایک سو پچاس تھی کچھ بھاگ گئے اور باقی قتل کر دیئے گئے، پرتگالیوں نے ایک جدید قلعہ اور ایک خانقاہ تعمیر کی اور پھر وہاں سے روانہ ہو گئے، ڈاکنہا نے یکم اگست ۱۵۰۷ء کو ہندوستان کے لئے لنگر اٹھایا اور البوکرک ہرمز اور خلیج فارس کی طرف روانہ ہوا، جزیرہ میں امن قائم رکھنے کے لئے سپاہیوں کا ایک دستہ چھوڑ دیا گیا تھا، لیکن جلد اسکی حالت بہت ابتر ہو گئی اور دوسرے سال جب خلیج فارس کی مسلسل ناکامیوں کے بعد البوکرک وہاں لوٹا تو اس نے دیکھا کہ سپاہی جنگی پھلوں اور کھجور کے پتوں پر اپنی زندگی گذار رہے ہیں، ان سپاہیوں نے یہ معلوم کرکے ضرور اطمینان کی سانس لی ہوگی کہ شاہ پرتگال نے بالآخر سقوطرہ کو چھوڑ دینے اور بجائے اس کے عدن پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، لیکن اس ارادہ کے صرف ایک ہی ٹکڑے میں کامیابی ہوئی، پرتگالیوں نے ۱۵۱۱ء میں سقوطرہ کے قلعہ کو مسمار کرکے اپنا فوجی دستہ تو وہاں سے ہٹا لیا لیکن عدن کا حملہ ناکام ہی رہا اور چار دن کے خونریز معرکہ کے بعد جو ایسٹر سنڈے ۱۵۱۳ء سے کو شروع ہوا تھا، پرتگالیوں کو شدید نقصان کے بعد شکست ہوئی اور پھر انھوں نے سقوطرہ اور عدن دونوں سے ہاتھ اٹھا لیا،

تین سو برس کی گمنامی کے بعد یہ جزیرہ ایک بار پھر نمایاں ہوا، دخانی جہازوں کے تجربہ کی مدت ختم ہو چکی تھی اور ۱۸۲۹ء تک ایسے مقامات کی ضرورت پیدا ہو گئی تھی، جہاں رک کر جہاز کوئلہ لے سکیں، چنانچہ اس غرض سے عدن پر نظر ڈالی گئی، لیکن مزدوروں کی قلت کی وجہ سے یہ مقام اس کے لئے مناسب نہیں سمجھا گیا، لہذا سلطان سقوطرہ سے اس معاملہ میں گفتگو شروع کی گئی، لیکن اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجاویز کو بعض وجوہ سے مسترد کر دیا، اس پر ہندوستانی پیدل فوج کے دو دستے ۱۸۳۴ء میں بمبئی سے سقوطرہ بھیجے گئے، تاکہ جزیرہ پر قبضہ کر لیں، مگر پانچ ہی سال کے بعد عدن پر قبضہ ہو گیا، اس درمیان میں وہاں مزدوروں کی دقت بھی بہت کچھ رفع ہو چکی تھی لہذا فوج کے دونوں دستے اب سقوطرہ سے ہٹا لئے گئے اور جہازوں کے لئے کوئلہ کی رسد رسانی عدن کو منتقل کر دی گئی، سقوطرہ پھر حالت گمنامی میں پڑ گیا،

اس وقت سے آج تک اس جزیرہ میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا، اس کی آبادی پانچ ہزار ہے جس کا بیشتر حصہ عربی النسل ہے، ایلوا کی کاشت وہاں کے باشندوں کا خاص پیشہ ہے، اس کے علاوہ کھجور سے یہ لوگ ایک قسم کا گہرے سرخ رنگ کا عرق تیار کرتے ہیں جو دانتوں کے لئے مفید ہوتا ہے اور رنگسازی کے کام میں بھی آتا ہے، یہ جزیرہ اب بھی حکومت برطانیہ کے زیر نگرانی ہے اور ۱۸۸۶ء کے معاہدہ کی رو سے وہاں کے شیخ نے ایک متعین سالانہ رقم کے معاوضہ میں اپنے کو اس بات کا پابند کر لیا ہے کہ وہ کسی غیر طاقت کو جزیرہ حوالہ نہ کریگا اور نہ بغیر منظوری حکومت برطانیہ کسی دوسری حکومت سے کسی قسم کے تعلقات قائم کرے گا، "ع ز ۔"

معارف :- اس جزیرہ کو یہاں یونانیوں کی آمد سے پیشتر عرب و ہند کے تاجروں کا مقام اتصال کہا جا سکتا ہے، عرب جغرافیہ نویس اسے سقوطرہ، اور سقطری دونوں نام سے یاد کرتے ہیں یاقوت کے بیان کے مطابق یہاں یونانیوں سے پہلے ہندوستانی آباد تھے، یونانیوں کی سب سے پہلی نوآبادی، اسکندر کے زمانہ میں ارسطو کی تحریک سے قائم ہوئی، اسکندر جب شام پر حملہ آوری کے لئے جا رہا تھا، تو ارسطو نے اسے اس جزیرہ کی طرف توجہ دلائی، اور اس نے ایک یونانی گروہ کو یہاں آباد کیا، جس نے ہندوستانیوں کو یہاں سے باہر نکال دیا اور جلاوطن ہندوستانی اپنا عظیم الشان بت بھی جسے اہمیت حاصل تھی، اس جزیرہ سے سرزمین ہند میں منتقل کرلائے، سمجھا جاتا ہے کہ اس جزیرہ میں یونانیوں کا یہ قبضہ ہندوستان اور مصر میں بحری تجارت قائم کرنے کیلئے تھا، اس کے بعد انہی یونانیوں نے عیسائیت قبول کرلی، پھر یہاں ایک دوسری عیسائی قوم "مہرہ" کا ظہور ہوتا ہے، وہ یونانی عیسائیوں کے اثرات کو یہاں سے فنا کرتے ہیں، اور اس کے بعد اسلام کے اثرات پہنچتے ہیں اور انہی قبیلۂ مہرہ کے عیسائیوں اور مسلمانوں میں مقابلہ ہوتا ہے، مسلمان ابتداءً مغلوب ہوتے ہیں، اور وہ وقت قریب آتا ہے کہ اسلام کا نام و نشان یہاں سے مٹ جائے، لیکن اس جزیرہ کے یمن سے قریب ہونے کے باعث مسلمانوں کی آمد و رفت تجارتی ذرائع سے بڑھتی ہے اور رفتہ رفتہ مسلمان اس جزیرہ میں چھا جاتے ہیں، اور قبائلی طرز کی اسلامی حکومت یہاں قائم رہتی ہے، یہانتک کہ یورپین قومیں ہندوستان کے بحری راستہ کو جب دریافت کر لیتی ہیں، تو ایک بندرگاہ کی حیثیت

سے اس جزیرہ کو بھی اہمیت حاصل ہوتی ہے، اور وہ حوادث پیش آتے ہیں، جو مقالہ نگار نے بیان کئے ہیں،

افسوس ہے کہ مقالہ نگار نے جزیرہ کے مسلمانوں کے معاشرتی و تعلیمی حالات پر روشنی نہیں ڈالی، "ض"

تہذیب و تمدن کی ترقی کیساتھ جنگ و جدال میں اضافہ

رسالہ لٹریری ڈائجسٹ امریکہ کے ایک مضمون میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ جنگ کی تخفیف کے امکانات کہاں تک ہیں، مضمون کسی "رجعت پسند" اور "تاریک خیال" مشرقی کے قلم سے نہیں بلکہ تہذیب و ترقی کے قائداعظم "روشن خیال" امریکہ کے دو فاضل عمرانیات کی تحقیق کا نتیجہ ہے، اخلاق و مذہب سے قطع نظر کرکے خالص مادی حیثیت سے بھی دیکھئے تو تہذیب مغرب کے یہ ثمرات آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں، گیا کیا جوں جوں قومیں زیادہ مہذب ہوتی جاتی ہیں، جنگ و جدال میں بھی تخفیف ہوتی جاتی ہے، بہتیر فلسفیوں کا یہی خیال ہے، لیکن ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کے دو فاضل عمرانیات پروفیسر سوروکن (Sorokin) اور پروفیسر نکولس گولوون (Nicholas Golovin) سائنس کے نقطۂ نگاہ سے اس مسئلہ پر غور کرکے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آیندہ جنگیں جو ماضی کی تمام جنگوں سے زیادہ ہولناک ہونگی صرف کسی معجزہ ہی سے روکی جا سکتی ہیں، قوموں کی ترقی کے ساتھ ساتھ جنگوں میں تخفیف کے بجائے تعداد اور شدت کے اعتبار سے اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے، چنانچہ ابتدائے عہد تاریخ سے لے کر اس وقت تک سب سے زیادہ خونریز جنگ اسی صدی میں پیش آئی ہے، پروفیسر سوروکن اور پروفیسر گولوون اس نتیجہ پر ان تمام جنگوں کا مطالعہ کرنے کے بعد پہنچے ہیں جو ۵۰۰ قبل مسیح سے ۱۹۲۵ء تک تقریباً ڈھائی ہزار سال کی مدت میں یورپ میں پیش آچکی ہیں، اس مدت میں یونان، روما، وسطی یورپ، جرمنی، اٹلی، فرانس، برطانیہ عظمیٰ، اسپین، ہالینڈ و بلجیم اور روس میں ۹۰۲ بڑی بڑی جنگیں ہوئیں، چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا شمار نہیں، انہیں سے ہر جنگ کا پانچ نقطہائے نگاہ سے مطالعہ کیا گیا ہے:- (۱) مدت جنگ (۲) مبارزین کی کثرت تعداد (۳) مقتولین و مجروحین کی تعداد (۴) ان ممالک کی تعداد جو شریک جنگ ہوئے (۵) شریک جنگ ممالک کی مجموعی آبادی میں مبارزین کا انتخاب،

ان تمام جنگوں کے مطالعہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں سترہویں صدی تک جنگیں بہت کم ہوا کرتی تھیں، سترھویں صدی سے ان میں دفعۃً بہت زیادہ اضافہ ہوگیا، جو اٹھارہویں صدی میں بدستور قائم رہا، انیسویں صدی میں جنگیں بہت کچھ رکی ہوئی تھیں، اگرچہ اس زمانہ میں بھی قرونِ وسطیٰ کے مقابلہ میں ان کا تناسب سوگنا تھا، لیکن موجودہ صدی کی ابتدا میں وہ جس حد تک پہنچ گئیں اس کی کوئی مثال ماضی میں نہیں ملتی، یہ جنگیں اپنی وسعت اور شدت کے اعتبار سے ان تمام جنگوں کے مجموعہ سے بڑھ گئیں جو گذشتہ صدیوں میں مذکورۂ بالا ممالک میں ہو چکی تھیں، یہ صورت حال اس نظریہ کی پوری طور پر تردید کرتی ہے کہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ جنگیں غائب ہوتی جاتی ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل قریب میں جنگ کے غائب ہو جانے کی جو امیدیں قائم کی جا رہی ہیں وہ معجزات پر امید قائم کرنے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں،

ان دونوں پروفیسروں نے یورپ کی جنگوں کے عمومی اور مجمل مطالعہ کے ساتھ ساتھ علحدہ علحدہ ہر ملک کی مختلف جنگوں کا بھی مطالعہ کیا ہے اور ۵۰۰ قم سے ۱۹۲۵ء تک ہر ملک میں جو اندرونی خلفشار، ہنگامے، اور انقلابات برپا ہوتے رہے، ان سب کا شمار بھی کیا ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ جنگوں کی وسعت اور شدت ہر صدی میں ایک ملک سے دوسرے ملک کو منتقل ہوتی آئی ہے، چنانچہ بارہویں صدی میں اس اعتبار سے پہلا نمبر روس کا اور دوسرا آسٹریا کا تھا، تیرہویں صدی میں پہلا نمبر روس کا اور دوسرا فرانس کا تھا، چودھویں میں انگلستان اور روس کا، پندرہویں میں آسٹریا اور انگلستان کا، سولھویں میں آسٹریا اور اسپین کا، سترہویں میں آسٹریا اور فرانس کا، اٹھارہویں میں آسٹریا اور فرانس کا، انیسویں میں فرانس اور روس کا، اور بیسویں میں جرمنی اور روس کا۔

انفرادی طور پر ہر ملک میں جنگ کی شدت میں نہ تو برابر اضافہ ہی ہوتا آیا ہے، اور نہ تخفیف ہی بلکہ کبھی زیادہ ہوتی گئی ہے اور کبھی کم، یورپ کے اکثر ممالک میں جنگوں کی کثرت و شدت توسیع مملکت کیساتھ ہی ساتھ ہوئی ہے، خصوصاً جب اپنی فوجی اور اقتصادی قوت اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے یہ ممالک اپنے انتہائے عروج پر تھے،

" ع ز "

اخبار علمیہ

خون کے امتحان سے ولدیت کی تعیین

خون کے امتحان سے ولدیت کی تعیین کا سائنٹفک طریقہ حال مین نیویارک (امریکہ) کی عدالت عالیہ نے بھی تسلیم کرلیا ہے، یورپ کے نو ملکون کی عدالتون مین اس طریقہ پر عمل درآمد پہلے سے ہوتا آرہا ہے، جرمنی کی عدالتین تو ۱۹۲۴ء سے اس پر عمل کر رہی ہین، اس سائنٹفک طریقہ کی اہمیت کا سبب یہ ہے کہ مغرب کی اکثر ناکتخدا مائین کسی ایک شخص کو اپنی ناجائز اولاد کا باپ قرار دیکر عدالت کے ذریعہ سے اسے بچہ کی پرورش کا ذمہ دار بنانا چاہتی ہین، چنانچہ گذشتہ چند سالون کے اندر جرمنی، آسٹریا، ڈنمارک، سویڈن، ناروے، سوئزرلینڈ اور لتھوانیا مین اس قسم کے تقریباً دس ہزار مقدمات مین خون کا امتحان کیا گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ جن اشخاص پر ولدیت کا الزام لگایا گیا تھا ان مین سے ۸۰ فی صدی سے زیادہ جرم سے بری ثابت ہوئے، ولدیت کی تعیین کے اس طریقہ کا انکشاف ڈاکٹر کارل لینڈس ٹائنر (Karl Landsteiner) نے اب سے تیس سال قبل کیا تھا، جس کے معاوضہ مین انھین ۱۹۳۰ء مین طب کا نوبل انعام دیا گیا، ڈاکٹر موصوف پہلے شخص ہین جنھون نے ثابت کرکے دکھایا کہ انسانی خون کی عموماً چار قسمین ہوتی ہین، جو بین الاقوامی طور پر اقسام O.A. B. AND A.B. کے نام سے مشہور ہین، جلد کے رنگ اور دوسری خصوصیات کی طرح یہ اقسام بھی وراثۃً منتقل ہوتے ہین، اگر بچہ اور ماں کے خون کے اقسام معلوم ہون تو ایک سائنس دان یہ بتا سکتا ہو کہ باپ کے خون کی قسم کیا ہوگی، اگر کسی شخص پر ناجائز ولدیت کا الزام ہو اور امتحان کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ

اُسس کا خون کسی مختلف قسم کا ہے، تو خود بخود وہ الزام سے بری ہو جائیگا، خون کے امتحان کا یہ طریقہ یورپ مین جرائم کی تفتیش مین بھی استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ اکثر اوقات یہ معلوم کیا جاسکتا ہو کہ ملزم کے کپڑون پر خون کے جو دھبے ہین وہ مقتول ہی کے خون کے ہین، یا خود ملزم یا کسی جانور کے خون کے، ڈاکٹر لینڈس ٹائنر کی تحقیق کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس سے ایک شخص کے خون کو دوسرے شخص کے جسم مین کامیابی کے ساتھ داخل کر دینا ممکن ہو گیا، سنہ ۱۹۰۹ء سے قبل اطبائے اکثر یہ تجویز پیش کی تھی اور کبھی کبھی اسکو آزمایا بھی تھا، لیکن بہت کم اسمین کامیابی ہوئی، اور بیشتر صورتون مین مریض جلد ہی فنا ہو گیا، لیکن ڈاکٹر موصوف کی تحقیق کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ اگر مریض کے جسم مین خود اسی کے خون کی قسم کا خون داخل کیا جائے تو کوئی خطرہ نہین رہتا، اقسام کی تعیین کیلئے خون کے صرف دو قطرے کافی ہوتے ہین، جنگ عظیم کے دوران مین اس طریقہ پر عمل کرنے سے ہزارون جانین تلف ہونے سے بچ گئین، آج امن کی حالت مین بھی اس پر برابر عمل ہو رہا ہے، اور صرف شہر نیویارک مین اس کا اوسط دس ہزار سالانہ ہے، بہت سے شہرون مین مریضون کے لئے اپنا خون دیدینا لوگون کی آمدنی کا معقول ذریعہ بنگیا ہو، اور لوگ اپنے مخصوص پیشون کے علاوہ اسکی تجارت بھی کرنے لگے ہین،

بنگال کے مسلمانون کی تعلیمی ترقی،

صوبہ بنگال کی پنج سالہ تعلیمی رپورٹ (سنہ ۱۹۲۷-۳۲ء) سے جس کے اقتباسات اسٹیٹسمین مورخہ ۹ مارچ سنہ ۳۴ء مین شائع ہوئے ہین، معلوم ہوتا ہے کہ باوجود مختلف دشواریون اور رکاوٹون کے تعلیم اور خصوصاً ابتدائی تعلیم مین کافی ترقی ہوئی ہے، سنہ ۱۹۲۷ء سے سنہ ۱۹۳۲ء تک کا زمانہ فرقہ وارانہ فساد، سیاسی ہنگامہ، اور اقتصادی کساد بازاری کا زمانہ تھا، اوران سب کا اثر تعلیم پر پڑتا رہا، تاہم بنگال کے مسلمانون نے اس مدت مین بہت نمایان ترقی کا ثبوت دیا، سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء مین مسلمان طلبہ کی تعداد کا اوسط (۵ء۳) تھا، سنہ ۱۹۳۱-۳۲ء مین یہ اوسط (۲ء۱۲) فی صدی ہو گیا، دوسرے فرقون کے مقابلہ مین انکی ترقی کا اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے ہوگا۔

	سنہ ۲۲-۱۹۲۱ء	سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء	سنہ ۳۲-۱۹۳۱ء
یورپین	۹۴۴۳	۹۷۱۰	۹۷۲۱
ہندوستانی عیسائی	۱۳۵۱۷	۱۳۵۸۸	۱۵۹۳۴
اونچے طبقہ کے ہندو	۸۸۲۴۲۵	۸۲۳۳۲۳	۸۶۱۰۳۴
نیچے طبقہ کے ہندو	۸۲۸۵۲	۳۴۴۱۷۹	۴۴۰۱۴۰
مسلمان	۸۸۰۶۷۵	۱۱۴۰۱۴۰	۱۴۳۷۹۷۸
بودھ	۹۵۶۵	۱۰۰۰۵	۱۳۱۵۷
دوسرے فرقے	۱۳۶۶۴	۲۵۳۵	۵۳۴۷
	۱۸۹۲۱۴۱	۲۳۴۳۳۸۰	۲۷۸۳۳۲۵

صوبہ بنگال مین مسلمانون کی آبادی (۵۴ر۵۴) فی صدی ہی، وہان کے مسلمان طلبہ کا تناسب دوسرے طلبہ کے مقابلہ مین (۶ر۵۱) فی صدی ہے، ان کی تعلیمی ترقی کی تفصیل اعداد ذیل سے معلوم ہوتی ہی،

	سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء	سنہ ۳۲-۱۹۳۱ء
کالج	۴۳۰۵	۳۵۵۹
ہائی اسکول	۱۲۰۵۸	۲۴۱۵۲
مڈل اسکول	۱۸۵۷۴	۳۰۳۴۳
پرائمری اسکول	۹۹۵۰۳۰	۱۲۵۸۷۴۶
مخصوص مدارس	۷۵۲۶۰	۸۹۵۷۸
دیگر مدارس	۳۰۹۰۳	۳۱۵۹۹
	۱۱۴۰۱۴۰	۱۴۳۷۹۷۸

خودکشی اور عقیدۂ باری تعالیٰ

نیویارک مین ایک انجمن قومی انجمن تحفظ نفوس انسانی (NATIONAL SAVE A LIFE LEAGUE) کے نام سے قائم ہے، اس کا کام یہ ہے کہ جو لوگ خودکشی پر آمادہ ہون، ان کو سمجھا بجھا کر اس فعل سے باز رکھے، چنانچہ اب تک اوس نے ایکہزار سے زیادہ آدمیون کو اپنے تئین ہلاک کرنے سے باز رکھا ہے، اس کی ۱۹۳۲؁ء کی رپورٹ کے حوالے سے رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کے ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ خودکشی کا قصد رکھنے والون مین سے جن اشخاص سے انجمن کے ارکین نے گفتگو کی تھی ان مین صرف دو ایسے تھے جنھون نے مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور بعد مین اپنے کو ہلاک کر دینے کی کوشش بھی کی لیکن وہ اپنی کوشش مین کامیاب نہ ہو سکے اور دوبارہ انھون نے اس کا قصد نہین کیا، اس انجمن کے بانی اور صدر ڈاکٹر ہنری وارن (HENRY WARREN) ہین انکی نائب مس لونا بونل (MISS LONA BONNEL) بیان کرتی ہین کہ خودکشی کا قصد رکھنے والون کو اگر اپنے دل کا حال کہنے کے لئے چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی تمام دشواریون کو بیان کر جاتے ہین، اور ایسی باتین کہہ جاتے ہین جنھین وہ اپنے اعزہ سے بھی کہنے مین تامل کرتے ہین، مس صاحبہ فرماتی ہین "ہم اون کی بہت سے طریقون سے مدد کرتے ہین، لیکن خاص طور پر ہم روحانیت پر زور دیتے ہین، جب ہم اون کے دلون مین خدا کا سچا عقیدہ پیدا کر دیتے ہین تو سمجھ لیتے ہین کہ اب وہ محفوظ ہین" تہذیب حاضر کے سب سے بڑے علمبردار امریکہ مین بھی عقیدۂ باری تعالیٰ کی یہ حیرت انگیز اثراندازی اپنے اندر بہت کچھ عبرت و بصیرت رکھتی ہے جس سے مغرب و مشرق کا "روشنخیال" طبقہ یکسان فائدہ اٹھا سکتا ہے، ڈاکٹر وارن کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ارکین نے انجمن کے دفتر مین (۲۸۱۶) آدمیون سے خودکشی کے موضوع پر گفتگو کی (۱۰۰۸۴) ایسے خاندانون مین گئے جہان خودکشی ہو چکی تھی اور (۲۱۶۸) ایسے گھرون مین جہان اس کے ارتکاب کی کوشش کی گئی تھی،

"ع ز"

ادبیات

خونِ جگر

ازحضرت جگر مراد آبادی،

خار کو گل، اور گل کو خار جو چاہے کرے　　　تو نے جو چاہا کیا، اے یار جو چاہے کرے
مست و بےخود، عاقل و ہشیار جو چاہے کرے　　　شوخیِ طرزِ نگاہِ یار جو چاہے کرے
اس نے یہ کہکر دیا دل کو فریبِ جستجو،　　　حشر تک اب عاشقِ ناچار جو چاہے کرے
تھا ابھی جلوہ، ابھی پردہ، ابھی کچھ بھی نہین　　　آپ کی اک حسرتِ دیدار جو چاہے کرے

ہر حقیقت حسن کی ہے، بے نیازِ اعتراف
اب کوئی اقرار یا انکار جو چاہے کرے

صدقِ مقال

ازجناب صدق جائسی

پاؤگے اسی کی نگہ ہوشربا مین،　　　تاثیر ہے اے صدق دوا مین نہ دعا مین
ممتاز وہ کشتے ہین شہیدانِ وفا مین　　　سر جن کے گئے سجدۂ نقشِ کفِ پا مین
جذبِ دلِ بلبل کا اثر تم نے بھی دیکھا　　　دامن کوئی بے چاک نہین گل کی قبا مین
یہ بھی مرے نزدیک اک اندازِ جفا ہے　　　اقرارِ تغافل ہے اسے عذرِ جفا مین

سن لے جو کوئی شیخ کی باتون کو تو جانے
حضرت کو بھی کچھ دخل ہو درگاہِ خدا مین

سرمے نے بڑھا دی نگہِ ناز کی تاب اور
یہ آب نہ پہلے تھی کبھی تیغِ جفا مین

ملنا تو کجا آنکھ ملاتا نہین لیکن،
ظالم کے یہ انداز بھی داخل ہین ادا مین

قطعہ

محکوم مشیت ہے ہر انسان کی تقدیر
بندے کا نہین زور کچھ احکامِ قضا مین

باوصف ستم تم تو ہوئے شہرۂ آفاق
گمنام وفاؤن پہ ہون مین اہلِ وفا مین

قطعہ

اترا نہ بہت ہستی موہوم پہ غافل
کچھ اس کی حقیقت نہین چشمِ حکما مین

ترکیب عناصر مین خلل آگیا جس دن
جز خاک ہے کچھ آگ نہ پانی نہ ہوا مین،

ناقدریِ احباب کدورت کا گلہ کیا،
اے صدق مرا گھر ہے دلِ اہلِ صفا مین

حسنِ بیان

از جناب شیخ عبد اللطیف صاحب تپش ام اے، ام او، ال، لکچرار گورنمنٹ کالج ملتان

پھر آج سجدہ طلب کوئی نقشِ پا نہ ملا
سرِ نیاز کو کھنچنے کا پھر بہا نہ ملا،

خجل ہے طائرِ رنگِ پریدۂ ہستی،
رہا قفس ہی سلامت نہ آشیانہ ملا،

ہوائے جنبشِ دامن کا ذکر کیون چھیڑا
چراغِ عمر کو گل ہونے کا بہانہ ملا،

نگاہِ مست ملی کیا کہ جام ہاتھ آیا،
ہوئی جو پاؤن کو لغزش شرابخانہ ملا

غضب تھا پردۂ خودداری حرم اٹھنا ہوئی یہ خیر کہ بت خانے میں خدا نہ ملا،
ہزار رنگ سے بجلی چمک چمک کے گری جو مرے حصے کا خرمن مین ایک دانہ ملا
سوا تمھارے نہین کچھ کتاب فطرت مین کہ جس ورق کو ٹٹولا یہی فسانہ ملا
تپش فضول ہے بیگانگی کا ان کی گلہ،
ہمین تو آئینہ بھی صورت آشنا نہ ملا،

رباعیات توحید

از جناب مولوی حکیم امداد حسین صاحب توحید ندوی، سیالکوٹ

درعالم خار و گل بسے خوار شدیم در ہر چہ شدیم سخت بیزار شدیم
فرعون شدیم غرقہ گشتیم بہ نیل منصور شدیم بر سر دار شدیم،

در وادی دہر نیست آبے پیدا ہر جا کہ نظر دو دسرابے پیدا
ما تشنہ لبیم و ماہی بے آبیم، دریا کہ شود نشان آبے پیدا

اے عقل بدین فروش دین را دریاب دین است یقین بیا یقین را دریاب
بگذار رسوم ترک تقلید بگیر بازآ ز فلک تو این زمین را دریاب

رحمے بمن سوختہ کار افتان، از تابش اندوہ بنار افتان،
برخود بجہان چرا نہ پیچم توحید در دست بجائے یار مار افتان

لغات جدیدہ

بیس ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری یعنی لغت، قیمت عہ

باب التقریظ والانتقاد

تغلق نامہ

شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ لال ٹیکری حیدرآباد دکن ضخامت مقدمہ ۳۰ صفحے وضخامت متن ۱۸۱ صفحے،

قیمت مجلد چار روپیے، بیرون ہند چھ شلنگ،

تغلق نامہ، حضرت امیر خسرو دہلوی کی آخری فارسی مثنوی کا نام ہے، اس مین شاعر نے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے قتل خسرو خان کی چند روزہ بادشاہی، اور پھر سلطان غیاث الدین تغلق کی فتح اور تخت نشینی کے حالات درج کئے ہین، امیر کی یہ مثنوی نہ صرف آخر عمر کے نمونۂ کمال کی حیثیت سے بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی اہم چیز تھی، مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس کا کامل نسخہ مدت سے مفقود تھا، اکبر کے زمانہ مین بھی اس کا جو نسخہ علامہ فیضی کو ملا تھا، اوس کے اول و آخر کے اجزا ساقط تھے اور اون کو خبر ملی تھی کہ راجہ علی خان فاروقی والی خاندیس کے ہان اوس کا کامل نسخہ موجود ہے، معلوم نہین یہ خبر کہان تک درست تھی، شبہہ اس سے پیدا ہوتا ہے کہ اکبر کے بعد جہانگیر نے اپنے زمانہ مین اپنے عہد کے حیاتی شاعر کو اوس کے گم شدہ اوراق کے مضامین کو دوبارہ نظم کر دینے کی خدمت سپرد کی تھی، جس کو اوس نے بحسن وخوبی انجام دیا، اور انعام پایا،

نواب حاجی اسحٰق خان مرحوم نے علی گڈھ مین تصانیف خسرو کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تھا، اسی تقریب سے خسرو کی تصانیف کی تلاش کا کام جاری تھا، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی کے کتبخانہ مین جو فارسی نوادر کا خزانہ ہے، جہانگیر نامہ کے نام سے حیاتی کی ایک مثنوی موجود تھی، جس کی نسبت یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ خسرو کے تغلق نامہ کے جواب مین حیاتی کی مثنوی ہے، مگر مولانا رشید احمد صاحب سالم مرحوم نے اس نسخہ کو بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ حیاتی کے اس مین چند صفحے ہین، بقیہ پوری مثنوی خسرو کا تغلق نامہ ہے، مرحوم نے اس دعویٰ پر متعدد دلائل پیش کئے جن سے یہ خیال درجۂ یقین

کو پہنچ گیا، موصوف نے اس مثنوی کی تصحیح کی اور اس پر ایک مقدمہ لکھا، انھون نے اپنے مرض الموت مین جس مین انھون نے وفات پائی، اپنا یہ مصحح نسخہ مجھے دکھایا تھا، اور خواہش کی تھی کہ یہ دار المصنفین کی طرف سے شائع ہو، مگر ع آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

ان کی وفات کے بعد اون کے ایک عزیز نے ایک آدھ دفعہ لکھا بھی، لیکن قسمت الٰہی کا فیصلہ تھا، کہ یہ کام اس سے بہتر طریقے سے انجام پاسکے، اس لئے یہ سعادت "مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن کے حصہ مین آئی،

"مجلس مخطوطات فارسیہ" کے نام سے حیدرآباد دکن مین چند فضلاء کی ایک انجمن قائم ہوئی ہے جس کی طرف سے فارسی قلمی کتابون کی اشاعت وقتاً فوقتاً ہوتی رہیگی، سرکار نظام ثبت اللہ ملکہٗ نے اپنی قدر دانی سے اسکی مالی اعانت منظور فرمائی ہے، اس کے سکریٹری فاضل صاحب قلم مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی اور صدر نشین نواب سر اکبر حیدر نواز جنگ بہادر اور ارکان نو دیگر فضلائے دکن ہین،

اس مجلس کے سلسلۂ مطبوعات مین یہ تغلق نامہ پہلا مطبوعہ ہے، اس مثنوی کی تصحیح و تحشیہ اور مقدمہ کا جو کام مصحح و محشی اول مولانا رشید احمد صاحب سالم مرحوم سے رہ گیا تھا اوس کو مولوی سید ہاشمی صاحب نے پورا کیا ہے، اور اپنا ایک مستقل دیباچہ اس کے اوپر اور بڑھایا ہے، یہ دیباچہ دسمبر ۱۹۳۲ء کے معارف مین شائع ہوچکا ہے،

مثنوی پر موجودہ مقدمہ تین حصون پر منقسم ہے، دیباچہ بقلم سید ہاشمی صاحب (از ۱ تا ۲۴) خلاصۂ مثنوی بقلم سید ہاشمی صاحب (از ۲۵ تا ۲۷) مقدمہ ناتمام مولانا رشید احمد صاحب (از ۳ تا ۹۳) اس کے بعد ۱۵۱ صفحون مین اصل مثنوی تغلق نامہ ہے، کل دو ہزار نو سو بیس شعر ہین، تغلق نامہ کا جو نسخہ دسوین صدی مین حاجی خلیفہ چلپی صاحب کشف الظنون کے علم مین تھا، اس مین تین ہزار شعر تھے، جیسا کہ اوس نے کشف الظنون مین لکھا ہے، اس دریافت شدہ نسخہ کے آخر سے بھی کچھ صفحے غائب تھے، چنانچہ اس کے آخر مین جو ترک ہے، اوس مین "زہے" کا لفظ لکھا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غائب شدہ صفحہ کے اول مین جو شعر تھا وہ "زہے" سے شروع ہوتا تھا،

مقدمہ مین مثنوی کے متعلق ضروری مباحث پر پوری تحقیق کی گئی ہے، اور تغلق نامہ کے اون متفرق شعرون کے ذریعے جو کتب لغات مین تغلق نامہ کے حوالہ سے پیش کئے گئے ہین، اور جو اس نسخہ مین ہین، یہ بات بے شک و شبہ ثابت کردی گئی

ہے کہ وہ تعلق تامہ ہی ہے، جس کے شروع میں جہانگیر کے حکم سے حیاتی نے حمد و نعت و تمہید کے ۵۰۱ شعر بڑھائے ہیں،

کتاب ٹائپ میں، صاف اور عمدہ چھپی ہے، ابیات پر نمبر لگا دیئے گئے ہیں، کہیں کہیں لغات کا حل اور حواشی ہیں، مجلس مذکور اپنی اس پہلی کوشش پر مبارکباد کی مستحق ہے،

"س"

تذکرہ مجموعۂ نغز

"شائع کردہ شعبۂ مشرقیہ پنجاب یونیورسٹی، ضخامت ۴۱۲ صفحے مصحح پروفیسر حافظ محمود خان شیرانی، لاہور"

خوشی کی بات ہو کہ ادھر چند سال سے اردو شعرائکے دلچسپ تذکرے چھپ چھپ کر شائع ہو رہے ہیں، اس سلسلہ میں "مجموعہ نغز" نام ایک اہم تذکرہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیہ نے چھاپ کر شائع کیا ہے، اس تذکرہ کے مؤلف کا نام حکیم ابو القاسم میر قدرت اللہ ہے، اور تخلص قاسم ہے، جس نے ۱۲۲۱ھ میں اپنا یہ تذکرہ تکمیل کو پہنچا دیا،

اس تذکرہ کی ایک خاص اہمیت یہ ہے کہ ہماری زبان کے نامور انشاپرداز مولانا محمد حسین آزاد کی مشہور ترین تصنیف آبحیات کا سب سے بڑا ماخذ یہی تذکرہ ہے، چنانچہ آبحیات کے وہ چند واقعات و حکایات جو دوسرے مستند تذکروں میں مذکور نہیں، وہ اس تذکرہ میں ہیں،

اس کتاب کے مصحح حافظ محمود خان شیرانی ہیں، جو اگرچہ کسی مشرقی یا مغربی یونیورسٹی کے سند یافتہ نہیں تاہم اپنی فطری صلاحیت و استعداد اور تلاش و محنت اور ذوقِ علم کی بنا پر اپنی اہلیت کی وہ سند رکھتے ہیں، جو ہزار ہا کاغذی سندوں سے بالاتر ہے، اور اسی لئے پنجاب یونیورسٹی کے ارکان نے اون کو اپنی یونیورسٹی کا اردو لکچرر بنا کر صحیح انتخاب کی پسندیدہ مثال پیش کی ہے،

موصوف نے اس سے پہلے "پنجاب میں اردو" لکھکر اپنی اہلیت کی بہترین سند پیش کی ہے، اس کے بعد اردو کی تاریخی اور لغوی تحقیقات پر جو مقالات اور مضامین وہ برابر شائع کر رہے ہیں، اون میں سے ہر ایک اون کی تلاش و محنت اور وسعتِ نظر کی دلیل ہے،

موصوف نے اس تذکرے کے ایڈٹ کرنے میں بھی پوری محنت صرف کی ہے متعدد نسخوں سے مقابلہ کیا ہے، الفاظ کی تصحیح کی ہے، حواشی لکھے ہیں متعدد فہرستیں اور اشاریے درج کئے ہیں، شروع میں مفید مقدمہ لکھا ہے، اون کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ کتاب آئندہ اردو کے محققوں اور اردو شعرا کے حالات کے ڈھونڈھنے والوں کے لئے بہترین حوالہ کا کام دیگی، میر ابو القاسم قدرت اللہ کا یہ تذکرہ حروف تہجی پر مرتب ہے اور چھ سو تراسی اردو شعرا کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے، اکثر شعرا کے اخلاق و عادات اور شاعری پر حرف گیری بھی کی گئی ہے، چنانچہ آبحیات میں میر اور ولی اور شاہ نصیر وغیرہ کے متعلق جو قابل اعتراض فقرے ہیں، وہ دراصل اسی تذکرہ سے ماخوذ ہیں، اس لئے اب یہ اعتراضات مولانا آزاد پر نہیں، بلکہ حکیم قدرت اللہ قاسم پر ہوں گے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ شاعری میں حکیم صاحب کا مرتبہ بلند نہیں، اس لئے استادان وقت اون کو وہ درجہ نہیں دیتے تھے جس کے وہ اپنے دل میں مدعی ہوں گے، چنانچہ میر اور شاہ نصیر کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اس بدگمانی کی تصدیق ہوتی ہے،

تذکرہ کی زبان اوس زمانہ کے دستور کے مطابق فارسی ہے، سنین کے لکھنے سے بھی تغافل برتا گیا ہے، کہ اہل عصر کے لئے، اوس زمانہ میں اس کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی، لیکن غنیمت یہ ہے کہ اس سے اس زمانہ کے رسم و رواج، مجالس کے رنگ ڈھنگ اور ملنے جلنے کی کیفیت بہت حد تک معلوم ہوتی ہے،

امید ہے کہ یہ تذکرہ اہل سخن اور ارباب تاریخ دونوں کی دلچسپی کا سامان بنے گا، "س"

ترانہ

شائع کردہ اردو بک اسٹال بیرون لوہاری دروازہ، لاہور، چھوٹی تقطیع، لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ، قیمت عہ

مرزا یاس عظیم آبادی اردو کے مشہور اور بلند فکر شعرا میں ہیں لیکن چونکہ طبیعت میں تعلی حد سے زیادہ ہے، اس لئے کبھی معاصرین سے اون کی نہیں بنتی، لکھنؤ کے زمانہ قیام میں بڑا ہنگامہ برپا رہا، جس کی بنا پر وہ لکھنؤ چھوڑنے پر مجبور ہوئے، انھیں ہنگاموں کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ یاس کے ساتھ پہلے یگانہ بطور صفت اضافہ کیا، اور اب چند سال سے لفظی تعلی کی خاطر اپنا تخلص

چھوڑکر یگانہ تخلص اختیار کیا، اور چونکہ شادی لکھنؤ مین کی ہے، اس لیئے اب عظیم آبادی کے بجائے لکھنوی ہو گئے ہین چنانچہ اپنی آیات وجدانی مین اپنے پدری و مادری نسب نامون کے ساتھ سسرالی نسب نامہ بھی شائع کیا ہے، نسلاً مرزا ہین جو مغلون کا لقب ہے، اور ہر مغل اون کے خیال مین چنگیز کی اولاد ہے، اس لئے اب چنگیزی کی نسبت بھی نام کے ساتھ اضافہ ہوئی ہے، غرض ہمارے پرانے یاس عظیم آبادی، سالہا سال کی مسلسل ترقی کے بعد اب مرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی ہین،

زیر نظر کتاب جس کا نام ترانہ رکھا گیا ہے مرزا صاحب کی رباعیات کا مجموعہ ہے، شروع مین "مغالطہ" کے عنوان سے مختصر دیباچہ ہے، جس مین اپنے مجموعۂ رباعیات کے بجائے اپنے اور اپنی "بیگم" کے متعلق اظہار خیال فرمایا ہے، اس پہلو کو چھوڑ کر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ مرزا یاس یگانہ اپنے وقت کے ایک کامل شاعر ہین، اون کے خیالات بلند، زبان صاف ستھری، ترکیبین چست اور کلام حشو و زوائد سے پاک ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ لکھنؤ کے طرز شاعری مین اون کے ہنگامون کے باعث مفید انقلاب پیدا ہوا ہے،

ترانہ چھوٹی تقطیع کے ۱۰۴ صفحون پر ہے، اور ہر صفحہ پر جلی قلم مین ایک رباعی ہے، اس طرح دیباچہ کے ۴ صفحون کو چھوڑ کر بقیہ صفحات مین ۱۰۰ رباعیان ہین، ہر رباعی زبان کی صفائی اور روزمرہ اور محاورات کی برجستگی اور ترکیبون کی چستی کے لحاظ سے قابل داد ہے، "لکھنوی" ہو کر دلّی کی زبان کی تعریف مین کہتے ہین ؎

دلّی کی زبان لکھنؤ کیا جانے میر و مرزا کی گفتگو کیا جانے،
دل درد سے خالی ہو تو بکواس فضول خاموش زبانِ عشق تو کیا جانے

اپنی اور اپنے مخاطب کی نسبت کہتے ہین ؎

مہمان ہے تو، صاحبِ خانہ مین ہون، آئینۂ حسن جاودانہ مین ہون،
مجھ سا کوئی دوسرا نہ تجھ سا کوئی، یکتائے جہان تو ہے، یگانہ مین ہون،

اس رباعی کے پڑھتے وقت بے ساختہ عرفی کے یہ دو شعر یاد آگئے جو اوس نے اپنی تعریف مین کہے ہین ؎

میگویم و اندیشہ ندارم ز حریفان من زہرۂ را مشگر و من بدر منیرم،

سر برزدہ ام با مہ کنعان ز یکے جیب   معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم

ہنگامۂ لکھنؤ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ۔

اقلیمِ سخن نام مرا جپتا ہے ،   کیوں لکھنؤ اپنے بھاڑ میں تپتا ہے

تصویر بگانہ آپ بول اُٹھے گی ،   ہاں ایسے ہی منہ پہ بانکپن کھپتا ہے

غالب کی تحقیر و توہین کا پرانا مناظرانہ جذبہ ان رباعیوں میں بھی باقی ہے چنانچہ اپنے "ادبی اہدی" ہونے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :۔

ہیں خاک برابر مگر اکسیر ہیں ہم   غالب کے پیرا ثانیِ میر ہیں ہم

دنیاے ادب ہے منتظر مدت سے ،   معلوم ہے کس خواب کی تعبیر ہیں ہم؟

اپنی نوا سنجی کی داد ان لفظوں میں دی ہے ۔

گذری ہے بہار عمر تنکے چنتے ،   آتشکدۂ شوق میں جلتے بھنتے ،

یارانِ چمن گاتے ہیں اپنی اپنی   میری سنتے تو دیر تک سر دھنتے

اپنی بقاے دوام کا دعویٰ اس بلند آہنگی سے کیا ہے ۔

وہ دور رہا نہ وہ زمانہ باقی ،   ہے اور کوئی دن یہ فسانہ باقی

کیسا اِدبار، اور کہاں کا اقبال   دنیا فانی، مگر یگانہ باقی ،

ایسا نہ سمجھا جائے کہ ان رباعیوں کے مضامین صرف "فلسفۂ خودی" کی تشریح پر مشتمل ہیں ، بلکہ "انفس" کے بعد "آفاق" کا فلسفہ بھی ان میں جا بجا بیان کیا گیا ہے ، کہتے ہیں اور کیا خوب کہتے ہیں :۔

چارہ نہیں کوئی جلتے رہنے کے سوا   سانچے میں فنا کے ڈھلتے رہنے کے سوا

اے شمع تری حیات فانی کیا ہے   جھونکا کھانے سنبھلتے رہنے کے سوا

اس مجموعہ میں جسکو "ادب" کہکر پیش کیا گیا ہے ، اس بے ادبی کو ملاحظہ کیجئے :۔

یارون کی وہ سازش وہ خلافت طلبی | اسلام کے پردہ مین حکومت طلبی
افسوس یداللہ سے یہ بے ادبی | کس دن کے لئے علی سے بیعت طلبی

اگر مرزا یگانہ صرف اپنے شاعری کے کمال دکھایا کرین تو عجب نہین کہ دنیا ان پر ایمان لے آئے، مگر وہ خود اپنی ذات پر دعوتِ ایمان کی تبلیغ اتنی کرتے ہین کہ لوگ اون کی شاعری کی شان مین بھی کفر بکنے لگتے ہین، مرزا صاحب کی خدمت مین خود انھین کی رباعی عرض ہے،

یوسف کو اس انجمن مین کیا ڈھونڈھتا ہے | ہنگامۂ ماؤ من مین کیا ڈھونڈھتا ہے،
نیرنگِ تماشا ہے حجابِ معنی، | تصویر کے پیرہن مین کیا ڈھونڈھتا ہے

"س"

تاریخ صقلیہ جلد اول

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریبًا پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی یا عربی مین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اسکی تاریخ مرتب کی گئی ہے، جنمین سے پہلی جلد اب شایع ہو گئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا عہد بعہد کے دور ون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ اور جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، اس کتاب مین چند رنگین نقشے بھی ہین، از مولوی ریاست علی صاحب ندوی،

ضخامت مجموعی ۵۵۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت للعہ ر

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

معاشیات مقصد اور منہاج، یعنی خطبات جناب ڈاکٹر ذاکر حسین، ایم اے، پی ایچ، ڈی، ناشر ہندوستانی اکیڈمی، یوپی، الہ آباد، حجم ۱۰۹ صفحے، چھپائی ٹائپ ہن، قیمت عہ۔

ہندوستانی اکیڈمی یوپی نے فن معاشیات پر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے تین تقریرین کرائی تھین، وہ "معاشیات، مقصد اور منہاج" کے نام سے شائع ہوئی ہین، مقرر نے ان تقریرون مین علم معیشت اور اس کے مقاصد سمجھائے ہین، تمہید مین پہلے اس فن کے نام کی تحقیق اور مختلف ارباب فکر نے مختلف زاویہ ہاے نگاہ سے اسے جس نام سے موسوم کیا ہے، اسے پیش کیا ہے، اس کے بعد اس کے موضوع اور مقصد پر گفتگو آتی ہے، پھر پہلا مقالہ "معاشیات معیاری" کے عنوان سے ہے، یعنی وہ معیشت جو مقصد حیات انسانی اور مقصد کائنات کے مطابق اور ہم آہنگ ہو، اس سلسلہ مین اولاً عہد یونانی سے عہد اسلامی اور پھر دور حاضر تک کے ان نظریون اور انکے رجحانات وخیالات کو بیان کیا ہے، جنمین معیشت صحیحہ وصالحہ کی تعیین اور اس کے اصل مقصد کی تحقیق کی گئی ہے، اور آخر مین نتیجۃً بتایا ہے کہ دراصل معاشیات معیاری کا مبحث مذہب یا فلسفہ کی ایک شاخ ہی، اس نے بعد "معیشت ترتیبی" کے عنوان سے دوسرا مقالہ ہے، جسمین مقرر نے دکھایا ہے کہ ارباب فکر کیونکر رفتہ رفتہ اعیان وحقایق کی بلندیون سے تجربہ اور عمل کی پستیون کی جانب مائل ہو کر علوی مقاصد سے سفلی آرزوؤن مین کھو گئے، پہلے اگر تدوین علم کا مقصد رضاے الٰہی تھا، تو اب قضاے ضروریات انسانی قرار پایا، اور اسی سے معیشت ترتیبی کے مباحث پیدا ہوئے، جن مین ان یکسانیون کی تلاش ہوئی، جو واقعات مین ظاہر ہوتے ہین، اسکے بعد "معیشت اقدامی" کے عنوان سے آخری مقالہ ہے، جس مین اس کے مقصد ومنہاج کی تحقیق، اس کے اقسام و

وصدود دکھا کر آخر مین بتایا ہے کہ "معیشت افہامی" مین نظری و واقعاتی دونون حیثیتون کو ساتھ رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے، اس لئے ہندوستان کے لئے ترتیبی معیشت کے بجائے جسمین بے سود قرضی قانون سازی ہوتی ہے، افہامی معیشت کے اصول سود مند ہونگے، اور اسلئے اسی کے اصول پر ہندوستان کی معیشت کو سمجھنا اور سمجھانا چاہئے۔

تحریفِ قرآن کی حقیقت وجود و بحث، مصنفہ مولوی سید علی نقی صاحب، ناشر امامیہ مشن، حسین آباد لکھنؤ، حجم بہ ترتیب ۱۹۹ و ۱۲۵ صفحے، قیمت ۵ر و ۴ر

لکھنؤ کی جماعت شیعہ نے ایک انجمن امامیہ مشن کے نام سے قائم کی ہے، جو اپنے مذہب شیعی کی تائید اور دیگر مذاہب کے رد مین مختصر رسالے شائع کرتی ہے، پیش نظر رسالہ "تحریف قرآن کی حقیقت" اس انجمن کا دوسرا رسالہ ہے، رسالہ مین دوسری آسمانی کتابون کی تحریفات دکھانے کے بعد "قرآن مجید کی امتیازی خصوصیات" بیان کئے ہین، اس ضمن مین عقیدۂ تحریف قرآن کا مسئلہ آیا ہے، اور اتقان سیوطی وغیرہ کی غیر مستند روایتون سے دکھایا گیا ہے، کہ اہل سنت کی مستند کتابون مین جمع قرآن کے وقت قرآن مین رد و بدل ہونے، کتابت کی غلطیان ہونے اور آیتون کے چھوٹ جانے وغیرہ کی شہادتین موجود ہین، اس کے بعد "جماعت شیعہ اور قرآن" پر گفتگو ہے، جسمین شیعی روایات سے بتایا ہے کہ قرآن اپنی موجودہ شکل مین جو کچھ موجود ہے، اسکی صحت مین سر مو فرق نہین، لیکن ایک بڑا حصہ قرآنی اس قرآن مین درج ہونے سے رہگیا ہے، پھر چند ایسے مجتہدین و علمائے شیعہ کے اقوال درج ہین، جو اس مسلک کے مخالف ہین، اور عقیدۂ شیعی کو جماعت اہل سنت کے عقاید کے مطابق بتاتے ہین، لیکن خود مصنف کے نزدیک وہ لوگ اپنے عقائد مین منفرد ہین، سب سے آخر مین مصنف نے اپنا عقیدہ یہ پیش کیا ہے کہ "موجودہ قرآن کلام الٰہی و وحی آسمانی ہے،...... موجودہ قرآن کے علاوہ کسی سورۃ، کسی آیت اور کسی حرف کا جزو قرآن ہونا ثابت نہین اور نہ ان پر احکام قرآنی مرتب ہو سکتے ہین" اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ خود مصنف کے نزدیک بھی کچھ ایسے اجزاء قرآن ضرور تھے جو موجودہ قرآن مین شامل نہین، اگرچہ آج ان اجزاء کے وجود کا علم قطعی حاصل نہین، اور اسلئے اس قرآن کے ماسوا کسی حرف کا نہ جزو قرآن ہونا ثابت ہے، اور نہ اس پر احکام قرآنی مترتب ہو سکتے ہین

ں لئے موجودہ قرآن (نعوذ باللہ) ناقص اور نامکمل ہے، انہین معلوم ایسے مسائل پر قلم اٹھانے سے امامیہ مشن کی کونسی
رمت مقصود ہے، اور اسلام ہی کی کوئی شاخ، اسلام ہی کی بنیاد پر وار کرکے کیونکر سرسبزی وشادابی حاصل
کر سکتی ہے، سنتے ہین جماعت شیعی مین مسئلہ تقیہ بھی کوئی مذہبی مسئلہ ہے، اگر انھین اپنے مذہب کے اصل واساس (قرآن)
سے محبت نہین، تو کیا اپنی شاخ ہی کی سرسبزی وشادابی کے لئے اُن علماے شیعہ کا مسلک بطور تقیہ ہی حیثیت
جماعت کے اختیار نہین کر سکتے کہ قرآن وہی ہے جو ان دو دفتیون مین ہے، اور جو لوگون کے ہاتھون مین موجود ہے، اس سے زیادہ
نہین ..... اور جو کوئی ہماری (جماعت شیعہ کی) جانب یہ منسوب کرتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ تھا تو وہ جھوٹا ہے، اہل سنت ہون یا شیعہ جو
کوئی دوسرے پر قرآن پاک کے متعلق اس قسم کے الزامات قائم کرتے ہین، وہ درحقیقت قرآن پاک کی صحت کو مشتبہ کرنیکی
کوشش کرتے ہین، اور غیر مسلمانون کے ہاتھون مین اپنی گردنون کے کاٹنے کے لئے اپنے ہی کارخانہ سے تلوارین
بنا کر اون کے ہاتھون مین دیتے ہین،

دوسرے رسالہ **وجود حجت** مین "امام غائب" کے وجود کے دلائل شیعی جمع کئے گئے ہین،

الباکورۃ الجلیہ (عربی) حجم ۴۸ صفحے قیمت ۸ مرتبہ مولوی عبد اللطیف صاحب اعظمی ناظم جمعیۃ الاصلاح شبلی ہوسٹل لکھنؤ،

دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ مین یون تو عربی ادب کا مذاق اسکے آغاز عہد ہی سے رہا، لیکن ادھر چند سال سے جب سے
کہ ایک عربی رسالہ الضیاء وہان سے نکلا ہے، طلباے دار العلوم کو عربی زبان مین مضمون نویسی کی مزید ترغیب ہوئی
اور اس کا ایک خوشنما مظہر یہ زیر تبصرہ رسالہ ہے، جو دار العلوم ندوہ کے طلبہ کے مختصر تاریخی وادبی مضامین پر
مشتمل ہے، اور یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ عربی تحریر کا پاکیزہ مذاق درجہ ہشتم سے درجہ چہارم تک کے طلبہ مین پیدا ہو رہا ہے
یہ مضامین دار العلوم کے مختلف درجون کے پڑھنے والون اور مختلف ملکون اور صوبون کے رہنے والے طلبہ کے لکھے
ہوئے ہین، رسالہ اگرچہ دفتر الضیاء سے عام عربی مجلات کے دستور کے مطابق سال کے دو مہینون کے پرچون
کے عوض ناظرین الضیاء کو ہدیۃً بھیجا گیا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اہل علم وعلماء اس رسالہ کو خرید کر کارکنان الضیاء
کی مدد اور طلباے دار العلوم کی حوصلہ افزائی کرین،

باپ کا قاتل، مترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ناشر ہند بک ایجنسی نمبر ۲ سلے چتر نجن ایونیو کلکتہ، ۲۳۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

"باپ کا قاتل" فرانس کے مشہور انشا پرداز فرانسو کوپیہ کے ایک فسانہ کا ترجمہ ہے، جو عربی زبان سے کیا گیا ہے اسمین ایک بلقانی نوجوان قائد کا حب الوطنی سے لبریز کردار پیش کیا گیا ہے، یہ فسانہ دراصل اس لٹریچر کی ایک کڑی ہے جو یورپ میں آزادی بلقان کی تحریک کی ابتدا مین پھیلایا گیا تھا، مترجم نے ہندوستان مین تحریک آزادی اور جذبہ حب الوطنی کے پیدا کرنے کیلئے اسکو اردو مین منتقل کیا ہے، فسانہ مین زمانہ ترکون اور بلقانیون کی جنگ کا ہے، ایک ترکی قائد جاسوس بنکر بلقانی فوج مین آتا ہوا مختلف تدبیرون سے بلقانی سپہ سالار اعظم کو اوسکی بیوی کے ذریعہ اس پر آمادہ کرلیتا ہے کہ ترکی فوج کو راستہ دیدیا جائے اسکے معاوضہ مین بلقان کا تاج اسکو پیش ہوگا، وہ سپہ سالار اپنے ضمیر سے سخت کشمکش کے بعد اس پر آمادہ ہوجاتا ہے، اس سازش کی خبر اوس کے لڑکے کو ایک معصوم دل لڑکی سے ملتی ہے، اور وہ موعودہ گھاٹی پر عین وقت پر پہنچ جاتا ہے، ترکی فوجین بڑھتی ہین اور اوس کا باپ غداری کے لئے وہان موجود نظر آتا ہے، اس وقت باپ بیٹے مین ایک موثر گفتگو ہوتی ہے، جسمین لڑکے کیلئے حب اور خدمت وطن کے فرائض مین سے کسی ایک کے انتخاب کا وقت آتا ہے، اور لڑکا اپنے باپ کو قتل کرکے بلقانی لشکر کو ہوشیار کردیتا ہے، اور خدمت وطن کا فرض ادا کرتا ہے، ترکون اور بلقانیون مین خون ریز جنگ ہوتی ہے، صبح کو اسکے باپ کا جنازہ شہید وطن سمجھکر اٹھایا جاتا ہے، وہ لڑکا سپہ سالار بنتا ہے، اسکی سوتیلی مان کو پس پردہ واقعات کا علم ہوتا ہے اور وہ کوشش کرتی ہے کہ اس نوجوان قائد کو بھی غداری پر آمادہ کرے، اور پھر ناکام ہوکر فوج کو اس سے برگشتہ کرتی ہے، اور وہی خفیہ معاہدہ جو ترکی جاسوس اور سابق سپہ سالار اعظم مین ہوا تھا، اسے اس نوجوان سپہ سالار کی طرف منسوب کرکے غداری کا الزام لگاتی ہے، دونون کے نامون مین ایک جزو مشترک نام کے باعث اس پر یقین کرلیا جاتا ہے، اسکے قتل کا فیصلہ صادر ہوتا ہے، وہ اپنی زندگی نثار کردیتا ہے مگر اپنے باپ کے جرم غداری کو طشت از بام نہین کرتا، واقعہ کے ۳۵ سال بعد اسکی سوتیلی مان مرض موت کے ہذیان مین اون رازہاے سربستہ کا پردہ چاک کردیتی ہے، اور اس نوجوان سپہ سالار کی وہی قبر جو ابتک ایک غدار کی قبر کی حیثیت سے نشانہ ملامت بنی ہوئی تھی، اب بلقانیون کی معبود و مسجود بنجاتی ہے، م - ر

جلد ۳۳	ماہ محرم الحرام ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۴ء	عدد ۵

مضامین

شذرات

جبتک قدیم ہندوستان کی تاریخ کا سرمایہ صرف زبانی روایات اور اصنامیات تھا، یہان کی قدیم آرین تہذیب کی عظمت کا گیت بڑی بلند آہنگی سے گایا جاتا رہا، مگر جب سے اس ملک کے قدیم آثار کی تحقیق و تفتیش کا کام شروع ہوا ہے حقیقت کے چہرہ سے نقاب اٹھتی جاتی ہے، قدیم ہند کی سطوت کا اصلی گہوارہ پاٹلی پتر (پٹنہ) کا موریا خاندان ہے، مگر اثری تحقیقات نے اس کو ہند کے بجائے ایران پہنچا دیا، اور وہ پارسی تہذیب کا نمونہ ثابت ہوا، اب حال مین سندھ کی اثری تحقیقات نے جن ہزارون برس کے دبے ہوے دفینے کا پتہ چلایا ہے، وہ بھی ہند کے بجاے عراق کی ملکیت ثابت ہوا، فروری سنہ ۴۲ء کے آرین پاتھ مین تاریخ ہند کے مشہور ماہر ایچ جی رالنسن کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جسمین ثابت کیا گیا ہے کہ مہنجو دارو اور ہڑپا (سندھ) کے اثری اکتشافات سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ہندو تہذیب مین سامی عنصر بہت نمایان ہے"

اسی پرچہ مین ایک ہندو فاضل کے قلم سے مورخ مذکور کا جواب بھی شائع ہوا ہے، جس مین زیادہ تر ویدون کے حوالون سے ہندو تہذیب کی قدامت ثابت کیگئی ہے، مگر ویدون کی اتنی قدامت کا دعویٰ تو خود مشتبہ ہے اس سے دوسرے دعویٰ پر استدلال کہانتک صحیح ہوگا؟ بہرحال کہنا صرف یہ ہے کہ اگر گذشتہ آرین قومین پارسی اور سامی تہذیبون سے استفادہ کے باوجود ہندو رہین، تو آج اسلامی تہذیب جو آریائی اور سامی دونون تہذیبون سے مل کر پیدا ہوئی ہے، اور اس سے گذشتہ ایکہزار برس تک ہمارے ہندو بھائی بھی مستفید ہوتے رہے، کیون بدیسی چیز سمجھی جاے،

یہ بات کہ مسلمانون کا کوئی متحدہ خط ہونا چاہئے، تنگ خیال قومیت کے نزدیک غیر ضروری ہو، ترکون نے اپنا خط لاطینی کر لیا، ایک نقطۂ نظر سے یہ ایک قوم کی محدود و مقامی بات ہے، مگر اسکا وسیع اثر ملاحظہ فرمائے کہ ترکی کے مشترک عربی و فارسی الفاظ

اور عربی خط سے ترکی نہ جاننے والے مسلمان اور مشرقی اشخاص بھی کچھ نہ کچھ مطلب سمجھ جاتے تھے، اور وحدت خیال کی ایک ہلکی سی زنجیر باہم قائم تھی، مگر اب ہمارے ان کے درمیان بعد المشرقین ہے، اُن کے رسائل و اخبارات ہندوستان آئین، یا ہندوستان کے وہان جائین، دونون یہی کہیں گے،

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

اسوقت یہ بات یون یاد آگئی کہ چھٹی صدی ہجری کے ایک مسلمان فلسفی ابو البرکات بغدادی کی کتاب المعتبر بہت مشہور کتاب ہے، اسمین اُسنے فلسفۂ ارسطو پر سخت اعتراضات کئے ہین، اور کہاجاتا ہے کہ امام رازی نے فلسفہ پر جو اعتراضات کئے ہین وہ اکثر اسی کتاب سے لئے گئے ہین، اس بنا پر اہل علم مین اس کتاب کی خاص اہمیت ہے،

پچھلے دنون جرمنی کے ایک کتب فروش کے پاس سے خبر آئی کہ کتاب المعتبر کی ایک جلد قسطنطنیہ سے چھپ کر شائع ہوئی ہے، یہ سنکر ہمکو بے انتہا خوشی ہوئی، اور اُسی وقت اپنے لندن کے ایجنٹ کو لکھا وہ کتاب ہمارے پاس بھیجدیجائے، چند مہینون کے بعد جب یہ اطلاع آئی کہ کتاب المعتبر چھپی تو ضرور ہے مگر وہ عربی کے بجاے نئے ترکی لاطینی خط مین چھپی ہے، تو جتنی خوشی ہوئی تھی اتنا ہی رنج ہوا، کہ وہ کتاب جس سے ساری دنیاے اسلام فائدہ اٹھا سکتی تھی، صرف ترکون کے محدود حلقہ کیلئے ہوکر رہگئی،

موجودہ مسلمانون کا عجیب خاصہ یہ ہے کہ وہ کسی کام کو اپنے سوچ بچار اور غور و تدبر کے بعد استواری کیساتھ نہین کر سکتے ان کو کام کرنے کے لیے ہمیشہ جذبات کی شراب پینے کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے، پالٹکس سے یہ مرض بڑھتا بڑھتا مذہب بلکہ ادبیات تک پہنچ گیا ہے، دین کی تبلیغ مسلمانون کا ضروری فرض ہے، مگر ہماری تبلیغی انجمنین اور مجلسین اسی وقت سرگرم کار ہوتی ہین جب آریہ پرچارک سبھائین اپنا زور دکھائین، اپنی قومی تہذیب کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی زبان کی حفاظت بھی ہر اس شخص کا فرض ہے جو اپنے منھ مین زبان رکھتا ہے، مگر اس تحریک کا جوش بھی مسلمانون کو اسی وقت آتا ہے جب ہندی ہمیلن اپنی

اپنی قوت عمل کی نمایش کرتی ہے،

پچھلے دنون دہلی مین مہاراجہ بڑودہ کے زیر صدارت ہندی کا جلسہ ہوا، اور اس کے لئے ایک لاکھ روپیہ کی امداد کا اعلان ہوا، تو دہلی کے چند مسلمانون کو بھی جوش آیا، اور ایک اردو کانفرنس صوبہ سرحد کے ایک ممتاز مسلمان نواب کے زیر صدارت منعقد ہوگئی، اگر اسی کے مقابلہ مین یہان بھی ایک لاکھ کی امداد ہوجاتی تو ہم سمجھتے کہ نقل پوری ہوئی، اور یہ کہتے، ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد، مگر شور و غل اور اخباری چہل پہل کے سوا اس قسم کی کانفرنسون کا نہ کوئی نتیجہ ہوا ہے، نہ ہوگا، ضرورت مستقل، پایدار اور استوار اصول پر آہستگی اور سنجیدگی کے ساتھ کام کرنے کی ہے اسی پر کامیابی کا مدار ہے، گھنگھور گھٹائین گرجتی نہین اور گرجتے بادل برستے نہین،

ہندی کی بنیاد ہندوستان کے بڑے بڑے شہرون مین نہین پڑ رہی ہے، بلکہ دیہاتون مین ڈسٹرکٹ بورڈ کے مکتبون اور اسکولون مین ہمین ہزار در ہزار لڑکے جنمین مسلمان بچے بھی داخل ہین، ہندوستانی کے بجائے ہندی سکھائے جارہے ہین اور اس طرح ہندوستان کی آیندہ زبان بدلی جارہی ہے، اسکی دوسری بنیاد گورنمنٹ کے دفاتر مین پڑ رہی ہے، جہان ہندوستانی فارمون کو دبا کر ہندی فارم جبراً ہندوستانی جاننے والون کو بھی دیئے جاتے ہین، تا کہ ہندی کی ضرورت اہل غرض پر دلیل جیرت ثابت ہوجائے، ہم ہندی خط کے دشمن نہین ہین، مگر ہندی خط کے پردہ مین مشترک ہندوستانی زبان کو مٹانے کی کوشش ہمالیہ سے بھی زیادہ بڑی غلطی ہے،

مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن مین سنن بیہقی کی پانچوین جلد چھپکر تمام ہوگئی اور اب دو نئی کتابین طبع کیلئے تیار ہوگئی ہین، ان مین سے ایک ابن رفاعہ کی جوامع اصلاح المنطق، اور دوسری امام بخاری کی نایاب تصنیف تاریخ کبیر ہے، امید ہے کہ آخری کتاب کی اشاعت سے فن اسماء الرجال کے ذخیرہ مین نہایت قیمتی اضافہ ہوجائیگا،

مقالات

غزنین کا سفر

۳۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء کی صبح کو جب بیدار ہوا تو اس خیال سے خوشی ہو رہی تھی کہ آج اس غزنین کو دیکھونگا، جسکا نام قلم سے سینکڑوں دفعہ لکھا، زبان سے ہزاروں دفعہ لیا، اور آنکھوں سے لاکھوں دفعہ پڑھا، غزنین سلطان محمود کا غزنی، جسکا نام کبھی دنیا میں رعب و ہیبت بٹھاتا تھا، جس کے آستانہ پر ارباب کمال کا ہجوم رہتا تھا، جس نے صدیوں دنیائے اسلام کی رہنمائی اور ہندوستان پر فرمانروائی کی، عنصری، فرخی، فردوسی اور سنائی کا غزنین جس نے ہمارے ادبیات کی دنیا میں غیر فانی شہرت حاصل کی اور جس کی سیاسی تاریخ مورخین عالم کی تحقیقات کا مدت سے موضوع بحث ہے، صبح اٹھکر ضروریات سے فراغت کی، بندھے ہوے اسباب کو دیکھا بھالا، رخصت کرنے والے احباب سے بار بار مصافحے ہوے، اور چند روز کے اس قیام کی یاد کے وعدے ہوئے،

خدام کو انعام عموماً دستور ہے، اور یورپ میں تو یہ دستور قانون کی حد تک ہے، کہ جب ہوٹل سے نکلئے یا کسی اقامتگاہ میں پہنچے تو پہلے خدام کو ٹپ (بخشش) دیجئے، حتی کہ چائے خانے اور ریسٹوران میں بھی اس "اخلاقی قانون" کی خلاف ورزی نہیں کیجا سکتی، یہی چیز ترکی میں "بخشش" کہلاتی ہے، یورپ والے جب پرانی ترکی کا سفر کرتے تھے، تو اس "بخشش" کے مطالبہ کو بہت برے اور ذلیل رنگ میں پیش کرتے تھے، لیکن انکو اپنے ملک کا "ٹپ" برا نہیں معلوم ہوتا، اسکی وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ "بخشش" مشرقی مسکنت اور نرمی کے لہجہ میں مانگی جاتی ہے، اور درازی عمر وغیرہ کی مسلسل دعاؤں کے ساتھ اسکا شکریہ ادا کیا جاتا ہے، اور "ٹپ" یورپ میں خشکی کے ساتھ وصول کیجاتی ہے، اور سر کو ذرا سی جنبش دیکر "تھینک یو"

لکھکر اس کی قیمت فوراً ادا کردیجاتی ہے،

ہندی مہانون نے طے کیا تھا کہ اس سرکاری مہانخانہ کے خدام کو جنھون نے ہماری مہانی کے فرائض متعلقہ بہت خوبی سے انجام دیئے تھے، سَو روپیے انعام مین دیئے جائین، لیکن چلتے وقت جب یہ رقم ان کو برضائے تام دی جانے لگی تو انھون نے بہت خوشی سے اس انعام کے قبول کرنے سے اسلئے انکار کیا کہ انھون نے اپنے مہانون کا واجب فرض انجام دیا ہے، جس کے لئے وہ کسی انعام کے مستحق نہین ہین، ان کے اس فیصلہ سے بڑا تعجب ہوا، اور اُن کی اخلاقی بڑائی کا سکہ مہانون کے دلون پر بیٹھا،

یہ خدام نہایت ہوشیار، نہایت با ادب اور باسلیقہ اور خاموش تھے، اتنے دنون مین ایک دفعہ بھی اُن کے شور وغل کی کوئی آواز کانون مین نہین آئی، چائے، کھانا، بسترون کی درستی اور کمرون کی صفائی وغیرہ کے تمام کام وہ نہایت خوبی اور خاموشی کے ساتھ انجام دیتے تھے، ان کی وضع یہ تھی سیاہ پینٹ، سیاہ کوٹ، سپید قمیص، پاؤن مین بوٹ اور سرون پر بالون کی افغانی ٹوپیان،

کابل سے روانگی حکومت نے اپنے مہانون کے آرام سفر کا اہتمام بڑی خوبی سے کیا، یہ بیان شاید پہلے گذر چکا ہے کہ کل مملکت افغانستان مین سفر کی پرانی منزلین دس بارہ میل پر ہوتی تھین، ہر منزل پر حکومت کی طرف سے ڈاک بنگلے، یا سرکاری اقامت خانے بنے ہوئے ہین، جس مین قیام کے ہر قسم کے سامان و اسباب مہیا ہوتے ہین، اب موٹرون کی تیز رفتاری نے اس منزل کو دور تر کر دیا، اب یہ بنگلے اسّی اور سَو میل کے بعد آتے ہین،

حکومت نے مہانون کے قیام وانتظام کے لئے متوقع قیامگاہون مین اطلاعی احکام بھیجدیئے تھے، اور نگران کار اور میزبان کی حیثیت سے سرور خان گویا کو متعین کیا تھا، کہ وہ مہانون کے ساتھ حکومت افغانستان کی آخری سرحد تک جائین، اور وہان سے پہنچا کر واپس آئین،

سواری اور باربرداری کے لئے حکومت نے دو عمدہ موٹرون اور دو لاریون کا انتظام کیا تھا، ایک موٹر پر خاکسار، ڈاکٹر اقبال، اور بیرسٹر غلام رسول، اور دوسرے پر سراس مسعود، پروفیسر ہادی، جناب سرور خان گویا، اور عبدالمجید صاحب

نمایندہ سفارت خانہ افغانستان، وہ بھی سوار ہوے، ایک لاری کھانے کے سامان اور کھانا پکانے والے اور کھلانے والے ملازمین کے لئے تھی، اور دوسری لاری پر مہمانون کا سامان واسباب تھا، ساتھ ہی حکومت نے مہمانون کے فوجی اعزاز اور حفاظت کی غرض سے دس بارہ سپاہیون کا ایک دستہ ساتھ کردیا تھا، وہ بھی انھین لاریون پر سوار تھے، اس دستہ کا افسر جس کو غنڈ مشر کہتے ہین، جو جلال آباد کے پاس گردیز کے سادات مین سے تھا، (نام بھول گیا) افسر مذکور بھی ہمارے ساتھ موٹر کی اگلی سیٹ پر شوفر کے ساتھ بیٹھا تھا،

ہم لوگون کی روانگی مین ملنے ملانے کے باعث کچھ تاخیر ہورہی تھی، اس لئے لاریون کو آگے روانہ کردیا گیا، آٹھ بجے کے قریب ہم لوگ بھی روانہ ہوگئے،

کابل سے غزنین تک کابل سے غزنین ۹۲ میل ہے، موٹرین دشت وجبل اور نشیب وفراز کو لمحہ بلمحہ طے کرتی ہوئی، اور خاک اڑاتی ہوئی، روان تھین، راستہ بہت حد تک صاف تھا، سڑکین عموماً اچھی حالت مین تھین، زمین زیادہ تر ہموار تھی، دور دور پہاڑ بھی نظر آتے تھے، اور اُن کے دامنون مین وسیع میدان اور وادیان پھیلی تھین، ان وادیون مین پہاڑی چشمے بہ رہے تھے جن کے سبب سے یہ وادیان موسم بہار مین سرسبز ہوجاتی ہین، اور کاشت کے کام مین آتی ہین، یہ تمام زمین قابل زراعت تھی، اور خوشی کی بات ہے کہ افغان کاشتکار اس مین پوری محنت سے کھیتی کرتے ہین، کابل سے لیکر غزنین تک کھیتون کا یہ سلسلہ برابر ملتا چلا گیا، مگر اس وقت کسی کھیت مین بھی کوئی چیز بوئی ہوئی نہ تھی، یہان کی کاشت کا زمانہ گرمیون مین آتا ہے جب برف پگھل کر زمین کو شاداب کرتی ہے،

یہان گاؤن کی آبادیون کا اصول یہ ہے کہ یہ چشمے جدھر جدھر مڑتے ہوئے بہتے ہین، انھین کے قریب تھوڑی تھوڑی دور پر گاؤن آباد ہوتے ہین، پھر قدرتی اسباب سے جب یہ چشمے بھی خشک یا بند ہوجاتے ہین، تو یہ گاؤن بھی مٹ جاتے ہیں، اور دوسری جگہ منتقل ہوجاتے ہین کہین ایسا نظر آیا کہ چشمہ نے گاؤن کی ایک سمت سے دوسری سمت کو رخ کرلیا تو گاؤن کی آبادی نے بھی، ادھر سے اپنے جھونپڑے اٹھا کر ادھر ڈالدئے، دیواریں مٹی کی اور چھتیں بھی مٹی کی ہوتی ہیں، اور بارش کی کمی کے سبب سے یہ چھتین یہان مستحکم رہتی ہین،

چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا غیر منقطع سلسلہ نظر کے سامنے تھا، ان پہاڑیوں کے سبب سے کہیں کہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آگے راستہ بند ہے، اور ان پہاڑیوں پر چڑھکر جانے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہ ہوگا، مگر جیسے جیسے آگے بڑھتے جاتے تھے، راستہ وادیوں میں گھوم گھوم کر بہت صاف نکلتا آتا تھا،

پشاور اور کابل کے درمیان جو خوفناک پہاڑی راستہ ہے، اس کے بالمقابل ہم اس راستہ کو نہایت صاف میدانی راستہ کہہ سکتے ہیں، کہیں کہیں بیچ میں نشیب تھا، اور اس کی دونوں طرف کی زمینیں بلند تھیں ایسے موقعوں پر عموماً پل بنے ہوئے تھے، لیکن ایسے مقامات بھی آئے جہاں پل سرے سے نہ تھے، یا ٹوٹ گئے تھے، بظاہر مشکل نظر آتا تھا کہ اس اتار چڑھاؤ کو موٹریں کیسے طے کر سکیں گی، ان افغانی شوفروں کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ وہ اس آسانی سے موٹروں کو اتار اور چڑھا لیتے تھے کہ ہم کو ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی،

راستہ میں ایک دو پہاڑیاں ایسی بھی آئیں جن کے اوپر ہمارے رفیق فوجی افسر نے بتایا کہ افغانی قلعے ہیں، اور ان میں سرکاری فوج رہتی ہے،

راہ میں لاریاں مل رہی تھیں جن پر تجارتی سامان آ جا رہا تھا، پرانے قافلہ کے اونٹ اور گدھے بھی بوجھ سے لدے ہوئے آ جا رہے تھے، خانہ بدوش قبیلے اور خاندان جنہیں عورت، مرد اور بچے سب تھے، پاپیادہ اور گدھوں پر سوار نقل جاتے تھے، ان کے ساتھ ساتھ ان کے رفیق کتے بھی ہوتے تھے، کبھی کبھی گدھوں کے اوپر مرغیاں بھی بیٹھی نظر آتی تھیں، جو عجیب و لچسپ معلوم ہوتی تھیں،

اب دوپہر کا وقت تھا، مگر دھوپ میں حدت نام کو نہ تھی، بلکہ کافی سردی تھی، سردی کے پورے لباس پہننے کے باوجود موٹر کی شیشے کی کھڑکیاں اٹھالی تھیں کہ ہوا اور غبار سے حفاظت رہے،

یہ عجیب بات ہے کہ ہم کو راستہ بھر کوئی پرندہ نظر نہیں آیا، شاید یہ سبب ہو کہ اس ملک میں یہ کاشت کا زمانہ نہ تھا اور میدان غلہ سے خالی تھا،

غزنین | ۱ بجے دن کے قریب غزنین کا سواد نظر آیا، مشتاق نگاہیں اوپر کو اٹھ رہی تھیں مگر ہر بار ناکام واپس آجاتی تھیں

ہمارے خیال مین پرانی دہلی کے کھنڈر کے مناظر تھے، اور ہم سمجھے تھے کہ ہم کو قلعہ، مسجدون اور عمارتون کے منار اور گنبد دور سے نظر آئین گے، لیکن ہماری مشتاق نگاہون کے استقبال کے لئے اس قسم کی کوئی چیز ادھر سے نہین آرہی تھی،

موٹرین رفتہ رفتہ اپنی چال سست کر رہی تھین، یہانتک کہ آبادی کا سواد سامنے آگیا، شہر پناہ سے باہر ایک بلندی پر سرکاری مہمان خانہ کی عمارت تھی، موٹرین اسکے احاطہ مین داخل ہوکر اسکے بڑے دروازہ کے سامنے جا کر رکین، اور ہم لوگ غبارون مین اٹے ہوئے موٹرون سے باہر نکلے، استقبال کیلئے حکومت کیطرف سے قوماندان (یہان کی فوج اور پولیس کا افسر اعلیٰ) اور شہر کی طرف سے رئیس بلدیہ (میونسپلٹی کا چیرمین) موجود تھے، ان دونون نے ہم کو خوش آمدید کہا، اور خواہش کی کہ ہم پہلے شہر کے بازار مین ایک چکر لگا لین، عمارت مذکور کے پائین مین ایک خیابان تھا، اس سے نیچے اتر کر سڑک پر آئے، اب ایک راستہ تو بازار کی پشت پر سے لنبائی مین اخیر تک جاتا تھا، اور دوسرا راستہ پھر بلندی پر چڑھکر بازار کے عین وسط سے گذرتا تھا، یہین پر بازار سے پہلے ہی بر سر راہ ایک کچی مسجد تھی، اور نشیب والی سڑک کے برابر برابر مسجد کے نیچے ایک نہر بہ رہی تھی،

بازار | ہم نچلی سڑک سے اوپر مسجد کے پاس سے اوپر چڑھ کر بازار مین داخل ہوئے، آگے آگے قوماندان صاحب، ان کے پیچھے رئیس صاحب بلدیہ، پھر مہمان، سب سے پیچھے ہمارے ساتھ کے سپاہی بازار سے گذرے، دوکانین سب کھلی تھین، چھوٹی چھوٹی معمولی دوکانین تھین، بعض دوکانون پر چھینٹ کی قسم کے ادنیٰ کپڑے بک رہے تھے، زیادہ تر دوکانین پوستینون کی تھین، چھوٹی پوستینین جنکو شلوکہ کہتے ہین پندرہ روپئے کو اور بڑی بیس پچیس کو بکتی تھین، بالائی حصہ زرد رنگ کا تھا، آستینون پر اور گلے پر ریشمی تاگے کا کام بنا تھا،

ہم جس دوکان کے سامنے گذرتے دکاندار کھڑے ہوجاتے اور السلام علیکم کے بعد "ماندہ نباشی" (تھکے نہون) کہتے، یہ یہان مہمانون کے لئے خیر مقدم کے الفاظ ہین،

دوکاندارون مین ہم نے تعجب کیساتھ ہندؤن اور سکھون کو بھی دیکھا، جنکے سرون پر زرد پگڑیان بندھی تھین، معلوم نہین یہ کب سے یہان آباد ہین،

اردو گراموفون بازار دو فرلانگ کے قریب لمبا تھا، اور پرسے پرانے شہرون کے بازارون کی طرح یہ بھی مسقف تھا، بازار کو ایک سرے سے دوسرے تک ختم کر کے، اسکی پشت کی سڑک سے ہم واپس آئے، ادھر بھی بازار مذکور کی پشت سے لگی ہوئی صرف ایک سمت مین دوکانین تھین، درمیان راہ مین ایک دوکان سے گراموفون کے بجنے کی آواز آرہی تھی، غور جو کیا تو ریکارڈ کا گانا تمامتر اردو تھا، کابل مین تو اردو زبان ثانی کی حیثیت رکھتی ہے، اور ہندوستانیون کی کثرت کی وجہ سے اس پر تعجب نہین ہو سکتا، لیکن غزنین مین جہان شاید ہی کوئی ہندوستانی ہو، اردو کی اس جہانگیری پر تعجب ہوا،

مسجد اس دوسری سڑک پر سے چل کر ہم اس مسجد تک پہنچ گئے جسکا تذکرہ پہلے کیا ہے، ظہر کا وقت ہو چکا تھا، چاہا کہ اس مسجد مین جا کر نماز ظہر ادا کرون، مسجد بلندی پر تھی، اوپر زینہ سے چڑھکر مسجد مین داخل ہوا، ظہر کی جماعت ہو رہی تھی، مگر یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ وہان وضو کا کوئی سامان نہ تھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نیچے سڑک کے کنارے نہر جو رہی ہے، وہی گویا مسجد کا حوض ہے، اور اسی لئے یہان کسی دوسرے سامان کی ضرورت نہ تھی، ناچار یون ہی مسجد سے واپس آگیا،

یہ مسجد مٹی کی خام بنی ہوئی تھی، دیوارین بھی کچی تھین اور چھت اور فرش بھی،

سرکاری مہمانخانہ غزنین کا سرکاری مہمانخانہ شہر سے الگ ایک بلندی پر واقع ہے، عمارت خاصی ہے، کمرے وسیع ہین، ہر کمرہ اوسط درجہ کے فرنیچر سے آراستہ ہے، ایک لمبا ہال ملاقات اور کھانے کے کمرہ کے لیے ہے، چند کمرے مہمانون کے سونے اور آرام کرنے کے لئے ہین، کمرون مین فرش، مسہریان، بستر، پردے سب باقاعدہ لگے تھے،

واپس آکر کھانا کھایا گیا، چائے پی گئی، مہمانی کے فرائض رئیس صاحب بلدیہ بہت خوبی اور اخلاق سے ادا کر رہے تھے، کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد کچھ دیر ہم نے آرام کیا، پھر غزنین کے مزارات اور بقیہ عمارات کے دیکھنے کی تیاری کی گئی، ۴ بجے کے قریب ہم شہر کی زیارت کو نکلے،

پرانا غزنین ہم غزنین کو اپنی کہنہ و فرسودہ دلی کی طرح آباد سمجھتے تھے، اور یہ خیال تھا کہ مرمٹنے کے بعد یہ زندہ ہوگا، مگر یہ دیکھکر اور سنکر کس قدر افسوس ہوا کہ صدیون سے پرانے غزنین کا نام و نشان بھی باقی نہین، تاریخون مین یہ پڑھا تھا کہ غزنویوں کے اخیر دور مین علاؤالدین غوری نے غزنین کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا، اور اسی لیے اس کا نام "جہان سوز"

پڑگیا تھا، مگر اس سے یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایسا برباد کر دیا گیا تھا، کہ اسکی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ پر باقی نہیں رہی تھی،

علاء الدین جہانسوز چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں غزنویوں کا زوال اور غوریوں کے اقتدار کا آغاز ہو چکا تھا، اس خاندان کی چھٹی پشت پر عباس نامی ایک دلیر و سفاک بہادر پیدا ہوا جس نے اس خاندان کی بنیاد رکھی اور اس کی نویں پشت پر ملک عز الدین حسین ہوا، جس نے غور کے کوہستان میں ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈالی، اس کے سات نامور بیٹے ہوئے، ان میں سے ایک کا نام قطب الدین محمد، دوسرے کا نام سیف الدین سوری، اور تیسرے کا نام علاء الدین حسین تھا، قطب الدین محمد کا لقب ملک الجبال تھا، یہ قطب الدین اپنے بھائیوں سے خفا ہو کر غزنین چلا آیا، اور اپنی داد و دہش اور حسن سیرت و صورت کی بنا پر یہاں بہت ہر دلعزیز ہو گیا، یہ بہرام شاہ غزنوی (۵۱۲ھ تا ۵۴۷ھ) کا زمانہ تھا، سلطان نے حاسدوں کے کہنے سننے سے قطب الدین سے بدگمان ہو کر اس کو قتل کرا دیا، علاء الدین حسین نے بھائی کے انتقام کی خاطر غزنین پر حملہ کیا، اور فتح کر لیا، بہرام شاہ بھاگ کر ہندوستان چلا گیا، علاؤ الدین اپنے چھوٹے بھائی سیف الدین سوری کو غزنین کے تخت پر بٹھا کر غور واپس چلا گیا، بہرام شاہ نے موقع پا کر پھر غزنین پر قبضہ کر لیا، اور سیف الدین کو گرفتار کر کے بڑی ذلت سے مروا ڈالا، علاء الدین نے جو یہ سنا تو غصہ سے آگ بگولا ہو گیا، اور ایک لشکر جرار لے کر غزنین پہنچا، بہرام شاہ اسی اثنا میں ۵۴۷ھ میں وفات پا گیا، اور اسکی جگہ اس کا بیٹا خسرو شاہ بیٹھا، وہ غوری لشکر کی تاب نہ لا سکا، اور بھاگ کر لاہور چلا گیا، علاؤ الدین نے غزنین پر قبضہ کر کے قتل عام کا حکم دیدیا، اور شہر میں آگ لگا دی، سات روز تک مسلسل شہر جلتا رہا، سلطان محمود، سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کے سوا تمام سلاطین غزنوی کی قبریں تک اکھاڑ کر ان کی ہڈیاں آگ میں جلائیں، مورخین کا بیان ہے :-

علاء الدین بقہر شہر غزنین بگرفت و ہفت شباں روز غزنین را آتش زد، و بسوخت و مکابرہ فرمود، راوی چنیں میگوید کہ دریں ہفت شباں روز از کثرت سواد دود چناں ہوا مظلم بود کہ شب را نستی و شب از شعلہائے آتش کہ شہر غزنین می سوخت ہوا چناں روشن می بود کہ بروز مانستے، و دریں ہفت شباں روز دست کشاد و غارت و کشتن و مکابرہ بود و ہر کرا از مرداں یافتند بکشتند و عورات و اطفال را اسیر کردند،

وفرمان داد تاکل سلاطین محمودی را از خاک برآوردند وبسوختند مگر سلطان محمود وسلطان مسعود وسلطان ابراہیم را . . . . . چوں ہفت روز درگذشت وشب ہشتم شد وشہر تمام خراب وسوختہ وخلق کشتہ وجلا گشت ،

علاؤالدین تیغ زن کے ساتھ سخنور بھی تھا، اس نے اس جشنِ مسرت میں اپنے فخر میں ایک نظم کہی، اور ایک طرف جب شہر میں قتل عام ہو رہا تھا، اور عمارتیں جل کر خاک ہو رہی تھیں، غور کا یہ نیرو مجلسِ عشرت میں بیٹھا قوالوں کی زبان سے اپنا وہ فخریہ سُن رہا تھا،

جہان داند کہ من شاہِ جہانم چراغِ دودۂ عباسیانم[1]
علاؤالدین حسین بن حُسینم کہ دائم باد ملکِ خاندانم
چو بر گلگونِ دولت بر نشینم یکے باشد زمین و آسمانم
ہمہ عالم بگردم چوں سکندر بہر شہرے شہِ دیگر نشانم
برآں بودم کہ از اوباشِ غزنین چو رودِ نیل جوئے خوں برانم
ولیکن گندہ پیرانند و طفلان شفاعت میکند بختِ جوانم
بہ بخشیدم بدیشاں جانِ ایشاں کہ بادا جانِ شاں پیوندِ جانم

دنیا نے اس علاء الدین کو اسکی اس سنگدلی کا یہ بدلہ دیا کہ زبانِ خلق سے اس کو جہان سوز کا لقب دلوایا، جو آج تک اس کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے،

پرانے غزنین کی تباہی و بربادی کی یہ مختصر داستان ہے، جو ۵۴۶ھ اور ۵۴۷ھ میں وقوع پذیر ہوئی،

نیا غزنین | پرانا غزنین غوریوں کے پورے ایامِ حکومت میں، پھر تاتاریوں اور تیموریوں کے زمانہ میں بھی اسی طرح بے نام ونشان رہا، معمولی سی آبادی جو باقی رہ گئی تھی کہتے ہیں کہ ایک سال کی سخت برف باری میں وہ بھی مٹ گئی، عبدالکریم علوی نے تاریخ احمد شاہ درّانی میں (جو زیادہ تر امام الدین حسینی کی تاریخ سے جو ۱۲۱۴ھ میں لکھی گئی تھی، ماخوذ ہے،)

[1] عباس غوری کی طرف اشارہ ہے،

غزنین کے حال میں لکھا ہے :-

"از قلعہ ششگاؤ بیلدۂ غزنین می رسند، وآں سابق مکان تخت نشین سلطان محمود غزنوی بود، در زمان ماضی آبادی بسیار داشت، یکبار براں چنداں برف بارید کہ تمام شہر زیر آں خراب شد، بجز چند کس زندہ نماند، ازاں زمان آں شہر آباد نشد، الحال مردم تاجیک و افغان اندرون قلعہ قریب دو سہ ہزار خانہ آباد اند" (ص۳۴)

موجودہ شہر غزنین احمد شاہ ابدالی کے جانشین تیمور شاہ المتوفی ۱۲۰۷ھ کی تعمیر ہے، مٹی کا ایک بلند حصار ہے جس کے اندر موجودہ شہر آباد ہے، حکومت افغانستان میں اس کی حیثیت اول درجہ کے شہروں میں نہین، اور نہ یہان گورنر رہتا ہے، جس وادی مین یہ شہر آباد ہے، بہت بڑی وسیع وادی ہے، جس میں یقیناً بہت بڑا شہر آباد ہو سکتا ہے، اور مختلف صوبوں کے درمیان اسکی جائے وقوع تجارتی حیثیت سے اس کو تھوڑی توجہ سے بہت بلند کر سکتی ہے،

ملا قربان غزنین کے کونون، گوشون، ڈھیرون، اور قبرون کے واقف کار، ملا قربان نامی ایک پیر فرتوت بزرگ ہین، مقامات کے دیکھنے کے لئے نکلنے سے پہلے سرور خان نے ملا قربان کو یاد کیا، وہ بزرگ کیا آئے کہ گویا غزنین کی کہانیون اور روایتون کی ایک زندہ کتاب ہاتھ آگئی، عمر اسّی نوے کے قریب ہوگی، کمر خمیدہ، منھ میں دانت نہیں، ہاتھ مین جریب، وہ اس شان سے آئے، اور غزنین کی بربادی وتباہی کی داستان سنانے اور یہان کے بزرگون کے نام ونشان بتانے لگے، بہرحال اس خضر کی رہنمائی مین ہم پرانے غزنین کی سیر کو نکلے،

غزنین کے آثار باقیہ موجودہ شہر سے کئی میل دور وہ مقام ہے جو سلاطین محمودی کا پایۂ تخت تھا، اور اس مقام کی بالکل مخالف سمت موجودہ شہر کی دوسری طرف غزنین کا پرانا گورغریبان ہے، قدیم آثار باقیہ مین یہاں اب صرف چند چیزین باقی ہین، حکیم سنائی، سلطان محمود، سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کے مزارات، اُن کے علاوہ ایک مزار حکیم بہلول دانا کی طرف منسوب ہے، اور بعض دوسرے بزرگون کے مزارات ہین، شاہی عمارتون کے سلسلہ مین صرف

چند منار کھڑے دکھائی دیتے ہیں،

حکیم سنائی کا مزار، حکیم و شاعر اقبال کو حکیم شاعر سنائی کے مزار دیکھنے کا سب سے زیادہ اشتیاق تھا، مہمانخانہ سے نکل کر پیادہ ہم حکیم موصوف کے مزار کی طرف چلے، یہ مزار موجودہ آبادی کی پچھم طرف آبادی سے ہٹ کر، عام مسلمانوں کے گورغریبان میں واقع ہے، عام شاہراہ کی سڑک چھوڑ کر ایک فرلانگ تک دو سرا راستہ گیا ہے، مقبرہ سے باہر چند پتھر کی قبرین ہیں، جنمین سے بعض پر متاخر زمانہ کے کتبے لگے ہیں، حکیم سنائی کا مقبرہ ایک چھوٹے سے احاطہ کے اندر ہے، پہلے مختصر سا صحن ہے جس میں بھی چند قبرین ہیں، ایک قبر پر لکھا ہے، کہ "یہ حکیم سنائی کے خادم خاص کی قبر ہے" اس کے بعد خود حکیم کے مزار کی عمارت ہے، اوپر گنبد ہے، نیچے پختہ قبر ہے، مزار کے اندر جانے کے لئے صرف ایک چھوٹا سا دروازہ ہے، قبر پختہ ہے اس کے اوپر پتھر ہے، جس میں بخط عربی، حکیم ممدوح کی تاریخ وفات منقوش ہے، پوری عبارت تو مین نے لکھی نہیں، یادگار کے طور پر جو سطرین لکھ لی تھین وہ حسب ذیل ہیں:-

كان وفات الشيخ العالم الفاضل العارف قطب المحققين، طوطی شکرستان فصاحت، بلبل بوستان بلاغت، مظهر اسرار روحانی، مطلع انوار....

الشيخ.... يعنی مجد ود الدين السنائی، سنة خمسمأة وخمس عشرين"

گذشتہ سال کے معارف مین حکیم سنائی کی تاریخ وفات پر خاکسار کا ایک مضمون نکلا تھا، جسمین موصوف کی وفات ۵۴۵ھ مین ثابت کیگئی تھی، بعض محققین حال ۵۲۵ھ کی تاریخ ثابت کرتے ہیں، اس کتبہ مین حضرت جامی وغیرہ کی عام روایت کے مطابق ۵۲۵ھ کی تاریخ وفات درج ہے، اگر یہ محقق ہوسکتا کہ یہ کتبہ حکیم کی وفات کے بعد ہی زمانۂ قدیم مین لگا ہے، تو اس سال وفات کے قبول کرنے مین کیا عذر ہوسکتا تھا، مگر جہان تک قیاس ہے، یہ کتبہ بہت بعد کو لگایا گیا ہے، اور اس مین وہی حضرت جامی کی بتائی ہوئی مشہور تاریخ لکھدی گئی ہے، واللہ اعلم،

مزار کے اندر پہنچکر بطریق مسنون دعا پڑھی،

حکیم سنائی کی جلالت شان سے کون واقف نہیں، ہم سب اس منظر سے متاثر تھے، مگر ہم مین سب سے زیادہ اثر

ڈاکٹر اقبال پر تھا، وہ حکیم ممدوح کے سرھانے کھڑے ہو کر بے اختیار ہوگئے، اور دیر تک زور زور سے روتے رہے، اللھم اغفرلہ وارحمہ، یہ تو فقیرون کا جھونپڑا تھا، یہان سے نکل کر بادشاہون کے محل کی طرف جانے کا خیال ہوا، سڑک پر موٹرین کھڑی تھین، یہان سے سڑک تک پیادہ چل کر موٹرون تک پہنچے،

افغانی سوارون کا دستہ سڑک پر پہنچے ہی تھے، کہ اتفاقاً افغانی سوارون کا ایک مختصر دستہ سڑک سے گذرا، گھوڑون کی شکل وصورت اور شرارت، سپاہیوں کی عمدہ اور صاف وردیان، ان کی ہیبتناک اونی ٹوپیان، اور اسلحہ کی چمک دمک دیکھکر ہمارے قومی جسم مین خون دوڑنے لگا، شگون نیک یہ لیا کہ سلطان محمود کے مزار پر جانے کا خیال ہے، اور سلطان کے خیالی جلوس کی سواری ہے، کاروانِ رفتہ کا یہ نشانِ قدم بھی بسا غنیمت معلوم ہوا، آج جبکہ بڑے بڑے کشور کشا سلاطینِ اسلام غیر ملکی تسلط کی ذلت سے اپنی قبرون مین بیچین ہونگے، یمین الدولہ کہف الاسلام سلطان محمود اپنی قومی حکومت کے زیر سایہ آرام کی نیند سو رہا ہے،

قدیم غزنین میں موٹر مین ملا قربان ہمارے ساتھ تھے، وہ ہر جگہ اپنے سنے سنائے معلومات کا اظہار کرتے جاتے تھے، اصلی اور پرانا غزنین، موجودہ آبادی کے پورب طرف ہے، میرے اندازہ مین یہان سے دو تین میل کے فصل پر واقع ہوگا، ادھر ادھر منتشر طور پر ٹیلے دکھائی دیئے، بعض کچے مکانات آباد بھی معلوم ہوئے، سب سے پہلے دو آمنے سامنے بلند مینارے نظر آئے، ان دونون منارون کے بیچ مین شاید ڈیڑھ فرلانگ کا فرق ہوگا، ملا قربان نے کہا یہ سلطان محمود کے وقت کے دو مینارے ہین، ان پر اس زمانہ مین جب سلطان کی سواری نکلتی تھی نقارے بجتے تھے، یہ دو مینارے پتلی لکھوری اینٹون کے تھے،

آگے بڑھکر سڑک سے ہٹکر ایک ٹیلہ پر ایک مزار کا قبہ دکھائی دیا، ملّا نے بتایا کہ یہ بہلول دانا کا مزار ہے، پھر دوسری طرف ایک گنبد نظر آیا، یہ بھی سڑک سے ہٹا ہوا تھا، ملّا نے کہا کہ یہ سلطان ابراہیم غزنوی کا مزار ہے۔ اس سے آگے ایک اور قبہ ملا، جس کی نسبت یہ اطلاع دی گئی کہ یہ سلطان محمود کے باپ سلطان سبکتگین کا مزار ہے، یہ اپنی پرانی حالت مین تھے، اور لکھوری اینٹون سے بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے،

سلطان محمود کا مزار موجودہ غزنین سے سلطان کے مقبرہ تک سیدھی سڑک چلی گئی ہے، مزار کے قریب پہنچکر پہلے ایک مختصر سی آبادی ملی، اس کو طے کرکے ایک گلی سے مزار کے دروازہ کے قریب جاکر موٹرین کھڑی ہوئین، دروازہ سے پہلے ایک پہاڑی سے ایک چشمہ اوپر سے نیچے گرتا ہے، اور پھر کر اس مختصر آبادی کے لئے فطری واٹر ورکس کا کام انجام دیتا ہے، نیچے پتھر کا بنا ہوا ایک شیر کا دہانہ ہے اسی دہانہ سے ہوکر یہ پانی نیچے گرتا ہے، ملّا نے کہا یہ چشمہ بہت پرانا ہے، اور سلطان کے زمانہ سے جاری ہے، سرور خان نے فرمایا یہی وہ کاریز ہے جسکا ذکر فلان شاعر کے شعر مین آیا ہے، (شعر مجھے یاد نہیں رہا)

نہر مذکور سے چند قدم کے فاصلہ پر مزار کا بڑا اور بلند دروازہ ہے، اس کے بعد ایک چھتہ ہے جس کو طے کرکے ایک مختصر باغ مین پہنچے، باغ کے ایک طرف سلطان کے مزار کا گنبد نظر آیا، اندر داخل ہوئے تو سلطان کی قبر نظر آئی، آہ! یہ اس سلطان کی قبر ہے جو دیوار چین سے لیکر سومنات گجرات تک کے ملکون پر فرمانروا تھا، جس کی ہیبت وجلالت سے بڑے بڑے گردن کش سر اطاعت جھکا دیتے تھے، جس نے دنیا کے خزانون کو غزنین کے گوشہ گوشہ مین بکھیر دیا تھا، جس کے لشکر کے گھوڑون کی ٹاپین، درۂ خیبر اور درۂ کوہاٹ کی پہاڑیون، سندھ اور راجپوتانہ کے بے آب وگیاہ صحراؤن، اور بحر عرب کے ساحلون، ترکستان وخوارزم کی وادیون، خطا وختن کے میدانون، اور ایران کے خیابانون کو دم کے دم میں طے کر تی تھین جس کے سپاہی گرمیون کا موسم ایران وترکستان کے فتوحات مین اور سردی کے دن ہندوستان کے زیرو زبر کرنے مین بسر کرتے تھے، جس کے دربار مین شعرائے غزنوی کا وہ جھرمٹ لگا رہتا تھا، جس کی شکر دہنی سے آج فارسی زبان دنیا کی غیر فانی زبان بنگئی ہی، آج وہ سلطان کس بیکسی وبیچارگی کے عالم مین ایک سنسان باغ کے اندر یکہ وتنہا خاک کے بستر پر دراز ہے،

تخیل کے کانون کو فرخی کا مرثیہ، مزار کی زبانِ حال سے اب تک سنائی دے رہا تھا،

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار ‌ ‌ ‌ ‌ چہ فتاد است کہ امسال دگرگون شد کار

ملک امسال دگر باز نیامد ز غزا ‌ ‌ ‌ ‌ دشمنے روے نہادہ است درین شہر و دیار

سیر می خوردہ مگر دی کہ بخفتہ است امروز ‌ ‌ ‌ ‌ دیر تر خاست، مگر رنج رسیدش ز خمار

خبر شاہا کہ رسولانِ شہان آمدہ اند ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار

کر قوا ند کہ برانگیزد ازین خواب ترا خفتنی خفتنی، کز خواب نگردی بیدار

خفتن بسیار اے خواجہ خوی تو نبود ہیچ کس خفتہ ندیداست ترا زین کردار

یکدمک بارے در خانۂ بالیست نشست تا بدیدند روی تو عزیزان و تبار

بحصارہ از فزع و بیم تو رفتند شہان تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بحصار

شعرا را تو باز ار برا فروختہ بود رفتی و با تو بیکبارہ برفت آں بازار

مزار کے اوپر جو گنبد بنا ہے اس کو امیر حبیب اللہ خان مرحوم نے ۱۳۲۳ھ میں بنوایا ہے، جبکا کتبہ بخط نستعلیق فارسی مین سنگ مرمر کے ایک پتھر پر دیوار کے اندر لگا ہے، مگر خود قبر سلطانی غالباً عہد قدیم کی تعمیر ہے، کیونکہ اس کے اوپر سلطان کی تاریخ وفات اور کلمات دعائیہ جس عربی خط مین لکھے ہوئے ہین، وہ خط کوفی کے مشابہ ہے، اور زبان بھی خالص عربی ہے، یہ عبارت قبر کے اوپر اور قبر کے ہر چہار طرف اسی خط مین لکھی ہوئی ہے، جبکا پڑھنا آج بہت آسان نہیں ہے، روا روی مین میں نے صرف ایک سمت کی عبارت پڑھی، جسمین سلطان کی وفات کی تاریخ منقوش ہے،

نومن برحمة الله

علیہ ونور

حفرته وابیض وجهه

عشیة یوم الخمیس لسبع بقین من شهر ربیع الاخر،

لسنة احدی وعشرین واربع مائة

ترجمہ: - ہم کو ایمان ہے کہ خدا نے اس (مرحوم سلطان) پر رحمت فرمائی ہے، اسکی قبر کو خدا منور کرے، اور اسکے چہرے کو روشن کرے،

۱؎ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے سفرنامۂ افغانستان میں اس کتبہ کو اسطرح پڑھا ہے ویوم الخمیس سبع عشرین ربیع الاخر سنۃ احدی عشر واربعمائۃ ۱۷ (روز پنجشنبہ ۱۷ ربیع الآخر ۴۱۱ھ) اور یہ پڑھکر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ سلطان کی وفات اس تاریخ کو ہوئی جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی تاریخ وفات ہے (یعنی سترہ) مگر موصوف کی یہ خوشی بجا نہیں، اُنسے کتبہ کی عبارت پڑھنے میں سہو ہوا ہے،

پنجشنبہ کی شام کو ربیع الآخر کی سات راتین باقی تھین (یعنی ربیع الآخر کی تیئیس ۲۳ تھی)

سنہ ۴۲۱ھ

سلاطین غزنوی کی قدیم ترین تاریخ زین الاخبار مین بھی یہی تاریخ لکھی گئی ہے،

"وفات امیر محمود رحمۃ اللہ علیہ روز پنجشنبہ بود بست وسوم ماہ ربیع الآخر سنہ احدی وعشرین واربع مائۃ" (ص۹۲ برلن)

حضرت داتا گنج بخش لاہوری کے والد بزرگوار کا مزار

ان شاہی مزارات کی زیارت سے لوٹے، تو ڈاکٹر صاحب کو لاہور کی مناسبت سے حضرت داتا گنج بخش لاہوری جنکا مزار لاہور میں ہے، ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی تلاش ہوئی، ملا قربان نے کہا میں وہ مزار جانتا ہون چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق موٹر نے پرانے غزنین کے ویران وسنسان میدانوں کو طے کرنا شروع کیا، اور آخر ایک مقام پر پہنچکر توقف کیا، آگے موٹر کا راستہ نہ تھا چنانچہ ملا صاحب مع ڈاکٹر صاحب وغیرہ اتر کر پیادہ گئے، اور زیارت کرکے واپس آئے، مین درد سینہ کی شکایت کے سبب سے نہ جاسکا،

لاے خوار کا مزار

حکیم سنائی کی توبہ کی حکایت کے سلسلہ مین ایک مجذوب فقیر لاے خوار کا ذکر آتا ہے جس نے کہا تھا، کہ "بکوری سنائی می خورم" کہ سنائی سے بڑھکر بیوقوف کون ہوگا، جو اپنے ہی جیسے انسانون کی مدح وستایش مین خرافات نظم کرتا ہے، اور اُن کو جاکر سناتا ہے، حکیم پر اس مجذوب کے اس فقرہ کا اثر ہوا، اور توبہ کی، ملا قربان موجودہ غزنین کے بازار سے گذرتے ہوئے ایک گلی سے ایک مسجد کے اندر لے گئے، اور بتایا کہ یہ اُس لاے خوار کا مزار ہے،

غزنین کی رات

قریب شام ان مقامات کی سیر وزیارت سے فراغت ہوئی، سردی شروع ہوچکی تھی، غزنین کابل سے بھی ایک ہزار فیٹ بلند ہے، اس لئے یہاں کابل سے بھی زیادہ سردی ہے، مغرب کا وقت آیا تو انگیٹھیون کا سامان ہوا،

ساتھ کے سرکاری خدام نے کھانا تیار کیا، اور ۸ بجے شب کے قریب میز پر کھانا چنا گیا ادہی کابل کے کھانے تھے، غزنین کے سردے بھی عمدہ ہوتے ہین، کھانے اور نماز سے فارغ ہوکر، سلطان محمود کے غزنین مین شب بسر کرنے کے لئے بسترون پر دراز ہوئے۔

(باقی)

عالم برزخ

از

مولوی سید محمد طٰہٰ صاحب اشرف قادری المتویؒ

رسالہ جامعہ ماہ نومبر ۱۹۳۳ء مین بسلسلۂ تنقید سیرت حافظ اسلم صاحب جیراجپوری نے اپنی قرآن دانی اور قرآن فہمی کا جو نمونہ پیش کیا ہے، وہ اُن کے تمام مضامین مین یقیناً شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے،

چونکہ یہ بحث بھی اسلام کے عقائد مسلمہ سے متعلق ہے، اور اس سلسلہ مین بھی حافظ صاحب نے سلف صالحین اجماعِ امت، اور تواتر احادیث کے خلاف قرآن کے غلط معانی و مطالب سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے، اور اسی پر بس نہین کیا ہے، بلکہ انبیا علیہم السلام اور خود سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مین بھی بے ادبی کی ہے، اس لئے اس پر خاموشی نہین اختیار کیجا سکتی،

حافظ صاحب کو خدا جانے کن جذبات کے ماتحت سیرت کی اس جلد سے، سب سے پہلی شکایت یہ پیدا ہوئی ہے

"سیرت کی ہمہ گیری نے تاریخی حدود سے آگے بڑھکر دین پر بھی قبضہ جما لیا"

اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو قرآن کریم بھی اس کی زد سے نہین بچ سکتا، اس لئے کہ قرآن دینیات بھی ہے، مغازی و سیرت بھی، مواعظ و حکم بھی ہے، تمدن و معاشرت کا رہنما بھی، اگر سید صاحب نے، قرآن کے نقش قدم پر، سیرت کی روشنی مین عقائد اسلامی کی تشریح کی ہے، تو کیا بُرا کیا؟

اصل یہ ہے کہ حافظ صاحب احادیث و سیرت کو دین و مذہب سے علٰحدہ کرنا چاہتے ہین، حالانکہ وہ قرآن کے نزدیک عین دین و ملت ہے،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ ۔۔۔ بے شک تم لوگوں کے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حَسَنَۃٌ، (احزاب-۲۱) کی ذات گرامی) میں بہترین نمونہ ہے۔

کا منشا یہی ہے، اور ایمان و اسلام کے قرآن کے نزدیک یہی معنی ہیں، کہ ہمیشہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کیجائے، اپنے ہر شعبۂ زندگی کے لئے حضور کی ذات اقدس میں نمونہ تلاش کیا جائے، اور اپنے تمام اعمال و افعال اور عقائد و خیالات کا اسوۂ حسنہ کی روشنی میں جائزہ لیا جائے، اس لیے سید صاحب کی یہ مبارک کوشش مسلمانِ عالم کے نزدیک لائقِ صد تحسین اور مستحقِ شکریہ ہے،

حافظ صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس جلد میں سید صاحب نے عقائد کی تشریح میں قرآن سے زیادہ مدد لی ہے، لیکن چونکہ وہ سلف کے خیال کے قدم بقدم پیرو ہیں، اس لئے ان کے مسلک کی موافقت کی غرض سے آیات کی بعض جگہ ایسی تاویلیں کی ہیں جنکو قرآن قبول نہیں کرتا"

سید صاحب نے عقائد کی تشریح میں، اسلاف صالحین کے اتباع میں قرآن سے استشہاد کیا تو ایک ناقابلِ معافی جرم ہو گیا، لیکن سوال یہ ہے، کہ اسلاف صالحین اور اجماعِ امت کی مخالفت کس قرآن سے جائز ہے؟ قرآن نے ایسے اختلاف و افتراق سے تو نہایت شدت سے روکا ہے، اور "ڈیڑھ اینٹ" کی مسجد بنانے کی نہایت سختی سے ممانعت فرمائی ہے، کیا

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا   اور اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو متفق ہو کر مضبوط پکڑے رہو،

(آل عمران ۱۱/۴)   اور آپس میں نااتفاقی مت کرو،

کے یہی معنی ہیں؟ کہ ہر بات میں تمام دنیائے اسلام سے اختلاف اپنا طرۂ امتیاز بنالیا جائے؟!

مسئلۂ تقدیر میں نے اپنے گذشتہ مضمون "معجزات رسول" میں حافظ صاحب کی ذات سے جن خطرات کا اظہار کیا تھا اور میرے دل میں جن باتوں کی کھٹک پیدا ہوئی تھی، اسکا نمونہ پیش نظر ہے، انکار کی جرأت بڑھتے بڑھتے اب یہاں تک نوبت آگئی، کہ مسئلۂ تقدیر کو، جسکا اعادہ قرآن میں بار بار ہوا ہے، اور جسکا ذکر قرآن میں بکثرت موجود ہے، محض اسوجہ سے

عقائد مین جگہ دینے سے انکار ہے، کہ اس کا ذکر ایمانیات کے سلسلہ مین کہین نہین آیا ہے، جب خدا کی کتاب پر ایمان لانا جزو ایمان ہے، تو پھر مسئلہ تقدیر پر، اور اُن مسائل پر جنکا ذکر قرآن مین موجود ہے، ایمان نہ لانا، اور ان کا استثنا کس منطق کے رو سے درست ہے،

حشر و نشر، جزا و سزا، دوزخ و جنت، اور بیسیون قرآنی مسائل ایسے ہین جنکا ایمانیات کے سلسلہ میں ذکر نہین، لیکن کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جس کا ان پر ایمان اور عقیدہ نہ ہو، اور کسی کی مجال نہین کہ انکار کر سکے،

سید صاحب پر اور اسلاف اہل سنت پر ان کا یہ اعتراض ہے، کہ وہ مسئلہ تقدیر کو عقائد مین کیون شامل کرتے ہین لیکن وہ خود عقائد خمسہ قرآنی (اللہ، ملائکہ، کتب، رسل، یوم آخر) کے سوا دوسری باتون کو عقائد مین شامل سمجھتے ہین چنانچہ عالم برزخ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہین:-

"ہمارا مطالبہ یہ ہے، کہ چونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے، اس لئے اس پر قرآن کی نص صریح ہونی چاہئے، جسطرح ثواب دنیا، ثواب آخرت، عذاب دنیا، عذاب آخرت کی قرآن میں تصریحات ہیں، اسی طرح ثواب و عذاب برزخ کی بھی تصریح پیش کیجئے"

یعنی ثواب دنیا، ثواب آخرت، عذاب دنیا، عذاب آخرت کو عقائد مین داخل سمجھتے ہین، اور عذاب و ثواب برزخ کو نص صریح پیش کرنے کی صورت مین عقائد مین داخل کرنے کے لئے تیار ہین، حالانکہ ایمانیات کے سلسلہ مین تو ان باتون میں کسی ایک کا بھی ذکر نہین، کیا حافظ صاحب اپنے بیان کے تضاد کو دور کرنے کی کوشش کرینگے پھر لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم پر روایات یا اقوال سلف سے اضافہ کر دینا اس بات کا اعلان ہے کہ قرآن دینی ضروریات بلکہ عقائد تک کے لئے معاذ اللہ ناکافی ہے"

معترض خود اپنی زبان سے ناکافی کہتا ہے، اور ناکافی سمجھتا ہے، سلف اہل سنت بلکہ مسلمان تو یہ نہین کہتے وہ تو اپنے ہر عقیدہ پر قرآن سے ثبوت رکھتے ہین،

عالم برزخ

حافظ صاحب نے انکار حدیث کے لئے اب تک جو کچھ خامہ فرسائی کی ہے، اور جو کچھ دلائل و براہین پیش کئے ہین، وہ سب خبر احاد سے متعلق ہین، خبر متواتر سے انکار نہین لیکن اب تواتر بھی حافظ صاحب کے نزدیک کوئی

چیز نہیں، اسکی ایک مثال انکار معجزات مین ناظرین دیکھ چکے، دوسری مثال ثواب وعذاب برزخ کا انکار ہے، اس لئے کہ ثواب وعذاب برزخ کے ثبوت مین اگرچہ کوئی ایک روایت متواتر پیش نہین کیجاسکتی ہے، مگراس کثرت سے اس مضمون پر روایتین موجود ہین، کہ ثواب وعذاب برزخ علی التواتر ثابت ہے، جس طرح رکعات نماز اور طریقۂ نماز کے لئے کوئی ایک روایت متواتر نہین ہے، لیکن کثرتِ روایات سے یہ مضمون اس طرح بالتواتر ثابت ہے، کہ اختلاف اور شک کی ذرا گنجائش نہین، ایسی صورت مین حافظ صاحب کے اس انکار اور استہزاء کا اثر صرف اہل سنت اور اسلاف اہل سنت تک ہی منتہی نہین ہوتا، بلکہ صحابۂ کرام اور خود مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے،

حافظ صاحب کی ان تعلیمات کا سوائے اس کے کوئی نتیجہ نہین، کہ لوگون مین ضلالت وگمراہی اور تمرد وسرکشی بڑھے، فسق وفجور، معاصی وآثام پر لوگون کو دلیری ہو، قیامت اور عذاب وثواب قیامت کے غیر موقت ہونے کے باعث ایک تو ہر شخص یون ہی مطمئن تھا، اگرکچھ خوف تھا تو اپنی موت کا اور خطرہ تھا تو عذاب وثواب برزخ کا، جسکا اکثر وبیشتر دل مین خیال آتا رہتا ہے، اور جس کو ہر شخص صبح وشام کی بات سمجھتا ہے، لیکن اب تو یہ خطرہ بھی جاتا رہا، حافظ صاحب امن برزخ کا سرٹیفکیٹ مفت تقسیم کر رہے ہین، اور پروانۂ امن قرآن سے عنایت فرما رہے ہین، اس لئے لوگ نہایت دلیری سے "نقدے زہر از نسیہ خوشتر باشد" پر عمل کرینگے، بلکہ عجب نہین بعض پست ہمت اور پریشان حال لوگ مصائب دنیاوی سے گھبرا کر اس عالم پر عالمِ برزخ ہی کو ترجیح دین، جو حافظ صاحب کے خیال کے مطابق نہایت امن وامان کا عالم ہے، اور اس نیند کو جو میٹھی اور ابدی ہے، اپنی تلخ زندگی سے زیادہ پسند کرین،

ناقد کا بیان ہے،

"موت کے بعد سے لیکر قیامت تک مردے اپنے رب کی حضوری سے آڑ مین رکھے جاتے ہین، جسکا نام برزخ ہے، یہ غالباً فارسی لفظ پردہ کا معرب ہے، یہ عالمِ برزخ قرآن کے نزدیک مطلق عالم ممات ہے؛"

جب موت اور قیامت کی درمیانی مدت کو برزخ کہتے ہین، تو اُسے عالم ممات اور عالم آخرت کا جامع ہونا چاہیئے، کیونکہ لفظ برزخ سے ذہن ایسے ہی معنی کی طرف منتقل ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ "اعراف" جنت اور

دوزخ کے درمیان برزخ ہے یعنی نہ اوسے جنت کہہ سکتے ہین، نہ دوزخ، بلکہ ان دونون کی درمیانی حالت کو اعراف کہتے ہین، جس کے رہنے والے جنت کا بھی ایک حدتک لطف اٹھاتے ہین، اور دوزخ کی مصائب اور پریشانیون سے بھی گھبراتے ہین،

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۔ (اعراف ۵)

اور اعراف کے اوپر بہت سے لوگ ہونگے، کہ وہ لوگون کو ان کے چہرون سے پہچان لین گے، اور اہل جنت کو پکار کر کہین گے "السلام علیکم" (ابھی یہ اہل اعراف) جنت مین داخل نہ ہوے ہونگے، مگر اس کے خواہشمند ہونگے اور جب ان کی نگاہین اہل دوزخ پر جا پڑینگی، تو کہینگے خداوندا ہمین ان ظالمون کے ساتھ نہ کر،

یا جس طرح بندر کو انسان اور حیوان کے درمیان برزخ کہتے ہین، لیکن بندر مطلق حیوان نہین بلکہ خصائص انسانی کے بھی اسپر پرتو ہین، اسلئے مطلق "عالم ممات" کو برزخ کہا ہی نہین جاسکتا، ثبوت ملاحظہ ہو،

حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (المومنون ۶)

یہانتک کہ جب ان مین سے کسی کو موت آجاتی ہے تو کہتا ہے، اے میرے رب مجھکو پھر (دنیا مین) واپس کر دے تاکہ جس (دنیا) کو مین چھوڑ آیا ہون، اس مین (پھر جا کر) نیک کام کرون، ہرگز نہین، یہ ایک بات ہے جس کو وہ کہے جارہا ہے، اور اسکے آگے برزخ ہے قیامت کے دن تک

اس آیۂ کریمہ سے صاف ظاہر ہے، کہ مطلق عالم ممات کو عالم برزخ نہین کہا گیا، نیز یہ بھی تصریح موجود ہے کہ مرنے کے بعد مجرم کس طرح عذاب سے گھبراکر دنیا مین واپسی کی التجا کرتا ہے، اگر برزخ مطلق عالم ممات ہے، تو مجرم کا عذاب سے گھبراکر دنیا مین واپسی کی التجا کرنے کے کیا معنی؟ اور اُسے برزخ کہنا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

یہان اس تاویل کا بھی موقع نہین کہ یہ قیامت کا ذکر ہے، کیونکہ قیامت کا ذکر اسی آیت کے بعد علحدہ موجود ہے، اور اس آیت مین موت کے وقت کی صراحت کردیگئی ہے،

سید صاحب یا اسلاف اہل سنت عالم برزخ مین حیات جسمانی کے ہرگز مدعی نہین، حافظ صاحب نے اسلئے دوسری زندگی حشر کے دن ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ تحصیل حاصل ہے، ہان تواتر روایات، اور تصریحات قرآنی کی بناپر یہ ضرور مانتے ہین، کہ موت کے بعد ہی عذاب یا ثواب شروع ہوجاتا ہے، اور یہ ہرگز حیات برزخ کو مستلزم نہین، اس لئے کہ روح اور جسم مین وہ گہرے تعلقات ہین، کہ ان تعلقات ظاہری کے انقطاع کے باوجود، روح کے عذاب و ثواب سے جسم بھی متاثر اور لذت آشنا ہوتا ہے، گو خارج مین اس کا وجود اور اثر نہ ہو،

عالم برزخ کی جامع اور مانع مثال اس عالم مادی مین، عالم خواب سے بڑھکر دوسری نہین ہوسکتی اسلئے کہ نیند اور موت قریب قریب ایک ہی جنس کی چیزین ہین، فرق صرف اس قدر ہے کہ موت کی حالت مین جسم سے روح کو دائمی مفارقت ہوجاتی ہے، اور نیند مین عارضی، موت مین تمام تعلقات ظاہری منقطع ہوجاتے ہین، اور نیند مین کچھ نہ کچھ تعلقات باقی رہتے ہین، اسی لئے نیند اور موت دونون کو ایک ہی حکم مین رکھا گیا ہے،

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا — اللہ جانون کو ان کی موت کے وقت قبض کرلیتا ہے، اور جنکی

وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ، (زمر ۵) — موت کا وقت نہین آیا ہے ان کو ان کی نیند کے وقت،

پس جس طرح عالم خواب مین روحانی درد و تکلیف، رنج و محن کی اذیتون، اور روحانی آرام و عافیت، راحت و مسرت کی لذتون کو جسم محسوس کرتا ہے، حالانکہ ان کا نہ خارج مین وجود ہوتا ہے نہ اثر، حواس ظاہری معطل ہوتے ہین، انسان نہ آنکھون سے دیکھتا ہے، نہ ان کانون سے سنتا ہے، بظاہر نہ شعور ہے نہ احساس، اسی طرح عالم برزخ مین بھی عذاب و ثواب قرآن و حدیث کی تصریحات کے مطابق بالکل ہی قرین عقل ہے،

انکار عذاب و ثواب برزخ کے ثبوت مین حافظ صاحب کوئی دلیل اور نہ کوئی نص صریح پیش کرسکے، ان کے

تمامتر دلائل محض قیاس اور اجتہاد بے معنی پر مبنی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:-

"لیکن قرآن کریم عالم برزخ میں نہ زندگی بتلاتا ہے نہ شعور، نہ احساس، نہ علم، نہ دیکھنا، نہ سننا، نہ کسی قسم کا زمانہ اسلئے قرآن کی رو سے عالم برزخ میں عذاب یا ثواب کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا"

اسکے بعد انھوں نے عالم برزخ میں عدم حیات وشعور واحساس، بے خبری اور غفلت، عدم علم اور عدم سمع ثابت کرنے کے لیے چند آیتیں نقل فرمائی ہیں، جو مجرد اس قیاس کا نتیجہ ہیں:-

"یہ سمجھ لینا چاہئے کہ پوجے وہی لوگ جاتے ہیں جو بڑے درجہ کے ہوتے ہیں، مثلاً انبیاء و اولیاء کہ مشرکین انھیں کو اپنے اور خالق کے درمیان واسطہ بناتے ہیں"

اولاً تو یہ قیاس اور مشاہدہ کے خلاف ہے، اسلئے کہ مشرکین انبیا اولیاء مومنین اور "خدا والے" لوگوں کے تو دشمن ہوتے ہیں، نہ کہ پرستار، قرآن میں بھی ہے،

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا، (مائدہ ۱۱) تمام لوگوں سے زیادہ، ایمان والوں کا دشمن آپ یہود اور مشرکین کو پائینگے،

دوسرے یہ کہ صلحائے امت اور انبیاء موت کے بعد مطلق عالم ممات میں نہیں ہوتے، بلکہ شہدا کی طرح زندہ رہتے ہیں، جیسا کہ آئندہ ثابت ہوگا، اور بالفرض حافظ صاحب انبیاء اور صلحاء کی حیات برزخیہ کو تسلیم نہ کریں جب بھی یہ تو تسلیم کر چکے ہیں، کہ شہدا مرتے نہیں زندہ رہتے ہیں، اور اس حقیقت کے تسلیم کر لینے میں بھی انھیں مجال انکار نہیں کہ اکثر اولیا اور بعض انبیا شہید بھی ہوتے ہیں، ایسی صورت میں معترض کو اپنے اس غلط قیاس میں صلحاء اور انبیا کے ساتھ غیر شہید کی مضحکہ خیز تخصیص کا اضافہ کر دینا ضروری تھا، یا شہدا کی حیات برزخیہ سے بھی انکار ہی کر دینا تھا، کیونکہ مشرکین اگر بلا تخصیص شہید و غیر شہید ہر نبی اور ولی کو پوجتے ہیں تو شہداء کی حیات برزخیہ کا انکار بھی لازمی ہو اور اگر مشرکین بالتخصیص صرف انہیں اولیا اور انبیا کو پوجتے ہیں، جو شہید نہیں ہوتے ہیں تو یہ قیاس ان آیات کی رو سے تمامتر خلاف واقعہ ہو بلکہ شہیدوں کی پوجا بھی اسیطرح ہوتی ہو جس طرح ناقد کے زعم میں انبیا، اور اولیاء کی ہوتی ہو، تیسری وجہ اس قیاس کے باطل ہونے کی یہ ہو کہ یہ قیاس قرآن کے قطعاً منافی ہو اور حیرت ہے

کہ معترض اس دعوی ہمہ دانی کے باوجود اس بے معنی قیاس کی کس طرح جرأت کی، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مشرکین نعوذ باللہ انبیاء اور اولیاء ہی کو پوجتے ہیں تو پھر اس آیت کے کیا معنی ہونگے،

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ، لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ، (الانبیاء ۱۷/۷)

بیشک (اے مشرکین) تم اور جنکو تم خدا کے سوا پوجتے ہو سب کے سب جہنم کے ایندھن ہو، اور تم سب کے سب اس میں داخل ہو گے، اگر یہ (معبودان باطل) واقعی معبود ہوتے تو کیوں جہنم میں داخل ہوتے، اور کل (عابدین غیر اللہ اور معبودین غیر خدا) اس میں

مشرکین کا جرم تو ظاہر ہے، لیکن انبیاءؑ اور اولیاءؒ اگر پوجے بھی جاتے ہیں، تو اس میں انکی کیا خطا؟

حقیقت یہ ہے کہ جن آیتوں سے وہ اپنے مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں، اس کو اُن کے دعوی سے دور کا لگاؤ بھی نہیں، ان آیات میں نہ انبیاء اور اولیاء کا لفظ ہے، نہ قبر اور برزخ کا، اسلئے ان آیتوں سے اولیاء اور انبیاء یا ساکنان عالم برزخ مراد ہو ہی نہیں سکتے، بلکہ ان آیتوں کا روئے سخن انکی طرف ہے، جنکو مشرکین پوجتے تھے یا پوجتے ہیں، اور وہ کون ہیں؟ اس کے متعلق حافظ صاحب کے قیاس سے بالاتر قرآن کا فیصلۂ ناطق موجود ہے، جہاں نہ قیاس کی حاجت، اور نہ اجتہاد کی گنجایش،

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ، قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ (الشعراء ۱۹/۵)

آپ اُن لوگوں سے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کر دیجئے جب انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو انھوں نے کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں، اور انھیں (کی عبادت) کیلئے بیٹھے رہتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ تمھاری سنتے ہیں، جب تم ان کو پکارتے ہو، یا تمھیں کچھ نفع پہنچا سکتے

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثَى تِلْكَ

کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے مناۃ کے متعلق غور کیا؟ کیا تمھارے لئے تو بیٹے ہوں، اور خدا کے لئے بیٹیاں؟ ایسی

إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ، (النجم ۲۷/۱)

صورت مین تو یہ نہایت بے ڈھنگی اور مہمل تقسیم ہوئی، یہ (لات اور عزی اور منات) صرف نام ہی نام ہین، جنکو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے مقرر کر لیا ہے، خدا نے تو ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل اتاری نہین،

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا (عنکبوت)

تم لوگ خدا کو چھوڑ کر صرف بتون کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتین گڑھ لیتے ہو، تم جن کو خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تمھارے رزق کا بھی اختیار نہین رکھتے،

جسطرح ان آیتون مین تصریح کے ساتھ بتونکی مجبوری اور بیچارگی دکھلائی گئی ہے، کہ مٹی اور پتھر کی بنائی ہوئی بے جسم و جان مورتین، جنھین تم پوجتے ہو، وہ نہ تمھاری دعاؤن کو سنتی ہین، نہ تمھین کسی طرح کا نفع اور ضرر پہنچا سکتی ہین، نہ ان کے ہاتھون مین تمھاری روزی ہے، اسی طرح حافظ صاحب کی پیش کردہ آیات کا بھی اس سے زیادہ کوئی منشا نہین،

غرض ان کے اس قیاس سے ان پر صرف یہی جرم عائد نہین ہوتا، کہ انھون نے تصریحات قرآنی کے خلاف محض قیاس اور اجتہاد سے کام لیا، بلکہ اس سے بڑا جرم یہ ہے، کہ انھون نے صلحاء و اولیاے امت اور انبیا علیہم السلام کی شان مین دیدہ و دانستہ بے ادبی کی، جو یقیناً مسلمانان عالم کے نزدیک لائق عفو نہین ہو سکتی، اس لئے کہ مشرکین اور ان کے معبودان باطل کی مقررہ اور مجوزہ سزا سے کون مسلمان واقف نہ ہوگا، محض اثبات مدعا کے لئے اولیاء اور انبیاء کو مشرکین کے معبودان غیر خدا مین شامل کر دینا، دیدہ و دانستہ گستاخی نہین، تو اور کیا ہے ؟

فان کنت لاتدری فتلک مصیبۃ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

عذاب و ثواب برزخ کی نفی کا قیاس جس قیاس پر مبنی تھا، اسکی پوست کندہ حقیقت ظاہر ہو چکی، کہ وہ سراسر بے بنیاد ہے اسلئے عالم برزخ مین عدم حیات و عدم شعور و احساس، و عدم علم و عدم سماع وغیرہ کا دعوی بھی مطلقاً ثابت نہ ہو سکا، اور جب عالم برزخ مین عدم حیات و شعور و احساس وغیرہ ثابت نہین، تو عذاب و ثواب برزخ کے انکار کی بھی کوئی وجہ نہین ہو سکتی

بالفرض معترض کے اس قیاس کو بلا دلیل مان بھی لیا جائے کہ عالمِ برزخ میں جسم انسانی میں نہ حیات ہے نہ شعور نہ احساس، نہ سننا نہ دیکھنا، جب بھی یہ قیاس کسی طرح ماننے کے قابل نہیں، کہ جب عالمِ برزخ میں جسم انسانی کو حیات وشعور واحساس نہیں، تو عذاب وثواب بھی نہیں، اس لئے کہ ابھی اوپر بیان کیا جاچکا ہے، کہ عالمِ برزخ کا ثواب وعذاب روح کو عالمِ خواب کی طرح ہوگا،

مختصر یہ کہ ایسی قیاس آرائیوں پر، جسکا ثبوت خود ایک دوسرے قیاس کے ثبوت پر موقوف ہے، اعتقاد کے باب میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا، میرا مطالبہ یہ ہے، کہ ثوابِ برزخ، اور عذابِ برزخ کی نفی میں کوئی نص صریح پیش کرسکتے ہوں تو پیش کیجئے،

عذاب وثواب برزخ کی تردید کے لیے، اس دلیل اور قیاس کی جو وقعت ہوسکتی ہے، اس کا اندازہ معترض نے غالباً خود بھی کرلیا، اس لئے اب ایک دوسری دلیل کی طرف توجہ کیجاتی ہے لیکن افسوس وہ بھی محض قیاس ہی،

"اب میں قرآن کی اس تصریح کو دکھاتا ہوں، کہ موت اور قیامت میں فصل زمانی نہیں ہے، جو مرگیا درحقیقت اسکی قیامت قائم ہوگئی، چنانچہ کفار جسوقت اٹھائے جائیں گے، گھبراکر کہیں گے،

يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ۜ ہائے ہماری شامت ہم کو ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھایا؟"

عالمِ برزخ کے غیر زمانی ہونے کے لیے یہ ثبوت محض ناکافی ہے، اس لئے کہ اگر برزخ غیر زمانی ہوتا، تو مجرمین کی طرح نیکوکار بھی اس کا اندازہ نہ کرسکتے، حالانکہ معترض نے جو آیت مجرمین کے متعلق نقل فرمائی ہے، اس میں تصریح موجود ہے، کہ نیکوکاروں کو برزخ کی مدت کا علم ہوگا، وہ مجرمین کو بتائیں گے، کہ تم عالمِ برزخ میں قیامت تک ٹھہرے رہے، اور یہ قیامت کا دن ہے،

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ

اور جس دن قیامت قائم ہوگی، مجرمین قسم کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، اسی طرح وہ بھٹکتے

---

[1] یہاں اور جہاں جہاں حافظ صاحب کے مضامین سے آیتیں نقل کیگئی ہیں وہاں انکے حوالہ کیلئے حافظ صاحب کے نشان پر اعتماد کیا گیا ہی،

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (روم)

جانتے تھے اور جن کو علم اور ایمان دیا گیا ہے، وہ کہین گے کہ تم اللہ کے نوشتہ مین حشر تک رہے ہو، پس یہ حشر کا دن ہے، لیکن تم اسکو نہیں جانتے تھے،

اس لئے مجرمین کے اس قول سے کہ "ہماری خوابگاہ سے ہمین کس نے اٹھایا" عالم برزخ کے غیر زمانی ہونے کا قیاس بھی ناقابل قبول ہے، اور اس قول سے کہ "ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہین ٹھہرے" یہ قیاس بھی بے معنی ہے،

• کیا ان مجرمین پر عالم برزخ مین عذاب ہوتا تو یہ لاکھون بلکہ کرورون برس کی مدت کا اندازہ نہ کرتے کیونکہ مصیبت کی گھڑی تو بہت کٹھن ہوتی ہے؟

اسی قسم کے بے سروپا قیاس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ، ۱۳۹/۶

تم لوگ محض ظن کی پیروی کرتے ہو اور صرف اٹکل دوڑاتے ہو،

اس کی زیادہ سے زیادہ وجہ یہ قرار دیجا سکتی ہے، کہ ہر خواب غفلت سے بیداری کے بعد انسان وقت کا صحیح اندازہ نہین کرسکتا،

اصحاب کہف نے سیکڑون برس کے خواب غفلت سے بیداری کے بعد بھی کہا کہ

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ، (کہف ۱۵/۲) ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم ہم (سوئے) رہے،

کسی تھکے ہارے، منزل مارے ہوئے مسافر کو جب خواب غفلت سے بیدار کیا جائے، گو وہ پہرون سویا ہوا ہو، تو بھی کہیگا کہ ہم تو ابھی سوئے تھے، لیکن کیا اس کے اس جواب سے کوئی آدمی یہ فیصلہ کرسکتا ہے، کہ عالم خواب مین اس نے روح فرسا مناظر اور دردناک سمان نہین دیکھے، اور اس کو نیند مین کسی طرح کے رنج والم اور درد و تکلیف کا احساس نہین ہوا،

علاوہ ازین حافظ صاحب جن دلائل سے عذاب و ثواب برزخ کی تردید فرما رہے ہین، ان سے خود ان کے

خلاف نتیجہ نکلتا ہے، اور انھین دلائل سے عذاب و ثواب برزخ پر استدلال کیا جاسکتا ہے،

حافظ صاحب فرماتے ہین کہ موت اور قیامت مین فصل زمانی نہین ہے، جو مرگیا درحقیقت اس کی قیامت قائم ہوگئی جب موت ہی قیامت ہے، تو پھر ثواب وعذاب قیامت کی تصریحات کو حشر تک کیون ملتوی سمجھا جائے، جس کی قیامت ہوگئی اس کے لئے عذاب و ثواب قیامت بھی شروع ہوگیا،

کہان تو حافظ صاحب عذاب و ثواب برزخ کے شدت سے منکر تھے، اور کہان شہدا کی حیات برزخیہ کو بلا چون وچرا تسلیم کرتے ہین، حالانکہ وہ بھی ثواب برزخ ہی کا ایک اعلیٰ درجہ ہے،

فرماتے ہیں:۔

"شہدا یعنی مقتولین فی سبیل اللہ کے بارہ مین جو کہا گیا ہے کہ وہ مردہ نہین ہین، بلکہ زندہ ہین اوسکی حقیقت یہ ہے کہ وہ عالم برزخ یعنی آڑ مین نہین ہین، بلکہ "عندربھم" اپنے رب کی حضوری مین ہین، جہان ان کو روزی ملتی ہے، وہ جان نکلتے ہی اس برزخ کو ایک دم پار کرجاتے ہین"،

درست! مگر سوال یہ ہے، کہ عبور دنیا سے پہلے وہ برزخ کو پھاند جاتے ہیں یا بعد؟ اصل بحث اور نزاع تو یہی ہے کہ مرنے کے بعد ہی عذاب و ثواب شروع ہوجاتا ہے، یا نہین؟ جب آپ نے یہ تسلیم کرلیا کہ شہدا جان نکلتے ہی حضوری رب سے سرفراز ہوتے ہین، اور روزی پاتے ہین، تو پھر بات ہی کیا رہی؟ آپ نے ثواب بعد از موت یا بالفاظ دیگر ثواب برزخ کو تسلیم کرلیا، اور جس آیت سے آپ نے ثواب برزخ کو تسلیم کیا، اسی کے بعد والی آیت پر اگر تعصب کی عینک اتار کر ایک نظر فرمالیتے تو شاید عذاب برزخ کو مان لینے مین کوئی عذر نہ ہوتا،

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، (آل عمران ۱۷)

وہ (شہدا) خوش ہین اس چیز سے جو خداوند عالم نے انھین اپنے فضل سے عطا فرمائی، اور جو لوگ ان سے نہین ملے ہین ان کے پیچھے رہگئے ہین، ان کی بھی اس حالت پر خوش ہوتے ہین کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف نہیں اور نہ وہ مغموم رہین گے،

شہدا اپنے بعد آنے والے مجاہدین کے نتائج اور انجام معلوم کرکے خوش ہوتے ہین، کہ اگر وہ بھی خدا کی راہ مین قتل ہوئے تو انھین بھی کوئی خوف و حزن نہ ہوگا، یعنی درمیان مین خوف و حزن کی منزل حائل ہو، جسکو شہدا پار کر جاتے ہین،

بہرکیف شہدا کی حیات برزخیہ کے ثبوت سے عالم برزخ کے ثواب پر استدلال اس قدر مسکت تھا کہ ہزار کھینچ تان کے باوجود معترض کو ثواب برزخ تسلیم کرنا ہی پڑا، گو وہ اسے بالفاظ دیگر ثواب بعد از موت یا عبور برزخ جو کچھ کہین لیکن ساتھ ہی یہ غلطی کی کہ اس ثواب برزخ کو بلا دلیل شہدا کیساتھ مخصوص کردیا، اور صرف یہی نہین بلکہ یہانتک لکھدیا کہ

"یہ حضوری قرآن کی رو سے کسی دوسرے کو حاصل نہین خود نبی کو قیامت کے دن ہوگی۔"

سوال یہ ہے کہ کیا نبی ناقد کی ہستی سے بھی کوئی فروتر ہستی ہے؛ جو الفاظ تعظیمی کے استعمال میں اس درجہ مانع ہے، اور کیا قرآن کی یہی تعلیم ہے،

یہ دلخراش الفاظ اگر کسی دشمن اسلام کے قلم سے نکلتے تو مقام تعجب نہ تھا، لیکن حیرت تو یہ ہے، کہ یہ الفاظ ایسے شخص کے قلم سے نکلے ہین، جو صرف مسلمان ہی نہین بلکہ قرآن پاک کا حامل بھی ہے، اور جو اپنی قرآن دانی اور قرآن فہمی ثابت کرنے کے لئے مجتہدانہ شان بھی ظاہر کرتا ہے، کیا ناقد کو اس حقیقت کی خبر نہین، کہ حضور کی شان مین ناوانستہ بے ادبی کرنے سے بھی حبط اعمال کا خوف ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک مین بار بار اس کی تصریح ہے، ایک لائق فرزند اسلام کو یہ کہتے ہوئے ذرا خدا کا خوف نہین ہوتا کہ حضور کے ادنیٰ خدام محض اس وجہ سے کہ اعلاے کلمۃ الحق مین مارے جاتے ہین، یا تبلیغ اسلام مین جان دیتے ہین، حضوری رب سے سرفراز ہوتے ہین، مگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جن کی بدولت انھون نے یہ سرفرازی پائی، جنھون نے جذبۂ فدائیت کی ان مین یہ روح پیدا کی، جن کی عمر مبارک کا تمام حصہ تبلیغ اسلام مین مصائب و آلام کی نذر ہوا، جو اشاعت حق مین ہمیشہ سربکف رہے، وہ زندگی مین تو حضوری رب سے سرفراز رہے، لیکن اس جہان سے تشریف لیجانے کے بعد حضوری رب سے محروم ہین، کیا کسی مسلمان کی سمجھ مین یہ بات آسکتی ہے،

معترض اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایک آیت پیش کرتا ہے، لیکن آیت کے نفس مضمون کو دعویٰ سے کوئی لگاؤ

نہین، وہ آیت یہ ہے،

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ	تو بھی مرنے والا ہے اور وہ لوگ بھی مرنے والے ہین پھر
يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ	قیامت کے دن اپنے رب کی حضوری مین اپنے اپنے جھگڑے پیش کروگے

اس آیت مین مرنے کی خبر ہے، کہ حضور صلعم بھی مرینگے اور سب لوگ بھی مرینگے، اور اس سے کسی کو بھی انکار نہین، انکار اس سے ہے کہ مرنے کے بعد حضور صلعم رب کی حضوری سے قیامت تک کیلئے محروم ہین اور اس آیت سے مدعی کے اس دعوی پر کوئی روشنی نہین پڑتی "ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ" سے بھی یہ کسی طرح مترشح نہین کہ آنحضرت صلعم حضوری رب سے محروم ہین، اور قیامت کے دن حضوری حاصل ہو گی، اسلئے کہ یہان ضمیر جمع کی استعمال ہوئی ہے، خاص حضور سے خطاب نہین، بلکہ خطاب عام ہے، دوسرے یہ کہ حضوری اور عدم حضوری کا اسمین ذکر نہین جھگڑا پیش کرنے کا ذکر ہے، اور جھگڑا تو بہرحال قیامت کے دن پیش ہوگا جس دن مدعی مدعاعلیہ اور گواہ سب حاضر ہونگے، شہدا جن کی حضوری رب کے آپ قائل ہین، کیا ان کے جھگڑے یوم حساب سے پہلے پیش ہوتے ہین؟

سید صاحب نے عذاب و ثواب برزخ کے ثبوت کے لیے جن آیات قرآنی سے استدلال کیا ہے، وہ اپنی اپنی جگہ اس درجہ اٹل ہین، کہ ان کی تاویل کی سعی محض سعی لاحاصل ہے، چنانچہ حضرت ناقد سے ان مین سے کسی کی تاویل بھی بن نہ آسکی،

پہلی آیت جس سے سید صاحب نے عذاب برزخ کے لئے استدلال کیا ہے، یہ ہے:-

سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ	ہم ان کو دو دفعہ عذاب دینگے، پھر وہ بڑے عذاب کی
عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝ توبہ	طرف لوٹائے جائین گے،

بڑے عذاب سے تو قیامت کا عذاب قطعاً مراد ہے، اب اس سے پہلے دو دفعہ عذاب کا ذکر ہے، ایک عذاب دنیا اور دوسرا عذاب برزخ، اس کی تردید مین حافظ صاحب کا جواب بلاکم وکاست درج ذیل ہے،

"کیا دنیاوی زندگی مین ان پر دو دفعہ عذاب کا ہونا محال ہے، خود اسی سورہ مین ہے،

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ، کیا وہ نہین دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار فتنے مین ڈالے جاتے ہین پھر بھی توبہ نہین کرتے،

جب اللہ ان کو ہر سال ایک بار یا دو بار فتنے مین ڈالتا ہے تو زندگی مین دو بار عذاب نہین دے سکتا پھر کیون ایک عذاب دنیا مین اور ایک برزخ مین فرض کیا جائے، کیا اس آیت سے امام بخاری نے جو عذاب برزخ پر استدلال کیا تو اس سے کوئی قوت اسکی بڑھ گئی؟

کیا جو خدا زندگی بھر مین دو عذاب دے سکتا ہے، وہ عالم برزخ مین عذاب نہین دے سکتا، پھر کیون عذاب برزخ سے انکار ہے؟ علاوہ ازین تاریخ سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ان گنہگارون کو قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق دو دفعہ کون سا عذاب دیا گیا،

حضرت امام بخاری کے استدلال سے یقیناً اس کی قوت بڑھگئی، اس لئے کہ قرآن دانی اور قرآن فہمی مین بلا شبہہ وہ ناقد سے بلند رتبہ تھے، انھین اکا برلت کی دنیاے اسلام رہین منت ہے، جن کی بدولت آج قرآن کی افہام وتفہیم مین اس درجہ آسانیان فراہم ہین،

سید صاحب اپنے دعوی کے ثبوت مین کم از کم ایک ہی دلیل رکھتے ہین، کہ ایک جلیل القدر، بلند پایہ مسلم الثبوت امام یعنی حضرت امام بخاری، ان کے ہمخیال ہین، لیکن ناقد نے تو یہ بھی بیان نہ کیا کہ یہ محض ذاتی خیال ہے، یا کسی امام نگاری کے خیالات کی ترجمانی؟

"س" کے داخل ہونے سے مضارع مستقبل قریب کے لئے مختص ہوگیا، یعنی بہت جلد کفار اور مجرمین کو ہم دو بار عذاب مین مبتلا کرینگے، ایک تو عذاب دنیا، جو مسلمانون کے ہاتھون ان کو غزوات کی صورت مین پہنچا اور دوسرا عذاب برزخ جس کا سلسلہ مرنے کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے، اور یہ دو عذاب بلا استثنا ہر کافر و مجرم کے ساتھ پیش آتا ہے، اگر یہ دونون عذاب دنیاوی زندگی مین تسلیم کرلئے جائین، تو کیا یہ مضمون تشنۂ تحقیق نہین رہ جاتا، کہ دنیاوی زندگی مین وہ کون سے دو عذاب الٰہی ہین، جو بلا استثنا ہر کافر و مجرم کو پیش آتے ہین؟ یا خاص طور سے کفار قریش کو پیش آئے

تاریخ اس بارہ مین کیا کہتی ہے، کفار قریش پر وہ کون دو عذاب آئے جن سے قرآن کی پیشین گوئی پوری ہوئی، اس کے علاوہ دلالت کلام متقاضی ہے کہ یہ تینون عذاب یکے بعد دیگرے مسلسل ہون، اگر آپ دو عذاب دنیاوی زندگی مین تسلیم کرانا چاہتے ہین، تو عذاب عظیم کو عذاب برزخ مان لینے کی صورت مین مجھ کو کوئی عذر نہین،

سید صاحب نے عذاب برزخ کے ثبوت مین دوسری آیت یہ پیش کی ہے:-

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ	اور آل فرعون کو بڑے عذاب یعنی آگ نے گھیر لیا جسکو
النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا	وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہین، اور جسوقت قیامت
وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ	قائم ہوگی حکم ہوگا، کہ آل فرعون کو اس سے بھی زیادہ
اَشَدَّ الْعَذَابِ،	سخت عذاب مین ڈالو،

حافظ صاحب اسکی تاویل کے لئے یون رقمطراز ہوتے ہین:-

"آیت مین خود قیامت کی تصریح موجود ہے لیکن ترجمہ غلط کیا گیا ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے، اور واؤ اپنے ماقبل کی تفسیر کرتا ہے[۱]،

آل فرعون کو برے عذاب آگ نے گھیر لیا، جسپر وہ صبح و شام پیش کئے جائین گے، یعنی قیامت کے دن حکم دیا جائیگا کہ آل فرعون کو سخت عذاب مین داخل کرو، اسکی تصریح دوسری آیت مین بھی ہے،

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ	فرعون اپنی قوم کے آگے بڑھے گا، اور انھین جہنم مین
النَّارَ ۙ	"اتاریگا" قیامت کے دن!"

"واؤ" کو حرف تفسیر قرار دینے کی وجہ سے، جسکا عربی نحو مین کوئی ثبوت نہیں، ترجمہ مین جو خوبی اور ندرت پیدا ہوگئی ہے، اس سے قطع نظر مولانا نے "حاق" (گھیر لیا) ماضی کو حسب عادت مستقبل کے معنی مین استعمال کیا ہے، اسلئے ہزار کوشش کے بعد بھی سید صاحب کا مطلب ثابت ہوگیا، کہ قیامت کے پہلے آل فرعون کو عذاب نے نہین گھیر لیا،

[۱] معارف:- اس "صحیح ترجمہ اور تفسیر" کی غلطی اہل علم سے مخفی نہین، واو اس طرح یعنی کے معنی مین کہین نہین آیا،

اور یہی عذاب برزخ ہے،

دوسری آیت جو معترض نے نقل کی ہے، وہ اس آیت کے خلاف نہین، بلکہ آیت کے اس مضمون کی تصریح ہے،

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ، اور جب قیامت ہوگی حکم ہوگا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب مین داخل کرو،

اس حکم کی تعمیل اس طرح ہوگی کہ

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ، فرعون قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے بڑھیگا اور انھین جہنم مین اتاریگا،

سورۂ یٰس کی اس آیت سے سید صاحب نے ثواب برزخ پر استدلال کیا تھا،

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ ۳۵ کہا گیا کہ تو جنت مین داخل ہوجا،

اس کے جواب مین حافظ صاحب لکھتے ہین :-

"لیکن یہ تو ایک شہید کا واقعہ ہے، اور سید صاحب نے بھی اس کو شہید تسلیم کیا ہے[1] اور ہم ثابت کر چکے ہین، کہ شہدا عالم برزخ مین نہین رکھے جاتے، اس لئے اس سے برزخ کے ثواب کا ثبوت نہین ہوسکتا"

لیکن جب ما بہ النزاع ثواب بعد از موت اور عذاب بعد از موت قبل قیامت ہے، جسکا نام برزخ ہے، تو ثواب برزخ کے ثبوت کے لیے یہ ایک ناقابل انکار دلیل ہے، سید صاحب نے عذاب برزخ کے ثبوت مین ایک اور ایسی نص صریح پیش کر دی ہے، جو فی الحقیقت مقطع اور خاتمۂ سخن ہے،

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اور آپ اگر دیکھتے جس وقت گنہگار موت کی بے ہوشی مین ہوتے ہین، اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوتے ہین کہ اپنی جانون

---

[1] معارف :- سید صاحب نے روایات کی بنا پر اس کو شہید کہا ہے، قرآن مین اس کے شہید ہونے کی تصریح نہین، اس لئے حافظ صاحب اس کو شہید قرار دیتے مین قرآن پر اضافہ کے جرم کے مرتکب ہو رہے ہین،

اَخْرِجُوْا اَنْفُسَكُمُ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ	کو نکالو، آج تم کو ذلت کی سزا ملیگی، اس وجہ سے کہ تم اللہ
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ	کی شان مین جھوٹ بولتے تھے، اور اسکی آیتون سے اکڑتے
الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ وَ	تھے، اور تم لوگ تو ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے،
لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ	جسطرح ہمنے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے
مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ	تم کو دیا تھا وہ سب پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے، اور ہم تمہارے
وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ	ساتھ ان سفارشیون کو نہین دیکھتے، جنکے بارے مین
اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۹۴/۶	تم سمجھتے تھے، کہ وہ تمھارے امور مین ہمارے شریک ہین[1]

اب حافظ صاحب کی یہ تردید ملاحظہ ہو:-

"حالانکہ اس آیت مین مشرکون سے جو سوال کیا گیا ہے، کہ تمھارے سفارشیون کو تمھارے ساتھ نہین دیکھتے یہ دراصل حشر کی بات ہے، جس کی تفصیل اسی سورہ مین اس سے پہلے کردی گئی ہے"

کیا جو سوال حشر مین ہو، وہ برزخ مین نہین ہو سکتا، ؟ جو کہنے کیلئے الفاظ کے مقابلہ مین اس سوال کو حشر کا سوال سمجھا جائے، اور محض اس احتمال پر نص صریح کے معنی کو بدل دیا جائے، کہ حشر کی تفصیل اسی سورہ مین اس سے قبل علٰحدہ بیان ہو چکی ہے،

حافظ صاحب نے سید صاحب کے دلائل کی تردید مین جن بعید از قیاس امکانات سے اثبات مدعا کی کوشش فرمائی ہے اونکی حقیقت آفتاب کی طرح سامنے آچکی، اب سطور ذیل مین اس موضوع پر مزید روشنی ڈالتا ہون،

سوال برزخ:-

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ	یہانتک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے

[1] معارف:- اس آیت مین تصریح ہے کہ موت کے وقت یہ سوال ہوتا ہے، قیامت کے دن کا یہان نام نہین، یہ اسوقت کا حال ہے جب خدا کے سامنے ایک ایک کرکے لوگ آتے مین، جسطرح ایک ایک کرکے پیدا ہوتے ہین، قیامت کے دن لوگ اکٹھے ہو کر خدا کے سامنے جائینگے اسلئے یہ موت کے وقت کا حال ہے نہ کہ قیامت کا،

قَالُوْٓا اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ، (اعراف پ ۸)

انکی جانون کو قبض کرنے کیلئے آتے ہین، توکہتے ہین کہ خدا کے سوا جنکو تم پوچتے تھے، وہ کہان ہین، وہ جواب دینگے کہ وہ سب ہم سے غائب ہوگئے، اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرینگے،

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ، (النساء پ ۱۴)

جب فرشتے ایسے لوگون کی روحین قبض کرتے ہین جنھون نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو پوچھتے ہین تم کس (دین) مین تھے، وہ جواب دیتے ہین کہ ہم زمین مین مغلوب تھے،

چونکہ ان آیات[1] مین موت کے وقت کی تصریح ہو اسلئے یہ نہین کہا جاسکتا ہے کہ یہ دراصل حشر کی بات ہے، آیتون کے الفاظ نہایت واضح ہین، اور سوال وجواب سے صاف ظاہر ہے، کہ یہ برزخ ہی کا سوال ہے،

عذاب برزخ :-

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ، (الانفال پ ۱۰)

اور اگر آپ دیکھین، جس وقت کہ فرشتے کافرون کی روح قبض کرتے جاتے ہین اور ان کے منھ پر اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہین اور کہتے ہین چکھو عذاب جلنے کا،

یہ نص صریح عذاب برزخ کے ثبوت کے لئے ایسی دلیل ہے، جس کی کوئی تاویل نہین ہو سکتی، تشریح کے ساتھ بتادیا گیا، کہ موت کے وقت ہی سے کفار کے عذاب کا دور شروع ہوجاتا ہے،

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ، كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ، (التحریم پ ۲۸)

اللہ تعالیٰ کفار کیلئے نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویونکی مثال بیان فرماتا ہے، کہ وہ دونون ہمارے بندہ صالحین تھے دو بندون کے نکاح مین تھین، ان دونون عورتون نے ان دونون بندون کی خیانت کی، تو وہ دونون نیک بندے اللہ کے مقابلہ مین ان کو کچھ کام نہ آئے، اور ان دونون عورتون

[1] معارف : یہ دونون مذکورہ بالا آیتین بھی سیرت ۴ ص ۵۲۴ مین موجود ہین، [2] معارف : یہ آیت بھی سیرت مین موجود ہے

ابھی بیان ہو چکا کہ "قیل ادخل الجنۃ" سے حافظ صاحب نے مقتولین فی سبیل اللہ کے عبور برزخ پر استدلال کیا ہے، اس لئے "قیل ادخلا النار" سے عذاب برزخ کی قطعیت میں "اگر مگر" کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی،

مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا (نوح ۲۹/۲)

اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کئے گئے، پھر (بعد غرق) دوزخ میں داخل کئے گئے، اور خدا کے سوا ان کو کوئی بھی مددگار نہ ملا،

قوم نوحؑ کا تذکرہ ہے، اور ف تعقیب کے لیے، اس لئے غرق ہونے کے بعد ہی آگ میں داخل ہونا ماننا پڑیگا یعنی ادھر غرقاب ہوئے، ادھر آگ میں داخل کئے گئے،

ثواب برزخ:۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ، وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ، (واقعہ ۲۷/۲)

پس اگر (مرنے والا) مقربین سے ہے تو اس کے لئے راحت ہے رزق ہے، جنت نعیم ہے، اور اگر (مرنے والا) اصحاب یمین سے ہے تو آپ پر (مرنے والے) کی طرف سے جو اصحاب یمین سے (ہے) سلام ہو،

اس آیت سے قبل "موت" کا ذکر ہے اور کان کی ضمیر "مرنے والے" کی طرف راجع ہے، اس لئے بلاشبہہ یہ ثواب برزخ ہی کا تذکرہ ہے،

اس آیت میں دو قسم کے ثواب کا ذکر ہے، ایک تو مقربین کا ثواب، جس کی تفصیل بیان کردی گئی ہے کہ وہ جان نکلتے ہی جنت نعیم میں پہنچ جاتے ہیں، دوسرے اصحاب یمین کا ثواب جس کی کوئی تفصیل تو نہیں، لیکن صاف ظاہر ہے کہ وہ مرنے والا جو اصحاب یمین سے ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے، یعنی آرام سے ہے، مقربین میں شہدا، اولیاء، انبیاء سب داخل ہیں، اگرچہ ناقد نے جمہور مفسرین اور عام عقل انسانی کے برخلاف

ل معارف:۔ یہ آیت بھی سیرت میں موجود ہے،

اولیاء اور انبیاء کو اس زمرہ سے خارج فرما کر مشرکین کے معبودانِ باطل کے زمرہ میں شامل کر دیا اور حضرت سرورِ کونین صلعم پر شہدا کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے "عبور برزخ" کی ایک نئی اصطلاح ایجاد فرمائی ہے،

صلحاء اولیائے امت اور انبیا کا "عبور برزخ" اس مقصد پر حسب ذیل آیت شاہد ہے،

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ وَلَئِنْ مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُونَ. (آل عمران ۱۷)	اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ، یا مر جاؤ تو ضرور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت اس سے بہتر ہے جسکو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں اور اگر تم (فی سبیل اللہ) مارے جاؤ یا مر جاؤ تو بیشک اللہ کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے،

یہ نص صریح شاہد ہے کہ فی سبیل اللہ قتل ہونے والے اور فی سبیل اللہ مرنے والے دونوں برابر ہیں اگر "شہدا" برزخ پار کر جاتے ہیں، "تو" فی سبیل اللہ مرنے والے بھی، مغفرت اور رحمت کا وعدہ اگر "شہدا" کے لیے جان نکلتے ہی پورا ہوتا ہے، "تو" فی سبیل اللہ مرنے والوں کے لئے بھی یہی حکم ہے، اگر "شہدا" حضوری رب سے سرفراز ہوتے ہیں، "تو" فی سبیل اللہ مرنے والے بھی، کیونکہ "لَإِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُونَ" میں فی سبیل اللہ مرنے والوں سے بھی خطاب ہے یعنی شہدا، اور فی سبیل اللہ مرنے والے جان نکلتے ہی سیدھے خدا کے پاس اٹھا کر پہنچا دیئے جاتے ہیں،

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ، (الحج ۸)	اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ لوگ قتل کئے گئے، یا مر گئے، بیشک اللہ ان کو بہتر اور عمدہ رزق عطا فرمائے گا، اور بلاشبہہ خدا سب سے بہتر روزی دینے والا ہے، بیشک اللہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس کو وہ پسند کرینگے،

اس آیت میں تصریح موجود ہے، کہ شہدا اور فی سبیل اللہ مرنے والے، دونوں روزی پاتے ہیں،

اور اُن کی پسند کے مطابق انھین جگہ ملتی ہے، یعنی حضوری رب،

غرض یہ آیتین صلحا و اولیاے امت اور انبیا کے عبور برزخ، حضوری رب، اور روزی پانے کے لئے ایسی محکم دلیلین ہین، جنکا کوئی رد نہین ہوسکتا، ہان یہ کہدیا جاسکتا ہے، کہ انبیا و صلحا اور محمد رسول اللہ صلعم کا لفظ تو ان آیات مین موجود نہین، لیکن ایک معمولی سمجھ والے انسان کی نظر مین بھی اس اعتراض کی جو وقعت ہوسکتی ہے، وہ ظاہر ہے، اس لئے کہ یہ حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہین، کہ انبیا اور اولیا سے بڑھکر کسی انسان کی موت فی سبیل اللہ نہین کہی جاسکتی، بلکہ ان آیتون مین انبیا اور اولیا کی تصریح سے اُس ارحم الراحمین کی رحمت بیکران محدود ہوکر رہ جاتی ہے، اور اس بلیغ پیرایۂ بیان نے اولیا اور انبیا کے ساتھ ان لوگون کو بھی شامل کرلیا، جو خدا کی راہ مین کوئی نیک کام کرتے ہوئے مرجائین،

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے،

(الاعراف ۹/۱۹)

سیرۃ النبی

جلد چہارم

منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث

ضخامت ...۷ صفحے، قیمت بہ اختلاف کاغذ سے ۶ ر سے ۸ ر، تقطیع کلان،

"منیجر"

ایک غلط فہمی کا ازالہ

از

جناب حافظ اسلم صاحب جیراجپوری

مارچ ۳۴ء کے رسالۂ معارف میں میرے تبصرہ کا جو جواب شائع ہوا ہے اس میں میری نسبت سب سے پہلا لفظ جو موٹے حرفون میں لکھا گیا ہے وہ "منکرِ حدیث" ہے، چونکہ اس لفظ سے میرے متعلق ناظرینِ معارف میں غلط فہمی پیدا ہوگی، اس لئے میں چاہتا ہون کہ اس بارے مین اپنے خیالات خود بیان کردون تاکہ میرا عقیدہ واضح ہوجائے،

متواتر حدیثین جو دو تین سے زائد نہین ہین اور وہ بوجہ اپنے تواتر کے یقینی کہی جاسکتی ہین ان کو چھوڑ کر غیر متواتر حدیثین میرے نزدیک ظنی ہین یعنی ان کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک یقینی نہین ہے، بیشتر احادیث کا ذخیرہ جنکو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے، اسی قسم مین داخل ہے، اور جہانتک مجھے علم ہے سوائے دو شخصون یعنی امام ابن تیمیہ اور ابن صلاح کے جو صحیح بخاری کی حدیثون کو یقین کا درجہ دیتے ہین، بقیہ ائمہ نے سب کو ظنی ہی قرار دیا ہے، اور تصریح کردی ہے کہ وہ مفید علم ویقین نہین ہین، اگر کسی حدیث کی نسبت یہ یقین ہوجائے کہ وہ رسول اللہؐ کی زبانِ مبارک سے اسی طرح بیان ہوئی ہے، تو پھر اس کے بارے مین کوئی بحث ہی نہین رہجاتی،

ان احادیث مظنونہ کے متعلق میرا مسلک یہ ہے کہ ان کا تعلق قرآن کریم کے ساتھ قائم کرنا ضروری ہے، جو حدیثین قرآن کے مطابق ہون وہ مسلم ہون اور جو مخالف ہون وہ غیر مسلم، ان دونون قسمون کے علاوہ جو حدیثین ہون وہ اگر قرآن کی کسی اصولی تعلیم کے تحت مین آتی ہون تو قبول کیجائینگی،

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسی معجزات کا جو انکار مین نے کیا ہے اس کی وجہ یہ نہین ہے کہ مین حدیث کا منکر ہون بلکہ یہ ہے کہ متعدد آیات سے جنکو مین نے اس مضمون مین نقل کردیا ہے، مین یہی سمجھ سکا ہون کہ قرآن تصریحاً

ان سے انکاری ہے، خود بخاری کی یہ حدیث بھی،

ما من نبی من الانبیاء الا اعطی من	ہر پیغمبر کو اللہ نے اس قدر معجزے دیئے کہ جنکو دیکھکر لوگ ایمان
الآیات ما مثلہ آمن علیہ البشر وانما	لائے مگر مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ صرف وہ وحی ہے جسکو اللہ
کان الذی اوتیت وحیا اوحاہ اللہ الی	میری طرف بھیجتا ہے،

مین نے استشہاداً پیش کی ہے،

یہی صورت عذاب برزخ کی ہے، جو لوگ اسکا ثبوت دینا چاہین ان کے لئے لازم ہے کہ پہلے قرآن سے مردہ کے اندر احساس، شعور، بلکہ زندگی یعنی عذاب و ثواب سے اثر پذیری کی صلاحیت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمانہ ثابت کریں میری فہم میں قرآن ان چیزون سے انکاری ہے، چنانچہ مین نے وہ آیات نقل کر دی ہین، اس لئے مین قرآن سے یہی سمجھ سکا ہون کہ جو مردہ دنیا سے جاتا ہے وہ سیدھا محشر مین جاتا ہے، برزخ کا زمانہ اس پر نہیں گذرتا، یہ حدیث کہ من مات قامت قیامتہ قرآن کے بالکل مطابق ہے،

غرض عقائد مین نص قرآنی درکار ہے، حدیثین جو اس کے موافق ہون گی مسلم ہونگی، صرف حدیثون پر کسی دینی عقیدہ کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی، مثلاً مہدی آخر الزمان یا مسیح دجال کا عقیدہ جنکا نام و نشان بھی قرآن مین نہین ہے، میرے نزدیک دینی عقیدہ نہین ہو سکتا،

تقدیر کو مین نے خود قرآنی مسئلہ لکھا ہے، اسکی اہمیت سے بھی انکار نہین، میرا قول صرف یہ ہے کہ اس کو اجزای ایمان میں قرآن نے داخل نہین کیا ہے، جیسا کہ علما نے کیا ہے، اور یہ میرے خیال مین زیادتی ہے،

عقائد کے بعد عمل مین میرا خیال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے سارے احکام پر عمل کر کے اور لوگون سے عمل کرا کے امت کو دکھلا دیا، جو امت کے پاس تعامل یعنی عمل متواتر کی صورت مین نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا ہے، اس لئے اس کے یقینی ہونے مین کوئی شبہہ نہین، اس کا بیان جن احادیث میں ہے وہ مسلم ہونگی،

الغرض حجیت و عدم حجیت حدیث کی ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیثین چونکہ ظنی ہین اس لئے اس کی قبولیت

کے واسطے شرط یہ ہے کہ وہ یقینیات کے مخالف نہ ہون، اور اس باب مین یقینی دو چیزین ہین، قرآن کریم اور عمل متواتر اور یہی دونون نفس دین ہین، اور حدیثین تاریخ دین ہین جنکا ردو قبول ان کے نفس دین کی مطابقت و مخالفت پر مبنی ہے،

مثلاً اسی جواب تبصرہ مین آیت السارق والسارقۃ الآیۃ درج کرکے لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارق کے ہاتھ پہنچے سے کاٹنے کا حکم دیا، یہی مین بھی کہتا ہون کہ یہ وہی اسوہ ہے جو قرآن سے ثابت ہے اور جس کو بار بار مین اپنی تحریرون مین ظاہر کر چکا ہون، یعنی

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمھارے لئے رسول کی ذات مین اچھا نمونہ ہے،

اس اسوۂ حسنہ کا انکار خود قرآن کا انکار ہے،

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (ن ا - ۱۷)

ہدایت نمایان ہوجانے کے بعد جو کوئی رسول کی مخالفت کریگا اور مسلمانون کے راستہ کے خلاف راستہ اختیار کریگا تو اسکو اسی پر چلائینگے اور (آخرکار) جہنم مین جلائینگے،

اس مختصر سی توضیح کے بعد اگر غور کیا جائے تو میرا مسلک حقیقت سے بعید نہین، دوسرون مین اور مجھ مین اگر فرق ہے تو یہ ہے کہ مین قرآن ہی کو دین کا محور سمجھتا ہون، اور احادیث اور قدمار کی تشریحات کو اسکی مطابقت کی وجہ سے تسلیم کرتا ہون، یہ نہیں کہ آیات قرآن کو ان کے صحیح مفہوم سے موڑ کر احادیث اور سلف کے اقوال کے مطابق کرون، یہی میرے نزدیک قدامت اور سلف پرستی ہے جو ناجائز ہے کیونکہ قرآن کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے،

مین یہ ہرگز نہین کہتا کہ مین نے جو کچھ آیات کا مفہوم سمجھا ہے اسی پر سب کو ایمان لانا چاہئے، بلکہ میرا ایمان اسی پر ہے جو قرآن کا حقیقی مفہوم ہے، مین غلط بھی سمجھ سکتا ہون، یعنی سمجھنے مین غلطی بھی کر سکتا ہون، اور جب مین دوسرون کی قرآن فہمی مین بھی غلطی کے امکان کا قائل ہون تو اپنی سمجھ کو کب یہ درجہ دے سکتا ہون، کہ عین حقیقت کہون، لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ میرے اطمینان کے لئے تو بہرصورت میری ہی بصیرت ہے، مثلاً آیت زیر بحث

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ اور پوجتے ہین اللہ سے نیچے جو چیز نہ برا کرے انکا اور نہ بھلا،

وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاءُ نَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ، (یونس)

اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس، تو کہہ کہ تم اللہ کو جتاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں کہیں آسمانوں میں نہ زمین میں،

یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم کا ہے، میرا ترجمہ یہ ہے،

"اور وہ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں، جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں، کہہ دے کہ کیا تم اللہ کو ان لوگوں کے ذریعہ سے خبر پہنچاتے ہو جنکو آسمانوں اور زمین کی کسی شے کا علم نہیں"

میں جس قدر بھی امعانِ نظر سے دیکھتا ہوں اپنے ہی ترجمہ کو صحیح پاتا ہوں، کیونکہ مشرکین جنکو پوجتے تھے ان کی خبر اللہ کو نہیں دیتے تھے بلکہ ان کے ذریعہ سے اپنے حال کی خبر اللہ تک پہنچانا چاہتے تھے، اور یہی معنی سفارشی بننے کے ہیں،

اہل سنت یا کسی خانوادۂ علم کی نسبت رائے کا اظہار کرکے میرے خلاف جذبات بھڑکانے کی جو کوشش کیگئی ہے، اسکی نسبت میں صاف کہدینا چاہتا ہوں کہ فرقہ بندی کو قرآن نے شرک اور کفر قرار دیا ہے اس لئے میں کسی فرقہ کے نام سے اپنے کو روشناس کرانے میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور صرف مسلمان بننا چاہتا ہوں، جن بزرگانِ کرام سے اسلام ہم تک پہنچا ہے، ان کا ممنون ہوں اور ان کے حق میں یہ قرآنی دعا کرتا ہوں،

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ،

اے اللہ ہمکو بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گذر گئے،

لیکن ان کا مقلد نہیں ہوں، قرآن فہمی کا جس طرح ان کو اہل مانتا ہوں اسی طرح اپنے کو بھی اور ان تمام اہل علم مسلمانوں کو بھی جن کے لئے قرآن اتارا گیا ہے،

معارف:-

"چند غلط فہمیون کا ازالہ"

سب سے پہلے حافظ صاحب ممدوح کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ انھون نے احادیث کے متعلق اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اور ان کی زبان سے یہ سنکر خوشی ہوئی کہ خدانخواستہ ان کو احادیث سے انکار نہین، ہم کو موصوف کے اس دعویٰ کے اظہار کو قبول کرنے مین پس و پیش نہین لیکن جو شخص "منکرین حدیث کے دلائل" اور "وضع احادیث" وغیرہ کا پرجوش مصنف، اور فن حدیث کے اسلامی کارنامہ کی بار بار توہین کرنے والا ہو اس نے اپنے متعلق لوگون مین خود غلط فہمی پیدا کی ہے، یا معارف نے؟ امید ہے کہ موصوف اپنے اس اعلان کے بعد منکرین حدیث کے دلائل کی طرح کوئی اور مضمون لکھکر اس اظہار برأت کو خود مجروح کرنے کی کوشش نہ فرمائین گے،

موصوف احادیث متواتر کو مانتے ہین مگر اس قسم کی متواتر حدیثین ان کے زعم مین دو تین سے زائد نہین لیکن انکو درحقیقت متواتر کے معنی مین مغالطہ پیش آیا ہے،

متواتر کی دو قسمین ہین، متواتر لفظی اور متواتر معنوی، متواتر لفظی وہ خبر ہے جس کی روایت کے تمام الفاظ بھی یکسان اور متواتر ہون، یعنی اس مین لفظی کمی و بیشی بھی نہین ہوئی ہو، جیسے قرآن پاک، ان معنون مین متواتر احادیث یقیناً دو تین سے زائد نہین ہونگی، لیکن دوسری قسم متواتر معنوی کی ہے، یعنی وہ خبر جس کی روایت مین تمام راویون کے الفاظ گو یکسان نہ ہون تاہم معنی و مراد مین ہر عبارت کا کوئی ایک مشترک مفہوم ہو، مثلاً آنحضرت صلعم سے مطلق معجزات کا صدور گو کسی لفظی تواتر سے ثابت نہین مگر کثرت واقعات کے معنوی تواتر سے یقیناً ثابت ہے، اسی طرح آنحضرت صلعم کے غزوات و سیر اور اسلام کے ضروری احکام اوامر و نواہی کے روایات بھی تواتر معنوی سے ثابت ہین۔

غیر متواتر حدیثین صاحب مضمون کے نزدیک تمامتر ظنی ہین،

اس مین تین باتین قابل عرض ہین، اول یہ کہ یہ موصوف کا اپنا ایک خیال ہے جبکا تمام اہل علم کے نزدیک صحیح اور تمام مسلمانون کے نزدیک قابل قبول ہونا ضروری نہین، ایسی شاذ اور غیر مسلم رائین کتنی ہوتی ہین، اور ہوسکتی ہین

دوم یہ کہ غیر متواتر کی مختلف قسمین ہین، مشہور و مستفیض، عزیز و غریب، مثلاً ایسی روایتین جو دس بیس پچاس ساٹھ صحابہ سے متفقاً مروی ہین، ان کو بھی ظنی اور ناقابل یقین قرار دینا، صحابۂ کرام اور دوسرے ثقہ اور صالح مسلمانون کے ساتھ ناروا سوءِ ظن ہے، مثلاً آنحضرت صلعم کی طرف جھوٹی حدیث کی نسبت کی وعید سو صحابیون سے، آنحضرت صلعم کی شفاعت کی حدیثین چالیس سے زیادہ صحابیون سے، حوضِ کوثر اور موزون پر مسح کی خبر بھی قریب ستر صحابیون سے اور بنائے مسجد کے ثواب کی حدیث بیس صحابیون سے مروی ہے، علماء نے اس قسم کی اتنی حدیثین گنائی ہین، جن کے راوی اتنے کثیر ہین کہ اُن کو جھوٹا اور ناقابلِ اعتبار کہدینا ایک مسلمان کے لئے بآسانی ممکن نہین ہے،

تیسری قابل عرض بات یہ ہے، کہ محدثین کی اصطلاح مین "ظنی" سے مقصود، مشکوک اور ناقابل اعتبار نہین ہے، بلکہ "ظنی" کے معنی یہ ہین کہ اسکی صحت کا پہلو راجح، اور شک کا پہلو کمزور ہے، یعنی اس کی صحت مین آپ عقلی احتمالات بعیدہ پیدا کرسکتے ہین، اور اس کا اطلاق وہ ان روایات احاد پر کرتے ہین، کہ جنپر گو عقلی یقین کی بنا نہین ہوسکتی، مگر عملاً وہ قابلِ قبول اور قابلِ پیروی ہین،

یقین کی دو قسمین ہین، ایک یقین عقلی یعنی یہ کہ جس کا خلاف عقلاً محال ہو، اور دوسرے یقین عملی جس کے یہ معنی ہین کہ عقلی لحاظ سے گو آپ اس مین شکوک و شبہات اور بعید احتمالات پیدا کرسکتے ہین، مگر عملاً آپ اس پر یقین کرتے ہین، اور اس خبر کے مطابق آپ عمل کرتے ہین، آپ کی طرف سے آپ کا یہ مضمون لکھا ہوا ڈاک سے ہم کو موصول ہوا، یقینِ عقلی و منطقی کے لحاظ سے ہم بالیقین یہ ثابت نہین کرسکتے کہ آیا آپ ہی کا مضمون ہے، مگر یقینِ عملی کے لحاظ سے تسلیم کرتے ہین، اور یہی سمجھکر آپ کو جواب دے رہے ہین،

چھپا ہوا معارف جب آپ کے پاس پہنچا جس مین آپ کے جواب مین ہمارا ایک مضمون تھا، تو آپ نے یقین کیا کہ یہ دار المصنفین کا چھپا ہوا رسالہ ہے، اور فلان مضمون فلان کا ہے، اور اسی یقین کی بنا پر آپ نے اپنا جواب لکھکر ہمارے پاس بھیجا، اب گو اس کا منطقی و عقلی یقین نہین کہ یہ ہمارا معارف ہی تھا جو آپ کے پاس پہنچا تھا، کوئی دوسرا غلط نا مُشَل

لگا ہوا پرچہ نہ تھا اور کسی نے فرضی جواب کر بھی نہیں بھیج دیا تھا، الغرض عقلاً منطقی طور سے اس کے معارف ہونے پر سخت سے سخت اعتراضات ہو سکتے ہیں، مگر خود آپ نے عملاً اس پر یقین کیا اور جواب لکھکر ہم کو بھیجا، اسی عملی یقین پر دنیا کا کاروبار جاری ہے، ورنہ عقلی یقین تو کسی چیز پر بمشکل ہی آسکتا ہے،

اب جو علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ روایات غیر متواتر یقینی نہیں، وہ نفی منطقی و عقلی یقین کی کرتے ہیں، اور جو علماء ان کے بعض اقسام کو یقینی کہتے ہیں وہ یقین عملی کے لحاظ سے کہتے ہیں جس کے مطابق عمل کرنا درست ہوتا ہے، پھر جن علماء نے غیر متواتر حدیث کو منطقی و نظری لحاظ سے ظنی کہا بھی ہے انھوں نے بھی عملی لحاظ سے اس کو ضروری العمل ہی قرار دیا ہے، اس میں سب متفق ہیں، اس بنا پر ایک ابن تیمیہ اور ابن صلاح کیا تمام علماء، اور محدثین بلکہ تمام مسلمان اُس وقت تک اُس پر عمل کرنا ضروری قرار دیتے ہیں، جب تک اس سے زیادہ صحیح روایت یا موثوق خبر اسکے خلاف دوسری نہو،

صاحب مضمون کا خیال ہے:۔

"ان احادیث مظنونہ کے متعلق میرا مسلک یہ ہے کہ ان کا تعلق قرآن کریم کے ساتھ قائم کرنا ضروری ہے جو حدیثیں قرآن کے مطابق ہوں وہ مسلّم ہوں، اور جو مخالف ہوں وہ غیر مسلّم، ان دونوں قسموں کے علاوہ جو حدیثیں ہوں وہ اگر قرآن کی کسی اصولی تعلیم کے ماتحت آتی ہوں، تو قبول کیجائینگی،

کاش! "وضع احادیث" اور "منکرینِ احادیث کے دلائل" وغیرہ گمراہ کن مضامین کے بجائے صاحب مضمون نے اسی مسلک کے مطابق قرآنِ پاک اور احادیث کی خدمت کرتے تو مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہوتے، بحمد اللہ کہ اس سلسلہ میں ہم نے کچھ کام کیا ہے، اور وہ کبھی انشاء اللہ منظر عام پر آجائیگا،

بہرحال صاحبِ مضمون کا یہ مسلک کوئی نیا مسلک نہیں، خود محدثین بھی قریب قریب یہی کہتے ہیں،

وحکمہ انہ یجب العمل بہ مالم یکن مخالفا للکتاب والسنۃ (ظفر الامانی ص ۱۵) — خبر احاد پر عمل کرنا واجب ہے جب تک کہ وہ قرآن یا رسول کی ثابت شدہ سنت کے خلاف نہ ہو،

لیکن اس بات کے لئے کہ یہ مضمونِ حدیث کسی آیت کے مطابق ہے یا نہیں، انسانی فہم کی ضرورت پیش آتی ہے

اب ایک شخص کی تلاش و تحقیق کمزور ہے وہ کہدیتا ہے کہ فلاں مضمون قرآن میں نہیں، لیکن دوسرے کی تحقیق میں وہ ہو، یا یہ کہ ایک شخص ایک آیت کا ایک مفہوم سمجھتا ہے، دوسرا شخص دوسرا مفہوم سمجھتا ہے، اس اختلاف فہم کی بنا پر احادیث کے قبول و رد میں اختلافات پیش آسکتے ہیں، مثلاً آپ کو اور سید احمد خان کو قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک آنحضرت صلعم کے حسی معجزات کا منکر ہے، لیکن اس سے پہلے تیرہ سو برس میں ایک مسلمان صاحب علم بھی ایسا نہیں گذرا جس نے قرآن پاک پڑھکر یہ سمجھا ہو کہ "قرآن تصریحاً رسول اللہ صلعم کے حسی معجزات سے انکاری ہے"، اب کس کی بات کا یقین کیا جائے ایک دو آدمیوں کی رائے کا یا اکابر علمار کی جماعت کثیر کا؟

خود احادیث کو قرآن کی مطابقت کے باعث قبول کرنے اور نہ کرنے میں، اس کے مفہوم کے سمجھنے میں ذہن کی وساطت قائم ہے، اور اس لئے نتائج مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ صاحبِ مضمون نے ہماری پیش کی ہوئی اس حدیث کو مطابقتِ قرآن کی وجہ سے قبول کیا ہے،

مامن نبی من الانبیاء الا اعطی من الآیات	ہر پیغمبر کو اللہ نے ایسے معجزے دیئے کہ جنکو دیکھکر لوگ ایمان لائے
ما مثلہ أمن علیہ البشر وانما کان الذی	مگر مجھے جو (معجزہ) دیا گیا وہ صرف وہ وحی ہے جس کو اللہ
اوتیت وحیا اوحاہ اللہ الیّ ،	میری طرف بھیجا ہے،

اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ رسول اللہ صلعم کو قرآن کے سوا کوئی دوسرا معجزہ نہیں دیا گیا، لیکن ہمارے نزدیک بلکہ تمام علمائے اسلام کے نزدیک صاحبِ مضمون نے اس حدیث کے سمجھنے میں غلطی کی ہے،

یہاں بیان دعوتِ ایمان کے تعلق سے متحدّی بہ معجزات کا ہے، جنکو پیغمبروں نے مخالفین کے سامنے اپنے دعوائے نبوت کے ثبوت میں پیش کیا، اور جنکو دیکھکر لوگ مسلمان ہوئے، نہ کہ نفس معجزات کا، جنکا تعلق دعوائے نبوت اور دعوتِ ایمان سے نہیں، حضرت موسیٰؑ کو عصا کا سانپ بنجانا، اور ہاتھ کا چمک اٹھنا، یہ دو معجزے دیکر فرعون کے پاس بھیجا گیا، اور حضرت موسیٰؑ نے ان کو اپنی نبوت کے ثبوت میں فرعون کے سامنے پیش کیا، لیکن حضرت موسیٰؑ سے اور بھی معجزے صادر ہوئے مثلاً یہ کہ پتھر سے چشمے نکلے، سمندر ان کے لئے شق ہوگیا، اور من و سلوی اترا، مگر ان معجزوں کو انھوں نے کفار کے سامنے

اپنی نبوت کے ثبوت مین پیش نہین کیا، آنحضرت صلعم کو وہ معجزہ جو نبوت کے دعویٰ کے ثبوت کے لئے بمنزلہ عصا و ید بیضا عنایت ہوا، وہ بیشک تنہا قرآن پاک ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ آپ سے اثنائے وقائع مین دوسرے معجزات صادر نہین ہوئے بلکہ بہت سے معجزات صادر ہوئے، مگران کو آنحضرت صلعم نے اپنے دعویٰ کے ثبوت مین کبھی پیش نہین فرمایا، اور نہ ہم پیش کرتے ہین، چنانچہ خود قرآن نے نبوت محمدیؐ کی توثیق و تصدیق مین نزول ملائکہ اور اسرائے مسجد اقصیٰ کو پیش نہین کیا ہے، بلکہ صرف اور تنہا قرآن کو پیش کیا ہے، اور یہی اس حدیث کا بھی منشا ہے،

اگر اس حدیث کا ہم وہ مطلب لین جو آپ سمجھنا چاہتے ہین تو اس ایک حدیث کی خاطر ہم کو قرآن کی بہت سی آیتون کی رکیک تاویل کرنی پڑے گی، اور کم از کم حدیث کی دو متواتر روایتون کا انکار کرنا پڑے گا، کیا یہ طریق عقل ہے،

اختلاف تحقیق و فہم کی دوسری مثال یہ ہے کہ صاحبِ مضمون کو قرآن مین برزخ کے عذاب و ثواب کی کوئی آیت نہین ملتی لیکن اس کے برخلاف تمام علمائے اسلام کو یہ آیتین ملتی ہین، اور ان کو انھون نے پیش کیا ہے، اور وہ ان کو احادیث صحیحہ کے مطابق نظر آتی ہین،

برزخ کے عذاب و ثواب کی جو آیتین پچھلے مضمون مین موصوف کے سامنے پیش کیجا چکی ہین، اگر ان کو ان سے تشفی نہین ہوتی، تو اب اس کا علاج ہمارے پاس نہین، بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کو شرح صدر عطا فرمائے، اور صریح آیتون کی غلط تاویل کے فتنہ سے محفوظ رکھے، اس سلسلہ مین من مات فقد قامت قیامتہ (جو مرا اس کی قیامت کھڑی ہوگئی) کے فقرہ کو حدیث کہکر جو صاحبِ مضمون نے پیش کیا ہے، وہ صحیح نہین، حدیث کی معتبر کتابون مین اسکا ذکر نہین، بعضون نے کہا ہے کہ وہ فضیل بن عیاض صوفی کا قول ہے، بعض ضعیف اور غیر معتبر حدیث کی کتابون مین بھی اسکو نقل کیا گیا ہے، مگر یہ ثابت نہین، اور اگر ثابت بھی ہو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ موت کے بعد ہی سے میت سے سوال وجواب اور اس کا عذاب و ثواب شروع ہو جاتا ہے، نہ یہ کہ مرنے کے بعد غیر محسوس طور سے ہزارون لاکھون برس مٹی ہوکر پڑے رہنے کے بعد جس مین کوئی سوال وجواب اور عذاب و ثواب نہین قیامت جب کھڑی ہوگی تو سوال وجواب اور عذاب و ثواب

شروع ہوگا، اس لحاظ سے یہ فقرہ تو صاحبِ مضمون کی تردید میں ہے، نہ کہ تائید میں، اس فقرہ کے مطابق گویا دو قیامتیں ہیں، ایک شخصی، دوسری عمومی، اس فقرہ میں (کہ جو مر اخاص اسکی قیامت کھڑی ہوگئی تمام دنیا کی نہیں) شخصی قیامت کا ذکر ہے کہ یہ ہر مردہ کے ساتھ الگ الگ حالات اور اوقات میں پیش آتی رہتی ہے، اور بحث اس مجموعی قیامت میں ہے جس میں تمام مردے بیک وقت خدا کے سامنے پیش ہونگے، اور جزا و سزا پائینگے، فافہم،

اب تک صاحبِ مضمون کی تقریر یہ تھی کہ یقین صرف خبر متواتر سے پیدا ہوتا ہے، مگر اس تقریر سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ "غرض عقائد میں نصِ قرآنی درکار ہے"

حالانکہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "غرض عقائد میں رسول صلعم سے خبر متواتر درکار ہے" اور یہ بالکل صحیح ہے، خواہ وہ تواتر لفظی سے ثابت ہو یا تواتر معنوی سے، اور یہی کتب عقائد میں لکھا ہے۔

اس موقع پر صاحبِ مضمون کو "عقائد" کے لفظ میں بھی مغالطہ ہوا ہے، لفظ عقائد جو عقیدہ کی جمع ہے متکلمین کی اصطلاح ہے، یہ لفظ نہ قرآن پاک میں آیا ہے، اور نہ حدیث نبوی میں، صحیح لفظ ایمان ہے، اور اس سے اسی قرآنی مفہوم میں چاہیے "ایمانیات" بنا لیجئے، متاخرین کے ہاں عقائد کا لفظ کبھی قرآن پاک کے ایمانیات کا مرادف ہوتا ہے اور کبھی اس سے زیادہ وسیع، معلوم نہیں، صاحبِ مضمون نے اس کو کس معنی میں استعمال کیا ہے؟ مگر چونکہ وہ آگے چل کر مہدی اور مسیح دجال کو عقائد میں داخل کرنے پر اعتراض کر رہے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عقائد کو ایمانیات سے زیادہ وسیع معنوں میں لے رہے ہیں، اور یہی اونکی غلطی کا سبب ہے،

اگر وہ عقائد کو ایمانیات کے معنوں میں لیکر کہتے کہ ان کے لئے "نص قرآنی درکار ہے" تو بے شبہ اونکا کہنا صحیح ہوتا، اور یہ سچ ہے کہ ایمانیات کے لیے جس کے قبول سے ایک کافر مومن بنتا ہے "نصِ قرآنی درکار ہے" لیکن وہ عقائد کو ایمانیات سے زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کر رہے ہیں، عقیدہ کے وسیع معنی یہ ہیں، کہ رسول سے جو امور اور اطلاعیں تواتر عمل یا تواتر نقل سے مروی ہیں، ان کو صحیح باور کرنا، ان عقائد کے لئے نص قرآنی کی ضرورت نہیں، کہ اگر ان کے لئے نص قرآنی ہی موجود ہوتی تو ان کو تواتر عمل و تواتر نقل کے ذریعہ سے ماننے کی حاجت ہی کیا پڑتی؛

بہرحال عقائد بمعنی دوم کے لئے نص قرآنی درکار نہیں، بلکہ وہ تمام روایات جو نقلاً تواتر لفظی، یا معنوی سے اور وہ تمام امور جو تواتر عمل سے ثابت ہیں، ان کو صحیح و ثابت باور کرنا اور یقین کرنا یہاں ان کا عقائد میں داخل ہونا ہے، صاحب مضمون خود قرآن پاک سے الگ تواتر عمل سے ثابت شدہ چیزوں کو دین کا ضروری حصہ قرار دیتے ہیں، اور جب وہ دین کا ضروری حصہ قرار پائیں تو ان کو رسول سے صحیح طور سے ثابت شدہ اور ضروری جاننا اور باور کرنا بھی ضروری ہوا، اور یہی "عقیدہ" کہلاتا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض چیزیں نص قرآنی میں مذکور نہیں، مثلاً تواتر عمل یا تواتر نقل کی بنا پر حسب ذیل امور پر وہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں،

۱۔ ہر مومن پر دن رات میں پانچ وقت نمازیں فرض ہیں،

۲۔ ظہر و عصر و عشا میں چار چار، فجر میں دو، اور مغرب میں تین رکعتیں فرض ہیں،

۳۔ مال کی معینہ مقداروں پر مقررہ رقم زکوٰۃ فرض ہے،

۴۔ نماز جمعہ میں دو رکعتیں فرض ہیں، اور ان کے قبل خطبہ ضروری ہے۔

۵۔ نکاح بدون شاہدین ناجائز ہے،

وغیرہ وہ تمام امور جو صاحب مضمون کے نزدیک صرف تواتر عمل سے ثابت ہیں، ان کو صحیح یقین کرنا اُن کے عقائد بمعنی دوم میں داخل ہے، گو نص قرآنی سے ان کا ثبوت نہیں،

مہدی آخر الزمان اور مسیح دجال کا عقیدہ بیشک قرآن میں نہیں، اسلئے وہ اسلام کے ایمانیات کا جزو نہیں، لیکن عقائد کے دوسرے معنی میں یعنی رسول کے ان اخبار کو صحیح جاننا جو نقل متواتر سے ثابت ہوں وہ ان لوگوں کے عقائد کا جزو ہیں جو ان اخبار کے بنقل متواتر ثابت ہونے کے قائل ہیں، علاوہ ازیں جہانتک ہم کو معلوم ہے مہدی آخر الزمان کا عقیدہ بتصریح اہل السنۃ کے عقائد میں داخل نہیں، بہرحال اگر صاحب مضمون کو ان روایات پر اعتبار نہیں تو ان کو حق حاصل ہے، کہ وہ ان کے نقل تواتر سے انکار کریں، اور اس موضوع پر اپنے دلائل پیش کریں،

تقدیر کو جب صاحب مضمون قرآن کی تعلیم مانتے ہیں، تو وہ ان کے تفصیلی بیان کا بھی جزء ہوگا، مسئلہ تقدیر کو قرآن کی تعلیم بھی ماننا اور بیان مفصل کے اجزاء سے اسکو خارج بھی کرنا، تضاد کو یکجا کرنا ہے،

تواتر عمل کی نسبت مضمون نگار کا بیان صحیح ہے، صرف ایک بات کا اضافہ کرنا ہے، ہر اس کام کو جو عام طور سے مسلمانوں کے اندر رواج پذیر ہو، اور مسلمان عملاً اس پر کاربند ہوں، کیا تواتر عمل کی بنا پر صحیح مان لیا جائے گا؟ مثلاً آج مسلمان عموماً قبر پرستی کرتے ہیں، تو کیا ان کے تواتر عمل کی بنا پر اس کو صحیح مان لیا جائے گا، یا تمام مسلمانوں میں مروج مجالس میلاد کا رواج ہے تو کیا تواتر عمل کی بنا پر ان کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے گا، اور بھی بہت سے بدعات کا عملاً رواج عام ہے، تو ان سب کو تواتر عمل کہا جائیگا، اگر کہا جائیگا تو یہ غلطی ہے، اور اگر نہیں کہا جائیگا تو کیوں؟ آپ کہیں گے کہ یہ اسلئے کہ عہد رسول سے یہ جاری نہیں، اب اس کے ثبوت کے لئے کہ عہد رسول سے یہ جاری ہیں یا نہیں، آپ کو رسول اللہ صلعم کے افعال و سنن کے ایسے محفوظ مرقع کی ضرورت ہے جس کو سامنے رکھکر آپ فیصلہ کر سکیں کہ یہ رواج عام رسول کے وقت سے جاری ہے، یا بعد کو آکر شامل ہو گیا ہے،

ایک اور بات یہ ہے کہ جہاں تک متفق علیہ تواتر عمل کا تعلق ہے، مضمون نگار کی رائے صحیح ہے لیکن بعض ایسی باتیں بھی ہیں، جو متفق علیہ نہیں ہیں، مثلاً مسلمانوں کا ایک فرقہ ہر نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہے، اور بغیر اس کے کوئی نماز درست نہیں سمجھتا ہے، دوسرا فرقہ ہے، جو جماعت میں مقتدیوں کو سورۂ فاتحہ پڑھنے سے منع کرتا ہے، اب تواتر عمل سے آپ ان دو طریقوں میں سے کس کو صحیح سمجھتے ہیں،

مسلمانوں کی مختلف قوموں، ملکوں، اور فرقوں کے اندر عملاً سینکڑوں باتیں باہر سے آکر شامل ہو گئی ہیں ان بیرونی باتوں (بدعات) کو بیرونی اور خارج از دین قرار دینے کی صورت آپ کے نزدیک کیا ہوگی،

پھر اس کی ذمہ داری کیا ہے کہ مسلمان اپنے تواتر عمل کو اب تک محفوظ رکھے ہوئے ہیں، اور آیندہ بھی محفوظ رکھیں گے،

ان وجوہ سے اگر صحابۂ کرام اور حضرات تابعین اور تبع تابعین نے رسول کی صورت عمل کو عملاً کے ساتھ

ساتھ روایۃً اور تحریراً بھی اوراق میں محفوظ کردیا تو اسلام پر کتنا بڑا احسان کیا، احادیث صحیحہ کے آئینہ میں رسول ؐ کے عمل کی اصلی تصویر کو محفوظ کردیا اور تواتر عمل سے اسکی تصدیق کردی،

خدا کا شکر ہے کہ آپ تواتر عمل کے مطابق تمام حدیثوں کو قبول کرتے ہیں، نیز رسول ؐ کے اسوہ کو بھی تسلیم کرتے ہیں، اب باقی کیا رہ گیا، بہرحال اب اس اعلان سے آپ کے متعلق وہ بہت سی غلط فہمیاں غالباً دور ہو جائینگی، جو آپکے مضامین سے آپ کے متعلق پیدا ہوگئی تھیں، امید ہے کہ اب آپ آخر تک اپنے اس اعلان کردہ مسلک پر قائم رہیں گے، اور اسوۂ رسول ؐ کی تمام صحیح حدیثوں کو قبول کرینگے، خواہ وہ متواتر ہوں یا احاد،

اس طرح پر گویا آپ نے اپنے قول اول کے خلاف یہ تسلیم کر لیا کہ اخبار احاد متعلق اسوۂ رسول ؐ جن سے احکام قرآنی کی تشریح ہوتی ہے، قابل قبول ہیں، وللہ الحمد،

ہم آپ کو آپکے اس اعلان پر دوستانہ مبارکباد دیتے ہیں،

اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں!

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:-

"میں قرآن ہی کو دین کا محور سمجھتا ہوں، اور احادیث اور قدمار کی تشریحات کو اس کی مطابقت کی وجہ سے صحیح تسلیم کرتا ہوں، یہ نہیں کہ آیات قرآنی کو اُن کے صحیح مفہوم سے موڑ کر احادیث اور سلف کے اقوال کے مطابق کروں، یہی میرے نزدیک قدامت پرستی اور سلف پرستی ہے، جو ناجائز ہے"

بات تو بہت صحیح ہے، مگر اس کا فیصلہ کون کریگا کہ آیات قرآنی کو اُن کے صحیح مفہوم سے موڑنے" کا جرم کس نے کیا ہے، کیا عجیب بات ہے کہ بے موقع "واو" کے معنی "یعنی" "شیطان" کے معنی "سانپ" "سحر" کے معنی "جھوٹ" "جن" کے معنی "انسانوں کا ایک گروہ" وغیرہ آپ لیں، اور آیات قرآنی کو ان کے صحیح معنی سے موڑنے کا جرم دوسروں پر عائد کریں، تیرہ سو برس کے متفقہ عقائد، احادیث اور اکابر علمائے اسلام کے مطابق اگر ہم قرآن کو سمجھیں تو قرآن کو اس کے اصلی مفہوم سے موڑنے کا جرم کریں، اور آپ متفقہ عقائد، احادیث، لغت، قواعد نحو، اور اکابر اسلام کی تحقیقات سے تنہا صرف

اپنے علم و فہم کی بنا پر مخالفت کریں تو وہ عین قرآن قرار پائے،

آیت مذکورہ کا جو ترجمہ تمام مفسرین و مترجمین کے خلاف آپ کرتے ہیں، اور آپ کو اس کے صحیح ہونے پر اصرار ہے، ہم اس کو غلط سمجھتے ہیں، قرآن پاک میں انبأ اور نبأ کے الفاظ کم از کم دس پندرہ موقعوں پر استعمال ہوئے ہیں، ہر جگہ ان کے بعد ب ہے، مگر ہر جگہ بلا استثناء یہ صلہ کی ب ہے، جو مفعول پر آتی ہے، کہیں بائے استعانت نہیں ہے، اس لئے قرآن کے تمام استعمالات کے خلاف ایک جگہ صرف اپنی فہم واحد کی وجہ سے بائے استعانت لینے میں قرآن پاک کے عام طرز و اسلوب سے آپ انحراف کرتے ہیں،

اسی آیت کے ہم معنی ایک اور آیت پیش کیجاتی ہے، جسمیں "سفارشی" کا لفظ بھی نہیں جسپر آپ کے استدلال کی بنیاد ہی،

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِنَ الْقَوْلِ (رعد - ۵)	اور انھوں نے اللہ کے لیے شریک ٹھہرائے، کہو کہ تم ان (شرکون) کے نام تو لو کیا تم خدا کو (ایسے شریکوں) کے ہونے کی خبر دیتے ہو جسکو وہ زمین میں جانتا بھی نہیں یا صرف اوپری (بے اصل) بات خدا کو بتاتے ہو،

اہل علم غور کریں کہ عطف کی وجہ سے جو ب "بظاہر من القول" پر ہے وہی ب "بما لا یعلم" پر ہوگی، کیا صاحب مضمون خود بھی جرأت کر سکتے ہیں، کہ اپنے خیال کے مطابق وہ بظاہر من القول میں بائے استعانت مراد لے سکیں اور یہ کہہ سکیں کہ "ظاہری قول" بھی عرب کا کوئی دیوتا تھا، اس بنا پر ناممکن ہے کہ بما لا یعلم میں بائے استعانت مراد ہو ورنہ ظاہری قول اور اوپری بات کو بھی ایک دیوتا ماننا پڑے گا، جسکے ذریعہ خدا کو خبر دی جاتی ہے،

آیت کا مطلب یہ ہے، کہ اہل عرب کو جو بتوں کی پوجا کرتے تھے، اور ان کو خدا کا شریک اور خدا کے ہاں شفیع جانتے تھے، اپنے مسلک کی نسبت گمان تھا کہ یہی اصل دین ہے، جو حضرت ابراہیمؑ سے اب تک چلا آتا ہے، اور یہ کہ خدا ہی نے ہم کو ان کے شریک و شفیع سمجھنے کا حکم دیا ہے یعنی کفار قریش اپنی بت پرستی

کو خدا کا دین سمجھتے تھے، جس طرح آج بھی کچھ لوگ بزرگون کی قبرون اور اولیاء کی یادگارون کی پرستش، منت اور ان سے درخواست دعا کو خدا اور رسول کا دین سمجھتے ہین، ان کفار قریش کے جواب مین یہ کہا جا رہا ہے کہ کیا تم خدا کو بتاتے ہو کہ دین حق کیا ہے؟ خدا کو تو ان بتون کے شریک وشفیع ہونے کا علم نہین، بلکہ اس کا علم یہ ہے کہ یہ بت خدا کے شریک وشفیع نہین ہین، جو بات خدا کے علم مین نہین، وہ قطعاً باطل ہے، اس لئے ان بتون کا شریک وشفیع ہونا قطعاً باطل ہے،

اس آیت کا جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے، اسکی صحت پر تین دلیلین ہم نے پیش کی ہین جنکی ذیل مین تلخیص کر دیجاتی ہے

۱- قرآن پاک مین انباء اور تنباء کے بعد ہمیشہ صلہ کی ب آئی ہے، ذریعہ اور استعانت کی نہین، اسلئے زیر بحث آیت مین بھی ایسی ہی ب ہوگی، نہ کہ استعانت کی جیسا کہ آپ سمجھتے ہین،

۲- تمام زبان دان، اور اصحاب علم علمائے اسلام، مفسرین اور مترجمین نے یہی سمجھا ہے، اور بغیر کسی قوی دلیل کے ان سب کے خلاف جانا بڑی ذمہ داری کا کام ہے،

۳- اس زیر بحث آیت کے ہم معنی قرآن مین ایک اور آیت ہے، جس مین آپ کا بیان کردہ مطلب قطعاً درست نہین ہوسکتا، اسلئے اس آیت مین بھی نہین ہوسکتا،

اہل سنت کی نسبت صاحب مضمون نے جس تحقیرانہ خیال کا اظہار کیا تھا، اس کو مسلمانون کے سامنے پیش کرنا ہمارا فرض تھا، تا کہ اہل سنت مسلمان اون کو اہل سنت مین سے سمجھکر دھوکا نہ کھائین، باقی یہ کہ اون کے خلاف جذبات کو بھڑکانے کی نیت سے کوئی بے اصل بات کہی گئی ہے، تو اولاً تو ایسا نہین ہے، ثانیاً صاحب مضمون کو اپنی اسلامی پوزیشن کی نسبت مغالطہ نہ ہونا چاہئے، وہ نہ سیاسی لیڈر ہین، نہ مذہبی متبوع عالم اور نہ کسی ذاتی رسالہ کے اڈیٹر ہین جو ان کے خلاف جذبات کو بھڑکا کر کوئی فائدہ حاصل کیا جائے، صاحب مضمون سے زیادہ عزیز جامعہ ملیہ ہے، اگر جامعہ ملیہ کے مدرس ہونے کی نسبت اونکو حاصل نہ ہوتی تو شاید اون کے مضامین کی تردید کی ضرورت بھی پیش نہ آتی،

فرقہ بندی کو قرآن پاک نے شرک وکفر تو کہین نہین کہا ہے، ہان ایک معنی مین گمراہی بیشک کہا ہے، اسی لئے اہلسنت

نے اپنے لئے فرقہ بندی کا کوئی لفظ اختیار نہیں کیا ہے، نہ کسی شخص خاص کی طرف اپنے کو منسوب کیا ہے، سنت کے معنی انھیں دو اصولوں کے ہیں جنکو صاحب مضمون نے مبہم طور سے اس شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے یعنی تواتر عمل، اور اسوۂ رسول، اہلسنت وہ ہیں جو دین میں نئی نئی بدعتوں سے علحدہ رہ کر صرف اس راہ پر چلتے ہیں جو رسولؐ کا اسوہ تھا، اور جو رسولؐ اور صحابۂ کرام کے تواتر عمل سے ثابت ہے، اسلئے اہلسنت ہونے کا اظہار نہ فرقہ بندی ہے، اور نہ کوئی ڈرنے کی چیز،

قرآن فہمی میں آپ کسی "خانوادۂ علم" کی تقلید یقیناً نہ کریں، مگر ان پر اعتراض کرنے میں بھی آپ اس وقت تک پیشدستی نہ کریں، جب تک ان سے زیادہ علم و عمل اور فضل و کمال پیدا نہ کر لیں،

قرآن فہمی نصیحت پذیری، نکوکاری اور حصول معرفت کے لئے یقیناً ہر مسلمان کا حق ہے، بلکہ اس پر فرض ہے، لیکن قرآن پاک سے استنباط مسائل اور اجتہاد کے لئے علم و عمل کے کچھ شرائط درکار ہیں، جنکا ہر شخص میں پایا جانا ضروری نہیں، اور ان معنوں میں قرآن فہمی کا اہل ہر مسلمان نہیں،

آخر میں صاحب مضمون کے مزید غور کے لئے ایک نکتہ پیش ہے، امید ہے کہ وہ اس پر غور کرینگے، وہ کہتے ہیں کہ

"حضور اکرم صلعم نے قرآن مجید کے سارے احکام پر عمل کر کے اور لوگوں سے عمل کرا کے امت کو دکھلا دیا، جو امت کے پاس تعامل یعنی عمل متواتر کی صورت میں نسلاً بعد نسل چلا آتا ہے"،

سوال یہ ہے کہ جسطرح حضور انور صلعم نے "قرآن مجید کے سارے احکام پر عمل کر کے اور لوگوں سے عمل کرا کے امت کو دکھلا دیا، کیا اسی طرح قرآن مجید کے سارے عقائد پر خود یقین کر کے اور لوگوں کو ان پر یقین دلا کر بھی دکھا دیا، یا نہیں، اور وہ عقائد نقل متواتر کی صورت میں نسلاً بعد نسل چلے آتے ہیں یا نہیں، اگر نہیں آتے تو کیوں نہیں، کیا صحابہ و تابعین ہی کے عہد میں یہ تواتر مٹ گیا، یا بعد کو، ہر حال میں اس تواتر نقل کا پتہ لگا کر ان کو قبول کرنا چاہئے، اور یہی اہلسنت کا مسلک ہے، اور اگر چلے آتے ہیں تو انکے خلاف نئے نئے عقائد کی راہیں تلاش کرنا اس تواتر سے بغاوت ہے یا نہیں، جسکی اس شدت سے بجا طور پر آپ تلقین کرتے ہیں، اسی کا دوسرا نام بدعت ہے، جس سے ہم آپ کو بچانا چاہتے ہیں، والسلام علی من اتبع الھدیٰ،

عالم برزخ

از

جناب مولنٰا ثناء اللہ صاحب امرتسری اڈیٹر "اہل حدیث"

ذیل مین ہم اہل حدیث کے ایک مستند عالم کی تحریر شائع کرتے ہین، جنسے دو باتین ظاہر ہونگی، ایک یہ کہ حافظ اسلم صاحب کو ان کے مضامین کی بنا پر جیسا معارف نے سمجھا تھا ویسا ہی دوسرے اہل علم نے بھی سمجھا، اور ان کے سمجھنے مین معارف نے غلطی نہین کی، دوسری یہ کہ علاوہ دوسرے امور کے جن دو باتون پر ہم نے اُن کو ٹوکا ہے، اُن کی نسبت دوسرے اہل علم کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ وہ ان مین بر سر باطل ہین،

"معارف"

جماعت اہل قرآن (منکرین حدیث) کے حق مین ہم اس امر کے معترف ہین کہ قرآن مجید کو پڑھتے اور غور کرتے ہین، باوجود اس کے بہت سے امور مین کل اہل اسلام سے مختلف ہین، ان کی مثال ہمارے نزدیک یہ ہے کہ ایک شخص کی ایک آنکھ بالکل بند ہو جائے اور دوسری دکھنے لگ جائے تو بینائی کا کیا حال ہوگا، یہی حال ہے اہل قرآن کا حدیث کی آنکھ تو بالکل بند ہے، رہی قرآنی آنکھ سو اس کی بینائی مین یون فرق آگیا ہو کہ قرآن مجید کو اپنی رائے کے ماتحت کرنے کی کوشش کرتے ہین،

گذشتہ ایام اور سنین مین ہم نے مولوی عبد اللہ چکڑالوی اور مولوی احمد دین امرتسری وغیرہ کی طرف توجہ مبذول رکھی تھی، اور جوابات کے سلسلہ مین ہم نے تفسیر بالرّاے کی کئی مثالین بتائی تھین، آج ہمارا روے سخن ایک جدید اہل قرآن کی طرف ہے، جنکا نام نامی ہے "مولنٰا حافظ اسلم جیراجپوری پروفیسر جامعہ ملّیۃ دہلی"

تردید حدیث کے گذشتہ ٹھیکہ دارون کے بعد آجکل حافظ اسلم صاحب نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے، حافظ صاحب

کے مضامین مخالفہ میں سے آج جس مضمون پر ہم توجہ کرتے ہیں وہ "عالم برزخ از روئے قرآن ہے" اس مضمون میں ممدوح نے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عام طور پر جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بعد از موت تا قیام قیامت ایک مدت دراز ہے جس میں نیک و بد لوگ اپنے اعمال کے مطابق بدلہ پاتے رہیں گے، پھر قیامت کے روز ان کا حشر ہوگا، یہ قرآن مجید سے ثابت نہیں بلکہ عالم برزخ آپ کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"عالم برزخ قرآن کے نزدیک مطلق عالم ممات ہے، جس میں کسی قسم کی حیات کا شائبہ نہیں ہے" (جامعہ بابت جنوری ۱۹۳۳ء صفحہ ۵)

باوجود اس کے شہداء فی سبیل اللہ کے حق میں زندگی کے معترف ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ

"بیشک شہداء یعنی مقتولین فی سبیل اللہ کے بارے میں قرآن نے تصریح کردی ہے کہ وہ زندہ ہیں انکی حقیقت یہ ہے کہ وہ برزخ یعنی آڑ میں نہیں رکھے گئے ہیں، بلکہ "عند ربھم" اپنے رب کے حضوری میں ہیں جہاں ان کو روزی ملتی ہے، وہ جان نکلنے کے ساتھ ہی اس برزخ کو ایک دم پار کر جاتے ہیں" (ایضاً ص ۲۲)

الجدید: جس طرح قرآنی نص کے ماتحت آپ نے شہداء کو زندہ اور مرزوق مانا ہے، ہم ایک آیت آپ کی توجہ میں لاکر امید رکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو بھی اس مد میں داخل فرمالیں گے، وہ یہ ہے،

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ (پ ۱۴ ع ۱۰)	یعنی فرشتے جن لوگوں کی ارواح ایسے وقت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ بد اعمال کی نجاست سے پاک ہوتے ہیں، انکو وہی فرشتے "سلام علیکم" کہکر کہتے ہیں کہ جنت میں داخل ہوجاؤ کیونکہ تمھارے کام اسی قابل ہیں"

اس آیت نے صاف بتادیا ہے کہ نیک اعمال کرنے والے صالحین کو موت کے بعد جنت میں داخل کیا جاتا ہے، جس پر غالباً حافظ صاحب موصوف کو بھی اعتقاد ہوگا، اسی طرح کفار نابہنجار کے ذکر میں فرمایا:۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا	آل فرعون صبح، شام آگ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ط (پ ۲۴ ع ۱۰) اور جب روز قیامت قائم ہوگی اس روز حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب مین داخل کرو،

آیت سابقہ صالحین کے حق مین بعد موت جنت کا اظہار کرتی ہے تو دوسری آیت کافرین کے لئے متصل موت ہی عذاب کا ثبوت دے رہی ہے، یہی عالم برزخ ہے جس کی بابت ارشاد ہے،

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (پ ۱۸ ع ۶) ان کے آگے برزخ ہے حشر تک،

ہمارا دعویٰ تو ان دو آیتون سے ثابت ہے، مگر مولنا اسلم صاحب نے جو اس مضمون مین خرق عادت کمال کیا ہے، اس کا اظہار نہ کرنا بھی غالباً موصوف کی بے قدری ہے، (اول) آپ نے اس آیت (النار یعرضون) کا ترجمہ یون کیا ہے،

آلِ فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا جس پر صبح اور شام پیش کئے جائین گے یعنی قیامت کے دن حکم دیا جائیگا کہ آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب مین داخل کرو،

حافظ صاحب نے اس مین یہ کمال کیا کہ یعنی لگا کر یہ ظاہر فرمایا کہ واو عطف تفسیری ہے عطف مغایرت نہین، حالانکہ عطف تفسیری وہان ہوتا ہے جہان معطوف اور معطوف علیہ کا مصداق ایک ہی ہو[1] جیسے اس آیت مین،

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى، (پ ۱۶ ع ۱۶) جان لوگے کون سیدھی راہ والے اور کون ہدایت یاب ہین،

چونکہ اصحاب الصراط السوی اور اصحاب ہدایت ایک ہی ہین اس لئے یہ عطف تفسیری ہے، مگر آیت زیر بحث مین تو دو جملے الگ الگ ہین، پہلا جملہ خبریہ ہے، دوسرا انشائیہ، اس کو عطف تفسیری بتانا غالباً ہمارے اول دعویٰ کی تصدیق ہے کہ اہل قرآن بالقصد ایک آنکھ کی روشنی سے بھی کام نہین لیتے،

مقام تعجب ہے کہ مولنا جیراجپوری باوجود ذی علم ہونے کے ایسی حرکت کے مرتکب کیون ہوئے، غالباً مقولہ الصحبۃ متؤثرۃ صحیح ہے،

[1] معارف:- یعنی ہم معنی ہو یا ہم مصداق ہو،

دوسری ایجاد | حافظ صاحب جیراجپوری نے دوسرا کمال اس مضمون مین یہ دکھایا ہے کہ ایک آیت کا ترجمہ عجیب و غریب کیا ہے، وہ آیت مع ترجمہ درج ذیل ہے:-

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ	وہ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہین جو نہ اُن کو
وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا	ضرر پہنچا سکتے نہ نفع اور کہتے ہین کہ یہ لوگ اللہ
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا	کے یہان ہمارے سفارشی ہین، کہدے کہ کیا تم
يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ	اللہ کو ان لوگون کے ذریعہ سے خبر پہنچاتے ہو جنکو
(پ ۱۱-ع ۱۰)	آسمان اور زمین کی کسی شے کا علم نہین "

اس آیت مین یہ کمال کیا ہے کہ " بِمَا " کی " باء" کو بمعنی ذریعہ بتایا ہے، حالانکہ مصدر انباء کا صلہ " ب " آیا کرتی ہے، ہم ایک دو محاورے حافظ صاحب کے خلاف قرآن ہی سے بتاتے ہین، مثلاً ارشاد ہے، يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ، اس آیت مین دو دفعہ انباء سے مشتق لفظ بصورت امر اور بصورت ماضی استعمال ہوا ہے، کیا اس مقام پر بھی " ب " ذریعہ پر وارد ہے؟ نہین " ب " کا مجرور مفعول بہ ہے ٹھیک اسی طرح آیت مذکورہ مین ہے، (اہلحدیث ۱۲/۴ ص ۵۲)

خطبات مدراس

مولانا نے ۱۹۲۶ء مین مدراس مین سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے (لکچر) دیے تھے، جو نہایت مقبول ہوئے اور مسلمانون نے انکو بیحد پسند کیا، ان آٹھ لکچرون مین نہایت موثر الفاظ مین اور تاریخی دلائل کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپ کی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمانون مین ہدیۃً تقسیم کیے جائین اور عربی مدرسون اور مکتبون اور انجمنون مین ان کو پڑھایا جائے ضخامت ۱۵۸ صفحے طبع دوم، قیمت عہ/

تلخیص و تبصرہ

وادیِ سندھ کی تہذیب

(از پروفیسر ایچ، جی، رالنسن۔ در رسالہ "آرین پاتھ" بابت فروری ۱۹۳۴ء)

پروفیسر ایس، دی، ونکٹیشور نے رسالہ "آرین پاتھ" جنوری ۱۹۳۰ء کے ایک فاضلانہ مقالہ مین موہنجو دارو (Mohenjo Daro) اور ہڑپا (Harappa) کے عجیب و غریب آثار قدیمہ کے حالات بیان کئے تھے، جنسے قدیم تاریخ ہند سے متعلق ہمارے خیالات مین ایک انقلاب پیدا ہوگیا ہی لیکن ضرورت ہے کہ ان اکتشافات کی اہمیت پر کسی قدر زیادہ تفصیل کے ساتھ غور کیا جائے، میرا خیال ہے کہ ان سے دو نتیجے ایسے پیدا ہوتے ہین جنمین کسی شبہہ کی گنجایش نہین، ایک یہ کہ وادی سندھ کے باشندے عراق عرب (مسوپوٹامیا) سے ترک وطن کرکے ۴۰۰۰ قبل مسیح کے قریب درہ بولان کی راہ سے سندھ مین آئے تھے اور اپنے ساتھ اپنے اصلی وطن کی سمیرین تہذیب بھی لیتے آئے تھے، جسے بعد مین انھون نے اپنے طریقہ پر ترقی دیدی، دوسرے یہ کہ وہی لوگ "داس" (Dasa) یا "داسیو" (Dasyu) تھے جنکا رنگ سیاہ اور ناک غائب تھی، وہ لنگ کی پوجا کرتے تھے اور فصیل دار شہرون مین رہتے تھے، جب خانہ بدوش آرین لوگ دروں سے ہوکر سات دریاؤن کے ملک مین داخل ہوئے تو وہ اُن (قدیم باشندون) سے لڑے اور بالآخران پر غالب آئے، ایک تیسرا نتیجہ، کہ وہ لوگ قوم ڈراوڈ کے مورث یا اعزہ بھی تھے، اگرچہ راقم سطور کے نزدیک بہت زیادہ قرین قیاس ہے، تاہم ابھی صرف ایک مفروضہ ہے،

لیکن ہمارے لئے اس وقت جو چیز حقیقۃً سب سے زیادہ دلچسپ ہے وہ آرین لوگون کا اپنے قدیم پیشرودون کا مرہون منت ہونا ہے، قدیم تہذیب (کلچر) کے باب مین آرین کارنامون کو نہایت مبالغہ آمیز اہمیت دینا ایک دستور ہوگیا ہے

اور اس خیال کو حال مین ہرہٹلر نے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے، یہ دعویٰ نطشے کے وقت سے چلا آتا ہے، جو ساحل بالٹک کے "خوبصورت وحشی" (Blond Beast of the Baltic) کی منقبت سرائی سے کبھی تھکتا ہی نہ تھا، دوسرے لوگون نے بھی مذہبی جوش کے ساتھ ویدک سنسکرت کا قدیم ترین زبان ہونا بیان کیا ہے، اور اس کو بالکل بھول گئے ہین، کہ قدیم مصری یا سُمیرین زبان کے مقابلہ مین وید حال کی ایک چیز ہے، ہم مین سے بہتیرے لوگ ماہرین السنہ اور ماہرین انسانیات کے تنبہ کے باوجود اب تک آرین کو ایک نسل ہی کہتے جا رہے ہین، گویا وہ تمام قومین جو آرین زبان بولتی ہین، ایک ہی خاندان اقوام کی رکن تھین حالانکہ نسلی حیثیت سے مغربی یورپ کی قوم سلٹ (CELTS) اور اُن آریون مین کوئی تعلق نہین جو سہ ہزار سالہ قبل مسیح مین سیستان اور پنجاب مین وارد ہوئے تھے، اسی طرح آج کے ہندو اپنے کو آریہ کہنے کے شایق ہین حالانکہ جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ راجپوت اصلاً گوجر ہین، مرہٹہ ایک مخلوط نسل ہے، دَراوِڈین، سیتھین، اور وطنی عناصر کی، اور بنگالی بڑی حد تک منگول نسل کے ہین، جو آرین خون ابتداءً ہندوستان مین آیا تھا وہ اب سے صدیون قبل ان بے شمار حملہ آور جماعتون مین مل کر جذب ہو گیا جو بعد مین آئی تھین،

آرین لوگ اس متمدن دنیا مین دیر مین پہنچے جو عہد معدنیات مین بحر روم کے ساحلون سے لیکر دریائے نیل، دجلہ و فرات، اور دریائے سندھ کے کنارون تک پھیلی ہوئی تھی، آرین زبان بولنے والی قومین خانہ بدوش اور قدیم قومین تھین، وہ اپنی جانشین گاتھ اور ہن قومون کی طرح جو تیسری اور چوتھی صدی عیسوی مین نمودار ہوئین جلد اپنے مقابل کی پر تعیش اور روبہ تنزل تہذیب پر غالب آگئین، لیکن بالآخر انھون نے خود ہی قیام اختیار کر لیا، اپنی جہان گشتی کی عادت چھوڑ بیٹھے، مقامی قومون سے ازدواجی تعلقات قائم کر لئے، اور جن لوگون کو شکست دی تھی انھین کی تہذیب اختیار کر لی، تقریباً ہر بار ایسا ہی ہوا، وادی سندھ مین خونخوار آرین حملہ آورون نے موہنجو داڑو اور ہڑپا کے صلح پسند دست، اور دستکار باشندون کو مسلسل لڑائیون کے بعد جنگی آواز بازگشت وید کے گیتون مین اب تک محفوظ ہے نکال باہر کیا، یونان مین ہلینی (HELLENES - خالص یونانی نسل کے لوگ) نے مینوان یا ایجین

(Minoan Mycenae) تہذیب کو شکست دینے کے بعد اسے خود ہی اختیار کر لیا، اٹلی مین اہلِ لاطینیہ نے بھی وہان کے قدیم باشندون ایٹرسکنس (Etruscans) کے ساتھ یہی کیا، یونان کی شان و شوکت اور رومہ کی عظمت سامی بنیادون پر قائم کی گئی تھی، بحر روم کی بڑی بڑی سامی سلطنتین اس وقت بھی صدیون سے قائم چلی آرہی تھین جب کہ آرین قومین ہنوز حالتِ وحشت مین تھین اور بحر بالٹک کے ساحلون پر کوڑیان چنا کرتی تھین،

دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام سامی الاصل ہین، موہنجوداڑو کے اکتشافات سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ سامی عنصر کہین ہندو مذہب کا بھی اہم ترین جزو تو نہین ہے، شیو مہادیو ہندو بت کدہ کا سب سے بڑا خدا ہے، مدت سے یہ رائے قائم ہے کہ شیو مہادیو اور وید کے خدا رودرا کے ایک ہی شخصیت ہونے کا نظریہ قابلِ اطمینان نہین ہے، یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس کی پرستش خاص طور پر اسی حصۂ ہند مین کثرت سے ہوتی ہے جہان قوم دراوڑ کی آبادی ہے، شیو مہادیو ہی کی جانب "یوگ" یعنی راہبانہ مذہبی عبادات منسوب کیجاتی ہین، اس راز کا انکشاف وادی سندھ کی مہرون سے ہوتا ہے، جن پر ایک تین سر اور سینگ والے خدا کی تصویر بنی ہوئی ہے، اس کی نشست "یوگ" کے ایک آسن کی ہے اور اس کے اردگرد درندون کی تصویرین ہین، یہان ہم صاف طور پر شیو "مہایوگی" درندون کے "خدا" کی اصلیت کا پتہ لگا سکتے ہین، بھارت اور سانچی کے آثارِ قدیمہ کی طرح وادیِ سندھ کی مہرون سے "مادرِ عظمیٰ"، "مقدس سانپ"، "مقدس درخت" کی پرستش، "لنگم"، "یونی" اور قدیم بودھ مذہب کے بہتیرے ماقبل حالات کا پتہ بھی لگایا جا سکتا ہے،

سب سے آخر یہ کہ ہندوون نے فن تحریر وادی سندھ کے لوگون سے حاصل کیا، پروفیسر لینگڈن (LAN GDON) نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ برہمی رسم خط وادی سندھ کے باتصویر حروف سے ماخوذ ہے، اس مین شبہہ نہین کہ آئندہ اثری اکتشافات سے اس رائے کی تصدیق ہو جائیگی کہ ہندو مذہب اور ہندو آرٹ اور کلچر بھی خود ہندوؤن کی طرح اپنی اصل مین زیادہ تر غیر آرین ہین، اس آرین افسانہ کو بھی اُن بہتیرے ردشدہ نظریات کے

پہلو مین جگہ ملنی چاہئے جنکے بوسیدہ اوراق مورخ کی الماریون کا بار تھے۔ "ع ز"

کیا سائنس سے بیروزگاری بڑھ رہی ہے؟

سات سال ہوئے بشپ آرتھر بروز (Arthur Burroughs) نے ایک جماعت کے سامنے جس کے بیشتر افراد برطانیہ کی انجمن ترقی سائنس کے رکن تھے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ تحقیق و ایجاد مین جس تیزرفتاری کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے، اس سے پوری طور پر فائدہ اٹھانا موجودہ حالت مین انسان کی طاقت سے باہر ہے اور یہ تجویز پیش کی تھی کہ دس سال کے لئے سائنٹفک تحقیق و تفتیش ملتوی کردیجائے، ۱۹۲۷ء مین اس تجویز پر کچھ عام توجہ کیگئی، لیکن ۱۹۳۰ء مین جب امریکہ نیز بیرونی ممالک مین لاکھون آدمیون نے زمانہ کی ابتری اور پریشان حالی پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا شروع کیا تو اہل قلم کی اس جماعت نے جو عوام مین مقبول تھی بشپ بروز کی تجویز کو لے لیا اور اقتصادی مشکلات کی ذمہ داری سائنس کے سر عائد کرنا شروع کردی،

سائنس کے خلاف جو دلیل پیش کیجاتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مشین کی صنعت و حرفت کو ترقی ہو رہی ہے لیکن افراد کی بے روزگاری بڑھتی جاتی ہے، امریکہ کے بعض ممتاز سائنس دانون نے حال مین اس رائے کی صحت و عدم صحت پر غور کرنا اور اس سے متعلق واقعات کا مطالعہ کرنا شروع کیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر کومپٹن (Dr. Compton) بیان کرتے ہین کہ یہ خیال کہ سائنس سے بیروزگاری بڑھتی ہے یا وہ ہماری اقتصادی یا عمرانی مشکلات کی جڑ ہے" خلاف واقعہ ہے، لاعلمی یا غلط فہمی پر مبنی ہے، اور اپنے امکانی اجتماعی نتائج کے رو سے مضرت رسان ہے" ڈاکٹر کومپٹن کو اعتراف ہے کہ مشین کی صنعت و حرفت کی ترقی کے باعث دستکار اکثر بے روزگار ہوگئے ہین لیکن انھون نے دکھایا ہے کہ سائنٹفک تفتیش و تحقیق کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ نئی نئی صنعتون اور حرفتون کے کھل جانے سے روزگار کے مواقع بہت زیادہ ہوگئے ہین ان صنعتون اور حرفتون کی وجہ سے نہ صرف کام کرنے کی نئی جگہین کثرت سے پیدا ہوگئی ہین، بلکہ چیزون کی پیداوار بھی بڑھ گئی ہے

نیز کام کرنے کے گھنٹوں میں پہلے کی بہ نسبت تخفیف ہوگئی ہے،

ڈاکٹر کومپٹن کا خیال ہے کہ اس وقت سائنس کو کم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے ترقی دینے کی ضرورت ہے، اُن کی رائے مین روزگار کو بڑھانے کی سب سے زیادہ اہم تدبیر اس وقت یہ ہے کہ کام کرنے کے گھنٹون مین تخفیف کر دیجائے، مشینون کی وجہ سے آج ایک آدمی چند گھنٹون مین اتنا کام کر سکتا ہے جتنا اس کے آبا و اجداد گھنٹون کی سخت محنت کے بعد پورا کر سکتے تھے،

سنہ ۱۹۰۰ء مین امریکہ مین گاڑیون کی صنعت کے سلسلہ مین کاریگر، کوچبان، اور لوہار وغیرہ کی حیثیت سے دس لاکھ سے کم آدمی کام کرتے تھے لیکن سنہ ۱۹۳۰ء مین موٹرون کی صنعت کے سلسلہ مین جو متعدد سائنٹفک انکشافات کی مدد سے تیار کیگئی ہین، (۲۴۰۹۳۴) آدمی کام کرتے تھے، ان اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ موٹرون کی ایجاد سے گھوڑے گاڑیون اور ساز وغیرہ کے بنانے والون کی تعداد کم ہوگئی ہے، تاہم بہ حیثیت مجموعی کام کرنے والون کی تعداد مین (۲۵) فی صدی کا اضافہ ہوگیا ہے،

اس سے زیادہ اہم وہ جدید صنعتین ہین جو سائنٹفک انکشافات کی بنا پر گذشتہ پچاس سالون مین قائم ہوگئی ہین سنہ ۱۹۰۳ء مین ہوائی جہاز محض ایک کھلونا تھا، لیکن آج یہ پچاس ہزار یا اس سے زیادہ آدمیون کی روزی کا وسیلہ ہے،

سو برس سے کچھ ہی زائد ہوئے جب مائکل فیراڈے (Michael Faraday) نے قوت مقناطیسی اور برق کا درمیانی تعلق دریافت کرکے ان صنعتون کی بنیاد رکھی تھی جو بجلی سے تعلق رکھتی ہین، یہ تمام صنعتین گذشتہ پچاس سالون مین ترقی پا چکی ہین، اور اب ان مین دس لاکھ سے زیادہ آدمی کام کرتے ہین۔

سینما کی صنعت کے سلسلہ مین اسوقت دو لاکھ نوے ہزار آدمیون کو روزگار حاصل ہے، سنہ ۱۹۱۰ء مین جب سینما مین زیادہ ترقی نہین ہوئی تھی، تھیٹر کے سلسلہ مین کام کرنے والون کی تعداد ایک لاکھ سے کم ہی تھی،

نیویارک کے "عجائب خانہ سائنس و صنعت" (Museum of Science and Industry)

نے حسب ذیل اعداد و شمار اکٹھا کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ ان صنعتوں کی وجہ سے جو سائنٹفک انکشافات اور تحقیقات پر قائم کی گئی ہین، کام کرنے والون کی تعداد مین بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے، یہ اعداد و شمار صرف چند صنعتون کے متعلق ہین اور صرف امریکہ تک محدود ہین :۔

صنعت	کام کرنے والون کی تعداد
موٹر،	۲۴۰۹۳۹۴
برقی صنعتین،	۱۰۳۴۶۳۷
ٹیلیفون،	۳۵۷۰۸۵
سینما،	۲۹۰۰۰۰
دخانی جہاز،	۲۱۷۴۳۱
ریڈیو،	۹۴۰۰۰
مشین کے پرزے،	۸۷۲۷۱
کھانے کی چیزین ٹھنڈی رکھنے کی برقی مشین،	۷۲۲۹۱
ہوائی جہاز،	۵۰۰۰۰

ان کے علاوہ اور بہت سی صنعتین ہین، جنمین لاکھون آدمی کام کر رہے ہین، صرف ایک شخص ٹامس اڈیسن (THOMAS EDISON) کے انکشافات و ایجادات کی وجہ سے جتنے آدمیون کی روزی کا سامان فراہم ہوگیا ہے، ان کی صحیح تعداد بھی میوزیم مذکور کو معلوم نہ ہوسکی، اس کی صرف چند ایجادون مثلاً برقی قمقمہ، فونوگراف، متحرک تصویرین، ٹیلیفون، اور مائکروفون (وہ آلہ جس سے ہلکی آوازین تیز سنائی دیتی ہین) کی وجہ سے جو صنعتین قائم ہوگئی ہین ان مین لاکھون آدمی کام کر رہے ہین،

(لٹریری ڈائجسٹ) "ع ز"

مغربی تہذیب ایک مغربی کی نظر مین

ذیل مین سنڈے اسٹیٹسمین (۱۵ اپریل ۱۹۳۴ء) کے ایک مقالہ کا اقتباس درج ہے جو ایک انگریز مسٹر پیٹر فورسٹ (PETER FORREST) کے غور و فکر کا نتیجہ ہے، جن حقیقتون کی جانب اس مغربی مقالہ نگار نے توجہ دلائی ہے اُن کی نسبت مشرق کے اکثر اہل فکر بارہا اظہار خیال کر چکے ہین لیکن ہمارے ملک کی "روشنخیال" تعلیم یافتہ جماعت کے لئے کوئی مسئلہ اس وقت تک لائق توجہ نہین ہوتا جب تک اُسے مغرب کی تائید حاصل نہ ہو، ذیل کا اقتباس خاص طور پر اسی جماعت کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہے:۔

"حیرت کی بات ہے کہ ماضی کے سبق کے باوجود وہ مجنونانہ دوڑ جو ذاتی دولت کو کامیابی کا سب سے بڑا معیار سمجھ رہی ہے، بدستور جاری ہے، ایک روز مورخین ہمارے عہد کا مطالعہ کرینگے اور اُن باتون کو واضح طور پر دیکھین گے جو آج ہماری نگاہون سے پوشیدہ ہین، وہ کہین گے کہ ان لوگون نے سائنس اور ایجاد کو اپنی روزمرہ زندگی مین استعمال کیا، تاہم زندگی کو حقیقۃً رہنے کے قابل نہ بنا سکے، انھین اعلیٰ فہم اور تعلیم کے ترقی یافتہ طریقے حاصل تھے، پھر بھی بحیثیت مجموعی انھون نے زندگی کی کامیابی کے نصب العینون کو پست ہی رکھا، اور اس مین کوئی شبہ نہین کہ ایک حیرت انگیز بلند مادی تہذیب کے ساتھ ان پست نصب العینون کی آویزش ہی بنیادی سبب تھی اکثر قومی جنگون اور ملکی لڑائیون، بے چینی، مصیبت، تشکک اور امن و مسرت کے عدم استقلال کا جو اس زمانے عہد کی خصوصیات تعین ہے،

ہم اپنی تہذیب کی ترقی کے ایک نازک درجہ پر پہنچ گئے ہین، یہ امر کہ ہم آگے اور اوپر جائینگے یا پیچھے اور نیچے کی طرف واپس آئین گے اس پر منحصر ہے کہ زمانہ موجودہ کا بچہ کیا بنتا ہے، بڑا ہو کر وہ جو کچھ کرے گا وہی اہمیت رکھتا ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ اہمیت اس کے مطمح نظر کی ہوگی، اگر ہم دانشمند ہین تو ہمین دیکھنا چاہئے کہ وہ جو آج ایک بچہ ہے اور کل ملک کا ایک فرد ہونے والا ہے زندگی کے غلط معیارون سے گمراہ نہ ہونے پاوے، تمام والدین اور اساتذہ کو جو نہ صرف کل آنے والے افراد بلکہ قوم سے متعلق بھی اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہین،

چاہئے کہ استقلال کے ساتھ بچون کے ذہن مین اشیاء کے قدر و افادہ کا ایک صحیح تر احساس پیدا کرتے رہین بہ نسبت ان صاحب اقتدار جاعتون کے احساس کے جنھون نے گذشتہ جنگ کو لابدی بنا دیا یا بہ نسبت اس نسل کے احساس کے جو زمانہ جنگ کے بعد رونما ہوئی اور جسکا عقیدہ یہ ہے کہ دولت طاقت ہے، اور انھی دونون کا اجتماع زندگی کا سب سے بڑا انعام ہے،

ترقی یافتہ تعلیم اور وہ تمام معاشرتی و اجتماعی اصلاحین جن کے لیے ہم اس قدر مصارف برداشت کر رہے ہین، یہ سب اندر سے بوسیدہ اور فاسد ہونے کے باعث کچھ بھی مفید ثابت نہ ہون گی جب تک کہ زمانہ موجودہ کے بچون کو سب سے بڑے سبق کی تعلیم نہ دیجائے اور انھین ان غلط معیارون سے نفرت نہ دلا دیجائے جو قدیم روایات مین سے اکثرون مین داخل ہین،

جنگ کے بعد کا دور اپنی عدیم المثال حرص دولت اور حرص تعیش کے لئے نمایان ہے، یہ ایک امر واقعہ ہے کہ تمام طبقے نفس پرستی کے جذبہ سے مغلوب ہین، ہر سال عیش و عشرت کے تمام اقسام پر اخراجات بڑھتے ہی جاتے ہین، قوم مین روٹی گوشت کے مصارف کی بہ نسبت شراب کے مصارف بہت زیادہ ہین، آپ ایسے بے شمار نوجوان مردون اور عورتون کو دیکھین گے جن کی زندگی کا خاص مقصد عیش و تفریح ہے، وہ دوسرون کو نقصان پہنچا کر بھی اسے حاصل کرنا چاہتے ہین،

یہ لوگ زیادہ اہمیت نہین رکھتے، لیکن جو بچے کہ آئندہ بیس سال کے اندر بڑھکر جوان ہون گے اصلی اور حقیقی اہمیت ان کی ہے، اور اسے ایک انفرادی اور قومی فرض سمجھنا چاہئے کہ انھین مروجہ نمونون اور مقولون سے آلودہ و گمراہ نہ ہونے دیا جائے، "ع ز"

اخبارِ علمیہ

اعتراف و اصلاح

رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کے ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ امریکہ کے کیتھولک، پروٹسٹنٹ، اور یہودی فرقون نے تمام غیر مہذب لٹریچر اور فحش سینما اور تھیٹر وغیرہ کے خلاف ایک سخت جہاد شروع کر دیا ہے، اس قسم کی تحریکین اس سے قبل بھی جاری کیگئی تھین لیکن فحش کی رفتار مین کوئی تخفیف نہین ہوئی، اب وہان کے کلیساؤن اور مذہبی پیشواؤن نے اس چیز کو ختم کر دینے کا مصمم قصد کر لیا ہے، چنانچہ ملک کے تمام کیتھولک پادریون سے جنکی تعداد تیس ہزار ہے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے اثر سے کام لیکر لوگون کو فحش سینما وغیرہ کی اصلاح پر آمادہ کرین، کیتھولک ہائی اسکولون اور کالجون کی مذہبی انجمنون کو اس تحریک کی مدد کے لئے متعین کیا گیا ہے، اسی طرح تمام کیتھولک ہفتہ وار اور ماہوار رسالون کو جنکے ناظرین کی تعداد دو کرور سے زیادہ ہے، اس کے لئے آمادہ کیا گیا ہے، والدین کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے بچون کو سینما بھیجنے مین، اب زیادہ احتیاط سے کام لین، ایک روز تمام کیتھولک ہفتہ وار رسالون نے جنکا مجموعی شمارِ اشاعت ستر لاکھ ہے، متحد ہو کر مروج سینما کی فحش نمائی پر حملہ کیا، اور بشپ کانٹ ول ([illegible]) کے ایک پر زور مضمون کے اقتباسات درج کئے جس مین موصوف نے لکھا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہین کہ امریکہ کے نوجوانون کو ایک ایسی گندگی اور فحش کاری سے بچائین جس کی مثال سے امریکہ اس وقت تک نا آشنا تھا تو ضرورت ہے کہ اس کے لئے عظیم الشان پیمانہ پر کوئی اصلاحی تدبیر اختیار کیجائے؛ اس کیتھولک تحریک کیساتھ یہودی اور پروٹسٹنٹ کلیساؤن نے بھی مروجہ فحش لٹریچر پر جو اس وقت کثرت سے شائع ہو رہا ہے، شدت کے ساتھ لعنت ملامت کی ہے اور امریکہ

کے متحدہ یہود کلیسا کی مجلس عاملہ نے باتفاق آراء یہ تجویز منظور کرلی ہے کہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے نہایت زوردار اور مؤثر تدبیرین اختیار کیجائین، چنانچہ ربیون نے اعلان کیا ہے کہ وہ اپنے خطبون مین تمام فحش لٹریچر اور مخرب اخلاق سینما اور تھیٹر وغیرہ کی پرجوش مخالفت کرین گے، امریکہ کے مختلف پروٹسٹنٹ کلیساؤن مین بھی معاملہ کی اہمیت کے باعث بالاتفاق طے پاچکا ہے کہ پروٹسٹنٹ، کیتھولک اور یہودی فرقون کے ارکان کی ایک متحدہ کمیٹی قائم کیجائے، جو نیویارک کے پولیس کمشنر کی توجہ اس خطرناک صورت حال کی جانب مبذول کرائے جو فحش لٹریچر اور سینما وغیرہ کی اشاعت نے پیدا کردی ہے، کیا ہندوستان کے مقلدین فرنگ، امریکہ کی اس اصلاحی تحریک کی بھی تقلید کرین گے،

اسیریا کی قدیم تاریخ

ماہرین آثار قدیمہ کی انتھک کوششون سے اسیریا کی قدیم تاریخ جو تقریباً تین ہزار سال سے زمین مین دفن تھی، اب کھود کر نکالی جارہی ہے، اس سلسلہ مین جو آثار قدیمہ دریافت ہوئے ہین، اُن مین سے ایک نہایت اہم اکتشاف کے متعلق شکاگو یونیورسٹی کے ڈاکٹر بریسٹڈ (Dr. Breasted) نے اطلاع دی ہے، یہ مٹی کی ایک تختی ہے جو ایک ہاتھ سے کچھ ہی بڑی ہے اور اس کے دونون طرف مخصوص اسیرین خط مین بہت قریب قریب عبارت لکھی ہوئی ہے، اس عبارت مین اسیریا کے پچانوے بادشاہون کے نام ترتیب وار درج ہین جو عشور نیراری خامس (Ashur-Nirari V) سنہ ۷۵۳ تا سنہ ۷۴۶ قبل مسیح، کے زمانہ سے سنہ ۲۴۰۰ قبل مسیح تک اہل اسیریا پر فرمانروائی کرتے تھے، یہ تختی موجودہ شہر موصل سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک مقام پر پائی گئی ہے جو قدیم نینوا کے مقابل دریائے دجلہ کے بالائی حصہ پر واقع ہے، اوس کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس سے پہلے علمائے آثار قدیمہ کو سنہ ۱۰۰۰ ق۔م سے قبل کے صرف تین یا چار بادشاہون کے نام معلوم تھے، اس نو دریافت تختی سے معلوم ہوتا ہے، کہ اشپیا ([illegible]) جو ان

تین چار بادشاہون مین سب سے پہلا بادشاہ سمجھا جاتا تھا، واقعۃً اس خاندان کا سب سے آخری بادشاہ ہے جس کے پہلے نو فرمانروا یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوچکے تھے، اس پر ہر بادشاہ کی مدت حکومت درج ہے جس سے اسیریا کی تاریخ کا یہ باب مکمل طور پر معلوم ہوجاتا ہے، یہ تختی شاہ سارگن ثانی (Sargon II) کے کتبخانہ سے نکالی گئی ہے، جس کے کھنڈر اس مقام پر واقع ہین جو آج خورس آباد کہا جاتا ہے، اس مقام مین کھودائی کا کام جاری ہے، سارگن ثانی کا زمانہ حکومت آٹھوین صدی قبل مسیح کا نصف آخر ہے، سارگن کی وفات کے بعد خورس آباد کا قیام ترک کردیا گیا، اور خیال یہ ہے کہ اس کے لڑکے نے وہ کتبخانہ نینوا کو منتقل کردیا جو پندرہ میل شمال کی جانب واقع تھا، یہ تختی اب حکومت عراق کی ملک ہے لیکن اس نے شکاگو یونیورسٹی کے اورنٹیل انسٹیٹوٹ کو جس کی کوششون سے یہ حاصل ہوئی ہے اجازت دیدی ہے کہ وہ اسکی مکمل نقل کرکے مورخین کے فائدہ کے لئے اسکا ترجمہ تیار کرلے،

پانی کو گیس سے گرم کرنے کا جدید طریقہ

حال مین امریکن گیس ایسوسی ایشن کو اطلاع ملی ہے کہ بعض سائنس دانون نے ایک ایسا طریقہ دریافت کرلیا ہے جس سے رقیق اشیاء بڑے بڑے حوضون مین بغیر آگ کی مدد کے گرم کیجا سکتی ہین، اس طریقہ کے مطابق گیس کی مشعلین پانی یا کسی دوسری رقیق شے مین داخل کرکے جلادیجاتی ہین، جن سے ایک تیز شعلہ نکلنے لگتا ہے، اور پانی جلد کھول جاتا ہے، اس تدبیر سے لکڑی کے حوضون مین بھی پانی اسی آسانی کے ساتھ گرم کیا جاسکتا ہے، جس آسانی کے ساتھ لوہے کے حوضون مین ترشہ (Acid) اور دوسری کیمیائی چیزین بھی اس طریقہ سے گرم کی جاسکتی ہین،

جوہر فرد کے عناصر

حال تک جوہر فرد (Atom) ایک مفرد شے خیال کیا جاتا تھا، لیکن جدید تحقیق نے یہ ثابت

کر دیا ہے کہ یہ ایک مرکب شے ہے اور اس وقت تک اس کے چار عناصر دریافت ہو چکے ہیں، یعنی الیکٹرون (Electron) پروٹون (Proton) پوزیٹرون (Positron) اور نیوٹرون (Neutron) لیکن ڈاکٹر لانجر (R. M. Langer) جو کیلیفورنیا انسٹیٹیوٹ آف ٹکنالوجی (امریکہ) کے ماہر طبیعیات ہیں، یقین رکھتے ہیں کہ جوہر فرد کا ایک عنصر اور بھی ہے جو عنقریب دریافت ہوگا،

برق کی رفتار

جنوبی افریقہ کے سائنس دانوں کی ایک جماعت نے تحقیق کی ہے، کہ بجلی کی رفتار (۱۴۹۰۰) میل سے لیکر (۶۸۴۰۰) میل فی سکنڈ ہے اور اسکی اوسط رفتار (۲۸۵۰۰) میل فی سکنڈ ہے، اس حساب سے اسکی اوسط رفتار روشنی کی رفتار کا (۱۵) فی صدی ہے،

دو نئے سیارے

۱۸۰۱ء سے لیکر اس وقت تک ایک ہزار سے زاید بہت چھوٹے چھوٹے سیارے دریافت ہو چکے ہیں، جو مریخ اور مشتری کے درمیان اپنے اپنے دائروں میں چکر کرتے رہتے ہیں، حال میں ان چھوٹے چھوٹے سیاروں کی فہرست میں دو سیاروں کا اضافہ اور ہوا ہے جو الجزائر کے رصد خانہ میں دریافت کئے گئے ہیں،

ایک حیرت انگیز انکشاف

قطب شمالی اپنی انتہائی برودت کے لیے مشہور ہے، لیکن ڈاکٹر ہیمسن (انگلستان) نے حال میں تحقیق کی ہے کہ اس سے بارہ میل اوپر کی فضا خط استوا سے بارہ میل اوپر کی فضا سے جو اپنی حرارت کے لئے اسی قدر مشہور ہے (۲۵) درجہ زیادہ گرم ہے، قطب شمالی کے اوپر کی اس حیرت انگیز حرارت کا سبب ابھی دریافت نہیں ہو سکا ہے،

"ع، ز"

ادبیات

حمل امانت

از حکیم الشعرا سید احمد حسین امجد، حیدرآبادی

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔[1] (احزاب)

تو ہے مجھے بزم میں بلانے والا، میں ہون تری بارگہ میں آنے والا

ظالم ہون، جہول ہون، سیہ کار ہون مین کس منہ سے کہون، ترا طلبگار ہون مین

مین کیا ہون؟ جبال و آسمان کے آگے کیا گرد کا ذکر، کاروان کے آگے

ہون، بحر عظیم مین، مثال خاشاک اک قطرہ ہے میری ہستی، وہ بھی ناپاک

اے لو، وہ عرضنا کی صدا گونج اُٹھی، انّا کے جلال سے، فضا گونج اٹھی،

سب ہٹ گئے ڈر کے، پیچھے، آنے والے کترا گئے صاف، سر اٹھانے والے

سب لرزہ براندام نظر آتے ہین کہتے ہوئے سارے الحذر آتے ہین

جو سر بفلک تھے، اُن کا اترا چہرا دیکھین رہتا ہے کس کے سر یہ سہرا

---

[1] "ہم نے اپنی امانت آسمانون اور زمین اور پہاڑون پر پیش کی، سب کے سب نے اس کے بار اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھالیا، بے شبہہ وہ ظالم اور نادان ہے،

سب صاحبِ عقل و ہوش بیہوش ہیں آج
سب بولنے والے کیسے خاموش ہیں آج
اٹھی نہیں جب کہیں سے کوئی آواز
جب کوئی ہوا نہ اس صدا کا دمساز

میری غیرت میں ایک طوفان اُٹھا
یعنی لبیک کہہ کے انسان اُٹھا،
لینے کو عطیہ دستِ محتاج اُٹھا
فی احسن تقویم کا حسن آج بڑھا
سر دیدیا مین نے آبرو کی خاطر،
ٹھکرا دیا مین نے مین کو، تو کی خاطر،

مبہوت ہے خلق، سن کے قصہ میرا
ہے عبدیت تمام حصہ میرا،

رُباعی

اس سینہ مین کائنات رکھ لی مین نے
کیا ذکر صفات، ذات رکھ لی مین نے
ظالم سہی، جاہل سہی، نادان سہی
سب کچھ سہی، تیری بات رکھ لی مین نے

پیغامِ بہار

از جناب محمد اکبر منیر پروفیسر ایمرسن کالج ملتان

لیکے پیامِ کارزار آئی ہے فصلِ نوبہار
آتش و خون کی فوج کے ڈیرے ہین لالہ زار مین
شور ہے سیلِ کوہ مین نعرۂ کارزار کا
تیغ کی ہین روانیان موجۂ جوئبار مین
خنجرِ آفتاب نے قیدیون کو نجات دی
ملکے سرودِ حریت گاتے ہین کوہسار مین
جشن ہے کوہ و دشت مین لشکرِ انقلاب کا
عیش و طرب کے راگ ہین بربطِ آبشار مین
حسنِ بہشت جاودان کرتا ہو جلوہ ریزیان
وادی و کوہسار مین گلشن و مرغزار مین

تابشِ حسن جان نواز آتشِ عشق جان گداز
آکے ملے ہیں پیار سے گلکدۂ بہار میں

موسمِ نو بہار کا سنتا ہے کیا پیام تو؟
تیغ بکف شریک ہو عرصۂ کارزار میں

پھونک دے کشتِ بندگی آتشِ انقلاب سے
دیکھ بہشتِ زندگی[1] خنجرِ آبدار میں

بن کے خرامِ زندگی لیکے پیامِ زندگی
سیل کی طرح ہو رواں وادیِ گیرودار میں

حسن کے آفتاب سے پھلتا ہے نخلِ آرزو
عشق ہو جلوہ ریز اگر سینۂ پُر شرار میں

عشقِ شرر فشاں سے تو آگ لگادے چار سو،
دور ہو پھر بہار کا اجڑے ہوئے دیار میں،

قطعۂ تاریخِ وفات

مولوی غلام محمد صاحب شملوی سفیر ندوۃ العلماء غفر لہٗ

از جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی المتخلص بہ حسرتؔ

سفیرِ مکرم غلامِ محمد،
ز دار الاجل حیف آمد پیامش

سراپا عمل بود و سعیِ مجسم،
با حیائے دلہا مسلّم کلامش

چو قربانِ دین کرد جانِ گرامی
ز اسلامیان باد دائم سلامش

جگر خستہ حسرت یکے از مخلصانش
بپرسیدہ از سالِ حسنِ ختامش

بفرمود ہاتف برآورد آہے
۱۶

بجناتِ فردوسِ اعلیٰ مقامش
۱۶ — ۱۳۶۸
۱۳۵۲ھ

لہ تلمیح [illegible]

باب التقریظ والانتقاد

جواہر سخن

مرتبہ مولوی محمد مبین صاحب کیفی چریا کوٹی، شائع کردہ ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد، ضخامت ۵۱۴ صفحے، مطبوعہ ٹائپ، قیمت درج نہین،

اردو شاعری زیادہ تر تفریح وانبساط کا ذریعہ رہی ہے، اس لئے ادبی اور تاریخی حیثیت سے اسکی بہت کم خدمت کی گئی ہے، شعراء کے ہزارون دیوان شائع ہوئے، مشہور اساتذہ کے کلام کے متعدد انتخابات کئے گئے، لیکن اس مین زیادہ تر ذاتی ذوق سے کام لیا گیا، اسلئے جن شعراء کے کلام اس معیار پر ٹھیک نہین اترے وہ نہ چلنے والے سکے کی طرح ہماری ادبی ٹکسال سے خارج کردیئے گئے،

ولی کے سوا شعرائے دکن کا کلام تو ہمیشہ ٹکسال کے باہر رہا، اس کے بعد قدماء کا دور شروع ہوا تو اس مین سے بھی چند مخصوص اساتذہ چن لئے گئے، بقیہ شعراء کس مپرسی کی حالت مین رہے، پھر دلی اور لکھنؤ کے دونون اسکول قائم ہوئے، تو ان مین بھی ایک کے پسند کرنے والے دوسرے اسکول سے بے اعتنائی کرتے رہے اور اب تو شعرائے دور جدید نے اس دفتر بے پایان پر سرے سے پانی پھیر دیا، اور میر اور غالب کے سوا اس زمانے مین اور کسی صاحب طرز استاد کا نام زندہ نہین ہے، جس کے دوسرے معنی یہ ہین کہ اس وقت اردو شاعری کی تاریخی زندگی ہماری نگاہون سے اوجھل ہے، اور وہ کوئی مستقل حیثیت نہین رکھتی،

اردو شاعری کی اس تاریخی اور ادبی کمی کا احساس سب سے پہلے ہمارے صوبے کے علمی مرکز ہندوستانی اکاڈیمی

نے کیا، اور اردو شعراء کے کلام کے ایک نہایت جامع و مکمل انتخاب کی خدمت مولوی محمد یٰسین صاحب کیفی چریا کوٹی سے متعلق کی جنھون نے ۷ جلدون مین اردو کے ہر دور کے شعراء کے کلام کا انتخاب کیا، چونکہ آج تک اشعار کا انتخاب کسی تاریخی اور علمی اصول کے مطابق نہین ہوتا تھا، بلکہ اسمین زیادہ تر ذاتی رجحان سے کام لیا جاتا تھا، اسلئے اکاڈمی نے اس روش مین تبدیلی پیدا کرنے کیلئے اس انتخاب پر نظر ثانی کرنے کے لئے منتخب اصحاب کی ایک کمیٹی مقرر کی تاکہ یہ انتخاب ہر ذوق کے مطابق علمی و تاریخی اصول کے مطابق مرتب ہو، اب اس انتخاب کی پہلی جلد جواہر سخن کے نام سے شائع ہوکر ہمارے سامنے آگئی ہے، یہ انتخاب صرف دور اول کے شعراء تک محدود ہے، لیکن اسکے دو حصے کردیئے گئے ہین، پہلا حصہ شعرائے دکن و اورنگ آباد کے ساتھ مخصوص ہے، اور دوسرے حصہ مین شعرائے دہلی کے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے، اس جلد پر مولینا سید سلیمان ندوی نے نظر ثانی اور ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی نے حصۂ اول کے دکنی اشعار کی تصحیح کی ہے، انتخاب سے پہلے ڈاکٹر تاراچند صاحب سکریٹری اکاڈمی کا ایک مختصر سا تعارف ہے جسمین اس انتخاب کی ضرورت اور خصوصیات کا ذکر ہے، اسکے بعد تمہید مین اختصار کیساتھ اردو زبان کی تاریخ بیان کی گئی ہے، پھر اس دور کی شاعرانہ خصوصیات کے بعد انتخاب شروع ہوا ہے،

اس دور کے متعلق معلومات بہت کم ہین، صرف تذکرون مین ایک آدھ شعر مل جاتا ہے، مؤلف کو اپنی اس محنت کی داد ملنی چاہئے کہ انھون نے پرانے تذکرون سے یا آجکل جو جدید تحقیقات کی گئی ہین، ان سے فائدہ اٹھا کر پراگندہ معلومات کو یکجا کیا ہے، یہ کتاب نہ تو تنہا انتخاب ہے اور نہ تذکرہ ہے، بلکہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جسکا اصل مقصد تو ہر دور کے شعراء کے بہترین کلام کا انتخاب ہے، مگر ساتھ ہی ہر شاعر کا مختصر حال جس سے زمانہ کی تعیین ہوسکے لکھا گیا ہے، کل چھیاسی شعراء کے حالات اور کلام کا اقتباس و انتخاب اسمین کیا گیا ہے، کتاب دو حصون مین منقسم ہے، انتخاب کا مقصد چونکہ تفریح و انبساط اور ذاتی ذوق کے اظہار سے بلند رکھا گیا ہے، اسلئے اشعار بہت بلند نہین ہین، کہ یہی اس عہد کی کائنات ہے، البتہ یہ انتخاب تاریخی حیثیت سے نہایت مفید ہے، جس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ابتدا مین اردو شاعری کا کیا حال تھا، کون کون سے اصناف سخن مروج تھے، بعد کو کس صنف مین ترقی ہوئی؟ اور کس صنف کو زوال کیا، لیکن ہمکو اس حیثیت سے بھی ابھی مایوس نہین ہونا چاہئے، یہ انتخاب دور اول کے شعراء کا ہے جو سادہ گو تھے، اسلئے قدرتی طور پر انکے کلام مین ہمارے ذوق کے مطابق بلند اشعار کم مل سکتے ہین، بعد کو رنگین طبع شعراء کے کلام کا انتخاب آئیگا تو یہ کمی پوری ہوجائیگی، ع

مطبوعات جدیدہ

غالب، مترجمہ جناب سید معین الدین صاحب قریشی ایم اے، مطبوعہ لا رپورٹ پریس، جام باغ، حیدرآباد دکن، حجم ۲۴۴ صفحے، قیمت عہ،

جناب ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب استاذ انگریزی ادب جامعہ عثمانیہ کی انگریزی کتاب "غالب" کا یہ اردو ترجمہ ہے، یون کتاب تو متعدد ابواب اور عنوانون مین ہے، مگر مباحث کے لحاظ سے اس کے تین حصے کئے جا سکتے ہین، ایک حصہ مین "غالب" کے موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے جن ماخذون سے رہنمائی کی ضرورت ہے اون پر ناقدانہ گفتگو ہے، دوسرے حصہ مین "عظمت شاعری" کی حقیقت مغربی ارباب ادب کے اقوال کے اقتباسات سے سمجھائی گئی ہی، اور تیسرے حصہ مین غالب کے سوانح حیات سے اس کا جو زاویہ نگاہ معلوم ہو سکتا ہے، اور اس زاویہ نگاہ کے جو اثرات اوسکی شاعری پر پڑ سکتے ہین، اونھین بیان کیا ہی، اس کتاب کی جو نمایان خصوصیت ہی وہ یہی ہے کہ یورپ کے جدید طرز تحقیق (جسمین سنین کی تحقیق پر سب سے زیادہ زور ہوتا ہی) پر غالب کے موضوع پر سب سے پہلی مرتبہ اسی رسالہ مین قلم اٹھایا گیا ہے، لیکن مصنف کو غالب کے مدح سراؤن، حالی اور بجنوری کی رایون سے اس درجہ اختلاف ہوا کہ اوس کا اختلاف غور وفکر اور تحقیق و تدقیق سے گذر کر معاندانہ شکل مین آگیا، یہی وجہ ہے کہ جس اعتدال، سعی، اور تہذیب کے ساتھ غالب کے ماخذون پر گفتگو کی گئی ہے، وہ روش غالب کی شاعری پر اظہار راے مین نظر نہین آتی، یہان یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف ایک خاص خیال پہلے سے قائم کئے ہے، اور اسکو وہ جلد سے جلد اپنے ناظرین تک پہنچا دینا چاہتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ الفاظ اور طرز بیان مین وہ متانت بھی قائم نہین، جو رسالہ کے ابتدائی ابواب مین نظر آتی ہی، اور

یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی یہ کوشش ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو غالب کو ایک وجدانی شاعر کے مرتبہ سے فروتر دکھایا جائے، نیز شاعری کا معیار بھی وہی مغربی شعرا، و ارباب ادب کے آرار و افکار سے تیار کیا گیا ہے، یہ وہی نقص ہے جس کو مصنف دوسرے لفظون مین بجنوری مرحوم پر بطور اعتراض دار دکر چکا ہو کہ مغربی اساتذہ سے ہم پہلو دکھانا کچھ ضرور نہ تھا، لیکن جب مشرقی شاعری کی جانچ کا معیار مغربی اساتذہ کے اقوال وآرا قرار پائین گے تو کسی مشرقی شاعر پر نقد و نظر مین مغربی اساتذہ ہی سے موازنہ کرنا زیادہ مناسب ہوگا، کہ اس طریق سے اوس قائم کردہ معیار سے بآسانی موازنہ ہو سکے گا، حقیقت یہ ہے کہ مصنف کو اس تصنیف مین کامیابی نصیب ہونی قدرۃً ممکن بھی نہ تھی، کہ صعود کے بعد ہبوط، کمال کے بعد زوال اور افراط کے ساتھ تفریط کا ہونا ضروری تھا، البتہ اب آنے والے محقق کے لئے غالب پر کام کرنے کا راستہ ضرور صاف ہو گیا ہے، وہ ان دونون قسم کی کتابون کو سامنے رکھ کر تحقیق و تدقیق کے وہ راستے اختیار کر سکتا ہے، جو زیر نظر کتاب مین معین کئے گئے ہین، اور ایک جادۂ اعتدال حاصل کر سکتا ہے، اس لئے ہمین جامعۂ عثمانیہ کے نوجوانون سے اسکی توقع تھی کہ وہ اس کتاب کو بطور معیار اردو مین منتقل کرنے کے بجائے اس موضوع پر نئے سرے سے قلم اٹھاتے، اور افراط و تفریط سے دامن بچا کر راہ مستقیم پیش کرتے، کتاب کا ترجمہ صاف سلیس اور روان ہے، لیکن کتابت کی بکثرت غلطیان ہین، مصرعے کے مصرعے غلط چھپ گئے ہین،

عہد سلف، تالیف مولانا محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم حیدرآبادی، ۱۲۰ صفحے، قیمت ۱۲ مرتبہ:-
حافظ عبد العظیم صاحب، مکان عبد الرؤف صاحب، جام باغ، ترپ بازار، حیدرآباد دکن،

مولانا محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم، عہد شبلی و سرسید کے اچھے اہل علم مین تھے، قابل قدر علمی مضامین کے علاوہ مستقل تصنیفات کا سلسلہ بھی ان کا جاری تھا، انھین دولت آصفیہ حیدرآباد کی ایک مستقل ضخیم تاریخ کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا تھا، لیکن اوس کا ایک مختصر حصہ لکھ سکے تھے، کہ انھون نے وفات پائی، وہی حصہ "عہد سلف" کے نام سے شائع ہوا ہے، اس کا موضوع "اسلام کا نشو و نما اور پھر ہندوستان مین اسلامی سلطنت کے

قیام پر تبصرہ ہے، جسمین اسلام، اسلامی فتوحات، ہند پر اسلامی حملے، ہندوستان مین مستقل اسلامی حکومت اور اس کے بعد اسلامی فتوحات دکن، سلطنت بہمنی، سلطنت بیجاپور، احمد نگر، عماد شاہیہ، بریر شاہیہ اور سلطنت قطب شاہیہ کا تذکرہ ہے، اور اسی بیان پر یہ حصہ تمام ہو گیا ہے، مناسب ہوتا کہ مصنف کے مختصر سوانح حیات بھی کتاب مین دیدئے جاتے،

چند ڈرامے، از جناب نور الٰہی محمد عمر ناشر اردو بک اسٹال لوہاری دروازہ لاہور، حجم ۱۲۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۸؍

جناب نور الٰہی محمد عمر صاحبان اردو کے مشہور ڈرامہ نویس ہین، یہ رسالہ اون کے چند چھوٹے چھوٹے ڈرامون کا مجموعہ ہے، جو قریب قریب سب پر لطف اور دلچسپ ہین، خصوصاً "ہمہ خانہ آفتاب" اور "پہلی پیشی" کا مزاحیہ رنگ قابل داد ہے،

اسلامی تاریخ کی سچی کہانیان، از مولوی محمد حسین صاحب محوی ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی حجم ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۶؍

یہ رسالہ چھوٹے بچون اور بچیون کے لئے لکھا گیا ہے، اسلامی عہد کے موثر نصیحت آمیز واقعات دو دو صفحون مین لکھے گئے ہین اور آخر مین بطور نصیحت ہر سبق کا نتیجہ بھی بچون کو سمجھا دیا گیا ہے، بچون مین ذوق مطالعہ پیدا کرنے کے لئے یہ رسالہ کارآمد ہوگا،

علم الصرف، مولفہ مولوی محمد عبد الہادی خان صاحب شاہجہان پوری، کوچہ چیلان، دہلی، حجم ۰۰ صفحے قیمت ا۔ عہ مہ

مصنف نے نوعمر بچون کے لئے صرف و نحو کے رسالے مرقاۃ العربیہ کے نام سے لکھے تھے، اب انھین مسائل کو بڑی عمر کے طلبہ کے لئے مبادی العربیہ کے نام سے دو رسالون مین جمع کیا ہے، پہلا رسالہ علم الصرف ہے جسمین صرف کے تمام مسائل اور گردانین جمع کی گئی ہین، جو لوگ عربی صرف و نحو کو عربی زبان کی کتابون سے پڑھانا نہ چاہتے ہون، وہ اس رسالہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہین،

"ر"

عدد ۶	ماہ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۴ء	جلد ۳۳

مضامین

شذرات

ہندوستان کبھی ایک ملک نہ تھا، اسلامی فتوحات نے اسکو زبردستی ایک ملک بنا
ایک واحد زبان کی ضرورت ہوئی، شروع شروع مین ہر صوبہ کی دیسی زبان مین مسلمانون
الفاظ ملا کر ہر صوبہ کی زبان کو "ہندی" کا لقب دیا، آخر شاہجہان کے زمانہ سے خاص پایۂ تخت
ملک مین ٹکسالی زبان کی حیثیت سے رواج پایا، ابتداءً وہ "زبان اردوئے معلی" یعنی پایۂ تخت یا
کہلائی، اور آخر مین انگریزون کے عہد کے آغاز مین "اردو زبان" اُس کا نام قرار پایا، یہ اس ز

اس زبان کو یہان ملک کی ضرورت نے پیدا کیا، ضرورت نے اس کی اشاعت
اس کو ترقی دی، اس مختلف بولیون والے ملک مین اس زبان کی جیسی سخت ضرورت تھی،
واقعہ سے ہو سکتا ہے، کہ ایک صدی کے اندر اندر یہ پورے ملک مین پھیل گئی، اور لکھنے پڑھنے
جگہ ملی ہو، یا نہ ملی ہو، مگر بول چال مین اس کو ہر جگہ، جگہ ملی، اور ہر صوبہ مین اسکو فروغ حاصل ہوا
کونسا صوبہ ہے، جہان اس زبان کے مکتب، مدرسے اور اخبار اور رسالے نہین،

بلکہ یہ سنکر آپ کو تعجب ہوگا، کہ یہ زبان ایک طرف کابل و بخارا تک، اور دوسری
اور تیسری طرف افریقہ کے سواحل تک اپنا قدم جما چکی ہے، ہر سال ہندوستان سے جو ع
جاتے ہین، وہ اپنے ملک کی زبان جاننے والے ہر جگہ پاتے ہین، بمبئی اور کراچی سے ہر ہفتہ

روانہ ہوتے ہین، وہ مشرق کی انتہائی حد پورٹ سعید اور اسکندریہ تک اس زبان کو بولتے جاتے ہین، اور اس طرح ان سواحل مین یہ زبان اپنی ضرورت سے آپ بولی اور سمجھی جاتی ہے، افغانستان مین یہ دیکھکر کس قدر تعجب ہوا کہ بادشاہ سے لیکر وزراء، اور عام اہلِ منصب تک اس زبان کو نہایت خوبی سے بولتے اور سمجھتے ہین، اور اسی کو ہندوستان کی واحد زبان جانتے ہین،

اب اگر ہندوستان کی کوئی قوم، یہ کوشش کرتی ہے، کہ صدیون کی اس محنت کو مٹا ڈالے، اور متھرا یا بنارس کی کسی بولی کو "ہندی" کا نام اور ہندوستان کی واحد مشترک زبان قرار دیکر نئے سرے سے اسکو دنیا مین روشناس کرے تو ہر حیثیت سے یہ ایک شدید غلطی ہوگی،

ہندو بھائی اگر یہ چاہتے ہون کہ اس زبان کے لکھنے کے لئے اپنا کوئی علیحدہ خط جیسے ناگری مقرر کرین، تو اس کا ان کو اختیار ہے، لیکن اس خط کے پردہ مین زبان کو بدلنے کی کوشش ملکی افتراقات کی تمام سیاسی چالون کے مقابلہ مین یہ ادبی افتراق کی چال ملک کی سب سے بڑی بدنصیبی ہوگی، ملک کی دو بڑی قومین جو اس وقت تک کم از کم شمالی ہندوستان اور دکن مین ایک ہی زبان بولتی چالتی اور سمجھتی ہین، انکو دو زبانون مین بانٹ کر، دونون کے دلون کو ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے سے جدا کر دینا ہے،

حقوق طلب مسلمان ہندوستان مین اپنے ایک تہائی حقوق کا مطالبہ ہر چیز مین کرتے ہین، اسی سیاسی اصول کی بنا پر اگر اس ادبی نزاع کا بھی فیصلہ کر دیا جائے، تو یہ مذاق "حسن مذاق" سے کم نہ ہوگا، عام اردو زبان مین عربی اور فارسی لفظون کا میل ایک تہائی سے زیادہ نہ ہوگا اگر اس تہائی حق کو ہندو بھائی مان لین تو ہندی کی نئی شاخ کو سیدا کرنیکی ضرورت نہو، دونون قومین ملکر "ہندستانی" کے پھیلانے اور بڑھانے مین ہر طرح کی کوشش ایک ساتھ کرین، یہ تجویز

اسوقت ایک مزاح کی صورت ہی، مگر مزاح کو سنجیدگی سے بدل دینا کتنی دیر کا کام ہے،

ہندوستان مین ہندوستانی یعنی اردو زبان بولنے والے اور سمجھنے والے کتنے ہین، اور ان کی تعداد کی نسبت ہندوستان کی دوسری بولیون کے بولنے والون کے ساتھ کیا ہے،؟ اس کا جواب سرکاری مردم شماری کے کاغذات سے ملسکتا ہی لیکن اُس سے اکثر اس زبان کے بولنے والون کو تشفی نہین ہوتی، زبانی پیمایش کی تحقیقات بھی اس بارہ مین سند کی حیثیت نہین رکھتی، اس لئے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن نے یہ قرار داد منظور کی ہے، کہ ہندوستان مین اس زبان کے بولنے والون کی تحقیقی اور حقیقی تعداد کا پتہ چلایا جائے، اور اس کے لئے اوس نے یہ تجویز کی ہی کہ ہر صوبہ مین اس زبان کی پیمایش کا کام کیا جائے، اورجسمین حسب ذیل معلومات فراہم کئے جائین، اس زبان کے بولنے والونکی تعداد، سالانہ تصانیف، اخبارات اور مطابع کی تعداد، ہر صوبہ مین اس زبان کی تاریخی اور ادبی حیثیت وغیرہ،

یہ کام گو حقیقت مین بہت کٹھن ہے، اور سلطنتون کے انجام دینے کے لائق ہی، لیکن اگر قوم کسی بات کے کرنے کا عزم مصمم کرلین تو پھر ان کی عملی طاقت کس بات مین سلطنتون کی قوت عمل سے کم ہے، انجمن نے اس کام کیلئے تقریباً ساٹھ ہزار کے خرچ کا اندازہ کیا ہے، اور اس کیلئے اپیل کی ہے،

مقالات شبلی جسکی تین جلدین چھپ کر شائع ہو چکی ہین، امسال اسکی چوتھی جلد زیر طبع ہی، یہ مولانا شبلی مرحوم کے تنقیدی مضامین پر مشتمل ہو گی، اس مین وہ تمام مضامین یکجا ہون گے، جو موصوف نے مختلف مطبوعہ اور قلمی کتابون کے نقد و تبصرہ پر لکھے ہین، ضخامت ڈیڑھ سو صفحون کے قریب ہوگی، **تاریخ صقلیہ** کی دوسری جلد بھی مطبع کو دی جارہی ہی، اسمین صقلیہ (سسلی) کے اسلامی علوم و فنون و تمدن کی مفصل روداد ہو گی،

مقالات

عالم برزخ کی حقیقت از روئے قرآن مجید

از

مولنٰنا محمد صاحب سورتی، سابق استاذ جامعۂ ملیہ دہلی

اجتہاد دینی مین ہرکس و ناکس کا دخل،

زمانۂ موجودہ مین علم و فلسفہ کا زور و شور ہو رہا ہے، اس کے نام سے "اسلام" و عقائد اسلام پر آئے دن متفرق قسم کے حملے کئے جاتے ہین، عام طور پر ہر ایک شخص "دینی" مسائل پر بحث و جدال کے قابل اپنے آپ کو سمجھتا ہے، اور کوئی اسے خلاف اصل اور بیقاعدہ نہین سمجھتا، حالانکہ "قانون" سے ناواقف کو "قانون" کے اہم مسائل نہین، معمولی مسئلہ پر بھی بحث کا حق نہین دیا جاتا، اسی طرح فلسفہ یا دیگر علوم و فنون سے اجنبی بھی ایسے مباحث مین کسی قسم کے حصہ لینے کا اہل نہین شمار کیا جاسکتا، یہ حق صرف "دینی" مسائل کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اور اسی مین پوری طرح سے وہ آزادی استعمال کیجاتی ہے، جو دوسری جگہ ہر طرح سے ناروا ہے!

"اسلام" کا یہ اعجاز کچھ کم نہین کہ دشمنون کے کر و کید، اہل باطل کے وسائس اور حیلہ گرون کی تدبیرون کے باوجود یہ قائم و استوار ہے، جابجا یہ اعداء سے اپنے لئے شہادت پیدا کرتا اور ان مین گھر کرتا جاتا ہے،

"مغرب" کے اساطین فلسفہ، سلاطین سیاست اور مدعیان عربیت و استشراق اس کے خلاف طرح طرح کے تباہ کن آلات، مسموم اسلحہ، ظاہر و مخفی تیار کرکے ان کے استعمال مین ہر وقت منہمک ہین، استشراق و علوم عربیہ کی خدمت کے نام سے، تحقیق اور بے تعصبی کے پردہ مین وہ وہ کام کر لیتے ہین جسے مسیحیت کے مبلغین اپنے تمام عجیب و

عجیب تدبیرون اور حیلون سے اب تک نہ کر سکے، اور نہ کر سکتے ہین،

یورپ کی مستشرقیت کا فتنہ

فتنۂ استشراق کا آج وہ اثر ہے کہ دنیا بالعموم اور مسلمان بالخصوص علم کی آخری ڈگری اسی کفرستان کے ضلالستان سے حاصل کرنا صد مایۂ ناز، و سرمایۂ فخر و امتیاز یقین کر چکے ہین، علم دنیا اور فنون نہین علم دین، علوم عربیہ اور قوانین اسلام، غرض سب کے لئے مغرب ہی واحد مرکز اور سرچشمہ اور ہر قسم کے کمال کا معدن سمجھ لیا گیا، یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مغرب کے سیاسی تفوق کے ساتھ ساتھ علمی اور تحقیق کا تمام سرمایہ بھی اس کے واسطے مسلم ہو چکا، اس نے حقائق و فلسفہ اور تاریخ کے نام سے دنیا مین وہ کچھ پھیلا دیا ہے جو بہت کچھ تنقید اور غور کے قابل ہے، گر مشرقی دماغ اس قدر اس سے مرعوب ہو چکا ہے کہ اسی کو معراج کمال، اور انتہائے تحقیق سمجھتا ہے، اور اس کی نقل یا سرقہ کو اپنے علمی اجتہاد کی آخری منزل تصور کرتا ہے،

کیا یہ انتہائی تعجب و افسوس کا مقام نہین کہ ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی کا مایۂ ناز کارنامہ اگر شمار کیا جائے تو یہ ہوگا کہ وہ "عربی" کی اعلیٰ تعلیم کے واسطے نیز "اسلامی" علوم کے لئے کسی مغربی استاذ کا سایۂ عاطفت تلاش کرے، اگر یہ دستیاب نہ ہو سکے تو اس کا روحانی فرزند اس کے واسطے منتخب کیا جائے، گویا عرب و عجم مین اُوسے ایسے مسلمان معلمین کسی طرح بھی دستیاب نہین ہو سکتے!! تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ،

زمانہ ہمیشہ یکسان نہین رہتا، آج جسے عروج ہے، کل وہی اسفل السافلین پہنچ جاتا ہے، ایک وہ زمانہ تھا کہ مسلمان علم و فضل کے استاد، اور قابل تقلید سمجھے جاتے تھے! اس دور مین "مغربی" بننا، اپنے آپ کو اس کے خیالات وضع و قطع، اور حرکات و سکنات مین اس سے قریب تر کرنا غایت کمال و ترقی سمجھا جاتا ہے، یہی اثر ہمارے مدارس اور دیگر ادارون مین عام طور سے پایا جاتا ہے، اور اسی رنگ مین ساری قوم آہستہ آہستہ رنگی جا رہی ہے،

جامعہ ملیہ دہلی،

مسلمانون نے بہت کچھ چاہا کہ کوئی ایسی تعلیم گاہ بنائی جائے، جہان سے صحیح اسلامی عقائد و علوم کیساتھ مغربی علوم و فنون اور السنہ کے فضلا پیدا کئے جائین، ان مین مغربیت کی بیجا پرستش، اور اسکی نقل نہ ہو، مگر بیا ایسے وقت مین کہ چارون طرف سے "تفرنج" پورے زور و شور سے حملہ آور ہو غیر ممکن سا ہو گیا ہے، جامعہ ملیہ اسلامیہ اسی ارادہ سے

قائم کیا گیا، مگر ڈر ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اسی لائن پر نہ آجائے جس پر جامعہ اسلامیہ علی گڈھ قدیم سے ہے،

رسالہ جامعہ کا نیا قالب

اراکین جامعہ ملیہ نے جدید ترین تجویز کے مطابق یہ طے کیا ہے کہ "رسالہ جامعہ" سال مین ان تین حصون مین شائع کیا جائے (۱) اسلامیات (۲) اجتماعیات (۳) فلسفہ و ادبیات، ہر ایک حصہ کے لئے چار چار پرچے متعین کر دیئے، یہ خیال قابل قدر تھا، اگر "اسلامیات" کے ماتحت کوئی عمدہ تحقیق یا صحیح طرز عمل اختیار کیا جاتا! اس نام کے سلسلہ مین یورپ کے فاسد و زہر آلود خیالات کا ترجمہ کر کے شائع کرنا ہرگز مفید نہین، نہ ان خام و غلط مسائل کا لوگون پر پیش کرنا جن کے محررین اپنے تحیر و شبہہ سے اب تک آگے نہین بڑھے ہین، اور اگرچہ وہ ہر ایک مقام پر تحقیق و تصریح کا دعویٰ کرتے ہین، مگر ابھی تحقیق تک ان کی رسائی نہین ہوئی، نہ تصریح کے دعوی مین وہ واقعہ کے مطابق کسی حقیقی چیز کو پیش کر سکے ہین،

اس وقت ہمارے سامنے جنوری ۳۴ء کا پرچہ ہے، جو اس طرز جدید کا نمونہ خیال کیا جا سکتا ہے،

مضمون "اسلام ایک تاریخی عقدہ"

اس کا پہلا مضمون (عربی کے علاوہ) "اسلام ایک تاریخی عقدہ" ہے، جو کسی غیر متعصب محقق مستشرق کا لکھا ہوا ہے، یہ کوئی جدید خیال یا تحقیق نہین، کئی مرتبہ اردو کے رسالون وغیرہ مین آ چکا ہے، "فلسفۂ اسلام" کے نام سے بھی "جامعہ" اسے پہلے ہی شائع کر چکا ہے، اس تحقیق انیق کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام علوم و فنون اسلامیہ، تہذیب و تمدن اسلام، سب کچھ غیرون کا رہین منت ہے، اس مین اسلام، پیغمبر اسلام علیہ السلام، خلفائے راشدین اور عرب اور مسلمانون نے کچھ نہین کیا، یہ ایرانی، یونانی، رومانی اقوام کا سراسر عطیہ و ہبہ ہے، نہ علوم قرآن تفسیر قرأت، رسم خط، احکام وغیرہ کوئی اسلامی پیداوار ہین، نہ ادب، نہ حدیث، نہ فقہ، نہ اصول فقہ، نہ صرف و نحو، نہ رجال و تاریخ،

مضمون برزخ

دوسرا مضمون "عالم برزخ از روے قرآن کریم" ہے، یہ ہمارے قدیم دوست مولنا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے اپنی کتاب "تعلیمات قرآن" سے منتخب کیا ہے! اسی سے اصل کتاب کا صحیح اندازہ ہو سکیگا،

اس جگہ ہم نے اسی کی تنقید و تحیص کی ہے، رسالہ مین دو ایک مضمون اور بھی ہین جن کی کوئی خاص اہمیت نہین معلوم ہوتی،

آنحضرت صلعم کی تعلیم کے بغیر قرآن کیونکر سمجھا جا سکیگا،

جس کتاب پر مسلمانون نے قرناً بعد قرنٍ بہت کچھ محنت، غور و تدبر کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ۲۳ سال کی طویل مدت مین وحی سے حاصل کیا، سمجھا اور صحابۂ کرام کو پڑھایا اور سمجھایا، لفظاً و معنیً و عملاً اس کے تعلیمات کو مکمل فرمایا، اور آپ اس کے عملی اُسوہ بنے،

غور کا مقام ہے جن لوگون نے "قرآن" کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، حیات و ممات کے تمام حالات اس پر قربان کئے، جان و مال، تجارت و کسب سب کچھ اسکی نذر کر دیئے، جن کی عزت و دولت، بضاعت و ثروت، امارت و حکومت صرف یہی "قرآن" تھا، جو اس کے پہلے معلم و حامل کے پاس پروانہ وار بیٹھتے تھے، ذرہ ذرہ پر اسکی رائے تلاش کرتے، اور طرز عمل کی پابندی کرتے تھے، ہر وقت اسکی حرکت و سکون، خلوت و جلوت کے افعال کی جستجو کرتے رہتے اور اسی کو علم سمجھتے تھے، اپنی عمر کا بہترین سرمایہ بڑے سے بڑا خزانہ" اعلیٰ سے اعلیٰ منصب اسی کو سمجھتے تھے، یہ لوگ اسے پوری طرح نہ سمجھ سکین، نہ وہ "معلم اول" انھین سمجھانے کے قابل ہو!!

آپ "قرآن" کے سب سے اول "معلم" تھے، محض الفاظ کے ناقل نہ تھے، ایک اعلیٰ سے اعلیٰ معلم کا جو فرض ہو سکتا ہے وہ آپ کا فرض تھا، آپ نے اسے باحسن وجوہ انجام دیا، جس طرح ایک معلم ایک ہی مضمون کو متفرق طور پر بیان کر سکتا ہے، اصل کتاب کے معانی دوسرے قالب مین پیش کرنے کا ہر طرح سے حق رکھتا ہے اور کوئی وجہ نہین کہ ایک عجمی اور وہ بھی ہزارون برس بعد آنے والا اسے اپنے ذہن کے مطابق پیش کرنے مین آزاد ہو، مگر "رسول" صرف الفاظ پر محدود رکھا جائے، اور اسے ذرہ بھر اس سے الگ بیان کا کوئی حق نہ دیا جائے، حالانکہ آپ کی خاص نگرانی ہوتی تھی، آپ کی خلوت و جلوت، حضر و سفر، حرب و صلح کے مسائل پر مراقبہ اور محاکمہ ہوا کرتا تھا، کوئی بات قابل گرفت نہین چھوڑی گئی، زبان دان ہونے کی حیثیت سے آپ کا کوئی ہمسر نہین ہو سکتا، موارد و مصادر، سیاق و سباق اور دیگر حالات کو آپ سے زیادہ کون سمجھ سکتا یا جان سکتا ہے، ایسے معلم کو اعتقادیات یا عملیات اور امور غیبیہ وغیرہ مین کسی قسم کے فیصلہ کا حق نہ دیا جائے، اس سے بڑھ کر ظلم اور حقیقت کے خلاف فیصلہ کی کوئی نظیر دنیا پیش کر سکتی ہے؟ ایک لغت کے فاضل کی رائے قبول کر لیجائے گی، مؤلف یا اس کا شاگرد خاص جو حل کرے واجب التسلیم

اور سب سے مقدم ہوگا، ہر کس و ناکس کو اجتہاد کا حق دیا جاویگا، خواہ وہ پانچ نمازوں کو تین یا دو ہی کردے، خواہ چار کی جگہ دو ہی رکعت بتائے، مگر یہی حق جب رسول کے واسطے بتایا جائے تو صاف طور پر انکار کر دیا جائے گا! كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا،

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا؟

صحابہ نے قرآن کس طرح لیا | تھوڑی دیر کے لئے ان شیدایان "قرآن" کے طریق معرفت اور آپکا طرز تعلیم و بیان بھی ملاحظہ فرمائیے، پھر صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابۂ کرام نے "قرآن" کسطرح لیا ہے؟ اور آپ نے انھیں کسطرح پڑھایا، اور سمجھایا ہے؟ یہاں جگہ محض بطور نمونہ دریا سے ایک قطرہ لیا جاتا ہے، اس سے مزید تفصیل ہماری کتاب "احسن الحدیث" میں ہے، جو "حدیث" کے متعلق ہر قسم کے اشکال کا آخری جواب ہے، اور جس میں "حدیث" کی اہمیت اور اسکا حجت شرعی ہونا ہر طرح سے ثابت کیا گیا ہے، وہاں ہم نے پچاس حدیثیں بطور مثال پیش کی ہیں،

(۱) ابو عبدالرحمن سلمی کہتے ہیں صحابۂ کرام کہتے تھے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی دس دس آیتیں پڑھا کرتے تھے، الفاظ کے ساتھ عمل کا طریقہ بھی سیکھتے جاتے، جب ہم قرآن کا ایک حصہ ختم کرتے الفاظ و معانی کے ساتھ اس کے طریق عمل سے بھی واقف ہو جاتے تھے، (ابن جریر طبری وغیرہ)

(۲) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کاش میں تین باتوں کی بابت تفصیلی معلومات آپ سے حاصل کر لیتا، آپ ہمیں فیصلہ کن معلومات دیتے، دادا کی میراث کا مسئلہ، کلالہ اور چند مسائل ربا، (بخاری و مسلم)

(۳) یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ آیۂ قصر "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ" الآیہ میں خوف کی شرط ہے، اب امن ہو چکا، قصر کی کیا ضرورت ہے؟ کہا میں نے بھی اسی تعجب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا تھا، آپ نے فرمایا "صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ" یہ اللہ کا فضل و صدقہ ہے، تم اسے قبول کرو (بخاری و مسلم) یہاں سے یہ بتایا کہ خوف کی شرط اتفاقی ہے، اسے احترازی قید نہ خیال کرو، جیسے "لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ" وغیرہ،

(۴) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں خدا کی قسم "قرآن" کی کوئی سورت ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کہاں اتری؟ اور کس کے متعلق اتری؟ اگر مجھے یہ علم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن کا علم ہے اور سواری وہاں تک پہنچ سکے تو یقیناً میں اس کے پاس جاکر علم قرآن حاصل کروں، تمام صحابہ اس سے بخوبی واقف ہیں، کہ میں سب سے "قرآن" کی بابت زیادہ واقف ہوں، حالانکہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ (بخاری ومسلم)

(۵) کعب بن عجرہؓ کہتے ہیں کیا میں تمھیں ایک تحفہ نہ دوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمارے پاس تشریف لائے ہم نے کہا "سلام" کا طریقہ ہمیں "التحیات" میں" معلوم ہو چکا، اب "صلوٰۃ" کی تعلیم فرمایئے، آپ نے درود شریف سکھایا، (بخاری ومسلم) یہ آیت صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کی عملی تفسیر ہے!

(۶) ابن عباسؓ کہتے ہیں مجھ میں اور حر بن قیس بن حصن فزاری میں یہ بحث ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام جس کے پاس گئے تھے وہ خضر ہیں یا اور کوئی؟ اس اثنا میں حضرت ابی بن کعبؓ گذرے، میں نے ان سے دریافت کیا کہ ہم میں یہ بحث ہوئی ہے، آپ نے اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہو تو فرمایئے! انھوں نے "سورۂ کہف" کے اس حصہ کی وہ مفصل تفسیر بیان کی جو آپ نے فرمائی تھی، اور اس شخص کا نام خضر بتایا (بخاری ومسلم)

(۷) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ایک روز آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ "قرآن" کی کونسی آیت بڑی ہے؟ میں نے کہا اللہ و رسول خوب جانتے ہیں، پھر آپ نے یہی سوال دہرایا، میں نے جواب میں آیۃ الکرسی بتائی، آپ نے میرے سینہ پر دست مبارک مار کر فرمایا "تمھیں علم مبارک ہو" (مسلم)

(۸) ابن عباسؓ کہتے ہیں مجھے عرصہ سے یہ شوق تھا کہ حضرت عمرؓ سے ان عورتوں کے نام اور قصہ دریافت کروں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آپس میں اتفاق کرلیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا "اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا" چنانچہ جب حضرت عمرؓ حج کے واسطے نکلے میں بھی ساتھ تھا، ایک روز وہ قضائے حاجت کے لئے باہر گئے، مجھے پانی لے کر بلایا، میں نے وضو کرانا شروع کیا، اس وقت موقع پاکر میں نے یہ سوال پیش کیا، انھوں نے پورا قصہ بیان کیا، اور کہا یہ حفصہؓ اور عائشہؓ تھیں، (بخاری ومسلم)

اس قسم کی روایات سے صحابۂ کرام کا علمی شغف، قرآن کے مشکلات پر عبور، اس کے طریق عمل کی معرفت، علمی قوت، اور اس کے واسطے سفر کی خواہش، کیا یہ تمام امور منیس معلوم ہوتے؟ احکام ومسائل الگ رہے، ناموں کی جستجو، ان کی بابت خاص تحقیق وبحث، کیا ان کے انتہائی استغراق، اور اعلیٰ علمی مذاق کا پتہ نہین دیتے؟

قرآن فہمی کے موجودہ مدعیون کا طرزِ عمل،

اسی کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے جو لوگ ان تحقیقات سے استفادہ کرنے کی جگہ بالقصد ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے ہین، اور انھین ضد وعداوت کی نگاہ سے دیکھتے ہین، اور پوری سعی کرتے ہین کہ کسی طرح یہ سب "قرآن" کے خلاف بنا دیا جائے، وہ کس حد تک کامیاب ہوسکتے ہین؟ اور اسی جذبۂ عناد کی وجہ سے فہم قرآن سے یہ کس قدر دور چلے جاتے ہین، بہترین علمی سرمایہ، اور قرنون کی محنت وسعی کو یہ محض اپنے خیال کی بنا پر اڑا دینے کی فکر مین ہوتے ہین، اور اس طرح "لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" کی صریح مخالفت پر تیار ہوجاتے ہین، یقین وبیان کے سامنے ظن وخرص کو ترجیح دیتے ہین، اور بالآخر "قرآن" کی کسی بات کو بھی صحیح طور پر ثابت نہین کرسکتے نہ ہی اُسے سمجھ سکتے ہین! مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ، وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا

(۱) "برزخ کی تحقیق"

لفظ برزخ

عالم برزخ کے متعلق اصل بحث کو لفظ "برزخ" کی تحقیق سے شروع کیا گیا ہے، مولوی اسلم صاحب لکھتے ہین:

"برزخ غالباً فارسی لفظ "پردہ" سے معرب کیا گیا ہے جس کے معنی آڑ کے ہین"۔ ص۵

"برزخ" کے متعلق درحقیقت یہ تمام بحث نرالی ہے، اسی لئے اسے فارسی سے معرب بتایا گیا، عام قاعدہ کے مطابق اگر "پردہ" کی تعریب کیجائے تو "فردج" یا "فردج" ہونی چاہئے، مگر یہان ہر ایک بات بے قاعدہ ہے، اسلئے پردہ سے برزخ بن گیا ہو تو کیا تعجب ہے؟

یہ طے شدہ امر ہے کہ جس زبان مین کسی معنی کے لئے لفظ نہ ہو تو وہ دوسری زبان سے لانے کی فکر کریگی، عربی مین آڑ اور پردہ کے لئے "حجاب" اور "ستر" وغیرہ متعدد الفاظ موجود ہین، لہذا اسے کیا ضرورت ہوئی؟ کہ "پردہ" کی تعریب کرے!

قرآن نے "برزخ" کو دو چیزون مین فصل، حد فاصل، اور موت و حشر کے درمیان جو مدت ہے اس کے واسطے مستعمل کیا ہے، کسی طرح سے یہ لفظ فارسی الاصل نہین، ممکن ہے عبری یا سریانی ہو، مگر بلا کسی حجت کے اسے "پردہ" سے معرب بنا دینا عجیب اجتہاد ہے! ہمین معربات کی کتابون مین اسکا پتہ نہین لگا، نہ اس سے قبل کسی نے اسے فارسی لفظ سے معرب بتایا ہے، گو ممکن ہے کہ آجکل کے مستشرقین کی یہی تحقیق ہو،

برزخ کے متعلق خلاصۂ دعویٰ اصل بحث شروع کرنے سے قبل "عالم برزخ" کا پورا خاکہ صاحب مضمون کا بیان کردہ پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ آیندہ مباحث کے سمجھنے مین اس سے پوری مدد مل سکے تمام مباحث کے یکجا ہو جانے سے دعویٰ کے متفرق اجزا سے پوری واقفیت ہو جائے گی، یہان ہم نے فقط مولوی اسلم صاحب کے الفاظ مین ان تمام متفرقات کو یکجا کر دیا ہے،

(۱) برزخ موت سے حشر تک ہے (۲) اس درمیان مین مردے اپنے رب کی حضوری سے آڑ مین رکھے جاتے ہین، (۳) یہ عالم برزخ مطلق عالم ممات ہے، جس مین کسی قسم کے حیات کا شائبہ نہین ہے، (۴) تمام مردے شہدار کے علاوہ برزخ مین ہین، وہ نہ جانتے ہین، نہ سنتے ہین، نہ دیکھتے ہین، نہ خبر رکھتے ہین، (۵) اور ان کے اوپر زمانہ بھی نہین گذرتا، یعنی جو مراوہ قیامت کے دن جب اٹھایا جائے گا تو اپنے خیال مین اسی ساعت اور اسی لمحہ مین ہوگا، جس مین اسکی جان نکلی تھی، (۶) قرآن کے رو سے زندگی اور موت دو ہی دو ہین، دنیاوی زندگی سے پہلی حالت موت سے تعبیر کیگئی ہے، اس کے بعد یہ زندگی ملی، پھر اس کے بعد موت آئے گی، پھر اس کے بعد دوسری زندگی ملے گی جس کے لئے موت نہین ہے، (۷) رُوح عالم امر سے ہے جسکا بہت کم علم دیا گیا ہے، (۸) رُوح کی حیات کا ثبوت قرآن سے نہین ملتا، بلکہ اس کے خلاف ثبوت ملتا ہے، (۹) مرنے کے بعد مردون کا علم اللہ کے نوشتہ مین ہے نیکون کا اندراج علیین مین ہوتا ہے، اور بدون کا سجین مین (۱۰) شہدار برزخ مین نہین رکھے گئے، بلکہ عِندَ ربِّھِمْ اپنے رب کی حضوری مین ہین، جہان ان کو روزی ملتی ہے، وہ جان نکلنے کے ساتھ ہی اس برزخ کو ایک دم پار کر جاتے ہین، (۱۱) الغرض قرآن کے رو سے سوائے شہیدون کے عالم برزخ مین کسی کو زندگی حاصل نہین، نہ زندگی

کا کوئی اثر، نہ علم، نہ سمع، نہ بصر، نہ شعور، نہ احساس نہ خبر اور نہ کسی قسم کا زمانہ (۱۲) اس لئے قرآن کے رو سے عالم برزخ میں عذاب یا ثواب کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا، ہر چند کہ موتین انفرادی ہوتی ہین، اور حشر اجتماعی ہوگا، مگر چونکہ برزخ غیر زمانی ہے، اس لئے ہر شخص کی موت اور حشر کی سرحدین بالکل ملی ہوئی ہین (۱۳) قرآن مین جابجا موت کے ساتھ بھی عذاب یا ثواب کا بیان جوآیا ہے وہ حقیقت مین قیامت کے دن کا عذاب یا ثواب ہے، کیونکہ موت اور قیامت مین فصل زمانی نہین ہے، لیکن چونکہ اکثر لوگون کی نظر اس نکتہ پر نہ تھی اس لئے انھون نے اس عذاب و ثواب کو موت کے بعد یعنی برزخ ہی کا قرار دیدیا، حاصل یہ ہے کہ "قرآن" کی جن جن آیتون سے عذاب یا ثواب برزخ کے ثابت کرنے کی کوشش کیگئی ہے، ان سے قطعاً اس کا ثبوت نہین ملتا"

۲ - اس کلام مین تناقض،

سب سے قبل ہم اس کلام مین تناقض دکھاتے ہین، شہیدون کی بابت ایک جگہ نمبر (۱) مین یہ لکھا ہے" وہ برزخ مین نہین ہین، اسے پار کر گئے ہین، اور ثواب پاتے ہین" دوسری جگہ نمبر (۱۱) مین ہے" سوائے شہیدون کے عالم برزخ مین کسی کو زندگی نہین" تیسری جگہ نمبر (۱۲) مین ہے" عالم برزخ مین عذاب یا ثواب کا خیال بھی نہین کیا جاسکتا، اسی طرح نمبر (۱۳) مین ہے کہ" قرآن کی جن جن آیتون سے عذاب یا ثواب برزخ کے ثابت کرنے کی کوشش کیگئی ہے، ان سے قطعاً اس کا ثبوت نہین ملتا"

ظاہر ہے کہین شہیدون کو برزخ پار کر دیا، کہین برزخ مین زندہ اور ثواب پانے والے بتا دیا، یہ صریح تناقض ہے، اس کے علاوہ اسی سے "حیات برزخ" کا ثبوت ملتا ہے، جسکا انکار اس مضمون کی روح روان ہے، گویا اپنی عمارت خود منہدم کئے جاتے ہین، اور نہین خیال کرتے،

اس تناقض کے علاوہ اصل مسئلہ مین جو اشکال ہے اس کے حل کرنے کی کوئی فکر نہین کیگئی، حالانکہ اسکی سخت ضرورت تھی، بغیر اس اشکال کے حل کئے کوئی دعوی مدلل اور قابل سماع نہین ہوسکتا،

ایک اشکال وہ اشکال یہ ہے کہ "عالم برزخ" موت سے حشر تک ہے، اگر "شہداء" اس مین ہین تو "عذاب و ثواب برزخ"

کا ثبوت ہو چکا، یہ یقینی امر ہے کہ جس جگہ ثواب کا احساس ہو وہاں عذاب کا احساس ممکن ہے، اور اسکا وقوع کتاب و سنت کے دلائل سے آیندہ آئیگا، یہاں سے محض امکان و وقوع ثابت ہے، اگر "شہداء" برزخ پار کر چکے تو کیا انکی قیامت آچکی؛ حشر و نشر کے واردات ان پر واقع ہو چکے؟ ان کے اجساد میں روحیں ڈال دگئیں، یہ یقینی و قطعی ہے کہ وہ اس دنیا سے چل بسے، اب یا برزخ میں ہونگے یا اسے پار کر کے حشر و نشر سے گذر کر "جنت" میں چلے گئے، ان کے اجساد میں روحیں پڑگئیں، یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی برزخ میں رہیں، کبھی اسے بلا دلیل پار کرا دیئے جائیں!

دوسرا اشکال اس اشکال کے بعد دوسرے ایک اشکال پر بھی نظر کرنے کی سخت ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ "شہداء" کی حیات تسلیم کر لینے کے بعد خواہ وہ "برزخ" میں ہو، یا اس کے سوا، غور طلب امر یہ ہے کہ تمام اموات کے جو احکام ہیں یعنی علم نہ ہونا، نہ دیکھنا، نہ سننا، نہ حرکت کرنا، نہ کسی قسم کا شعور و احساس وغیرہ کیا یہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں، اور یہ سب احساسات رکھتے ہیں، یا نہیں؟

افسوس اس موضوع کو بالکل چھوڑ دیا گیا، حالانکہ اسکی اہمیت اور اس کے بہت سے مشکلات کا حل یقینی ہے

معبودان باطل بت ہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن آیات میں اپنے ماسوا، اولیاء، شفعاء اور وسیلہ و زلفیٰ" کی نفی کی ہے، وہاں ان سب کے واسطے بلا کسی استثناء "اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ" فرمایا ہے، خود مولوی صاحب نے بھی اسے یوں لکھا ہے، "چنانچہ انبیاء اور اولیاء جن کو مشرکین پوجتے ہیں اور ان کو اللہ کے یہاں اپنا سفارشی سمجھتے ہیں، ان کی نسبت قرآن میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ، اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ، وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۱۴	اور جنکو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور (اتنی بھی) خبر نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائینگے

یعنی پہلی چیز جس کی ان کو خبر ہونی چاہئے وہ یہ ہو سکتی تھی کہ ہم قبر سے کب نکالے جائیں گے؛ مگر اس سے بھی بے خبر ہیں، پھر اور کسی چیز کی ان کو کیا خبر ہو سکتی ہے؟" ص۔

پہلے ہم بطور جملہ معترضہ اس آیت کے متعلق دو غلطیاں بتاکر اصل بحث پر عود کرتے ہین،

ایک یہ کہ "قرآن" کے ترجمہ مین بلاضرورت کوئی لفظ یا الفاظ کا اضافہ ایک قسم کی تحریف ہوگی، اس جگہ اتنی بھی کی کوئی ضرورت نہین، اور سیاق و طرز کلام سے اس پر کوئی شہادت نہین ؛

معبودان باطل کی بے علمی کا سبب موت نہیں،

دوم یہ ایک قسم کا دھوکہ اور مغالطہ ہوگا کہ ان کے اس عدم شعور کو محض موت پر متفرع سمجھا جائے یا اسے سب سے معمولی بات خیال کیا جائے جسکا علم انھین سب سے پہلے ہونا چاہئے تھا، یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ عالم حیات مین بھی اس کا شعور نہ رکھتے تھے، یا کسے بجز اللہ کے اس کا علم و شعور ہے، یہ تو ایک عظیم الشان معاملہ ہے انھین کل کی خبر نہ تھی، اپنی موت کے وقت و مقام سے واقف نہ تھے، نہ یہ بالیقین بتا سکتے تھے کہ کل وہ کیا کرینگے؛ پس یہ تمام باتین حیات مین ان کے شعور سے بالاتر تھین، بعد از ممات کیونکر آسکتی ہین؟

اصل بحث یہ ہے کہ ان "اولیاء" مین زیادہ تر "شہداء" ہی ہین، جن سے دعائین، نذرین اور عبادت کے دیگر اطوار مثل سجدہ و اعتکاف قبر وغیرہ کرتے ہین، چادرین، پھول اور ہر طرح کے چڑھاوے چڑھاتے ہین، بال وہان اتارتے ہین، چونکہ "شہداء" زندہ ہیں، یہ ان اولیاء کو "شہداء" سمجھکر یہ سب کام کرتے ہین، اور جانتے ہین کہ یہ سنتے ہین، اور ہر قسم کی مدد کرتے ہین، پس کیا اس "قرآن" کے عام حکم مین وہ "شہداء" بھی شامل ہیں اور "اموات غیر احیاء" ہیں؟ یا ان عوام کے خیال کے مطابق زندہ ہین، اور "احیاء غیر اموات" ہین ؟

اگر انھین "احیاء" مان لیا جائے تو زندون کے تمام اوصاف ان مین پائے جاتے ہین، یا نہین؟ مثلاً حرکت، سمع و بصر، احساس و شعور وغیرہ ؛ اگر یہ سب موجود ہین تو مشرکین کا دعویٰ صحیح ہوا، اور یہ آیت کوئی مفید نہ ہوئی، اگر اس کا انکار کیا جائے تو ان کو "احیاء" سمجھنا اور مستثنیٰ سمجھنا لغو ہو جاتا ہے!

اس اشکال کا جواب بغور ملاحظہ فرمائیے!

"قرآن" نے جو احکام و نصوص اللہ کے علاوہ تمام معبودون کے واسطے فرمائے ہین، وہ سب عام ہین، مثلاً وہ سب مخلوق ہین، کسی قسم کی پیدایش کی طاقت نہین رکھتے، عاجز و بے بس ہین، ان مین کوئی قدرت نہین

اموات ہیں، حیات اور حیات کے تمام احساسات سے خالی ہیں، اس میں نیک اور بد سب برابر ہیں، اور یہ اپنی حقیقت پر مبنی ہیں، ان میں استثناء یا مجاز کو کچھ دخل نہیں، اگر کوئی چیز قابلِ استثناء ہو سکتی تھی تو خود قرآن نے اس کا بیان فرمایا ہے، چنانچہ جس مقام پر معبوداتِ باطلہ کو "حَصَبُ جَہَنَّمَ" فرمایا یعنی دوزخ کا ایندھن بتایا، وہاں "صالحین" کا استثناء کرکے بتا دیا کہ یہ لوگ صرف اس حکم سے مستثنیٰ ہیں،

پس تمام وہ اشیاء یا اشخاص جنکی اللہ کے سوا پرستش کیجاتی ہے شجر یا حجر جن و ملائکہ یا انبیاء و اولیاء و شہداء سب بلا استثناء مخلوق ہیں، خالق نہیں، عاجز و بے بس ہیں، مستطیع و قادر نہیں، نہ مخلوقات پر اور نہ اپنی جانوں پر کسی قسم کے تصرف کا حق رکھتے ہیں، "اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ" ہیں، اسی طرح "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ" اور "کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ" اور "کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ" کے ماتحت تمام نفوس "انبیاء، و شہداء، جن و ملائکہ سب میت و فانی و ہالک ہیں، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابۂ کرام کو جن میں شہداء بھی تھے بلا کسی استثناء یہ فرمایا:-

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ، اس میں کوئی شک نہیں کہ تو اور یہ سب مرنے والے ہیں،

موت کی حقیقت | لہذا ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کے سمجھنے سے پہلے "موت" کو اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے، اس کے بعد "شہداء" کی حیات کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائیگا،

بدن سے "روح کا جدا ہونا "موت" کہلاتا ہے، یہ بالمعنی الاعم ہے، اسی کے لحاظ سے نیند کو "موت" کہتے ہیں! عربی شاعر کہتا ہے:

نموت ونحیا کل یوم ولیلۃ — ولا بد یوماً ان نموت ولا نحیا

ہم ہر ایک شب و روز مرتے اور زندہ ہوا کرتے ہیں — ایک دن ایسا بھی یقیناً آنے والا ہے کہ مر کر پھر زندہ نہ ہونگے

حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب شب کو بستر پر لیٹتے تو داہنی کروٹ پر لیٹتے اور فرماتے "باسمک اللّٰھم اموت واحیا" اے خدا! تیرے ہی نام پر میں مرتا ہوں اور جیتا ہوں" بیدار ہوتے وقت فرماتے "الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور" تمام تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں جس نے

ہین مار کر جلایا، اور اسی کی طرف زندہ ہو کر لوٹنا ہے۔"قرآن" نے بھی نیند کو وفات کہا، وھو الذی یتوفاکم باللیل!

خاص معنی کے اعتبار سے"روح"کا بدن سے مستقل طور پر انفصال "موت"ہے اگر یہ مرض یا دیگر عوارض غیر بشری سے ہو، اگر انسان کے پیدا کردہ اسباب سے ہو وہ "قتل" کہلائیگا، غرض "روح" کا انفصال موت ہے، مگر بالواسطہ انفصال کے لئے موت یا قتل وغیرہ کہتے ہین، اور اختصاراً قتل بھی کہتے ہین؛

شہدار بھی میت ہین | "شہدار کی" ارواح" اجساد سے منفصل ہو چکین، اسلئے وہ فی الحقیقت" اموات" غیر احیاء ہین؛ ان پر" کل نفس ذائقۃ الموت" وغیرہ کے عام احکام برابر صادق آتے ہین، اس مین ذرہ بھر استثنار کی ضرورت نہین، بالیقین عالم موت ان پر طاری ہوا، اموات کے تمام احکام باستثنار غسل و نماز جنازہ (جس کے متعلق فقہار مین کچھ اختلاف ہے) ان پر ایک میت کی طرح جاری ہوتے ہین، سماع، بصر، حرکت و شعور وغیرہ سے مثل دوسرے اموات کے یہ بھی خالی ہوتے ہین، انھین عام میت کی طرح کفن دینگے، دفن کرینگے، ان کی عورتین عدت گذار کر نکاح کر سکینگی، ان کا مال بطور میراث تقسیم ہوگا، ان کی اولاد یتیم کہلائے گی، غرض قتل بھی نتیجہ و غایت مین "موت" بالمعنی الاخص ہے،

شہدار کو مردہ کیون نہ کہین | اس حقیقت حال کے بعد یہ سوال واقع ہوگا کہ جب شہدار در اصل اموات غیر احیار ہین؛ ان پر تمام احکام اموات کے جاری ہوتے ہین، تو ہمین "اموات" کہنے یا اس کا گمان کرنے کی کیون ممانعت فرمائی، یہ ایک قسم کا تناقض ہوگا کہ مردہ ہین، اور مردہ نہین، یا مردہ نہ کہو!

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک شرعی احترام و اعزاز ہے جو فی سبیل اللہ جان دینے والون کے لئے مخصوص کیا گیا چونکہ وہ اپنی جانین اصلی اور اعلیٰ غرض پر برضا و رغبت قربان کر چکے، اس لحاظ سے وہ اپنی زندگی اعلیٰ ترین مثالی کی صورت مین گذار چکے، ایسے عظیم الشان خدمت انجام دینے والے اگرچہ "موت" حاصل کر چکے، مگر انھین عام لوگون کی طرح مردہ سمجھنا انتہا درجہ کی ناقدری اور توہین ہوگی، یہ معمولی خطاب کے لائق نہین، یہ ابد الآباد کی زندگی حاصل کر چکے، اپنے رب کے نزدیک یہ اعلیٰ زندگی کے مستحق ہو چکے، ان کی روحانی زندگی برزخ مین اعلیٰ قسم کی ہے، یہ لذائذ

سے متمتع اور رزق سے مستفید ہوتے ہیں، مگر یہ ان کی حیات دنیاوی نہیں، کیونکہ جسد سے روح الگ کر دی گئی، اس دار فانی کے تمام احساسات ان سے ختم ہو چکے، اخروی حیات بھی نہیں ہے، اس لئے کہ ابھی قیامت قائم نہیں ہوئی، حشر و نشر کا سلسلہ جاری نہیں ہوا، یہ روحانی اور عالم برزخ کی حیات ہے، جس کے واسطے فرمایا "بل احیاء عند ربھم" کہیں فرمایا ولکن لا تشعرون "تمھارے شعور و ادراک سے یہ حیات بالاتر ہے، کہیں فرمایا "یرزقون" انھیں رزق بھی ملتا ہے،!

ظاہر ہے کہ انھیں اسی طرح قبر کے سپرد کیا جاتا ہے، جیسے دوسروں کو، کیا یہ دنیا میں آمد و رفت کر سکتے ہیں؛ نہیں ہرگز نہیں، کسی قسم کے نفع و نقصان، سوال و جواب کی ان میں کوئی قدرت ہے؛ نہیں ہرگز نہیں، جو کچھ وہ خاکی جسد میں "روح" ہوتے ہوئے کر سکتے تھے اس سے بھی اب عاجز ہیں،

حاصل یہ ہے کہ "شہداء" کے واسطے بطور اعزاز اس لفظ کے استعمال کو ممنوع فرمایا، انھیں روحانی حیات میں خاص مرتبہ عطا کیا، نہ یہ کہ وہ ایسی حیات رکھتے ہیں جس میں قوی پوری طرح کام کرتے ہیں، اور ان کا احساس دنیاوی حیات کا سا ہو!

اس جگہ معدن وحی، منبع شرع و حکم، معلم القرآن، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر بھی نقل کرتے ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیے،

عن مسروق قال سألنا عبد اللہ	مسروق کہتے ہیں ہم نے ابن مسعود سے اس آیت کے معنی
عن ھذہ الآیۃ "ولا تحسبن الذین	دریافت کئے "ولا تحسبن الذین قتلوا الآیۃ" یعنی جو
قتلوا فی سبیل اللہ امواتا، بل احیاء	لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انھیں مردے نہ خیال کرو
عند ربھم یرزقون، فقال اما انا	وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں، رزق پاتے ہیں، ابن
قد سألنا عن ذالک، فقال ارواحھم	مسعود بولے آگاہ ہو، ہم نے بھی اسکی بابت دریافت کیا تھا
فی جوف طیر خضر، لھا قنادیل معلقۃ	آپ نے فرمایا، شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں

بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت، ثم تأوی الی تلک القنادیل، فاطلع الیھم ربک اطلاعۃ، فقال تشتھون شیئا؟ قالوا ای شیء نشتھی ونحن نسرح من الجنۃ حیث شئنا. ففعل ذلک بھم ثلث مرات، فلما راوا انھم لن یترکوا من ان یسالوا، قالوا یارب نرید ان ترد ارواحنا فی اجسادنا حتی نقتل فی سبیلک مرۃ اخری، فلما رای ان لیس لھم حاجۃ ترکوا. (مسلم)

عرش سے معلق قندیلوں میں رہتی ہیں، جنت میں جہاں چاہتی ہیں پھرتی چرتی ہیں، پھر انھیں قندیلوں میں آکر بسیرا کرتی ہیں، تیرے رب نے انھیں جھانک کر فرمایا تمھاری کوئی خواہش ہے؟ "وہ بولے اب ہماری کیا خواہش ہو سکتی ہے، جہاں کہیں جنت میں ہم چاہیں چرچر سکتے ہیں" اسی طرح تین بار دریافت فرمایا، جب یہ شہدا سمجھ گئے کہ ہم سے یہ سوال ہوتا رہیگا، سب نے بیک زبان کہا "ہماری یہ آرزو ہے کہ پھر سے ہماری روحیں اپنے اپنے بدنوں میں چلی جائیں اور از سر نو زندہ ہوکر پھر دوبارہ تیری راہ میں قتل ہوں، جب ان کی کوئی خواہش نہ رہی انھیں چھوڑ دیا،

یہ ہے ان کی حیات برزخ اور وہاں کے ثواب کا ثبوت، اگر دنیاوی زندگی ملی ہوتی یا ان کی ارواح اپنے اجساد میں ہوتیں تو اسکی تمنا فضول تھی!

سبز پرند کی صورت میں ارواح کا ہونا بتا رہا ہے کہ "جسد عنصری" سے الگ ان کی حیات ہوتی ہے، دنیا میں اسکی مثال برق اور تار سے بہتر نہیں مل سکتی، یہی حیات و ممات کے تمام ادوار کے لئے کارآمد ہو سکتی ہے بٹن دبا دینے سے بجلی آجاتی ہے، اور اسی سے فوراً چلی جاتی ہے، بجلی بند ہو جانے کے معنی میں کہ کسی جگہ جمع ہو گئی ہے، مگر فنا نہیں ہوگئی! "ارواح" انسانی کا احساس "جسد" سے الگ کچھ نہ کچھ ہوتا ہے، اور "رزق" و سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ایک گونہ احساس ضرور ہے، مگر ناقص ہے، اسی لئے اعلیٰ کی تمنا کی، "خواب" میں روح کی سیر ہر ایک جانتا ہے لیکن اس وقت بھی ناتمام احساس اور کچھ دھندلی سی کیفیت نظر آتی ہے، رنج و خوشی، انبساط و تقبض کا پتہ ہر ایک شخص دیگا،

حقیقت نیند کے بعد معلوم ہو سکتی ہے، اور یہ آثار بالعموم غائب ہو جاتے ہیں!

علمائے امت نے عذاب "برزخ" کے واسطے اسی آیت سے استدلال کیا ہے، یہ قیاس محض نہیں بلکہ اس کے لئے نصوص بھی آئیں گے!

ایک آیت کا غلط ترجمہ کرنا | یہاں ایک علمی نکتہ" بیان کرنے کے بعد تیسری بحث شروع کرینگے!

"اموات" کے متعلق، "عدم سماع، عدم بصر، شعور و احساس نہ ہونا بتاتے ہوئے" "عدم علم" کے ذیل میں مولوی صاحب یہ آیت لکھتے ہیں:

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ (یونس)

اور وہ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں، جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکتے ہیں، نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں، کہہ دے کہ کیا تم اللہ کو ان لوگوں کے ذریعہ سے خبر پہنچاتے ہو، جن کو آسمان و زمین میں کسی شے کا علم نہیں!

پھر اس پر حسب ذیل اضافہ کرتے ہیں،

"یہاں اس غلطی کا اظہار کر دینا ضروری ہے جو "قرآن" کے عام مفسرین اور مترجمین نے اس آیت کے متعلق کی ہے، یعنی یہ کہ انھوں نے بجائے معبودان غیر اللہ کے لاعلمی کی نسبت خود اللہ کی طرف کی ہے، اور ذرہ نہیں شرمائے ہیں، چنانچہ اردو کے بہترین اور مستند مترجم شاہ عبد القادر صاحب اپنے ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں، "اور پوجتے ہیں اللہ سے نیچے جو چیز نہ برا کرے ان کا اور نہ بھلا اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس، تو کہہ کہ تم اللہ کو جتاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں کہیں آسمانوں میں نہ زمین میں" حالانکہ قرآن نے تصریح کر دی ہے کہ جن چیزوں کو وہ پوجتے ہیں، ان کو اللہ جانتا ہے،

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ — اللہ کے سوا جس شے کو بھی پکارتے ہیں اللہ

مِنْ شَیْءٍ ، ۲۵پ ، اس کو جانتا ہے ، ص۲

ہم دل سے چاہتے ہیں کہ اس مضمارِ علم اور میدانِ جدال میں مولوی صاحب کوئی سبقت حاصل کریں، اور کسی قسم کے معقول و مدلل مسئلہ میں غلبہ پائیں، مگر یہ دوسروں کے پچھاڑنے کے نام سے اٹھکر خود ہی پچھڑ جاتے ہیں، اس کا کیا علاج ہے، کاش وہ پہلے اپنی قوت علمی کا صحیح اندازہ کر کے کسی کے مقابلے میں اترنے کی فکر کرتے!

کناطح صخرۃً یوماً لیفلقہا فلم یضرہا واوھیٰ قرنہ الوعلُ

عربیت کی خامی اور لوگوں کی غلطی پکڑنے کے شوق نے یہ جرأت پیدا کی، مگر ابھی اس میدان میں شہسوار موجود ہیں، علم کے حاملین سے دنیا خالی نہیں ہو چکی، اللہ کی حجت قیامت تک قائم رہیگی، اور گو اس کے قائم کرنے والے تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں، مگر رہیں گے،

رُدّا علی اقربھا الاقاصیا

انّ لہا بالمشرفی حادیا ذکرتنی الطعن وکنت ناسیا

پہلی غلطی اس مقام پر مولوی صاحب نے ب کو بمعنی واسطہ و ذریعہ لے کر کی، حالانکہ یہ بائے تعدیہ ہے اور دوسری فاحش غلطی یہ کی کہ "لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ" کے یہ معنی کئے "جن کو آسمان وزمین کی کسی شے کا علم نہیں" "کسی شے" کا لفظ قرآن میں نہیں ہے، اس کے واسطے "ما" یا شیئاً کی ضرورت تھی، گویا صحیح عبارت اس ترجمہ کے مطابق یوں ہوتی "لایعلم ما فی السمٰوٰتِ ولا ما فی الارض" یا لایعلم فی السمٰوٰت ولا فی الارض شیئاً" حالانکہ مسلمانوں کے قرآن میں اسکا کوئی وجود نہیں،

"یعلم" کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، اسے "ما" کی طرف لوٹاتے ہیں، اس اعتبار سے صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ "کیا تم اللہ کو ان لوگوں کی خبر دیتے ہو جو نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں جانتے ہیں" یہ کس قدر بے لطف اور فصاحت و اعجازِ قرآن سے خارج کلام ہوگا،

اب اصل شبہہ ملاحظہ فرمائیے جس کی بنا پر یہ سارا زور صرف ہوا، مولوی صاحب نے یہ خیال کر لیا کہ ان

تمام مفسرین اور مترجمین نے اللہ کو بے علم بتایا، حالانکہ ایسا قبیح خیال کسی طرح ذہن مین نہ آنا چاہئے،

یہ سخن شناسی نہ معلوم مولوی صاحب نے کب سے اپنے واسطے مخصوص کرلی ہے، ممکن ہے جماعت "اہل قرآن" کی قیادت کا کچھ تصور ہو، مگر اس کے واسطے کچھ اور بھی آلات اجتہاد درکار ہین!

کیا یہ حقیقت نہین کہ جس چیز کو وہ اللہ کے سوا سفارشی یا "اولیاء" وغیرہ بناتے ہین، یہ ان کا تراشا ہوا اور نام رکھا ہوا ہے، اللہ کے یہان سے اس کی کوئی سند اور حجت ان کے پاس نہین، قرآن نے جابجا اسے "افک" افتراء اور بناوٹ بتایا ہے: اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَاءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ "غرض جب یہ ماسوای اللہ معبود بے اصل، بے حقیقت اور افک محض ہین تو یہ کہنا کیون قابل اعتراض ہوگا کہ "تم خدا کے علم مین ایسی چیز لانا چاہتے ہو جسے وہ آسمان و زمین مین مطلقاً نہین جانتا" یا تم اپنی اس عبادت کے ذریعہ بزعم خود "اللہ کو ایسی باتین بتاتے ہو جو اسکے علم مین نہ آسمانون مین نہ زمین مین ہے": اس مین کونسی قباحت لازم آتی ہے جو باعث شرم ہو! یہ انتہا درجہ کا مبالغہ اور ان مشرکین کے جہل کا اظہار ہے، یہ خدا کو تعلیم دینا چاہتے ہین، اور ایسی چیز اس کے علم مین لانا چاہتے ہین جو وہ کسی طرح نہین جانتا،

غور کیجئے کیا اللہ کے علم مین "اس کا شریک ہے"؟ کیا اللہ کے علم مین "شفعاء و اولیاء" جنھین مشرکین مانتے اور ان کی پرستش کرتے ہین، موجود ہین؛ یعنی درحقیقت یہ اشیاء خارج مین موجود اور اس وصف کی مستحق ہین؟ کیا اسکی اولاد اور رشتہ دار ہین؛ ظاہر ہے کہ یہ سب دراصل منفی اور بے حقیقت الفاظ ہین، اور اس کے علم سے سب سے پہلے خارج ہین

جس آیت سے مغالطہ دیا گیا ہے کہ "اللہ ان معبودات باطلہ کو جانتا ہے" اس سے علم لازم آتا ہے، یہ طرز بیان سے غفلت کرنے کا نتیجہ ہے، کیا خدا ان کے معبود بحق ہونے کا علم رکھتا ہے یا یہ کہ وہ کسی طرح عبادت کے لائق نہین؟ دونون قسم کے علم مین بین فرق ہے، ایک کی نفی دوسرے کی نفی یا اثبات کی مستلزم نہین، پس یہ بالکل ایسا ہے کہ زید کہے "میری کمپنی مین جسے تم شریک بتاتے ہو مجھے اس کا خوب علم ہے": اور ساتھ ہی یہ کہے "میری کمپنی مین کوئی شریک نہین؛ یہ صرف میری ذاتی ہے": جب اس سے کہا جائے لوگ فلان فلان کو شریک بتاتے ہیں، وہ کہے "خواہ مخواہ ایسے آدمیون

کا نام لیتے ہیں جنھیں میں جانتا بھی نہیں نہ ان سے میرے کبھی تعلقات ہوئے" تو کسی طرح ان دونوں کلاموں میں تعارض نہیں ہوگا

"قرآن" نے جابجا مشرکین کے شرک کا ذکر فرمایا ہے اور ایک جگہ یہ فرمایا " وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ " ان لوگوں کے لئے ہمارے دیئے ہوئے میں سے حصے بناتے ہیں، جنھیں یہ جانتے بھی نہیں" کیوں ؟ اس لیے کہ ان کی حقیقت سے یہ کب واقف ہیں، بہت سے معبود ایسے ہونگے کہ ان سے سینکڑوں برس پہلے گذرے، ان کے صحیح حالات سے لوگ بے خبر ہونگے، بہت سے معبود محض حسن ظن اور توہم پرستی کے عناصر ہونگے، ممکن ہے پتھر اور قبر کے نشان ظاہری کے علاوہ بطن میں کوئی حقیقت ہی نہ ہو، یہاں بھی عدم علم خاص حیثیت کے اعتبار سے ہے،

آیت " اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ " کے تین معنی ہو سکتے ہیں : ایک " ما " موصول ہو یعنی اللہ ان معبودات باطلہ کو خوب جانتا ہے کہ وہ کسی قسم کی عبادت کے قابل نہیں، ان میں کوئی حیثیت معبود ہونے کی نہیں ہو سکتی، نہ یہ کہ وہ ان کے معبود بالحق ہونے کا اقرار کرتا ہے یا علم رکھتا ہے،

دوسرے معنی میں " ما " مصدریہ لیا جائے یعنی اللہ خوب جانتا ہے ان کے اس پکارنے کو جو وہ اس کے سوا دوسروں کو پکارا کرتے ہیں۔

تیسرے معنی میں " ما " نافیہ لیا جائے، یعنی اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ کسی چیز کو بھی اس کے سوا نہیں پکارتے یعنی ان کا پکارنا لغو اور فضول ہے، وہ کسی طرح پکارنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، ان کی پکار اور جنھیں یہ پکارتے ہیں، لاشئ محض اور باطل ہے،

ان آخری دونوں معنوں کی صورت میں آیت سے یہ استدلال صحیح نہیں، اور پہلے معنے کے لحاظ سے بھی یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ ان معبودات کو قابل عبادت، اپنا شریک سمجھتا ہے، اسے اسکا اقرار ہے؛ پس دونوں آیتیں اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح اور ایک سے دوسری پر ایراد غلط ہو گیا،

یہ علوم بیان میں تہکم کہلاتا ہے کہ مخاطب کو ہر طرح سے قائل و عاجز کر دیا جائے، بظاہر ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے شان کی کمی یا بڑائی یا کسی قسم کا غلط شبہہ پیدا ہو، مگر دراصل اس سے بجائے کمی بڑائی، اور بڑائی کی جگہ

ذلت وخواری مقصود ہو،

پس اس تمام بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ علماے مفسرین اور فضلاے مترجمین نے جو ترجمہ اور تفسیر کی ہے وہی صحیح اور درست ہے، اسی کے لئے عربیت و فصاحت "قرآن" شہادت دیتے ہیں، مولوی صاحب کے خیال کی نہ عربیت سے تائید ہوتی ہے، نہ الفاظ قرآن سے، نہ فصاحت و بلاغت سے، بلکہ اس سے الفاظ قرآن میں اضافہ کی ضرورت بلا وجہ پیدا ہوتی ہے، جو کسی طرح صحیح نہیں!

۳- عالم برزخ کیا ہے؟

اب ہم تیسری بحث پر آپہنچے، یہ عالم برزخ" کی حقیقت ہے، مولوی صاحب لکھتے ہیں: "عالم برزخ موت سے حشر تک ہے، مردے اس درمیان میں اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں قرآن کے نزدیک عالم برزخ مطلق عالم ممات ہے، جس میں کسی قسم کی حیات کا شائبہ نہیں ہے" ص۳۵

مدعی کے تین دعوے | اس جگہ تین دعوے کئے گئے ہیں!

ایک یہ کہ "عالم برزخ موت سے حشر تک ہے" یہ نہایت صحیح اور قرآن کے مطابق ہے! دوم "مردے اس درمیان میں رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں" یہ محض دعویٰ ہے، اس کے واسطے کوئی دلیل اور شہادت نہیں ملتی" سوم "عالم برزخ مطلق عالم ممات ہے"،

برزخ میں رب کی حضوری سے آڑ نہیں، | "برزخ" حد فاصل آڑ یا فصل ہے، مگر "رب کی حضوری سے آڑ" نہ قرآن کے الفاظ سے نہ لغت سے، نہ اور کسی جگہ سے،

حیات دنیا ایک چیز، حیات آخرت ایک، اس کے درمیان موت سے حشر تک "برزخ" ہے، مگر اسے خدا کی حضوری اور عدم حضوری سے کوئی خاص تعلق بتانا محل نظر ہے،

اگر یہ کہا جائے چونکہ "شہداء" کے متعلق "احیاء عند ربھم" ہے، اس سے ہم نے یہ مفہوم لے لیا کہ دوسروں کے واسطے برزخ اس حضوری سے آڑ ہو گی، اور وہ بھی رب کی حضوری کیونکہ "عند ربھم" کا لفظ اس کی صراحت کر رہا ہے،

جواب یہ ہے کہ یہ عجلت ہے، دعویٰ اور دلیل مین کوئی مطابقت نہین! دعویٰ یہ ہے کہ "برزخ رب کی حضوری سے آڑ ہے"! اور دلیل یہ ہے کہ شہدار کے لیے برزخ مین رب کی حضوری ہے! یہ ایک خاص حکم ہے، اس سے عام کے لئے استدلال کیونکر ہو سکتا ہے، اس کی تلاش وجستجو ہونی چاہئے، کہ اورون کے واسطے کیا احکام ہین؟ زیادہ سے زیادہ اسے مفہوم مخالف کہین گے مگر مفہوم مخالف کوئی حجت نہین، خصوصاً جہان اور صراحت ملے، اس آیہ سے جو چیز بھی جا سکتی ہے وہ یہ کہ "شہدار" کے لئے اپنے رب کے یہان حیات ہے، مگر اس سے نہ دوسرون کی حیات کی نفی ہوتی ہے، نہ رب کی حضوری کی ہی نفی ہوتی ہے،

اگر کوئی کہے "زید" ہمارا معزز آدمی ہے اور مقرب بھی ہے"۔ تو اس سے بکر وعمرو وغیرہ کا غیر معزز یا غیر مقرب ہونا کسی طرح لازم نہین آتا، کلام مین اس سے سکوت ہے، ممکن ہے دوسرے ذریعہ سے یہ بھی معزز مقرب ثابت ہون یا نہ ہون، مگر اس کلام سے ان کے واسطے کسی قسم کا استدلال قبل از وقت اور غلط ہوگا،

ہم بھی "برزخ" کو حد فاصل تسلیم کئے لیتے ہین، مگر یہ کیونکر تسلیم کرلین کہ یہ رب کی حضوری سے آڑ ہے، ممکن ہی جنت یا دوزخ سے آڑ ہو، حشر وقیامت سے آڑ ہو، دنیا کی زندگی اور اس کے خرخشون سے آڑ ہو، یہان کے لوگون سے میل جول سے آڑ ہو اس قسم کی بیشمار آڑین ہو سکتی ہین، کسی ایک کی تخصیص بلا مخصص کیسے قبول کرلیجائے؟

اب ہم بتائے دیتے ہین کہ تمام مردے بلا استثنا رب کی حضوری مین جاتے ہین، لہذا یہ دعویٰ غلط ہوگا کہ رب کی حضوری سے آڑ مین ہین! دیکھئے موت کے بعد ہی فرمایا "اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ" اس روز تیرے رب کے حضور مین چلنا ہے!

اس سے ثابت ہوا کہ تمام مردے رب کی حضوری کے لئے جاتے ہین، نہ آڑ مین رکھے جاتے ہین، البتہ اسکے درجے الگ الگ ہونگے، ایک مجرم وچور کی طرح پیش ہوگا، دوسرا باعزت وشریف کی طرح پھر ان مین بھی بعض بعض سے بڑھ چڑھ کر ہونگے، آیت

اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ — وہ لوگ کہ اپنی رب کی ملاقات کا گمان رکھتے ہین،

وَاِنَّھُمْ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ، اور کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں،

بھی اسکی ایک قسم کی تائید کرتی ہے، اس کی مفصل کیفیت "سکرات الموت" میں آئے گی، یہاں اتنا تسلیم کرنا چاہئے کہ "موت" کے بعد "روح" عالم بالا کی طرف اٹھائی جاتی ہے، اور یہی اسکا رب کی طرف جانا، اور اس سے ملاقات کے لئے پیش ہونا ہے،

"موت سے حشر تک عالم برزخ" قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے،

وَمِنْ وَّرَائِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ان مرنے والوں کے آگے روز حشر تک برزخ ہے،

اب غور طلب دو امر ہیں،

ایک یہ کہ "برزخ" تمام مرنے والوں کے لئے بلا استثنار ہے یا اس میں کسی استثنار کی کوئی صورت ممکن ہے؟

دوم یہ کہ برزخ کی حقیقت کیا ہے؟ یہاں ممات محض ہے، یا حیات؟

مولوی صاحب نے صرف "شہدا" کی بابت متضاد خیال پیش کرکے ایک قسم کے استثنار کی صفت پیدا کی ہے، مگر یہ اس قدر الجھا ہوا غیر منقح خیال ہے کہ اس کا بیان ہی اس کی غلطی کے لئے کافی ہے، کبھی انھیں برزخ پار کردیتے ہیں، کبھی برزخ میں زندہ اور ثواب پانے والے بتاتے ہیں،

چند تنقیحات | پس اس جگہ امور ذیل قابل تنقیح ہونگے،

اولاً برزخ میں کیا چیز جاتی ہے، ارواح یا اور کچھ؟ ان کے واسطے یہاں حیات ہے یا ممات؟

ثانیاً برزخ سے استثنار ممکن ہے؟ اس کی کیا صفت ہوگی؟

"موت" کے بیان میں ہم لکھ آئے ہیں کہ "روح" کا جسد سے انفصال موت ہے، "برزخ" میں صرف روحین جائینگی، اور کچھ نہیں، ان کی حیات و ممات پر نمبر سات میں مفصل بحث آئے گی، یہاں اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ برزخ میں "ارواح" جاتی ہیں،

برزخ سے کوئی مستثنیٰ نہیں، | "برزخ" سے استثنار کی کوئی صورت کتاب و سنت میں نہیں، کیونکہ "موت سے

حشر تک یہ ہوتا ہے، اور تمام مردے روز قیامت نفخ صور کے بعد زندہ ہونگے، یعنی ان کی ارواح اجساد میں عود کرینگی، اس سے قبل اجساد الگ اور ارواح الگ ہیں، ہم اوپر لکھ چکے کہ اب تک شہدا" پر حشر و نشر حساب و کتاب غرض کچھ نہیں آیا، اور ان کے واسطے الگ روز قیامت نہیں ہے، سب کے ساتھ ساتھ ہے، نہ اُن کے اجساد میں روحیں ڈالی گئیں نہ ان کے واسطے دنیاوی حیات کا دعویٰ ہو سکتا ہے، نہ اخروی، صرف "عالم برزخ" کی حیات کا دعویٰ صحیح ہے

۴- عالم برزخ زمانی ہے،

برزخ غیر زمانی نہیں

یہاں سے ہم چوتھی بحث شروع کرتے ہیں، یہ خیال کہ "عالم برزخ" غیر زمانی ہے ایک مغالطہ سے زیادہ وہ قابل وقعت نہیں، اور وہ بھی اس بنا پر کہ بظاہر اموات اس کا انکار کرینگے، یا اسے بہت ہی کم بتائیں گے، مولوی صاحب لکھتے ہیں" اموات عالم برزخ میں ہیں، نہ جانتے ہیں، نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، نہ خبر رکھتے ہیں، اور ان کے اوپر زمانہ بھی نہیں گذرتا، یعنی جو مرا وہ قیامت کے دن جب اٹھایا جائے گا، تو اپنے خیال میں اسی ساعت اور اسی لمحہ میں ہوگا، جس میں اسکی جان نکلی تھی" منہ

یہ ایک عظیم الشان مغالطہ ہے جو نصوص قرآنی کے صراحۃً خلاف ہے، کسی چیز کا احساس یا علم نہ ہونا اسکے وجود یا عدم کے لئے کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا، وجود شئی اور اس کے احساس و شعور میں کوئی لازمہ نہیں جس کی بنا پر اثباتاً و نفیاً کوئی فیصلہ ضروری ہو سکے، اس عام اصول کے ماتحت یہ دعویٰ بے حقیقت ہو جاتا ہے کہ مردوں کو برزخ کی مدت کا احساس نہ ہوگا، اس لئے کوئی مدت ہی نہ ہوگی؛

مدعی کی دلیل کی غلطی

اسی طرح یہاں ایک دوسرا مغالطہ بھی ہے، حشر کے روز کفار اپنی برزخی یا دنیاوی حیات کو حقیر و کمتر بتائیں گے، اور کسی طرح کے استقام و آلام کا ذکر نہ کرینگے، اس سے ان سب کی بھی نفی سمجھنا صحیح طرز استدلال سے بے خبری ہے، کیونکہ جس طرح وہ برزخ کے آلام و ایذار اور راحت سے غفلت ظاہر کرینگے یا اعراض کرینگے، بعینہ دنیا کی زندگی کے امور سے بھی ایسی غفلت کرینگے، نہ اس سے دنیاوی آلام و راحت کی نفی ہو سکتی ہے نہ برزخ کی،

احساس زمانہ میں غلطیاں

ہم روزمرہ اس کا تجربہ کرتے رہتے ہیں کہ جو شخص چند گھنٹوں کے لئے سوتا ہے اُسے

وقت کا مطلق احساس نہیں ہوتا، وہ ہرگز نہیں بتا سکتا کہ میں کس قدر مدت سویا ہوں، جب تک اسے کسی دوسرے ذریعہ سے صحیح طور پر معلوم نہ ہو، بعض آدمی دو دو دن، بعض ہفتوں مہینوں اور برسوں سوتے رہتے ہیں، اور انھیں بدن میں ضعف و نقاہت کے علاوہ وقت کا کوئی صحیح پتہ یا احساس نہیں ہوتا، واقعہ الگ چیز ہے، اور اس کے متعلق احساس و شعور بالکل الگ، دونوں میں خلط مبحث کرنا صحیح غور و تدبر کرنے والوں کا کام نہیں،

دنیا میں آئے دن سینکڑوں واقعات رونما ہوتے ہیں، بلکہ ایک ہی مجلس اور مختصر مجلس میں چند آدمیوں کے روبرو متفرق قسم کے واقعات پیش ہوتے ہیں، ان کے احساس و شعور میں ان کے جزئیات کے احاطہ و استقصا میں کسی طرح سب یکساں نہیں ہوتے نہ ہو سکتے ہیں،

نیند اگرچہ خاص معنی کے اعتبار سے موت نہیں، مگر درحقیقت اسکی قریبی رشتہ دار ہے، اس میں انسان کے حواس کس قدر معطل ہو جاتے ہیں، اور وہ بہت سے امور سے خالی ہو جاتا ہے، خود بحالت خواب جو کچھ دیکھتا ہے وہ بھی ایک نقش غیر واضح کی طرح ہوتا ہے، تو "موت" کے مابعد تعطل حواس کس درجہ ہوگا،

مدت زمانہ سے نسیان علاوہ ازیں غور فرمائیے بڑے بڑے ذکی الحواس، حاضر الذہن، سلیم الطبع اپنے بہت سے ذاتی واقعات بھول جاتے ہیں، غلطی اور جھوٹ سے نہیں، سہو و نسیان سے ایک سچے واقعہ کا وہ انکار کر دیتے ہیں، مگر اس سے "واقعہ" کا اپنی جگہ پر صحیح ہونا باطل نہیں ہو جاتا، ایسے امور ہمیشہ ہر ایک کے روبرو وبکثرت پیش ہوتے رہتے ہیں، مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں بھول کر چار کی جگہ پانچ پڑھا دینا اور کبھی دو ہی پڑھ کر سلام پھیر نا مذکور ہے، اس کی بابت بعض کا قوی احساس، بعض کا نیم احساس، بعض کا سکوت، آپ کا صاف انکار، پھر لوگوں کی تصدیق پر سجدۂ سہو وغیرہ کرنا، ایک اعلیٰ شہادت ہے، اس سے احساس کی کمی اور شواغل و موانع کی وجہ سے بعض چیزوں سے غافل و بے خبر ہو جانا خوب واضح ہوتا ہے، یہ معمولی آدمیوں کا کام نہیں اعلیٰ سے اعلیٰ دماغ و عقل والوں سے ایسا ہو جاتا ہے، اور کمال زندگی میں تو پھر برزخ کی روحانی زندگی کا احساس نہ ہونا یا اس کا ذکر نہ کرنا کوئی تعجب خیز امر نہیں، اور وقت کا احساس تو معمولی زندگی کے کاموں میں نہیں ہوتا، نیند

ہی اس سے زیادہ غفلت ہوتی ہے، انفصال روح کے وقت دہ معلوم کس قدر بعید ہوگا، پس اس سے عدم شئی پر کوئی حجت نہین قائم ہوسکیگی،

زمانہ کا ثبوت | "برزخ" کے غیر زمانی ہونے پر جو آیتین بطور حجت پیش کرنے کی سعی کیگئی ہے، ان کی حقیقت اسی اوپر کے بیان سے خوب واضح ہوچکی، تاہم ان آیتون سے "وقت" کا ثبوت بہم پہنچتا ہے، نہ نفی، گویا یہ بھی "زمانہ" کی تائید کرتی ہین، ملاحظہ ہو،

۱- یَاوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۳۶ — ہائے ہماری شامت! کس نے ہمکو ہماری خوابگاہ سے اٹھادیا،

"گویا حشر کے وقت وہ اپنے آپ کو اپنی خوابگاہ ہی مین سمجھ رہا ہے، جہان مرض الموت مین موت کی نیند سویا تھا،"

ایسا سمجھنے سے واقعہ کا ایسا ہی ہونا کیونکر لازم آجائیگا، ممکن ہے اسے خوابگاہ سے میدان یا قبرستان مین لے گئے ہون، بہت ممکن ہے مرگھٹ مین جلایا ہو یا اور کہین رکھا ہو، کیا یہ ممکن نہین کہ وہ ایسے وحشت ناک عالم مین اپنے احساسات فراموش کرجائے یا ان کی طرف کسی وجہ سے خاص توجہ نہ دے سکے، دنیا مین بے سر و سامانی اور پریشانی کے وقت انسان ہوش و حواس گم کردیتا ہے، اور جو کچھ کہنے کے لئے چاہتا ہے اس کی جگہ اور کچھ کہہ جاتا ہے، اس مین بڑے بڑے ہوشیار بھی معمولی کے برابر ہوجاتے ہین،

۲- وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ کَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ، ۴۵ — اور جس دن اللہ ان کو اٹھائیگا (وہ خیال کرینگے) کہ گویا وہ دن کی صرف ایک گھڑی رہے ہین اور آپسین ایک دوسرے کو پہچانتے ہونگے،

۳- کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۳۵/۴۶ — جس دن وہ اس (حشر) کو دیکھینگے جسکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، (وہ خیال کرینگے) کہ بس دن کی ایک گھڑی رہے ہین،

ان دونون آیتون سے موت اور حشر کی میعاد کے واسطے استدلال غلط ہے، یہان دنیا کی زندگی

کا اس طرح خیال کرنا مذکور ہے، مقصود یہ ہے کہ حشر کے روز انہیں دنیا کی زندگی ایک ساعت نظر آئے گی، یہ اور بھی قابل تعجب امر ہوگا، مگر اس سے "برزخ" کا عدم زمانی ہونا کیونکر ثابت ہوتا ہے، جس طرح دنیا کی زندگی کا غیر زمانی ہونا غلط اور سفسطہ ہے بعینہ برزخ کا حال بھی سمجھنا چاہیئے، دیکھئے دوسری جگہ اسکی صراحت موجود ہے،

كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ، قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ۱۱۳/۲۳	تم زمین میں کتنے سال رہے ہو، وہ کہیں گے کہ ایک دن یا کچھ حصہ دن کا، سو اسے شمار کرنے والوں سے دریافت کر،
۴۔ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ، كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ، وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ، فَهَٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَٰكِنَّكُمْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ، ۵۶/۳۰	اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسم کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، اسی طرح وہ بھٹکائے جاتے تھے، اور جن کو علم و ایمان دیا گیا ہے وہ کہیں گے کہ تم اللہ کے نوشتہ میں حشر تک رہے، سو یہ حشر کا دن ہے مگر تم اس کو جانتے نہ تھے،

مدعی کا بیان ہے،

"یہاں پر ایک بات سمجھ لینی ضروری ہے وہ یہ کہ قرآن کریم میں دو لفظ مستعمل ہوئے ہیں ایک لبث فی کتاب اللہ جو مذکورہ بالا آیت میں ہے، اس سے مراد قیام برزخ کی مدت ہے، اسی مدت کی بابت لوگ دن کی ایک گھڑی کا گمان کرینگے، لیکن یہ گمان بھی محض تبدیلی حالت کی وجہ سے ہوگا، ورنہ حقیقت میں وہ ایک گھڑی بلکہ ایک لمحہ بھی نہیں ہے، کیونکہ جب احساس نہیں تو زمانہ کیسا؟ دوئم لبث فی الارض، جس سے مراد روئے زمین پر رہنے یعنی دنیاوی زندگی کی مدت ہے" ص۱۶

لبث فی الارض اور لبث فی الکتاب	یہ تمام بحث لاحاصل اور لغو ہے، کیونکہ نتیجہ کے لحاظ سے "لبث فی الارض" زمین میں رہنا، اور "لبث فی الکتاب" برزخ کا قیام یکساں ہے، جس طرح وہ برزخ کو ایک دن یا اس سے بھی کم کہیں گے

دنیا کی زندگی کو بھی ایسا ہی خیال کرینگے، دوسری جگہ قیامت کی بابت فرمایا، کَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحَاهَا، جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے (یہ کہیں گے کہ) ایک سہ پہر تک یا چاشت تک وہ کل ٹھہرے ہیں،

دیکھئے یہ بعض یوم کی تفسیر ہے، حیات دنیا اور عالم برزخ دونوں کے واسطے ایسا ہی کہینگے، مگر یہ کہنا الگ بات ہے، اور واقعہ الگ، اسی واسطے چوتھی آیت میں صاف فرمایا، "تم اللہ کے نوشتہ میں حشر تک رہے" یعنی تم پر ایک طویل مدت گذری، مگر تم اس کا صحیح اندازہ نہیں کرتے،

اگر زمانہ کی یہ تعریف کیجائے کہ انسان کے احساس میں جو وقت آئے وہ زمانہ ہے" تو بلاشک وشبہہ بہت سے "اوقات" خواہ وہ کتنے ہی طویل ہوں اس اعتبار سے "زمانہ" نہ کہلائینگے، لیکن یہ ایک اعتباری چیز ہوگی، اسے حقیقت سے کوئی واسطہ نہ رہیگا، نہ اس سے حقیقت میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا ہوجائیگی،

اس بحث کی تحقیق اسی بحث کو ہم تحقیق کی روشنی میں پیش کرکے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مدت دراز گذری ہوگی، مگر جس طرح انسان دنیا کی زندگی کو ایک دن یا اس سے کم بتائے گا، یا بعض دس دن کہینگے، بعینہ یہی کیفیت برزخ کی ہوگی بلکہ اس میں نسبتہً احساس کی کمی کے باعث جو کچھ کہیں وہ قابل اعتراض نہیں دیکھئے ہفتوں سونے والا اپنی نیند سے بیدار ہوکر ہرگز یہ نہیں کہتا کہ میں اس قدر مدت سوتا رہا، میت کو اس کا احساس نہ ہونا کیا عجیب ہے: بغور ملاحظہ فرمایئے،

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ،	سو اللہ نے اسے سو برس تک مار کر پھر زندہ کیا،
قَالَ كَمْ لَبِثْتَ، قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ	فرمایا، "تو کتنی مدت رہا"، وہ بولا "ایک دن یا
بَعْضَ يَوْمٍ، قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ	اس سے بھی کم" فرمایا "نہیں تو سو برس تک
عَامٍ،	رہا ہے"

اصحاب کہف جو صدیوں تک رہے تھے، ان کا خیال بھی اسی طرح ظاہر فرمایا،

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ،	وہ بولے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں

ظاہر ہے کہ قرنوں کو اس جگہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ بتایا گیا، اور پورے ایک قرن کو ایسا ہی بتایا، یہ

انسانی احساس کی خامی ہے جب اس "دنیا" میں یہ کیفیت ہے تو "برزخ" کا کیا کہنا، جہان احساس کی کمی بدرجہا زیادہ ہوگی، اور جہان محض "روح" کی حیات ہوگی،

برزخ زمانی ہے؛ الغرض اس تمام بحث سے یہ دعویٰ باطل اور بے اصل ہو گیا کہ "برزخ" غیر زمانی ہے، بلکہ ایک آنی شے ہے "موت اور حشر میں کوئی فاصلہ نہیں" جسے نص قرآن "لبثتم فی کتاب اللہ الیٰ یوم البعث" باطل کر رہا ہے، اور تمام شواہد فطرت اس کے بطلان پر بالتواتر شہادت دیتے ہیں، کسی کا یا سب کا یہ کہنا کہ "ہم ایک گھڑی یا ایک دن ٹھہرے" اس سے زمانہ کی نفی نہیں ہوتی بلکہ فی الجملہ اثبات ہوتا ہے، اور جب دنیا کی زندگی کو جس میں راحت و آلام کے بے شمار حالات ان کے اوپر گذرے، اسی طرح کہنے میں تامل نہ کریں گے، سو برس تک مر کر جو اٹھایا گیا وہ اس مدت کو ایک دن یا اس سے کم بتانے میں تامل نہیں کرتا، اصحاب کہف اپنی نیند کی مدت جو قرنون تھی اسی طرح بتانے میں ذرا تامل نہیں کرتے جو سو رہے تھے، تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ باوجود متفرق زمانہ گذرنے اور قسم قسم کے آلام و راحت کے واقع ہونے کے یہ لوگ اپنے احساس میں اس درجہ ناقص ہیں، اور یہ حیات دنیاوی کا قصہ ہے، پس "برزخ" جو موت ہے اور اس میں "روح" کے سوا جسد کو کسی قسم کے احساس سے عموماً کوئی تعلق نہیں رہتا، اس کا پورا احساس یا اسکی مدت کا معین نہ ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں، بلکہ اگر صحیح تعین کر سکتے تو قابل تعجب ہوتا، پس "زمانہ" ضرور گذرا، اور طویل گذرا جو کہ اہل علم و ایمان کا اقرار ہے، مگر اس کا پورا یا کم احساس ہر ایک کو نہیں ہوا، اور نہ ہو سکتا ہے، اس سے زمانہ کی "نفی" کسی طرح نہیں ہو سکتی، ورنہ "دنیا" میں بھی کوئی زمانہ نہ گذرا ہو، مرنے والے پر سو برس بھی نہ گذرے ہوں، اصحاب کہف پر قرنون نہ گذرے ہوں، یہ صحیح استدلال و بحث کا طریقہ نہیں کہ ایک چیز پہلے فرض کر لیجائے اور اس کے پیچھے بلا غور و تدبر انسان ہولے اس طریق استدلال سے تمام حقائق باطل ہو جائینگے، اور معاملات کہان سے کہان پہنچ جائینگے

۵۔ "سکرات الموت عالم برزخ میں پہلا قدم ہے؛

یہان سے ہم پانچوین بحث کا افتتاح کرتے ہین، اور اگرچہ ایسی اہم بحث کو جسے "قرآن" نے متعدد مقام پر خاص طور پر ذکر فرمایا "قرآن" کی تصریحات کے مدعی پس پشت ڈال گئے، مگر یہی وہ پہلا مرحلہ ہے جس سے عذاب و ثواب کا

اصلی احساس میت کو ہو جاتا ہے، او سہی جگہ سے وہ اپنے انجام کو معلوم کر لیتا ہے، یہ علم "عین الیقین" کی صورت میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کے بعد کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

سکرات موت سکرات الموت یا غمرات الموت وہ عالم ہے کہ ہر ایک شخص اس وقت نہایت بے بسی اور بے کسی سے اس دار فانی کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں جاتا ہے، ایسے وقت تمام اہل واقارب، مال واسباب، ساز وسامان، شان و شوکت، دولت وحشمت، جاہ وجلال کو بری طرح منھ موڑ کر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے، کوئی یار وغمگسار اور مددگار نہیں ہوتا، یہی وہ وقت ہے کہ بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا رب العزت کے فرمان کے سامنے طوعًا وکرہًا سر تسلیم خم کر دیتا ہے، اسی مرحلہ سے ہر انسان کو شر وخیر، اسلام وکفر کی حقیقت روز روشن کی طرح معلوم ہو جاتی ہے، یہی "یقین" کہلاتا ہے، اس کیفیت کو انسان اپنے احباب یا اقارب سے کسی طرح نہیں بیان کر سکتا، کیونکہ یہ حقیقت اسکے بس اور اختیار سے خارج اور عالم اضطراری کی ہے، اس وقت وہ ایک بڑے مقدمہ والے کی طرح ہوتا ہے جسے پولیس سمن دکھا کر فورًا گرفتار کر لیتی ہے، اور کسی قسم کے عذر یا تیاری کی مطلقًا مہلت نہیں دیتی،

ہم اس مقام پر چند آیتیں لکھتے ہیں، ورنہ "قرآن" میں اسکا ذکر بہت جگہ ہے،

۱۔ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ،	سو کیا ہوگا، جبکہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرینگے چہروں اور پیٹھوں کو مارتے ہوئے؛
۲۔ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ، قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ، قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۔ الآیہ	بیشک جنہیں فرشتے ظلم کی حالت میں قبض کرتے ہیں، ان سے کہتے ہیں "تم کس حال میں تھے" وہ کہتے ہیں ہم زمین میں بے بس تھے۔
۳۔ حَتّٰىٓ إِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوٓا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ،	یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے روحیں قبض کرنے آتے ہیں کہتے ہیں "تم جنہیں اللہ کے سوا پکارتے تھے کہاں ہیں؟"

۴۔ حَتّٰی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ
قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ ،

یہان تک کہ جب اس پر عالم موت طاری ہو اس
وقت کہے کہ "اب مین توبہ کرتا ہون"،

۵۔ حَتّٰی اِذَا اَدْرَکَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ
اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْ اٰمَنَتْ بِهٖ
بَنُوْا اِسْرَآئِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

یہان تک کہ جب اس (فرعون) پر غرق آگیا بولا
"مین بھی صرف اسی خدائے واحد پر ایمان لایا،
جس پر بنو اسرائیل ایمان رکھتے ہین اور مین بھی
مسلمانون سے ہون"

۶۔ حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا
فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ
قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ
اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ،

یہانتک کہ جب ان کے پاس موت آتی ہے تو
کہتے ہین "اے رب مجھے پھر سے دنیا مین لوٹا دے
تاکہ مین اس گذشتہ زندگی مین نیکی کرون"، ہرگز
نہین، یہ ایک بات ہے جسے وہ زبان سے کہیگا
اور ان کے آگے قیامت تک برزخ ہے،

ان آیات اور انھین کے مثل دیگر آیات سے جو "سکرات الموت" کی بابت وارد ہین، امور ذیل بخوبی ثابت ہوتے ہین،

۱۔ مجرمین کی ارواح نہایت ذلت اور عذاب کی حالت مین قبض کیجاتی ہین،

۲۔ اسی وقت ان سے سوال وجواب ہوتا ہے،

۳۔ ان کے تمام اعوان وانصار حیل وعذر گم ہوجاتے ہین، اور حقیقت حال عیان ہوجاتی ہے،

۴۔ ایسے وقت سب عام طور پر توبہ کرنے لگتے ہین، اور اپنی دنیاوی زندگی پر بے حد افسوس ورنج کرتے ہین، واپسی کی خواہش بالحاح وزاری کرتے ہین،

۵۔ فرعون اور بڑے بڑے ائمۂ کفر وضلال کلمۂ اخلاص پڑھتے ہین اور اپنی جان کو مسلمانون مین

نثار کرنے کے واسطے تیار ہو جاتے ہیں، مگر یہ ایسا وقت ہے کہ دنیا سے سلسلہ ختم ہو چکا اور برزخ میں قدم رکھا گیا، ایسے موقع پر کوئی عمل بھی مفید نہیں جو اس سے قبل نہ ہو چکا ہو، یہ اسلام بیکار اور دعوی منہ پر مار دیا گیا،

۶- آیہ نمبر (۶) نے عالم موت کے ساتھ ہی "برزخ" کا ذکر فرمایا، اور عالم موت میں میت کی واپسی کی آرزو وضاحت طور پر ظاہر فرمائی،

بہت ممکن ہے بعض آیتوں کی تاویل کرکے انھیں روز قیامت کے لئے بنایا جائے، مگر ایسی صاف و صریح آیات کو "قیامت" پر محمول کرنا تمام الفاظ، سیاق و طرز کلام کو فنا کرنا، اور تحریف کے ہم معنی ہوگا، پھر جگہ جگہ "الفاظ" پوری مزاحمت کرینگے، اور کوئی چارۂ کار نہ بنیگا،

سکرات موت کا نقشہ احادیث میں

اسی موقع پر سکرات الموت اور قبض روح کی وہ کیفیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے مختصراً لکھی جاتی ہے، اس سے کتاب و سنت کی مطابقت واضح ہو جائیگی، اور غور کرنے والے کو صحیح طور پر معلوم ہو جائیگا کہ "معلم قرآن" حامل وحی رحمان نے قرآن کیسے سمجھا اور سمجھایا، اور کہاں تک ان کی نظر اس پر تھی، فرماتے ہیں:

"میت کا وقت آجاتا ہے تو اس کے پاس روح قبض کرنے کے لئے ملائکہ رحمت و عذاب آتے ہیں، نیک اور مومن کے واسطے خوشخبری اور رب کی خوشنودی کا پیغام، عمدہ و معطر لباس لاتے ہیں، اسے سلام کہکر رب العزت کے قرب وجوار اور ملاقات کی دعوت دیتے ہیں، وہ فوراً قالب عنصری سے نکل کر ان کے ساتھ ہو جاتی ہے، اور یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ انسان کے لئے اس سے بہتر و اعلیٰ کوئی خوشی کا موقع نہ ہوگا، اسی وقت وہ دنیا کے تمام جھگڑوں سے راحت پاتا ہے۔" لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ" اور "تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا" میں اس کی طرف اشارہ ہے، یہ اس کی روح کو لے کر ملأ اعلیٰ میں جاتے ہیں، جہاں جہاں سے اس کی گذر ہوتی ہے، تعریف و سلام سے اس کی خاطر کیجاتی ہے اور اعزاز و احترام کے ساتھ آسمانوں کے دروازے کھلتے جاتے ہیں، یہانتک کہ رب کے حضور میں پہنچکر اس کے مکالمہ سے سرفرازی ہوتی ہے، وہاں سے اس پر خوشنودی و پسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے اور عرش کے قریب "علیین" میں رکھنے کا حکم ہوتا ہے، جنت و دوزخ دکھائی جاتی ہے، اور کبھی

کبھی سیر کرائی جاتی ہے،

بدکار و مشرکین کے واسطے عذاب کے فرشتے بدترین عذاب و بدبو کے لباس لیکر پہنچتے ہین، اسے بڑی تکلیف سے نکالتے ہین، یہ نابکار بدن مین چور کی طرح چھپتی پھرتی ہے، بالآخر نہایت ذلت آمیز طریقہ سے مار پیٹ کر نکال لیجاتے ہین، اس کی بدبو سے فضا مکدر ہو جاتی ہے اور جہان سے یہ گذرتی ہے لعنت و نفرت کا اظہار اس پر ہوتا ہے تاآنکہ پہلے آسمان تک پہنچکر اس کے دروازے کھلواتے ہین، وہان سے انکار ہو جاتا ہے "لاتفتح لھم ابواب السماء" کے مطابق ان کے واسطے دروازے نہین کھلتے، اطلاع پر حکم ہوتا ہے کہ اسے رب کی جناب مین نہین پہنچا سکتے، وہان سے پھینکدیجاتی ہے، پھر اسے "سجین" جو اسفل السافلین اور جہنم کا نمونہ ہے وہان مقید کرنے کا حکم ہوتا ہے،

اس کے بعد "روح" کا قبر سے تعلق و عدم تعلق، منکر و نکیر کا سوال و جواب، ایسے امور غیب ہین، جو نبی کے سوا کسی کے بیان سے ثابت نہیں ہو سکتے، انبیاء سے جو صحیح طور پر ملے اسے قبول کرنا چاہیئے، ورنہ ناقابل اعتبار ہے،

اس کے متعلق مزید بحث آیندہ بھی آئیگی، یہان یہی کافی ہے، نسأل اللہ العصمۃ والسلامۃ، وان یجعلنا من عبادہ الصالحین، انہ سمیع قریب، وھو حسبی ونعم الوکیل،

۴- "عالم ارواح یا عالم مثال"

یہان سے چھٹی بحث شروع ہوتی ہے، اگرچہ اس کی بابت "عالم برزخ" کے مضمون مین مدعی مذکور نے کچھ نہین لکھا، مگر ہم چاہتے ہین کہ "برزخ" کے متعلق جو کچھ بیان کتاب و سنت مین ہے سب جمع کر دین، تاکہ "ارواح" کے متعلق صحیح معلومات کا پورا ذخیرہ یکجا ہو جائے،

وجود ارواح قبل اجسام

"عالم سکرات" کے بعد یہ ایک سوال قدرۃً پیدا ہو جاتا ہے، کیا روح بدن کے ساتھ پیدا ہوتی ہے؟ موت کے وقت فنا ہو جاتی ہے، یا یہ بدن سے قبل تھی، اور باقی رہے گی، "بقاء و فناء روح" اور موت کے بعد اس کا مقام آیندہ ساتوین، آٹھوین بحث مین آیگا، اس لئے یہان صرف وجود "روح" قبل از اجسام کا ذکر کیا جاتا ہے،

"قرآن" نے جہان انسان کے متعلق ہر قسم کے معلومات دیئے ہیں، اس کے متفرق حالات پر مفصل بحث کر کے اس کی ابتداء و انتہاء بتائی ہے، اور اس کے ذیل جا بجا نصیحت آمیز بیان پیش کیا ہے، "اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ" کے مطابق اسی کا بیان صحیح اور قابلِ اعتبار ہوگا،

جس طرح انسان کی موت و حشر کے درمیان "برزخ" ہے بعینہ حیات دنیا اور اس کے قبل کی حیات کے درمیان بھی ایک برزخی کیفیت ثابت ہوتی ہے، جب کہ ارواح "نفس" اور اجسام نہ بنے تھے،

جس طرح انسان تمام مخلوقات ظاہرہ یعنی حیوانات، نباتات، جمادات سے ارفع و اعلیٰ ہے، اس سے بڑھکر روحانیت میں "جن" پھر ان سے بڑھ کر "ملائکہ" ہیں،

انسان تراب، ماء، نار اور ہوا سے مرکب ہے، "جن" نار سے بنے ہیں، اور "ملائکہ" نور سے، نار کی سرعت کا اندازہ بجلی سے کر سکتے ہیں، طرفۃ العین میں یہ کہاں سے کہاں تک پہنچتی ہے، ان سے زیادہ "ملائکہ" ہونگے، انسان کی پرواز بہت ہی محدود ہے، مگر اس میں روح واسطہ کا کام دیتی ہے، یہ خواب کے وقت بہت کچھ پرواز کرتی ہے، مگر نہایت مغلوبیت اور نقص کی حالت میں، اس کے کمال کا عالم جسد سے انفصال کے وقت ہی ہوتا ہے، "عالم ارواح" یا عالمِ مثال کا ذکر "قرآن مجید" نے اس طرح فرمایا ہے،

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ	اور جب کہ تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان
ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ	کی سب اولاد نکال کر انھیں اپنی جانوں پر گواہ کیا
عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ، "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" قَالُوْا	(یہ کہکر) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب یک
"بَلٰی شَهِدْنَا" اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ	زبان بولے "ہاں ہم اس کا اقرار کرتے ہیں" یہ اسلئے
اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ، الآیہ	کہ تم روز قیامت یہ نہ کہدو کہ ہم اس سے بیخبر تھے،

وحی و رسالت کے قبول کرنے کا بھی معاہدہ لیا گیا، اور اس کا ذکر بھی کئی جگہ "قرآن" نے کیا ہے،

یہ واقعہ دنیا کا نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں بجائے ایک کے ہزاروں بار ایسا ہونا چاہئے تھا، اور ہمارے

حواس اس سے خالی نہ ہوتے، آخرت کا وجود اب تک نہیں، اور وہاں یہ بطور رجعت و شہادت پیش ہوگا، اسی طرح دنیا میں بھی اسے پیش کیا گیا، پس یہ وہی زمانہ ہے جبکہ آدم کو بنا کر اس کی ذریات کی ارواح بنائیں، اور سب کو ایک میدان میں جمع کر کے یہ معاہدہ لیا جسے "الست" کا معاہدہ کہتے ہیں،

یہ گفتگو اور معاہدہ جو کچھ بھی ہوا اس کے احساس سے انسان کا حافظہ خالی معلوم ہوتا ہے، صرف شواہد فطرت اور وجدان کی کیفیت کچھ نہ کچھ اس کی مؤید ہوگی،

جس طرح بچپن کے اسقام و آلام فرح و سرور سے بچہ کا دماغ بڑھکر خالی ہو جاتا ہے، اور خال خال کسی واقعہ کا احساس ممکن ہے، اس سے زیادہ "عالم ارواح" کے حالات سے ہمارے اجساد خالی نظر آتے ہیں، جس طرح دنیا کے نزاع معاملات میں شہادت پر فیصلہ ہوتا ہے اگرچہ "مدعا علیہ" سچ مچ انکار ہی کرے، یہ معاملہ بھی شہادت کے سپرد ہو گیا ہو،

بہر حال اس آیت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ارواح جسم سے قبل پیدا کیگئی ہیں، اور ان کی خود حیات و ممات جسم سے الگ ہے، بعض روایات میں بھی وارد ہے "الارواح جنود مجندۃ" روحوں کی جماعت یکجا کیگئی، وہاں جنکا اتحاد ہوا یہاں بھی متحد ہوتی ہیں، جنکے درمیان وہاں بعد و اختلاف رہا وہ یہاں بھی الگ الگ ہوتی ہیں،

۷، "روح کی حقیقت"

یہاں سے ساتویں بحث شروع کرتے ہیں، اس کے دو حصے ہیں،

اول روح کی حقیقت اور دوم اس کی حیات و ممات یعنی بدن سے الگ ہونے کی حالت میں یہ زندہ رہتی ہے یا فنا ہو جاتی ہے،

مولوی صاحب نے اس بارہ میں صرف یہ لکھا ہے:-

"اب رہا بقائے روح بعد از موت کا سوال تو "روح" کے متعلق "قرآن" نے تصریح کر دی ہے کہ وہ "عالم امر" سے ہے جسکا تم کو بہت کم علم دیا گیا ہے،

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ، قُلِ الرُّوحُ	اور لوگ تجھ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں، کہہ
مِنْ أَمْرِ رَبِّي، وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ	دے کہ روح میرے پروردگار کے امر میں سے ہے،
إِلَّا قَلِيلًا، ۸۵/۱۷	اور تمکو علم نہیں دیا گیا ہے، مگر بہت کم،

بقائے روح "بعد از موت مندرجۂ ذیل آیت سے ثابت کرنے کی کوشش کیجاتی ہے؛

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا، وَالَّتِي	اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا
لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا، فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى	ہے، اور جو مری نہیں ہیں ان کو انکی نیند کے وقت،
عَلَيْهَا الْمَوْتَ، وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى	پس جسکے بارے میں موت کا فیصلہ کر دیا ہے اسکو
إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى۔ ۴۲/۳۹	روک لیتا ہے، اور دوسری کو ایک مدت معینہ کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔

استدلال کی صورت یہ ہے کہ جس کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہے اس کی جان کو اللہ روک لیتا ہے، گو نفس کے متعدد معانی "قرآن" میں مستعمل ہوئے ہیں، اس لئے اس آیت میں "نفس" کو جان کے معنے میں متعین کر دینا آسان نہیں ہے، بلکہ "قرآن" سے اس کے خلاف ثبوت ملتا ہے، یعنی "انفس" کے معنی اشخاص کے نکلتے ہیں، چنانچہ دوسری آیت میں ہے،

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ ۶/۶	اور وہی ہے جو تم کو رات کو وفات دیتا ہے،

"قرآن" میں جس بات کی "تصریح" ہے وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد مردوں کا علم اللہ کے نوشتہ میں ہے، نیکوں کا اندراج علیین میں ہوتا ہے، اور بدوں کا سجین میں۔ ۸۳

لفظ امر کی تحقیق اس مقام پر سب سے قبل لفظ "امر" کی تشریح کر کے اصل مسئلہ پر غور کرینگے "قرآن مجید" میں لفظ "امر" عام طور پر ان دو معنوں میں مستعمل ہوا ہے،

ایک کام، بات، معاملہ، حالت، جمع امور، "وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ" جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات آتی ہے تو یہ اسے شائع کر دیتے ہیں، "وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ" صرف خدا ہی کی طرف تمام معاملے پلٹتے ہیں، "وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ؟" اور کام کی تدبیر کون کرتا ہے؟

دوم "امر" بمعنی حکم، فرمان، صیغہ امر، "کن" "اِنَّمَا اَمْرُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" "ہمارا کسی چیز کے لئے حکم جبکہ اسے ہم چاہتے ہیں یہ ہوتا ہے کہ ہم اسے کُن (ہوجا) کہیں، سو وہ ہوجاتی ہے،" "قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ" تو کہہ کہ میرے رب نے انصاف کا حکم فرمایا ہے" "اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ" کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو؟ تیسرے معنی بھی "امر" کے لئے گئے ہیں، اگرچہ محل ہیں" "وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا" اس آیت میں "امر" کے دو معنی بتائے گئے ہیں، ایک حکم، دوم کثرت نسل و جماعت، پہلی صورت میں یہ معنی ہونگے "جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اس کے عیش پسندوں کو فرمان بھیجتے ہیں"

دوسرے معنی کے اعتبار سے یوں ترجمہ ہوگا "جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اس کے عیش پسندوں کو پھیلاتے اور بڑھاتے ہیں"

"عالم امر" کا شبہ جس آیت سے ہو سکتا ہے یہ ہے،

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۔ اور سورج اور چاند اور تارے سب اسی کے حکم کے تابع چلتے ہیں، خبردار، اسی کا پیدا کرنا اور اسی کا حکم ہے،

اس مقام پر خلق مصدری معنی پیدا کرنا، بنانا، اندازہ کرنا، اور بمعنی مفعول یعنی مخلوق دونوں ہو سکتا ہے، مگر پہلا معنی امر سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے،

امر اس آیت میں دو جگہ آیا ہے اور دونوں جگہ حکم و فرمان کے معنی میں ہے، غرض دنیا میں پیدائش اور حکم صرف اسی کا ہے، نہ کوئی ذرہ برابر پیدائش میں حصہ دار ہے، نہ کسی قسم کے تصرف میں اسکا کوئی شریک و سہیم ہے،

اس آیت سے "عالم امر" کا مفہوم لینا کوئی صحیح استنباط نہیں ہے، کیونکہ یہاں "امر" کا کوئی عالم نہیں پیش کیا گیا نہ کسی اور جگہ ایسے عالم کا پتہ دیا گیا ہے!

قرآن کے ترجمہ میں اضافہ اب آیت "روح" پر توجہ مبذول فرمائیے، مولوی صاحب کا یہ ترجمہ "روح میرے پروردگار کے امر میں سے ہے" اسی "عالم امر" کے تخیل پر مبنی ہے، اسی واسطے "قرآن" کے لفظ پر "میں" کا اضافہ بلا کسی وجہ کر دیا گیا"

صحیح ترجمہ یہ ہوگا "تو کہہ دے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے" امر سے ہونا، اور امر میں سے ہونا دو الگ مفہوم ہیں، امر سے ہونا، حکم سے پیدا ہونا، اس کی بنا پر ہونا، یا "امر من الامور" کوئی بات یا کام ہونا، امر میں سے ہونے کے یہ معنی ہوتے ہیں، کہ امر کوئی ایسی جنس ہے جس کے تحت یہ بطور انواع وافراد ہے، اس قسم کی تحدید کے واسطے لفظی قرینہ درکار ہے، پھر لفظ "امر" یہاں کس معنی کیلیے ہے، اس کی تعیین مطلوب تھی، یہ دونوں معنی میں ہوسکتا ہے، یوں بھی کہہ سکتے ہیں "روح اللہ کے حکم سے ہے" یعنی یہ کوئی مستقل بالذات نہیں، اپنے وجود میں خالق کی محتاج اور حادث ہے، ابدی اور قدیم نہیں یوں بھی کہہ سکتے ہیں، "یہ خدا کے مخصوص کام سے ہے" جس کے کنہ سے مطلع ہونا انسان کے علم سے خارج ہے،

روح کی حقیقت اب اصل مبحث پر توجہ کیجئے، جن لوگوں نے "روح" کی بابت سوال کیا تھا، ان کے سوال کی کیا نوعیت تھی، اگر اس کی تعیین ہوسکے تو جواب اس کے مطابق کرنے میں بہت کچھ سہولت ہوگی،

"قرآن مجید" کے اعجاز کی بیحد و بے عدد صورتوں میں سے ایک "جوامع الکلم" ہونا بھی اعلیٰ ترین اعجاز کی صورت ہے، اسی لئے بہت سے مسائل ومباحث نہایت لطافت آمیز ایجاز، پھر اس کے ساتھ عموم واطلاق کی شان میں پیش کئے گئے، تاکہ بلا کسی تقیید کے ہر وقت اور ہر حالت کے لئے کارآمد ہوسکیں، یہ واضح ہے کہ اگر سوال کی نوعیت معین کردی جاتی تو جواب بھی اسی کے مطابق ہوتا، ایسی صورت میں "جامعیت" کی شان ضرور کم ہوجاتی، یہ بھی پیش نظر ہے کہ وقت، مقتضائے حال، مخصوص خیالات کی بنا پر ایک چیز کی کسی حالت سے ایک زمانہ میں سوال ہو، لیکن اسی چیز کے کسی دوسرے حال یا معاملہ کی بابت اس سے زیادہ اور مفید سوال کی ضرورت مابعد میں پیش ہونا، ممکن ہے، چونکہ مصالح وقت، اقوام وامم عالم کے نظریات وعلوم ہمیشہ سے بدلتے رہے، اور بدلتے رہیں گے، یہ معلوم ہے کہ "قرآن" اللہ تعالیٰ کا آخری اور مکمل پیغام ہے جو تمام امم عالم کے لئے تاقیامت عطا کیا گیا ہے، پس ایسی صورت میں عموم واطلاق سے بہت کچھ فائدے حاصل ہوسکتے ہیں، جو تخصیص وتقیید سے کسی طرح نہیں ممکن تھے، اسلئے سوال وجواب کی یہ صورت اختیار کی گئی؛

سائلین نے ممکن ہے "روح" کی کنہ وحقیقت دریافت کی ہو، یہ بھی ممکن ہے اس کے قدیم وحادث ہونے کی بحث چھڑی ہو، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "روح" بمعنی حضرت "عیسےٰ" یا "جبرئیل" وغیرہ سے سوال کیا ہو کہ یہ مخلوق ہے، یا خالق کا کوئی جزو، سوال کی جامعیت "یَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ" سے بخوبی واضح ہے، اس مین ہر ایک قسم کا سوال بلا کسی اضافہ کے آسکتا ہے،

اب جواب کی لطافت اس کے اعجاز پر غور فرمائیے، "روح خدا کے حکم سے ہے" اس کا وجود مستقل نہین، یہ بلا خالق کے خود بخود موجود نہین ہوسکتی، اس پر اللہ کا تصرف اور حکم نافذ ہے، یہ قدیم نہین، خواہ یہ مادۂ حیات حیوانات ہو، یا حضرت عیسیٰ وجبرئیل ہون، یا تمام عالم روحانی ہو، سب کے واسطے امر الٰہی کے ماتحت ہونا اور مخلوق ہونا عیان ہے" وکان امر اللہ مفعولاً" اللہ کا حکم جیسا کہ وہ چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے، اس کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہین،

اگر "روح" کی حقیقت وکنہ یا اس کے جسم مین آنے کی کیفیت وغیرہ سے سوال تھا گو یہ مذہبی نہین ہوسکتا تب بھی اس کا آخری اور قطعی جواب انسان کو دیدیا گیا، "یہ اللہ کے حکم سے ہے"

انسان کو علم کم دیا گیا

انسان وہی علم پاسکتا ہے، یا اسے وہی علم دیا جاسکتا ہے جس کی اس مین صلاحیت ہو، قابلیت اور صلاحیت سے زیادہ دینا عبث اور فضول اور حکیم علی الاطلاق کی شان سے بعید ہے،

یہان یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ مولوی اسلم صاحب کا یہ خیال کہ "عالم امر سے تمھین بہت کم علم دیا گیا ہے" قرآن کی تصریح سے بعید ہے، "قرآن" نے اسے عام رکھا ہے، اور یہی وہ بیّن حقیقت ہے، جسکا اظہار قرآن نے جا بجا کیا ہے، وہ انسان کو عجلت پسند، ضعیف وعاجز، بھول جانے والا، ہر ایک چیز سے متأثر ہونے والا، ابتداء نشأت مین حواس وفطرت، اور علم سے خالی، رفتہ رفتہ ترقی کرنے والا، یہ اور اس قسم کے امور بتا کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ بھلا ایسے ناقص اور بے بضاعت کو علم کے میدان مین بڑے بڑے دعوون سے کیا سروکار؟ اس کا بیان ہے کہ انسان اور انسان کی چیزین محدود، اور غایت سے آگے نہ بڑھنے والی، یہ سب چند روزہ دنیا کے زیب وزینت اور لہو ولعب، بالآخر یہ سب فانی اور ہالک، صرف اللہ کی ذات اور اس کے صفات ہی ہر قسم کے کمال ودوام کے لئے مخصوص مین، یہ انسان

کے احاطۂ حد سے خارج، اور اس کے علم کی رسائی وہان کسی طرح ممکن نہین؟

انسان کو کس چیز کے علم پر احاطہ ہے؟ اسے اب تک اپنی ساخت کا صحیح صحیح علم نہین ہو سکا، اسے یہ نہین معلوم کہ کونسی چیز اس کے بدن کی سب سے پہلے بنتی ہے، اور روح کس طرح سے کب آتی ہے؟ تدبر و فہم کا مادہ کس جگہ رکھا گیا ہے؟ قلب یا دماغ مین؟ پھر اُس سے اپنے ایک ایک عضو و ذرات کی بابت دریافت کرو کس قدر علم رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ بہت ہی کم، "ملائکہ" نے بھی "لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا" کا سچا اقرار کرکے اپنی ہار تسلیم کرلی، اس نے اعلان فرماکر "وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ" بتادیا کہ اس کے دیئے ہوئے "علم" کے علاوہ انسان کے پاس کیا ہے؟ وُہ دیا ہوا کس قدر ہے؟ اسی قدر ہوگا جو اس کی قابلیت و لیاقت کے مطابق سمجھا جائے رہی۔ "وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا" ہے، اس قلیل العلم بے بضاعت انسان کو دیکھئے کہ اس عجز وجہل کے باوجود تکبر و غرور، ادعا و فخر کی یہ حالت ہو کہ جھٹ اپنے حواس سے بالاتر یا ظاہری فہم سے کوئی بالا امر ملا فوراً انکار کے واسطے تیار ہو جاتا ہے، اگر کہا جائے زبان کی جگہ ہاتھ پیر گویا ہون گے، انکار کر دیتا ہے یا طرح طرح کی تاویل کرنے لگتا ہے، اگر کہا جائے منہ کے بل مجرمون کو چلایا جائے گا، تعجب و انکار کرنے لگ جاتا ہے، پہاڑ سے پانی نکلنا تسلیم کر لیتا ہے، مگر "ناقۃ اللہ" کا نکلنا اس کے دماغ مین نہیں آتا، چند قطرۂ آب سے ہزارون آدمیون کا سیراب ہونا اس کے نزدیک مشکل ہے، مگر چند دانون سے کھیت تیار ہوجانا کوئی مشکل نہین، جانورون کے تھن سے دودھ نکل سکتا ہے، شہد کی مکھی سے شہد نکلنا معقول و مسلم ہے، انگور سے شراب بھی بن سکتی ہے، مگر جس جگہ سے ان چیزون کے مواد تیار ہوتے ہین، یہی چیزین اگر نکل جائین انکی نہرین بہادی جائین تو اس کے دماغ مین خلل پیدا ہو جاتا ہے، اور فوراً طرح طرح کے بے اصل اور فضول اعتراض کرنے لگ جاتا ہے، سامان و اجناس، اور ہر قسم کی خفیف اور ثقیل اشیاء کے تولنے کا سامان اس کے پاس ہے مگر اعمال کے تولنے کے نام سے اس کی وحشت حد کو پہنچ جاتی ہے، اور محض اپنے غلط و ناقص علم کی بنا پر ضد و تکبر سے انکار کر دیتا ہے، کیون؟ یہ سب اس کے علم، ناقص اور قلیل الادراک و الاحاطہ دماغ مین نہین آیا، "بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِہٖ وَلَمَّا یَاْتِہِمْ تَاْوِیْلُہٗ" اسی کو کہتے ہین جس کی حقیقت پیش نظر نہیں، جس پر

پوری طرح احاطہ نہ ہو سکا، اس کے بارہ میں "مخبر صادق" کو خواہ مخواہ جھٹلائے جاتے ہیں، یا اگر مان لیا ہے تو مکر و تلبیس سے بحث و فتنہ سے اس کی من مانی تاویل (جو درحقیقت "تحریف" سے کم نہیں) کر کے خوش ہو جاتے ہیں، وہاں سے خود ارشاد ہوتا ہے۔ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ" تم جلدی نہ کرو، میں اپنی نشانیاں دکھاتا ہوں، ذرہ صبر سے کام لو،

آج دنیا کے علوم و فنون نے "دین" کی بیشمار باتوں کو عقل و حواس سے قریب تر کر دیا، "وحی" الٰہی کے سمجھنے کے واسطے تار برقی، بے تار اور ٹیلیفون سے اندازہ کر سکتے ہو، کہاں سے کہاں گفتگو ہو سکتی ہے، اور پاس بیٹھے ہوئے دوسرے سب بے خبر ہوتے ہیں، جس سے مخاطبہ اور سلسلہ ملا ہے وہی سُن سکتا یا سمجھ سکتا ہے، اللہ کے مخاطبہ کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہوگی۔ "وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى" اسی کو ثابت کرتا ہے، اگر آج کل عقل کے ناپنے کا آلہ تیار ہو رہا ہے تو ممکن ہے قریب تر زمانہ میں خیر و شر، چور و سا ہوکار کے امتحان کا کوئی آلہ بنجائے، بہرحال "قرآن" کا بیان ہے اور یہ بالکل سچ ہے کہ "انسان کو بہت کم علم ملا ہے"؛ اسے اپنے اطلاق پر رکھنا چاہئے، عالم امر یا کسی اور سے مقید کرنے کی کوئی وجہ نہیں،

کوئی عالم امر نہیں آمدم بر سر مطلب! قرآن نے کوئی "عالم امر" نہیں بتایا، لیکن اگر ایسا عالم بالفرض تسلیم کر لیا جائے جو جدید اصطلاح سے زیادہ نہ ہوگا، تب بھی "روح" کی حیات و ممات کا مسئلہ اس سے حل نہیں ہو سکتا،

مدعی کا بیان ہے:-

"حیات و ممات اور بقائے روح کے متعلق اس قدر لکھ دینا کافی نہیں کہ جس آیت سے بقاے روح ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے درست نہیں نفس کے متعدد معانی آتے ہیں اور آیت "اللہ یتوفی الانفس" میں جان کے معنی متعین کرنا آسان نہیں، بلکہ قرآن سے اس کے خلاف ثبوت ملتا ہے، الانفس بمعنی اشخاص ہیں"

یہ مدعی کا ایک قسم کا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں دیگئی،

نفس کے معنی ضرورت کے مطابق پہلے "قرآن" سے "نفس" کے معانی بیان کئے جاتے، پھر متنازع فیہ محل میں کسی ایک کی تعیین مستند طور پر کیجاتی، تب کوئی صحیح فیصلہ ہو سکتا تھا،

محض کسی لفظ کے متعدد معانی بتا دینے سے نہ مدعی کا دعوی صحیح ہو سکتا ہے، نہ مخالف کا استدلال باطل و غلط ٹھہر سکتا ہے،

اسی طرح یہ کہدینا کہ اس جگہ "نفس" بمعنی اشخاص ہے، اور اس کے واسطے آیت "وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ" سے استدلال کرنا صحیح طریق استدلال سے غفلت ہے،

اوّلاً اس آیت میں نفس یا انفس کا لفظ ہی نہیں جس کے واسطے استدلال کیا گیا،

ثانیاً اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں اشخاص مراد ہیں، اسلئے "اللّٰہ یتوفی الانفس" میں بھی یہی معنی صحیح ہونگے مصادرہ علی المطلوب ہے، پہلے "انفس" بمعنی اشخاص کا ثبوت دیا جائے، پھر آیت میں "انفس" کا لفظ پیش کیا جائے جس کے یہی معنی ہوں، دوسرے نہ ہوں، پھر متنازع فیہ آیت میں اتحاد قائم کرکے یہی حکم ثابت کیا جائے، اور خلاف کی صورت میں کوئی خاص نقصان بتایا جائے جو کسی صراحت کے خلاف ہو، ان اسباب کے بعد یہ دعوی قابل سماع ہو سکتا ہے،

ثالثاً "اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ اور وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ" میں کوئی اختلاف نہیں، نہ کسی جگہ اشخاص بمعنی اجساد لینا درست ہے، کیونکہ دونوں جگہ نیند کا ذکر ہے جس میں روح قبض ہوتی ہے نہ اور کچھ، اشخاص یعنی جسد خاکی ویسا ہی پڑا رہتا ہے، اسے کب قبض کیا جاتا ہے،

موت قبض روح کا نام ہے | پس "قرآن" نے جہاں "اللّٰہ یتوفی الانفس" کے ذریعہ نفوس کے قبض کرنے کا ذکر فرمایا ہے وہاں "انفس" ارواح، جان کے علاوہ کسی اور معنی میں لیا نہیں جا سکتا، ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ "نفس" کے سینکڑوں معنی ہیں، مگر اس مقام پر جان، روح کے علاوہ کوئی معنی صحیح نہیں ہو سکتے، کیونکہ اسی کو قبض کیا جاتا ہے، اسی بحالت "موت" روک لیجاتی ہے اور نیند کے بعد واپس کر دیجاتی ہے،

ذرہ غور فرمائیے تو فیصلہ کس قدر قریب تر ہو گیا، "روح" دو حالتوں میں قبض کیجاتی ہے، ایک موت دوم نیند، نیند کے بعد لوٹا دیجاتی ہے، اور "موت" کے وقت روک لیجاتی ہے، دونوں حالتوں میں "روح" زندہ ہے، بحالت موت وہی "روح" روک لیگئی ہے، جو "نیند" کے بعد واپس کیجاتی ہے، پس یہ بتایا جائے کہ اسے روکنے کے بعد فنا

کر دیا یا باقی رکھا گیا؟

"روک لینے کا" ذکر موجود ہے، یہانتک ہم سب متفق ہین، اگر اسے فنا کر دیا گیا، اسکا پتہ بتایا جائے، محض روک لینے سے فنا ہو جانا کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟

درحقیقت آیت اللہ یتوفی الا نفس" ارواح کی حیات برزخیہ کے ثبوت کے لئے کافی ہے، کیونکہ "روح" یا "نفس" جو مادہ حیات جسد ہے، دو وقت اس سے منفصل ہوتی ہے، ایک مین انفصال ناقص ہوتا ہے، یہ نیند کا وقت ہے، دوسرے مین انفصال تام، یہ موت کے وقت ہوتا ہے، ہر دو حالتون مین "روح" ایک باقی اور ثابت شے ہوگی اور یہی حیات "برزخ" ہے کہ ارواح بلا اجساد باقی ہون،

لطیفہ:- قرآن مجید نے روح کے عارضی و دائمی انفصال سے حشر و نشر کے اثبات و حقیقت پر متوجہ کیا ہے، عقلاء و فلاسفہ کو یہ بتایا ہے کہ روزانہ موت و حیات کی کیفیت سے دوسری موت و زیست کو بخوبی سمجھ سکتے ہو؟ اسی سے صحیح استدلال و بصیرت حاصل ہو سکتی ہے، اگر ذرہ تدبر سے کام لیا جائے، مادۂ حیات یعنی "روح" دونون صورت مین محفوظ ہے، از سر نو بنانا بھی مشکل نہین، مگر اس بنی بنائی چیز کا "جسد" سے متصل ہونا تمھین محال نظر آتا ہے، حالانکہ ایک مشین کے مختلف پرزے الگ کرکے بنا دینا، تخم و دانہ سے سڑ جانے کے بعد درخت و بالی نکلنا ہمیشہ تمھارے تجربہ مین آتا رہتا ہے، اگر خاک کی چیز اسی مین مل گئی تو کوئی حرج نہین، صناع حقیقی علام الغیوب ہے؟ ایک ایک ذرہ و ریزہ سے کما حقہ واقف اور اس پر ہر طرح سے محیط ہے، اس کے ایک حکم سے سب کچھ تیار ہو جانا آسان ترین امر ہے، اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ،

۸۔ "موت کے بعد روح کا مقام"

اوپر ہم "روح" کے روک لینے کا ذکر کر چکے ہین، اس آٹھوین بحث مین یہ بتانا چاہتے ہین کہ آخر "ارواح" بعد از موت کہان روکی جاتی ہین،

مولوی صاحب نے "ارواح" کو فنا کر دیا، مگر ان کا ذکر اس طرح قائم رکھا،

"قرآن میں جس بات کی تصریح ہے وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد مردوں کا علم اللہ کے نوشتہ میں ہے، نیکوں کا اندراج "علیین" میں ہوتا ہے، اور بدوں کا "سجین" میں!

إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ، وَمَا أَدْرَاكَ	حقیقت یہ ہے کہ نیکوں کا اندراج علیین میں ہے،
مَا عِلِّيُّونَ، كِتَابٌ مَرْقُومٌ، يَشْهَدُهُ	اور تم کو کیا معلوم کہ علیین کیا ہے، ایک کتاب ہے
الْمُقَرَّبُونَ، ۸۳/۲۱	لکھی ہوئی جس پر مقرب فرشتے حاضر رہتے ہیں،
إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ، وَمَا أَدْرَاكَ	حقیقت یہ ہے کہ اندراج بدوں کا سجین میں ہوتا
مَا سِجِّينٌ، كِتَابٌ مَرْقُومٌ، ۸۳/۹	ہے، اور تجھکو کیا معلوم کہ سجین کیا ہے؟ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی،

علیین اور سجین کیا ہیں اس مقام پر اگر تصریحات قرآنؑ کے مدعی سے بحث کیجائے تو اس طرح ہوسکتی ہے،

۱- یہاں نیکوں اور بدوں کا ذکر ہے، یا ان کے دفتروں کا بیان زیادہ سے زیادہ قبول کرلیا جاسکتا ہے، مگر مردوں کی تخصیص کیونکر کی گئی،

۲- چونکہ تمام ابرار و فجار کے واسطے بلا کسی استثنا، وہی مرکز بتائے گئے، تیسرا مرکز اگر "شہدا" یا کسی کے واسطے بتایا جائے اس کی سند ضروری ہے،

۳- نیکوں اور بدوں کے اندراج کے کیا معنی؟ ان کے نام درج ہوتے ہیں، یا ان کے ارواح کا مستقر ہے؟ محض یہ لکھدینا کہ "نیکوں اور بدوں کا علم اللہ کے نوشتہ میں ہے" یہ مردوں کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر ایک چیز کا علم اللہ کے نوشتہ میں ہے، زندوں کا علم بھی اللہ کے نوشتہ میں ہے، پس علیین اور سجین میں ہونا محض نوشتہ میں ہونا نہیں ہوسکتا، اس سے زیادہ کچھ اور ہوگا، دیکھیے "قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ" میں ہر ایک کے علم کو نوشتہ میں محفوظ بتایا ہے،

۴- آیہ کریمہ "يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ" کے ترجمہ میں دو غلطیاں کی ہیں، ایک "يَشْهَدُهُ" کے معنی "حاضر رہتے ہیں" بتائے ہیں، اس سے شبہہ ہوسکتا ہے کہ پہلے سے رہتے ہیں، حالانکہ صحیح ترجمہ "حاضر ہوتے ہیں" یا "پہنچتے

ہین" ہوگا،

دوسرے "المقربون" کے معنی "مقرب فرشتے" کے ہین "فرشتے" کا لفظ "قرآن" مین اضافہ اور بلادلیل ہے،

"مقربون" کا لفظ جس طرح فرشتون پر بولاجاتا ہے، نیک لوگون پر بھی مستعمل ہے، خود اسی سورہ مین آگے بھی

لفظ آیا ہے جہان کسی طرح فرشتے نہین مراد ہوسکتے "عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ" پس "مقرب" سے نیک بندے

کے سوا مراد لینا قرینہ و دلیل کا محتاج ہے، اور وہ اس جگہ نہین ہے،

۵۔ کسی چیز کا دفتر ہونا بظاہر اور عام طور پر یہی ہے کہ وہ چیز وہان محفوظ کیجائے اور اسے تحریر مین بھی ضبط

کیا جائے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہان اشیاء کے نام درج ہون اور خود اشیاء کسی دوسری جگہ ہون، اس لحاظ سے

"علیین" اور "سجین" کے متعلق غور کرنا چاہئے کہ یہ کیا ہے؟ کیا کوئی قرینہ ایسا ہے کہ یہ نیک و بد ارواح کے مخزن و

مرکز ہون، یا محض نامون کے رجسٹر یہان ہین؟

اب ہم اس کی تحقیق کرتے ہین،

"علیین" جمع علیۃ (بالاخانہ) علو سے اور "سجین" قید خانہ سجن سے ماخوذ ہے، یہان یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ

بدون کے لئے آسمان کے دروازے نہین کھلتے بمطابق "لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ" اس سے نیک اور نیکون

کے واسطے علو ثابت ہوتا ہے، اسی طرح "اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ" بھی علو کا

مؤید ہے، اسی کے ساتھ "جنت" اور "دوزخ" کے مقام کا بھی تصور کیا جائے، اشارات قرآن اور نصوص احادیث

سے "جنت" آسمان پر اور جہنم اسفل السافلین مین ہو، "علیین" وہ مقام ہے جہان صالحین کی ارواح محفوظ رہتی ہین، یہ جنت کے

قریب تر ہوگا، اور "سجین" جہنم کے قریب تر جہان فجار کی ارواح مقید کیجاتی ہین، "يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ"

کے صحیح معنی یہ ہوئے "وہان نیک پہنچتے ہین" یعنی یہ نیکون کا مرکز اور جائے حضور ہے، فجار کے ذکر کے بعد ہے

"وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ" وارد ہے، ممکن ہے اسے روز قیامت بتا دیا جائے، مگر سکرات الموت سے

جو یقین میت کو عذاب و ثواب کے متعلق ہو جاتا ہے اس سے یہ آیت اسی دن کے واسطے اپنے ظاہر کے مطابق

رکھی جائے تو کوئی اشکال نہیں ہوتا، آگے اور بھی بعض قرائن ملتے ہیں، "كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ"، (خبردار یہ لوگ اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہونگے پھر وہ یقیناً جہنم میں جا پہنچنگے) جس طرح یہ حجاب "روح" کو موت کے بعد ہوتا ہے، روز قیامت بھی ہوگا، سیاق کلام کے مطابق میں عالم مرگ کا یہ قصہ واضح ہوتا ہے، اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، دنیا کے تمام تر معاملات آخرت کی نقل ہیں، یہاں کے عذاب و مصائب وہاں کی نقل، ثواب و منافع بھی وہاں کی نقل "قرآن مجید" نے اسے جا بجا بیان فرمایا ہے، اس جگہ "وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا" بطور سند کافی ہے، پس مجرمین و صالحین کا جو کچھ حشر موت کے بعد ہوگا، اس کا نمونہ با عزت و جاہ جہان کا بڑے سے بڑے بادشاہ کے حضور جانا، اور بے عزت و باغی کا اس کے حضور جانا سمجھنا چاہئے، ایک کا خاص احترام و اعزاز اور ملاقات سے سرفراز ہونا، دوسرے کا ہر قسم کی ذلت و ہتک اور ملاقات سے محروم ہونا واضح ہے، پھر ہر ایک کو اپنے اپنے منصب کے مطابق عہدہ و مقام ملنا الگ معاملہ ہے،

اس قدر "قرآن" کے بیان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر بھی ملائیے تو تمام معاملہ روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے، اور یہ بھی بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس بیان میں الفاظ "قرآن" سے کہاں تک مطابقت ہے، فرماتے ہیں:-

"نیک کی روح آسمان پر جاتی ہے اور رب کے حضور میں سرفراز ہو کر "علیین" میں رکھی جاتی ہے، بد کی روح آسمان پر نہیں جاتی اور اسے "سجین" میں مقید کرنے کا حکم ہوتا ہے، نیک کو جنت کی سیر کرائی جاتی اور وہ اس کی راحت سے متمتع ہوتے ہیں، بد دن پر صبح و شام جہنم پیش کیجاتی ہے، اور وہ اس کے مصائب و آلام سے متاثر ہوتے ہیں" إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ،

۹۔ "حیات و موت کی قسمیں"

یہاں سے نوین بحث شروع ہوتی ہے، جس پر "قرآن" کی "تصریحات" کے مدعی خاص اعتماد رکھتے ہیں، اور اگر اس تمام مضمون میں کوئی "تصریح" سچ مچ انہیں مل سکی ہے تو یہی ہو سکتی ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ

"برزخ" میں روح کی حیات نہیں، یا قبر میں سوال وجواب کی جو روایات ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں، مگر "روح" کی حیات سے "جسد" کی حیات وممات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نیز اتفاقی اور عارضی حیات وممات کا ان آیتوں میں کوئی ذکر نہیں بلکہ مستقل حیات وممات کا بیان ہے جیسا کہ ہم اسے مدلل بتائیں گے،

مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"قرآن کے رو سے زندگی اور موت دو ہی دو ہیں،

قَالُوا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ – ۲۴ | وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو نے ہم کو دوبار موت دی اور دوبارہ زندہ کیا،

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ، ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ، ۲۸/۲ | تم مردہ تھے اللہ نے تم کو زندہ کیا، پھر وہ تم کو موت دیگا، اور پھر زندہ کریگا،

دنیاوی زندگی سے پہلے کی حالت موت سے تعبیر کیگئی ہے، اس کے بعد یہ زندگی ملی، پھر اس کے بعد موت آئیگی، پھر اس کے بعد دوسری زندگی ملیگی، جسکے لئے موت نہیں ہے" ص۲۲ "قرآن کی تعلیمات اس امر میں بالکل واضح ہیں، کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد دوسری زندگی جو ملیگی وہ حشر کے دن ملیگی نہ کہ قبر میں" ص۲۳

موت وحیات اس بحث کے سمجھنے کے لئے "موت وحیات" کی بحث جو سب سے پہلے شہداء کی حیات کے ذیل لکھی گئی ہے بغور ملاحظہ فرمائیے روح کا بدن سے اتصال حیات اور انفصال موت ہے، دنیاوی حیات کے ماقبل کو "موت" بھی اسی واسطے کہا کہ روح بدن سے متصل نہ تھی، اجساد سے الگ ہو کر "ارواح" "حیات" رکھتی ہیں یا نہیں، یہ ساتویں بحث میں مدلل بیان ہو چکا، "شہداء" کی حیات برزخی تسلیم کیجاتی ہے، یہ خود "ارواح" کی حیات پر بین شہادت ہے،

بلاشک ہم بھی حیات وموت کے یہی دو دو ر تسلیم کرتے ہیں، یعنی ارواح کا اجساد سے تعلق وانفصال انہیں صورتوں میں ہوتا ہے، مگر اس سے "روح" کا فنا ہونیکا کوئی ثبوت نہیں ملتا، نہ "روح" کی حیات سے "جسد" کی حیات لازم آتی ہے،

البتہ اس عموم سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ کیے جائینگے،

ایک وہ جنھین حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے ذریعہ زندہ کیا گیا، ان کے واسطے ان دو حیات و ممات کے علاوہ تیسری بھی ثابت ہوگی،

دوم وہ لوگ جنھین اللہ تعالیٰ نے کسی خاص وجہ سے ایک سے زیادہ بار مار کر پھر زندہ کیا، اسکی نظیرین "قرآن" مین بیشمار ہین، یہان چند کا ذکر کیا جاتا ہے،

۱- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ	کیا تو نے ان ہزارون آدمیون کو نہ دیکھا کہ اپنے
وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ، فَقَالَ	گھرون سے موت کے ڈر سے نکل بھاگے، پس اللہ
لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا، ثُمَّ اَحْيَاهُمْ،	نے ان سے فرمایا "مرجاؤ" پھر انھین (مار کر) جِلایا،

غالباً یہ لوگ کسی وبائی مرض کے خوف سے بھاگے تھے، صفائی اور احتیاط الگ چیز ہے، مگر یہ اعتقاد فاسد رکھنا کہ ایسے مقام پر رہنا بالضرور وبا، کے زہر سے متاثر ہونا ہے، اور اس لئے ایسے مریضون کی تیمارداری وغیرہ اخلاقی فرائض سے اجتناب کرنا نہایت زبردست غلطی ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جہان طاعون ہو وہان نہ جاؤ، اور اگر تمھاری موجودگی مین کسی جگہ ہو تو وہان سے اس کے خوف سے نہ بھاگو" یہ حدیث اسی آیت کے مفہوم کو ظاہر کر رہی ہے،

۲- اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ	یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی سے گذرا جو اپنی
خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا، قَالَ اَنّٰى يُحْيِيْ	چھتون پر خالی پڑی تھی، بولا "اسے اللہ اسکی
هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا، فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ	موت کے بعد کیسے زندہ کریگا" پس اللہ نے اسے
مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ،	سو برس تک مار کر پھر زندہ کیا،

یہ اور اسی قسم کی دیگر آیات کے ملانے سے صاف معلوم ہوگیا کہ موت وحیات کے متعلق جو آیتین ہین ان کے صحیح معنی یہ ہونگے، "وہ موت وحیات جنکا عام طور پر وقوع محسوس و معلوم ہے" اور یہ مستقل و طویل مدت

کے لئے جو بھی دو دو مرتبہ ہے، اس سے عالم ارواح کی نشأۃ خود بخود خارج ہے، کیونکہ یہ ہمارے عرف کے لحاظ سے موت ہے نہ حیات، اسی طرح "عالم برزخ" کی روحانی حیات بھی خارج ہے، اور وہ تمام اتفاقی وعارضی حیات کی صورتین بھی خارج ہونگین، کیونکہ وہ مستقل ومعہود حیات وممات نہین محل بحث یہی ہے نہ اور کچھ،

۱۰۔ "عذاب و ثواب قبر"

یہان سے دسوین بحث شروع کرتے ہین " برزخ " مین ارواح کی حیات ثابت ہونے کے بعد اسکی کوئی ضرورت نہ تھی، اگرچہ مخصوص دلائل پر ابھی بحث باقی ہے، لہذا ہم یہان صرف ان آیتون کے متعلق بحث کرینگے جن سے امام محمد بن اسمعیل البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ نے اپنی بے مثل واعلیٰ کتاب "الجامع المسند الصحیح" معروف بہ "صحیح بخاری" مین عذاب قبر پر استدلال کیا ہے،

امام مذکور نے اپنی یہ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے تمام صحیح حالات "قرآن مجید" کے نزول، اس کے مطابق آپ کا طرز عمل، اسکی علمی وعملی تعلیم غرض ان سب کے متعلق ضروری صحیح معلومات کے لئے مرتب کی ہے ہر ایک معاملہ مین پہلے "قرآن مجید" پھر آپکا بیان بہترین نقد وانتخاب اور جامعیت سے لکھا ہے، جزاہ اللہ عنا وعن الاسلام خیرًا،

مولوی صاحب لکھتے ہین :-

" ایسی آیتین جن سے لوگون نے عذاب برزخ کا ثبوت پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تین چار سے زیادہ نہیں ہیں، اس لئے میں ان کے استدلال کی کیفیت دکھلا دینا ضروری سمجھتا ہون،

پہلی آیت جس سے امام بخاریؒ نے عذاب برزخ کا ثبوت دینے کی کوشش کی ہے یہ ہے!

سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ، (توبہ) — ہم ان کو دوبار عذاب دینگے، پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائین گے،

اس دوبار عذاب کی صورت یہ بیان کیگئی ہے کہ ایک عذاب دنیا مین، اور ایک عذاب برزخ مین

پھر بڑا عذاب جس کی طرف وہ لوٹائے جائینگے قیامت مین ہوگا، یہ استدلال حقیقت مین اس وقت ہو سکتا ہے جب پہلے سے عذاب برزخ کا تعین ہوا ورنہ قرآن کے لفظ سے قطعاً اس کا وہم بھی نہین ہوتا، اس سورہ مین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ ۹/۱۲۵ کیا نہین دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار فتنے مین ڈالے جاتے ہیں، پھر بھی باز نہین آتے،

جب اللہ ہر سال ان کو ایک دو بار فتنہ مین ڈالتا ہے تو کیا زندگی مین دو بار عذاب نہیں دے سکتا؟ پھر یہ کیسے ثابت ہوا کہ دوسرا عذاب قبر میں ہوگا" ص۶۶

"برزخ" کے عذاب و ثواب کی بابت کل تین چار آیتین بتانا عجلت یا غفلت یا مغالطہ ہے، پانچوین بحث مین "سکرات الموت" کے ذیل ہم نے چھ آیتین لکھی ہین، اسی کے ساتھ "شہدا" کی دو آیتین، ایک بقرہ کی "وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ" دوسری آل عمران کی "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا" ملائیے تو یہ سب آٹھ ہونگی، تین آیتین اس مقام کی شامل کرنے سے گیارہ ہو جائینگی کسی مسئلہ کے واسطے ایک آیت صاف و صریح کافی ہے، چہ جائیکہ اس قدر آیتین ہون،

پہلی آیت کے سمجھنے مین حسب دستور مولوی صاحب نے عجلت سے کام لے کر غلط راہ اختیار کی، اس کے سوا وہ کچھ اور کر بھی نہین سکتے تھے کیونکہ "حدیثین" ان کے کام کی نہین "قرآن" وہ بھی اسکی "تصریحات" سے یہ فائدہ حاصل کر سکتے ہین، مگر اسی حد تک کہ وہ "حدیث" کے خلاف معلوم ہون، موافقت کی صورت مین یہ اسکی تاویل کے واسطے تیار ہو جاتے ہین، چونکہ ایک نظریہ مستقل طور پر پہلے سے قائم کر چکے یعنی "حدیث کی مخالفت کرنا" ہر جگہ اسی کے ماتحت طریق عمل اختیار کرتے ہین، اور یہ وہ عظیم الشان غلطی ہے کہ اسے تمام غلطیون کی بنیاد و اساس کہنا بجا ہوگا،

اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ کریمہ مین تین عذابون کا ذکر فرمایا، ایک بڑا عذاب جو روز قیامت ہوگا، اس مین ہمارے ساتھ مولوی صاحب بھی متفق ہین، ایک دنیا کا عذاب، اس مین بھی اتفاق ہے، تیسرا اور عذاب،

اسی کے متعلق بحث ہے، مولوی صاحب کا خیال ہے کہ "فتنہ" کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ہر سال ایک بار یا دو بار فتنہ میں ڈالنا بتایا ہے تو کیا وہ دو بار اس زندگی میں عذاب نہیں دے سکتا؟

اس مجرد احتمال کی بنا، پر بلا کسی قطعی فیصلہ کے "تعلیمات قرآن" کے مؤلف نے ایسے اہم مباحثہ میں گریز کی راہ اختیار کی، اور ایسے احتمال پر امام بخاری علیہ الرحمۃ پر رد کرنے کی کوشش کی:

خلِ الطریق لمن یبنی المنار بہ وابرز ببرزۃ حیث اضطرک القدر

سوف تری اذا انجلی الغبار أفرس تحتک أم حمار

"قرآن" کے سمجھنے کے لئے اس احتمال سے زیادہ کسی حقیقت کی جستجو چاہئے تھی، "مرتین" کے لفظ سے "فتنہ" جو ہر سال ایک یا دو بار ہوتا رہتا تھا خارج ہو گیا، اور اگر اسے ہی ملحوظ رکھا جاتا تو مرتین کی جگہ "مرارًا" آنا چاہئے تھا ہر وقت "قرآن" کا دعویٰ کرنا آسان ہے، مگر اس پر قائم رہنا بہت مشکل "یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم" اسی قسم کے دعوی کرنے والوں کے متعلق صحیح ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اخبار حقیقت آثار میں ایسی جماعت کی یہ صفت فرمائی ہے، "یقرأون القرآن لایجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ" مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگی جو قرآن قرآن پکاریگی مگر اس کے حلق سے نیچے قرآن نہ اتریگا، یہ دین سے ایسی صاف نکل جائیگی جیسے تیر نشانہ میں سے نکل جاتا ہے،

یہ ہمارا فرض ہے کہ "مرتین" کی صحیح تفسیر بتائیں، اور یہ ثابت کر دیں کہ "قرآن" حلق سے نیچے اسی وقت اتر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پیش نظر ہو، آپ کی تعلیم و عمل سے استفادہ کیا جائے، جو لوگ آپ کے انفاس قدسیہ سے مستفید ہوتے ہیں، انھیں احترام و عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہی لطافت دین، حلاوت ایمان و یقین، اعجاز قرآن مبین سے واقف اور لطف اندوز ہو سکتے ہیں، کثرھم اللہ وایدھم بروح منہ،

بغور سنئے! دنیا کا عذاب جس قدر بھی ہو، خواہ فتنہ کی صورت میں یا "مرۃ" یعنی ایک بار کا عذاب سمجھئے! اگر اسے قبول کرنے میں عذر ہے تو "عذاب" تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا، اور یہ عذاب دنیا ہوگا،

اب دوسرے عذاب کی جستجو کیجئے، یہ معلوم ہے کہ قیامت سے قبل یہ دونون عذاب ہونگے، امام بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان کی نظر واستدلال، قوت بصیرت وادراک، نقد وانتخاب کا صحیح اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہین جو "علم" کے صحیح طور پر حامل ہون، علوم شرعیہ مین کامل عبور رکھین، کتاب وسنت تاریخ وسیر اختلاف امت مین کمال حاصل کیا ہو ان مین خوب غور وتدبر وتحقیق ومطالعہ کرچکے ہون، امام موصوف کا یہ دستور ہے کہ اگر کسی آیت یا حدیث سے ایک مسئلہ پوری طرح حل نہین ہوسکتا، اور کسی قسم کا اشکال باقی رہا تو اس کے واسطے دوسری آیت یا حدیث یا ایسا ہی قوی قرینہ پیش کردیتے ہین، جس سے وہ مسئلہ حل ہو، اور اشکال رفع ہوجائے، چنانچہ اس مقام پر ایسا ہی معاملہ ہے، "مرتین" مین دوسرا عذاب کہان ہوگا؟ اسکی تعیین کے لئے امام بخاریؒ نے وہ آیت پیش کی ہے جسے مولوی صاحب نے تیسری آیت بتائی ہی،

"قائلین برزخ کا تیسرا استدلال اس آیت سے ہے،

وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ	اور کاش تو دیکھتا جس وقت گنہگار موت کی بیہوشی
وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا	میں ہوتے ہین اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے
اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ	ہوتے ہین کہ اپنی جانون کو نکالو آج تمکو اس
بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ	پر ذلت کی سزا ملیگی جو اللہ کی شان میں تم جھوٹ
وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ، ۹۴/۶	بولتے تھے اور اسکی آیتون سے اکڑتے تھے،

یہان "الیوم" کے لفظ سے یہ نکالا جاتا ہے "آج" یعنی موت کے دن تم کو سزا ملیگی، اگر ہم یہ ثابت کرچکے ہین کہ برزخ "غیر زمانی" ہے اور موت اور قیامت مین فصل نہین ہے، اس لئے یہ آج بعینہ قیامت کا دن ہے"

اب ہم "قرآن" کی تصریح دکھاتے ہین، کہ اس "الیوم" سے مراد قیامت ہی کا دن ہے، یہ یاد رہے کہ مذکورۂ بالا آیت مین ان ظالمون کی سزا کا ذکر ہے جنکا جرم یہ ہے کہ وہ اللہ کی شان مین جھوٹ بولتے تھے، اور اسکی آیتون سے اکڑتے تھے،

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ	اور جبدن کافر آگ پر پیش کئے جائینگے (ان سے
اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا	کہا جائیگا) کہ تم اپنی لذتین اپنی دنیاوی زندگی
وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۔ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ	مین لیچکے اور ان کے مزے اٹھا چکے سو آج کے
الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ	دن تم کو ذلت کا عذاب دیا جائیگا جو تم روئے زمین
بِغَيْرِ الْحَقِّ ، وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ، ۴۶/۲۰	مین ناحق اکڑتے تھے ، اور نافرمانی کرتے تھے ،

ہر چند کہ اس آیت مین قیامت کا لفظ نہین ہے ، لیکن یہ تصریح موجود ہے کہ "تم اپنی لذتین دنیا میں اٹھا چکے" جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اخروی عذاب کا بیان ہے ، مزید تشفی کے لئے تاکہ کسی قسم کا شبہہ نہ رہجائے "سورۂ نحل" کی آیت نقل کرتا ہون ، جس مین انھین ظالمون کی سزا کا ذکر ہے ،

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ	پھر اللہ ان کو قیامت کے دن رسوا کریگا اور فرمائیگا
اَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَاقُّوْنَ	کہ کہان ہین تمھارے وہ شرکاء جن کے بارے مین
فِيْهِمْ ، قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ	تم ضد کرتے تھے ، جن کو علم دیا گیا ہے وہ کہین گے
الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْءَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ	کہ آج کے دن برائی اور رسوائی ان کافرون
الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْ	کے لئے ہے جن کی جانین ملائکہ نے اس حالت مین
اَنْفُسِهِمْ ، ۱۶/۱۴	قبض کی ہین کہ وہ گنہگار تھے ،

یہان قیامت کی تصریح ہے" ، ص ۶۵

اس بیان کا خلاصہ یہ ہے (۱) "الیوم" سے مراد موت کا دن نہین ، بلکہ روز قیامت ہے ، کیونکہ ایسے ظالمون کے واسطے جو سزا دوسری جگہ بیان کی ہے وہان قیامت کی تصریح موجود ہے ، یہ وہی دن ہوگا ، وہان بھی "الیوم" ہے ،

۲- برزخ غیر زمانی ہے ، اس لئے جو گفتگو روز قیامت ہوگی ، وہ بعینہ موت کے وقت ہوئی اس لحاظ سے

"الیوم" کا اطلاق صحیح ہے، اور یہ موت کا دن نہین روز قیامت ہے،

ہم نے "برزخ" کا غیر زمانی ہونا جو تھی بحث مین باطل کر دیا ہے، اور اس کا زمانی ہونا نصوص قرآن سے ثابت کیا ہے، اس خیال کی بنیاد محض "موتی" کے عدم احساس پر تھی، حالانکہ کسی چیز کے عدم احساس سے اس کا وجود باطل نہین ہو سکتا،

الیوم "الیوم" کی بحث بھی حل کر دی جاتی ہے، آیۂ کریمہ مین فرشتون کی روح قبض کرنے کا ذکر اور وہ بھی سختی ست ہے، اور یہ تمام معاملہ عین عالم مرگ سے متعلق ہے جس مین "اَخْرِجُوا اَنْفُسَكُمْ" کا خطاب ہے، یہ کسی طرح روز قیامت پر محمول نہین ہو سکتا، اسی وقت انھین کہا جاتا ہے، "الیوم تجزون عذاب الھون" یہ وہی موت کا دن ہے، اسے قیامت پر لیجانا قرینہ کا محتاج ہے، اور وہ یہان نہین ہے،

کیونکہ اس کے لیے سب سے پہلے یہ ثبوت دیا جائے کہ "سکرات الموت" مین ایسی گفتگو نہین ہو سکتی، نیز یہان "میت" پر کسی قسم کی خوشخبری یا عذاب کی کیفیت نہین وارد ہوتی، اگر ایسا صریح وصحیح ثبوت بہم پہنچ سکے، اس کے بعد تاویل کی ضرورت ہوگی،

یہ کوئی قرینہ نہین ہو سکتا کہ "ایسے ہی ظالمون کے واسطے دوسری آیتون مین جہان عذاب کا ذکر ہے وہان روز قیامت کی تصریح ہے" ایک واقعہ کے ثبوت سے دوسرے واقعہ کی نفی یا ایک قسم کے عذاب کے دو جگہ ہونے سے، ایک ہی جگہ سمجھنا کسی قسم کا صحیح استدلال نہین، اگر زید کے صبح کھانا کھانے کا ذکر کیا جائے، پھر شام کے کھانے کا بھی ذکر ہو تو یہ استدلال صحیح نہین ہوگا، کہ جو کھانا صبح کو کھایا گیا وہی شام بھی ہے، لہذا زید نے صرف شام کے وقت کھایا، صبح نہین کھایا، آخر اس استدلال مین بجز دعوے کے کیا ہے، اور وہ بھی ایک قسم کا مغالطہ و سفسطہ،

اگر کوئی کہے کہ "مرتین" اور عذاب آخرت سب ایک ہے، کیونکہ یہ سب ایک ہی قسم کا عذاب ہے اور اصل مین عذاب قیامت کا ہے، تو اس مین اور "تصریحات قرآن" کے مدعی مین کوئی فرق نہیں ہوگا، یہ دونون

ایک ہی قسم کے مغالطہ سے کام لے رہے ہونگے،

دیکھئے اس سے زیادہ وضاحت وصراحت پیش کر کے ہم اس مغالطہ کا خاتمہ کئے دیتے ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیے!

فکیف اذا توفتھم الملائکۃ یضربون — پس ان کا کیا حال ہوگا جبکہ فرشتے ان کی روحیں قبض
وجوھھم وادبارھم، — کرینگے منھ اور پیٹھوں کو مارتے ہوئے،

اسیطرح اس عالم موت میں میت کی توبہ، اپنی گذشتہ زندگی پر افسوس وغیرہ کا ذکر ہے، جسے ہم "عالم سکرات" میں لکھ چکے ہیں، اس جگہ ایک نئی آیت اور ملاحظہ ہو،

وانفقوا مما رزقناکم من قبل ان — اور ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس
یاتی احدکم الموت فیقول رب — سے پہلے کہ موت آجائے پس کہے اے رب مجھے
لولا اخرتنی۔ الآیہ — کیوں مہلت نہیں دیتا؟

یہ آیت بھی "عالم موت" کے متعلق صراحۃً میت کا افسوس ظاہر کر رہی ہے، اسے قیامت کے لئے گھسیٹ لیجانا کسی طرح درست نہیں، نصوص قرآن سے ایسی کیفیت "برزخ" اور "قیامت" دونوں کے واسطے بالصراحت ثابت ہے موت کے وقت کی کیفیت | اسی نکتہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے "مرتین" کی تفسیر کے لئے کیسا عمدہ حوالہ پیش کیا ہے؛ ایک "مرتین" کا لفظ اپنے رمز و دلالت سے دنیا کے علاوہ دوسرے عذاب کی شہادت دے رہا ہے، اور اس کے واسطے "برزخ" کے علاوہ کوئی اور جگہ ممکن نہیں، جس کی ابتداء سکرات الموت اور انتہا بعث کا نفخہ ہے،

یہ آیت بھی بغور ملاحظہ فرمائیے،

حتی اذا جاء احدھم الموت — یہانتک کہ جب ان کے پاس موت آجائیگی کہینگے،
قال رب ارجعون لعلی اعمل — اے رب مجھے لوٹا دو، کہ میں اپنی گذشتہ زندگی
صالحا فیما ترکت، کلا انھا کلمۃ — میں نیکی کرون، خبردار! یہ ایک بات ہے جسے
ھو قائلھا، ومن ورائھم برزخ — یہ کہیگا، اور ان سے آگے قیامت تک برزخ ہے،

دیکھئے اس آیت میں بھی عین موت کے عالم کی یہ کیفیت اور تمنی بتائی، اور اسی کے ساتھ "برزخ" کا ذکر بھی فرمایا، اس معنی میں سب سے زیادہ آخری اور قطعی یہ "تصریح" بھی پڑھئے، اور پھر انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ "برزخ" اور عالم موت کے لئے یہ "الیوم" ہے؛ یا قیامت پر اسے لیجانا صحیح ہے،

حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ،

یہانتک جبکہ یہ (فرعون) ڈوبنے لگا بولا میں بھی "لا الٰہ الا اللہ" کہتا ہوں اور اسی واحد خدا کو مانتا ہوں جسے بنی اسرائیل مانتے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں" اب مسلمان ہوتا ہے؛ حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کی اور فساد کرنے والوں میں تھا پس آج ہم تیرے بدن کو باہر نکال دینگے تاکہ تو پچھلوں کے واسطے نشانی بنے اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت کا برتاؤ کیا کرتے ہیں،

ان آیات اور دیگر آیات سے جو اسی مضمون میں بکثرت وارد ہیں، قطعاً و یقیناً موت کے عالم کی یہ کیفیت ثابت ہوتی ہے، ایسے صریح اور نص کو "قیامت" پر لیجانا "تحریف" اور بدترین تحریف کے نام سے موسوم کرنا چاہئے،

موت کے وقت ظہور حق

"فرعون" کے ایسے وقت مسلمان ہوجانے سے صاف واضح ہوا کہ بڑے بڑے ائمہ کفر و ضلال اس عالم یقین میں حق کے قبول کرنے کے واسطے تیار ہوجاتے ہیں، مگر ایسے وقت کا ایمان و اسلام قابل اعتبار نہیں، یہ اس دنیا سے روانگی اور "برزخ" میں پہلا قدم ہے، اسی طرح روز قیامت ہزاروں حیلے اور آرزو کرنے کا ذکر موجود ہے، نہ یہاں کوئی بات قبول ہوتی ہے، نہ وہاں یہ قابل اعتبار ہوگی،

"الیوم" کا فیصلہ بھی اس آیت "فرعون" نے ایسا کردیا کہ آیندہ "تصریحات" کے کسی مدعی کے واسطے

کوئی جائے پناہ نہیں مل سکتی، ظاہر ہے کہ یہ "الیوم" کسی طرح روز قیامت نہیں جہاں فرعون کا بدن باہر نکالا جائیگا، یہ عالم مرگ کا فیصلہ ہے، غرق کی عذاب کے ساتھ ساتھ اسے ہمیشہ کی ذلت وخواری کا اعلان بھی اسی وقت سنا دیا گیا، یہی "الیوم" دیگر ظالموں کے واسطے مرگ کے وقت آیا ہے، اس سے جس طرح ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام "الیوم" عالم مرگ کے لئے ہے، اسی طرح کسی مدعی "تصریحات قرآن" کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہر ایک "الیوم" کو روز محشر بنا کر "قرآن" کی تحریف وتبدیل کرے، اور لوگوں کو مغالطہ میں ڈالدے،

للہ انصاف کیجئے کہ امام بخاریؒ نے "مرتین" کی کیسی نفیس تفسیر کی؛ اور اس طرح سے قرآن کے ایک ایک لفظ کو اپنی حقیقت پر رکھکر واقعہ اور سچ کر دکھایا، نہ یہ کہ محض احتمال کی بنا پر اسے اڑا دیا، اور کوئی حقیقت نہ پیش کیگئی،

اسی مرتین کی تفسیر میں یہ تیسری آیت ہے، جو نسبۃً زیادہ واضح ہے،

مولوی صاحب لکھتے ہیں :-

" دوسری دلیل امام موصوف کی یہ آیت ہے :-

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ	آل فرعون کو برے عذاب آگ نے گھیر لیا،
اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا	جس پر وہ صبح وشام پیش کئے جائینگے یعنی قیامت
وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ	کے دن حکم کیا جائیگا کہ آل فرعون کو سخت ترین
فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿﴾	عذاب میں داخل کرو،

اس آیت میں "یعرضون" کے معنی حال کے سمجھے ہیں، یعنی آل فرعون صبح اور شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں، اور قیامت کا دن جب آئیگا تو وہ سخت ترین عذاب میں داخل کئے جائیں گے" چونکہ مضارع کا صیغہ حال واستقبال دونوں کی گنجایش رکھتا ہے اس لئے اب ہم کو اس بات کا ثبوت دینا ہے کہ یہ آگ پر پیشی زمانہ حال میں نہیں ہے بلکہ قیامت کے دن ہوگی، قرآن میں سورۂ احقاف میں یہ تصریح کر دی گئی ہے کہ آگ پر کفار کی پیشی دوسری زندگی یعنی قیامت میں ہوگی؛

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ	اور جس دن کہ کفار آگ پر پیش کیے جاوینگے (ان
اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا	سے کہا جائیگا) کہ تم اپنی لذتین اپنی دنیاوی
وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ، ۲۰/۴۶	زندگی مین لے چکے اور ان سے مزے اٹھا چکے،

کفار مین آل فرعون بھی داخل ہین، اس لئے وہ مستثنے نہین ہو سکتے۔ بلکہ ان کے متعلق خصوصیت کے ساتھ "سورۂ ہود" مین "تصریح" موجود ہے،

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَوْرَدَهُمُ	فرعون اپنی قوم کے آگے آگے آئیگا قیامت کے
النَّارَ ۔ ۹۸/۱۱ .	دن اور ان کو آگ مین اتاریگا،

"سورۂ قصص" مین بھی ان کے لئے دنیا مین لعنت اور آخرت مین عذاب کی "تصریح" کیگئی ہے،

وَاتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً	اور آل فرعون کے پیچھے ہم نے اس دنیا مین لعنت
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ	لگادی ہے، اور قیامت کے دن وہ برے حال
۴۲/۲۸	مین ہونگے۔" ص ۴۷

پہلے اس "تصریح" کی حقیقت ملاحظہ فرمائیے،

عرض برزخ "آل فرعون" بلاشک وشبہہ کفار مین ہین، مگر جس طرح "شہداء" عموم مومنین سے ہونے کے باوجود مخصوص اعزاز واحترام کے مستوجب ہوئے، اور یہ سب روز قیامت سے قبل "برزخ" مین ثابت ہے، پس کوئی وجہ نہین کہ "برزخ" مین بڑے بڑے کفار خاص عذاب وذلت کے مستحق نہ قرار پائین، ہرچند یہ ایک صحیح قیاس تھا، مگر نص قرآن بھی اس کے مطابق وارد ہے، پس اس کی تاویل کی کیا ضرورت ہے؟

"عرض" کے متعلق اگر ایک جگہ صبح وشام نص کیا گیا کہ کفار پیش کئے جاتے ہین، تو اس سے یہ لازم نہین آتا کہ روز قیامت بھی پیش نہ ہونگے۔ یا روز قیامت کی پیشی سے کسی طرح یہ صبح وشام کی پیشی باطل نہین ہو سکتی، نہ قابل تاویل بنجاتی ہے، کیونکہ ایک صرف پیشی اور اس کے آثار وایذار کا احساس ہے، دوسری پیشی اس مین

داخل کرنے کے لیے ہے، کیونکہ روز قیامت کی پیشی اسی لئے ہے کہ کفار و ظالمین اس میں ڈال دیئے جائیں، چنانچہ اس آیت میں بھی روزمرہ کی پیشی کے بعد فرمایا- روز قیامت آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرنیکا حکم ہوگا کفار سے آلِ فرعون کو کون مستثنیٰ کرتا ہے؟ آپ تو ایک ہی مرتبہ پیشی بتا کر ان پر سہولت کرتے ہیں، ہم روزمرہ صبح و شام نصِ قرآن کے مطابق پیشی بتاتے ہیں، اور روز قیامت الگ پیشی بتاتے ہیں، پس اس مغالطہ کی ضرورت نہیں کہ وہ کفار سے مستثنیٰ نہیں، البتہ انھیں معمولی کفار سے اعلیٰ درجہ دنیا بھی ایک اہم حکم ہے، جو نقص قرآن "اشدّ العذاب" اور "النار یعرضون علیھا غدواً و عشیا" سے صراحتًہ ثابت ہے، اس سے بچانے کے لئے کبھی "روز قیامت" کی پیشی بتانا، کبھی سورۂ ہودؔ کی صراحت لکھنا صحیح طریق بحث نہیں، "سورۂ ہودؔ" میں روز قیامت کے متعلق بحث ہے اور وہ سورۂ "مومن" میں بھی مزید روزانہ عذاب کے ساتھ ہے، پس ایک کا اقرار اور دوسرے کا انکار مومن صادق کی شان نہیں، اسی طرح "سورۂ قصص" میں دنیا و آخرت کی لعنت و ذلّت کا فرمان بالکل صحیح ہے، مگر اس سے یہ پیشی جو روزانہ ہوا کرتی ہے، اڑائی نہیں جاسکتی؛ یہ مزید ذلت و عذاب ہے، اس سے "آل فرعون" کا مرحوم ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ لعنت میں اضافہ ہی ہوگا،

یعرضون "یعرضون" کے حال و استقبال کی بحث بھی فضول چھیڑ دی گئی، خواہ حال کے لئے لیجئے یا استقبال کے لئے، بہرطور ابھی اس کے واسطے طویل و عریض مدت باقی ہے، مگر جو کچھ بھی ہو "قیامت سے قبل" اسے رکھئے کیونکہ ایک تو غدوًّا و عشِیًّا اسے قبل از قیامت معین کر رہا ہے، دوم وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الآیہ الگ اس "عرض" کو روز قیامت سے قبل بتانے پر تلا ہوا ہے، کیونکہ یہ "عرض" صبح و شام روزانہ ہوا کرتی ہے، اور روز قیامت "اَدْخِلُوْا" سے ان کی خاطر کی جائیگی، وہاں صرف "عرض" نہیں ہے،

عظیم الشان تحریف آیت قرآنی کے معنی صاف و صریح ہیں کہ آل فرعون صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں، اور روز قیامت حکم ہوگا کہ انھیں سب سے زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو، مگر چونکہ اس سے "عذاب برزخ" کا ثبوت ملتا ہے، جو کسی طرح "قرآن کے" تصریح پرست" کی مرضی کے مطابق نہیں اس لئے اس آیت کی یوں

تحریف کی گئی۔ آلِ فرعون کو برے عذاب آگ نے گھیر لیا جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جائیں گے یعنی قیامت کے دن حکم دیا جائیگا کہ آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔

ایک تو "یعنی" اپنی طرف سے اضافہ کیا، جو اللہ کے کلام میں تبدیل ہے، پھر صبح و شام کے پیش ہونے کو اس طرح بتانا کہ روز قیامت حکم ہوگا انھیں سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔ گویا صبح و شام کا لفظ لغو اور فضول ہے، آخر اسی واسطے "قرآن" پر عمل کا دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کے الفاظ کو اس طرح بگاڑ دیا جائے، اور بلا کسی معقول و مدلل شہادت کے جس طرح جی میں آوے تاویل کر دیجائے، پہلے اس روزانہ صبح و شام کی پیشی کا فیصلہ کیجئے، پھر روز قیامت داخل کرنے کا حکم بتائیے، یہ کیا ظلم ہے، کہ آیت صراحۃً روزانہ صبح و شام کی پیشی بتائے اور مدعی عمل بالقرآن یہ کہے کہ "یعنی روز قیامت حکم دیا جائیگا الخ" یہ خوب تفسیر ہے،

یہاں صرف ایک صورت ممکن ہے اور وہ یہ کہ صبح و شام کی عرض کو غلط بتا کر یوم القیامہ کو بدل الغلط بتایا جائے، اس طرح "قرآن فہمی" اور "اعجاز قرآن" خوب واضح ہوگا،

گر تو قرآن بدین نمط خوانی ببری رونق مسلمانی،

ستعلم لیلی ای دین تداینت وأی غریم بالتقاضی غریمها

دیکھئے "قرآن" کا دعویٰ زبان سے کرنا آسان ہے، لیکن اسے صحیح طور پر سمجھنا، اس کے مطابق اعتقاد و عمل قائم کرنا، اور اس کے ایک ایک لفظ کو اپنی جگہ رکھنا، یہ سب اتباع رسولؐ کے بغیر کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا، اسی لئے فرمایا "لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ" حلق سے نیچے قرآن نہیں اترتا، دعویٰ کرنا آسان ہے اسے ثابت کرنا، اور اس کے مطابق ظاہر و باطن کرنا ہی مشکل ہے،

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے "مرتین" کی تفسیر کس خوبی و عمدگی سے فرمائی، اور عذاب قبر کس طرح ثابت کیا، اسے اچھی طرح اوپر کے بیان سے معلوم کر سکتے ہیں، اس طرح علمائے اسلام نے قرآن کا ایک ایک لفظ کی چھان بین کی ہے، اور ان کی قرنوں کی محنت سے استفادہ نہ کرنا علم و استدلال کا خون کرنا ہے۔ اور جہل و ادعا

کا ساتھ دینا ۔

بخاری میں احادیث عذاب قبر

اس جگہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے "عذاب قبر" کی بابت جو روایات دی ہیں، ان کا خلاصہ بھی دے دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن سمجھنا اور اسے سمجھانا بخوبی معلوم ہوتا ہے، اس میں ہر ایک بیان پر "قرآن" کی شہادت موجود ہے، اجمال وتفصیل کا فرق ہوگا، فرماتے ہیں:

"میت کا جنازہ جب تیار ہوتا ہے اور لوگ اسے لیجاتے ہیں تو نیک یہ کہتا ہے مجھے جلد لیچلو، جلد لیچلو، بدکہتا ہے:" اے میری تباہی! مجھے کہاں لیجاتے ہو" جب اسے قبر میں رکھ کر آتے ہیں، تو ایسے وقت میں کہ ابھی ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے دو فرشتے اس کے پاس آکر اسے بٹھاتے ہیں، اور یہ دریافت کرتے ہیں، تیرا رب کون ہے؟ تیرا اس شخص کی بابت کیا خیال ہے، مسلمان کلمہ شہادت پڑھتا ہے، اور توحید ورسالت کا اقرار کرتا ہے، اس کے بعد اسے جہنم دکھائی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے اگر تو کفر کرتا تیرا یہ ٹھکانا ہوتا، پھر جنت دکھائی جاتی ہے' اور کہا جاتا ہے دلہن کی نیند سوجا، اس کے واسطے قبر میں نور اور وسعت کیجاتی ہے،

منافق و کافر نہ توحید کا اقرار کرتا ہے، نہ رسالت کو سچائی سے بتاتا ہے، منافق کہتا ہے ہائے ہائے میں ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتا، لوگ اس طرح کہا کرتے تھے، اسے لوہے کے گرز سے مارا جاتا ہے، وہ چیختا ہے جسے انسان و جن کے سوا سب سنتے ہیں،

روزانہ صبح وشام انسان کو اسکا ٹھکانا جنت یا دوزخ سے بتایا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے روز قیامت تجھے یہ ملے گا،

نسأل الله ان یجعلنا من عبادہ المخلصین، ویختم لنا بالحسنی انه ارحم الراحمین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم،

۱۱۔ حیات انبیاءؑ

اب ہم برزخ کے متعلق گیارہویں بحث شروع کرتے ہیں،

"شہدا" کے بیان مین مولوی صاحب تحریر کرتے ہین :-

"حضوری جو شہدار کے لئے ہے قرآن کریم کے رو سے کسی دوسرے کو حاصل نہین، خود نبی کو بھی قیامت کے دن مین ہوگی،

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ، ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ،	بیشک تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں، پھر قیامت کے دن تم اپنے رب کی حضوری مین اپنے جھگڑے پیش کروگے،
۳۱/۳۹	

اکثر مسلمان یہ خیال کرکے کہ "انبیا" کے روحانی مراتب "شہدا" سے بہرحال بڑھکر ہین، انبیا کی حیات برزخیہ کا عقیدہ رکھتے ہین، لیکن اولاً عقیدہ مین قیاس کی گنجایش نہین ہے، اور ثانیاً یہ قیاس مع الفارق ہو کیونکہ نبی کو اللہ نے خود کہا ہے "اِنَّكَ مَيِّتٌ" اور شہدار کے لئے ممانعت فرمائی ہو کہ ان کو مردہ نہ کہو" ص ۹۲

مولوی صاحب دعوی اور دلیل مین مطابقت سے ابتک واقف نہین ہوئے، اس لئے ہر جگہ دعوی کرکے، مطابق دلیل پیش کرنے سے عاجز ہوجاتے ہین، اگر کچھ پیش کرتے ہین تو اس مین مطابقت نہین دکھا سکتے ہین، اس جگہ بھی دعوی یہ ہے کہ "انبیار کی برزخی حیات نہین ہے" دلیل مین آیت "اَنَّكَ مَيِّتٌ" پیش کی ہے،

موت دنیاوی اور حیات برزخی مین منافات نہین

موت اور حیات برزخ مین کسی قسم کی منافات نہین، نہ موت کے لفظ سے "برزخ" کی حیات ہی ثابت ہوتی ہی، نہ ممات، جس طرح اثبات نہین نفی بھی نہین ،

"موت" کا بیان اوپر مفصل ہوچکا کہ "روح" کا جسد سے انفصال موت کہلاتا ہے، یہ کوئی بھی نہین مانتا ہے کہ "انبیار" یا "شہدا" حیات دنیا کی طرح "برزخ" مین زندہ ہین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا جو یہ خیال تھا کہ ابھی آپ کی وفات نہین ہوئی، اسی وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے دور کردیا، اور آپ کی موت کا اعلان کیا، جسے سب نے بالاتفاق تسلیم کیا،

آیت "اِنَّكَ مَيِّتٌ" سے "برزخ" کے لئے استدلال کرنا غلط ہے، کیونکہ اسی مین "اِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ" بھی ہے

یہ تمام صحابہ کے لئے بلا استثنا روا رہے، ان میں "شہدار" بھی شامل ہیں، دوسری بحث میں ہم مدلل لکھ چکے ہیں، کہ موت اور احکام موت میں شہدار وغیر شہدار سب یکساں ہیں، مگر روحانی حیات جو "برزخ" میں ہے اس کے مدارج ہونگے، رہا شہدار کو اموات نہ کہنے کا نہیں جو حکم فرمایا ہے وہ محض اعزاز کے طور پر، یا یہ بھی ممکن ہے ان کے اجساد نمیند والوں کی طرح ہمیشہ کے واسطے محفوظ ہوں، مگر انہیں "اموات غیر اَحیَاء" بھی فرمایا، کیونکہ ان کے اجساد میں ارواح نہیں، نیز یہ تمام دنیاوی احساسات و ادراکات سے خالی ہیں،

انبیاء اور صلحاء کی حیات برزخیہ

پس اس آیہ کریمہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کے برزخی معاملہ پر کوئی روشنی نہیں پڑتی، نبی تو نبی اس کے بہت سے متبعین کے واسطے موت کے ساتھ ہی جنت میں جانیکا حکم ہوتا ہے،

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ، قَالَ يَالَيْتَ قَوْمِيْ	کہا گیا جنت میں چلا جا: بولا اے کاش میری قوم
يَعْلَمُوْنَ، بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ	معلوم کرتی جو کہ میرے رب نے میری مغفرت کی
مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ،	اور مجھے باعزت لوگوں میں رکھا،

انبیاء و رسل سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مخلوق نہیں، ان کے مراتب سے بڑے سے بڑے مرتبہ والا پست تر ہوگا، یہ ایک حقیقت ہے کہ بڑے سے بڑا "شہید" کسی نبی کے برابر کبھی نہیں ہوسکتا، "شہید" کے عمل موت کے ساتھ ختم ہوجاتے ہیں، نبی کے عمل کا سلسلہ اس کے ماننے والوں کے ساتھ برابر جاری رہتا ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "شہید" اور معمولی موت سے مرنے والے میں فیصلہ فرمایا، صحابی نے خواب میں اس معمولی موت سے مرنے والے کو "شہید" سے بالاتر پایا، تو تعجب سے آپ کے حضور میں ذکر فرمایا، آپ نے فرمایا تعجب کی کیا بات ہے؛ اس نے اس کے بعد مدت تک نماز و روزہ اور دوسرے نیک کام نہیں کئے؟ آخر یہ کہاں جائینگے۔

اگر بالفرض "شہید" کے واسطے "میت" نہ کہنے کا استثنار پیش کیا جائے تو اس سے اس کا درجہ بلند نہیں ہوسکتا نہ حیات برزخ میں وہ نبی سے فوق ہوسکتا ہے، کیونکہ جزوی فضائل سے کلی فضائل پر برتری نہیں ثابت ہوسکتی، دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے، حضرت آدم بن ماں باپ کے، اس لحاظ سے یہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم پر افضل نہیں ہو سکتے،

شہید دراصل ایک معمولی سپاہی ہے، جو اس افسر کی ماتحتی میں مخصوص اعزاز کا مستحق ہوا، پس وہ مدارج اور فضائل میں کسی طرح اپنے افسر سے بڑہ نہیں سکتا، انبیاء شہید گر تھے، انکا جہاد شہید سے بدرجہا اعلیٰ تھا، وہ جہاد اکبر کرتے ہوئے اس دار فانی سے رحلت فرماتے تھے،

دار ثانی میں جو بہترین رفقاء ہیں ان میں اعلیٰ درجہ "انبیاء اللہ" کا ہے یہی منعم علیہم میں اول اور اعلیٰ درجہ میں ہیں، پس ان کے واسطے دنیا کی طرح "برزخ" اور "قیامت" سب اعلیٰ ہو گی، اور اسی کا ذکر کتاب و سنت میں ہے، اسے قیاس مع الفارق بتانا ایک بین غلطی ہے،

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کو آخری عمر میں یہ پیغام دیا جاتا تھا کہ آپ اپنا کام ختم کر چکے، چاہیں تو ابھی دنیا میں رہیں، چاہے رب کے حضور میں ملاقات کے لئے آجائیں، لیکن "موت" کا مزہ ایک نہ ایک وقت چکھنا ہو گا، اس سے مفر نہیں، وہ دنیا کی زندگی کو اللہ کی ملاقات پر قربان کرتے تھے، اور ملأ اعلیٰ میں چلے جاتے تھے ہمارے نبی کریم سے بھی ایسا ہی سوال ہوا، آپ نے ایک خطبہ میں اس کا ذکر فرمایا، "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دو باتوں میں سے ایک بات قبول کرنے کو کہا، اس نے اللہ کے قرب و لقاء کو پسند کر لیا" یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، اسپر دوسرے اصحاب کو تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا، اسپر رونا کیسا، لیکن آپ کے انتقال پر یہ راز کھلا، اس وقت لوگوں نے سمجھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کس قابلیت اور خصائص کے شخص تھے؟ اور بندہ سے کون بندہ مراد تھا،

سیرۃ جلد چہارم

منصب نبوت کی تشریح قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اسکے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث ضخامت ... صفحے قیمت بہ اختلاف کاغذ سے ... تقطیع کلاں،

تلخیص و تبصرہ

بودھ مذہب کی مشہور کتاب "رتناولی"

ناگ ارجن کا شمار ہندوستان کے اکابر فلاسفہ اور بودھ مذہب کی عظیم ترین شخصیتوں مین ہے، اسکا زمانہ تیسری صدی عیسوی کا ابتدائی دور ہے، اسکی مشہور تصنیف "رتناولی" کے اقتباسات ہندوستان اور تبت کے بودھ لٹریچر مین منتشر طور پر پھیلے ہوئے تھے، لیکن حال تک اس کتاب کا کوئی قلمی نسخہ دریافت نہین ہوا تھا، تھوڑے دن ہوئے نیپال مین اسکا ایک بڑا حصہ دستیاب ہوا ہے، یہ اصل کتاب کا محض ایک جزو ہے اور کھجور کے پتون پر لکھا ہوا ہے، "جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی" لندن، (اپریل ۱۹۳۴ء) مین اس حصہ کا پہلا باب انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے؟

کتاب کا موضوع بودھ مذہب کے ایک پیرو فرمانروا کو بودھ مذہب کے اخلاق و موعظت کے حکیمانہ پند و نصائح کرنا ہے، یہ پہلا باب ۱۰۰ اشلوکون پر مشتمل ہے، ہر اشلوک مین کسی نہ کسی اخلاقی اصول یا عقیدہ کو حکیمانہ انداز بیان مین بطور اصول بیان کیا گیا ہے، مثلاً حیات کامل اور نجات کے متعلق ہے:-

"حیات کامل مسرت خیال کیجاتی ہے، اور نجات حیات عارضی سے آخری طور پر آزاد ہو جانے کو کہتے ہین، مسرت اور نجات کے حصول کا طریقہ عقیدہ اور دانشمندی مین مختصر طور پر بیان کر دیا گیا ہے،

عقیدہ کے ذریعہ سے انسان شریعت مین حصہ لیتا ہے اور دانشمندی کے توسط سے حقیقت کے مطابق سمجھتا ہے، دونون مین افضل دانشمندی ہے، اگرچہ عقیدہ پہلے آتا ہے"

اخلاقیات کی تلقین کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

"انسان کو چاہئے کہ اپنے اعمال، اقوال اور خیالات کی جانچ احتیاط کے ساتھ کرے اور دیکھے کہ اس کے

اور دوسرون کے لیے کیا چیز اچھی ہے، یہ اُسے ہمیشہ کرنا چاہئے، ایسا ہی شخص دانشمند ہوتا ہے،

قتل نفس، سرقہ اور زنا سے اجتناب، جھوٹی، اتہام لگانے والی، درشت، اور لغو باتون سے پرہیز، حرص، نفرت، اور اعمال انسانی کے نتائج سے متعلق غلط رائے قائم کرنے اور ان کے وجود سے انکار کرنے سے کامل احتراز یہی نیکیان دس خالص ورصالح اعمال ہین، جو اعمال ان کے مخالف ہین، وہی دس غیر صالح اعمال ہین،

خمریات سے پرہیز کرنا، جائز طور پر معاش حاصل کرنا، کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، کسی کو کچھ دیتے وقت مہربانی سے پیش آنا، جو لوگ احترام کے مستحق ہین اُن کے ساتھ احترام برتنا، اور سب کے ساتھ دردمندی رکھنا، یہی خلاصہ نیز معرفت کا

اس کے بعد نفس کشی کی برائیان بیان کرنے اور شریعت کے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راہون پر سرگردان پھرنے والون کا تذکرہ کرنے کے بعد پھر موعظت کے چند اشلوک آتے ہین:-

" دروغگوئی کا پھل نفرت ہے، تہمت رکھنے سے دوستی کا خاتمہ ہوجاتا ہے، سخت گفتگو کرنے سے غیر خوشگوار باتین سننی پڑتی ہین اور لغو باتوں کا جواب قابلِ افسوس الفاظ ہوتے ہین،

حرص ہر خواہش کو ناکام رکھتی ہے، نفرت خوف کی اصل کہی جاتی ہے، غلط رائے قائم کرلینے سے کسی چیز کو صحیح طور پر معلوم کرنا محال ہوجاتا ہے، خمریات کے استعمال سے دماغی انتشار پیدا ہوتا ہے،

لالچ افلاس کا سبب ہے، بری معیشت فریب کھانے کا، غرور پست پیدائش کا، اور حسد ذاتی طاقت کی کمی کا"

اس کے بعد بودھ مذہب کے فلسفیانہ مسائل کا بیان ہے، اور تقریباً پورے باب مین انہی فلسفیانہ مباحث کو جن مین بودھ مذہب کے فلسفیانہ عقائد کا بیان ہے، اصول اور کلیون کی تحت مین پیش کیا گیا ہے، مثلاً:-

بیوقوف جب یہ سنتا ہے کہ "مین نہ ہون نہ کبھی ہونگا، نہ کوئی چیز میری ہے، نہ کبھی میری ہوگی" تو وہ خوفزدہ ہوجاتا ہے، لیکن دانشمند ہر خوف پر غالب آتا ہے،

بودھ نے کہا ہو کہ یہ خیال کرنا غلطی ہو کہ "انا کوئی وجود رکھتا ہے یا کوئی شے اسکی ملک ہے،

حقیقت مطلق کے روسے یہ کہنا غلطی ہے کہ انا (EGO) کوئی وجود رکھتا ہے، یا کوئی شئے اس کی ملک ہے،

کیونکہ اشیاء کی حقیقت کو پورے طور پر سمجھ لینے کے بعد یہ دونوں مفروضے ناممکن ہو جاتے ہیں،

جن اشیاء کے مجموعہ سے ایک ذات بنتی ہے وہ ایک شخصیت کے فرض کر لینے سے پیدا ہوئی ہیں لیکن یہ شخصیت حقیقت مطلق کے نقطۂ نظر سے غیر حقیقی ہے، پس جب کسی شے کا بیج ہی غیر حقیقی ہو تو اسکا پودا کیونکر حقیقی ہو سکتا ہے

اگر کوئی مجموعون کو غیر حقیقی سمجھ لے تو شخصیت کو فرض کرنا ترک کر دے اور جب شخصیت کو فرض کرنا ترک کر دیا جائے تو پھر مجموعون کے لئے کوئی جگہ باقی نہین رہ جاتی،

جس طرح آئینے مین کوئی اپنے ہی چہرہ کا عکس دیکھتا ہے، اگرچہ واقعۃً وہ عکس کوئی حقیقت نہین رکھتا اسی طرح مجموعون کے توسط سے انسان شخصیت کو دیکھتا ہے، حالانکہ دراصل وہ کوئی حقیقت نہین رکھتی، بلکہ مثل چہرہ کے عکس کے ہے،

جس طرح آئینہ کے ذریعہ کے بغیر چہرہ کا عکس نہین دیکھا جا سکتا اسی طرح مجموعون کے توسط کے بغیر شخصیت بھی نہین دیکھی جا سکتی "

زندگی کی گردش شخصیت، کرم، اور پیدایش کے تسلسل کے ساتھ جو ایک دوسرے کا سبب ہین برابر جاری ہے "نروان" عدم وجود بھی نہین ہے، پھر یہ وجود کیونکر ہو سکتا ہے؟ نروان نام ہے وجود اور عدم وجود کے خیال کو فنا کر دینے کا،

فلسفہ فنائیت (NIHILISM) کا نظریہ مختصرًا یہ ہے کہ "کرم" کا نتیجہ مرتب نہین ہوتا، یہ خیال پر معصیت اور دوزخ مین دوبارہ پیدا ہونے کا سبب ہے،

فلسفہ حقیقیت (REALISM) کا نظریہ مختصرًا یہ ہے کہ "کرم" کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے، یہ عقیدہ مسرور حالات مین دوبارہ پیدا ہونے کا باعث ہوتا ہے، یہی صحیح عقیدہ ہے،

صحیح علم کے ذریعہ جب کوئی شخص وجود اور عدم وجود کے خیال کو فنا کر دیتا ہے تو وہ معصیت اور نیکی کے دائرہ سے نکل جاتا ہے، اسی وجہ سے بزرگان دین کا بیان ہے کہ یہی وجود کے بھلے اور برے حالات سے نجات پانا ہے،

جب انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہر ابتدا اپنا سبب رکھتی ہے، تو وہ نظریۂ فنائیت کو چھوڑ دیتا ہے، اور جب وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اسباب کے ذریعہ اشیاء کا فنا ہونا مقدر ہو چکا ہے، تو نظریۂ حقیقت کو ترک کر دیتا ہے،

اگر کوئی سبب نتیجہ سے قبل یا اس کے ساتھ پیدا ہو تو ہر دو شکل مین حقیقت مطلق کے نقطۂ نظر سے وہ سبب نہین ہو سکتا، واقعۂ پیدائش کا تخیل وضعی یا حقیقی کسی نقطۂ نظر سے بھی نہین کیا جا سکتا،

اگر کوئی شخص سراب کو دور سے دیکھے اور اسے پانی خیال کر کے قریب جائے اور تب اسکی سمجھ مین آئے کہ وہ پانی نہین ہے تو ایسا شخص بے وقوف ہے، اسی طرح جب کوئی شخص اس دنیا کے جو مثل سراب کے ہے وجود یا عدم وجود کا قائل ہو تو ایسا شخص بھی گمراہی مین مبتلا ہے، اور جہان گمراہی ہے وہان نجات نہین،

فلسفۂ فنائیت کا عقیدہ رکھنے والے برے حالات مین دوبارہ پیدا ہونگے اور فلسفۂ حقیقت کے قائل اچھے حالات مین، لیکن نجات انھی کو حاصل ہوگی جنھون نے اشیاء کو ویسا ہی سمجھا ہے، جیسی وہ حقیقۃً ہین،

اگر صورتون مین ہمیشہ تغیر ہوتا رہتا ہے تو پھر کیا وجود عارضی نہین ہے؟ لیکن اگر برخلاف اس کے تغیر ہوتا ہی نہین تو تم ان تبدیلیون کی کیونکر تاویل کرو گے جو اشیاء مین صراحۃً نظر آتی ہین؟

وجود کا عدم وجود صرف فساد یا تضاد کے ذریعہ ممکن ہے، لیکن فساد یا تضاد کا تصور بھی کیونکر ہو سکتا ہے اگر وجود منطقی طور پر ناممکن ہے؟

لہذا "نروان" کے حصول سے مراد دنیاوی وجود کا فساد نہین، یہی سبب ہے کہ جب بودھ سے دریافت کیا گیا کہ اس دنیا کا کوئی خاتمہ بھی ہے تو وہ خاموش رہا۔ "ع ز"

اخبار علمیہ

امریکہ مین ہیئت سے عام دلچسپی

ریاستہائے متحدہ امریکہ مین ہیئت سے شغف روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے، تخمینہ کیا گیا ہے کہ سرکاری رصد خانون کے علاوہ اس علم کے شائقین نے اس وقت تک ایک ہزار سے زاید اپنے ذاتی رصد خانے قائم کر لئے ہین، یہ لوگ دن مین مختلف کاروبار مین مشغول رہتے ہین اور غروب آفتاب کے بعد پورے انہماک کیساتھ سیارون کے مطالعہ مین مصروف ہو جاتے ہین، چنانچہ امریکہ کے مشہور ہیئت دانون مین ایک ممتاز شخص جس نے نجوم متغیرہ کا کثرت سے مطالعہ کیا ہے کوئی پیشہ ور ہیئت دان نہین ہے، بلکہ وہ موٹرون کے پرزے بناتا ہے، اس کا نام پلٹیر (PELTIER) ہے، اسکی شہرت تمام دنیا مین پھیل چکی ہے، اگرچہ اسکا چھوٹا سا رصد خانہ ایک معمولی کھیت مین بنا ہوا ہے، اس نے نہ صرف ہزارون نجوم متغیرہ کا مطالعہ کیا ہے بلکہ چار نئے دمدار ستارے بھی دریافت کئے ہین، جو اسی کے نام سے مشہور ہین ایک دوسرے غیر پیشہ ور ہیئت دان کلائڈ ٹومباذ (Clyde W. Tombaugh) نے سیارہ پلوٹو (Pluto) کو دریافت کرکے اسکی تصویر لی ہے، اسکا یہ اکتشاف فنی حیثیت سے صد درجہ اہم اور عظیم الشان بتایا جاتا ہے، یہ شخص ایک کاشتکار کا لڑکا ہے اور شروع مین اپنے باپ کے کھیت مین ایک دوربین نصب کرکے ستارون کا مطالعہ کیا کرتا تھا، اسی طرح ایک اور مشہور ہیئت دان جسنے اکثر ستارون اور سیارون کی تصویرین لی ہین، گسٹاوس کوک (Gustavus Cook) نامی ایک بینکر اور کسی لوہے کے کارخانہ کا عہدہ دار ہے، حال مین اس نے متعدد تصویرون مین آفتاب کی محوری گردش کو کامیابی کے ساتھ دکھایا ہے، ولیم ہنری (William Henry) ایک دوسرا غیر پیشہ ور ہیئت دان ہین

جو سیارون کی تصویر لینے مین بہت شہرت رکھتا ہے، اسکو آفتاب کے دھبون اور انوار شمالی کا درمیانی تعلق دریافت کرنے سے خاص دلچسپی ہے، ڈیوڈ پیکرنگ (David Pickering) نامی ایک سابق جوہری کا شمار بھی اُن لوگون مین ہے جو نجوم متغیرہ کے مطالعہ کے لئے امریکہ مین مشہور ہین، امردون کے علاوہ عورتون مین ہیئت کا شوق بڑھتا جاتا ہے، مسز ہاس (Mrs Haas) نامی ایک خاتون اس فن مین بہت کامیاب خیال کیجاتی ہین، ان کے دن امور خانگی کی نگرانی اور بچون کی نگہداشت مین گذرتے ہین، اور راتین نجوم متغیرہ کے مطالعہ مین صرف ہوتی ہین، مذکورۂ بالا اشخاص کے علاوہ جو ہیئت دانی مین امتیازی شہرت رکھتے ہین سیکڑون اشخاص ہین جنھون نے محض تفریحاً اس فن کو اختیار کرلیا ہے، یہ لوگ اپنے مخصوص پیشون سے جو وقت بچاتے ہین وہ اسی مین صرف کرتے ہین،

دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ

ایک جرمن سائنس دان ڈاکٹر روش (Dr. Rosch) نے حساب لگایا ہے کہ اگر سطح بحر کے بجائے کرۂ ارض کے مرکز سے پیمایش کی جائے تو دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ کوہ ہمالیہ کی چوٹی ایورسٹ نہین بلکہ کوہ اینڈیز (پیرو، جنوبی امریکہ) کی چوٹی چنبورازو (Chimborazo) ہوگی، اس حساب سے چنبورازو کرۂ ارض کے مرکز سے (۳۹۶۶،۹۹) میل ہے اور ایورسٹ صرف (۳۹۶۵،۶۶) میل ہی چار اور چوٹیان ہواسکارن (Huascaran) (پیرو مین) کوٹوپاکسی (Colopaxi) (ایکوئیڈر مین) کینیا (Kenia) (مشرقی افریقہ مین) اور کیلی منجارو (Kilimanjaro) (افریقہ مین) ایورسٹ کی بہ نسبت مرکز ارض سے بلند تر ہین، پیمایش کے اس فرق کا سبب یہ ہے کہ زمین خط استوا پر ابھری ہوئی ہے،

بیج کی قوت پیداوار مین اضافہ

اطالیہ کی قومی مجلس تحقیق (National Research Council) کے سائنس دان بجلی کے ذریعہ سے بیج کی قوت پیداوار مین اضافہ کی کوشش کر رہے ہین، ان کا مقصد ہے کہ جہانتک

غلہ کا تعلق ہے، اطالیہ دوسرے ممالک کی مدد سے، بے نیاز ہو جائے،

امریکہ مین اسلامی آبادی

رسالہ مسلم ورلڈ کی ایک اطلاع سے جو مہتمم انجمن اسلامیہ، امریکہ سے حاصل ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ مین مسلمانون کی آبادی کا تخمینہ پچاس ہزار سے ڈھائی لاکھ تک کیا جاتا ہے مگر ڈھائی لاکھ کی تعداد زیادہ مستند خیال کی جاتی ہے، اس تعداد کا بڑا حصہ جنوبی اور وسط امریکہ کے نخلستانون اور کشت زارون مین مزدوری کرتا ہے، بہتیرے مسلمانون نے شمالی امریکہ مین قیام نہ کرسکنے کی وجہ سے اپنی مقامات مین بود و باش اختیار کر لی ہے، جنوبی امریکہ کے مسلمان زیادہ تر ارجنٹائنا، برازیل، اور گائنا مین پائے جاتے ہین، جزیرۂ ٹرینی ڈاڈ مین بھی ان کی ایک بڑی تعداد ہے، برازیل مین مسلمانون کو کام کرنے کے متعدد مواقع حاصل ہین لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلم جماعتین زمینین حاصل کر کے اپنی نوآبادیان قائم نہین کر رہی ہین، وسط اور شمالی امریکہ مین مسلمان مختلف ریاستون مین پھیلے ہوئے ہین، شمالی امریکہ مین نومسلمون کی تعداد تقریباً پانچ ہزار ہے، ان مین سے زیادہ تر امریکہ کے حبشی النسل ہین سفید نسل کے نومسلم تقریباً ایک ہزار ہین، متعدد جماعتین نماز کے لئے کرایہ کے مکانون مین اکٹھا ہوتی ہین، بروکلین (نیویارک) مین ایک مسجد بھی ہے، جو تاتاری مسلمانون کی ملک ہے، شہر نیویارک مین قاہرہ کی بین الاقوامی مصری تنظیم کی ایک شاخ ہے، جو ینگ منس مسلم ایسوسی ایشن (Young men's Muslim Association) کے نام سے مشہور ہے، وہین ایک سوسائٹی اخوت اسلامی (Muslim Brotherhood) نامی بھی ہے جو مقامی طور پر تبلیغ اسلام کا کام کرتی ہے، شکاگو مین مورس (Moors) کا ایک مذہبی ادارہ ہے جس کی متعدد شاخین ہین، انجمن احمدیہ بھی اپنی مختلف شاخون کے ساتھ موجود ہے، نیویارک مین ایک شخص صوفی عبد الحمید نامی ہے، جس نے حال مین ایک انجمن قائم کی ہے، اور اس کے ذریعہ سے حبشیون مین اسلام کی اشاعت کر رہا ہے، انجمن اسلامیہ، امریکہ وہان کے مسلمانون کو ایک غیر فرقہ وارانہ اور غیر سیاسی بنیاد پر متحد کرنے کی کوشش کر رہی ہے،

"ع ز"

ادبیات

"رُویائے مزمّل"

از

جناب نواب بہادر ڈاکٹر سر محمد مزمل اللہ خان بہادر ال ال، ڈی،

جناب نواب صاحب بہادر کی تعلیمی کوششون، رفاہ عام کی دلچسپیون، اور مالی فیاضیون سے سب لوگ واقف ہین، مگر یہ بہت کم صاحبون کو معلوم ہے کہ وہ فارسی کے پُرگو شاعر بھی ہین، چند سال ہوئے کہ معارف نے ان کا ایک فارسی قصیدہ چھاپا تھا، اور اہل علم نے اس کو پسند کیا تھا آج ہم ان کے فیض چمن اور بہار سخن کا ایک تازہ گلدستہ پیش کرتے ہین،

نواب صاحب ممدوح اپنے والانامہ مین اپنے اس تازہ الہام کا شانِ نزول یون رقم فرماتے ہین:-

. . . . ، مین نے جناب کی کتاب لاجواب خیام خرید کی تھی، اور زمانۂ علالت ونقاہت مین، باوجود منعِ اطبا تین شب مین اس کو ختم کیا، اس وقت سے حیران ہون کہ جناب کی اس بے نظیر وعدیم المثال تحقیقات، نکتہ شناسی ونکتہ رسی کی بابت کیا عرض کرون، مختصر یہ ہے: ع

خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تُست،

دل تو یہ چاہتا تھا کہ ساری کتاب پر ایک ریویو لکھ ڈالون، لیکن نہ اتنی فرصت . . . . . نہ ایسی صحت . . . . . کہ ریویو لکھ کر آپ کو بھیجدون، مجبوراً خاموش رہا، اور دعائے فلاح دارین پر اکتفا کیا، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم،

کتاب کے مطالعہ کے دوران مین اور فی الواقع تقریباً حالت خواب مین تین شب مین تین رباعیان خیال مین آئین جو آج نقل کرکے حاضر خدمت کرتا ہون،

مین نے اسوقت تک جو کچھ موزون یا ناموزون کہا ہے وہ سب فارسی مین ہے، اردو مین نہ کچھ کہا ہو نہ کہنا آتا ہے، اس کے متعلق بھی ایک رباعی لکھی تھی وہ حاضر خدمت ہے:

(مزّمل)

جناب نواب صاحب بہادر نے میری کتاب خیام کی نسبت جو اظہار رائے فرمایا ہے وہ ان کی قدر افزائی اور حسنِ ظن ہے، ع نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمین،

کتاب کے مطالعہ کا جو اثر نواب صاحب کی لطیف قوتِ شاعری پر پڑا، اور جو موزون ترانون کی صورت مین "رویاے صادقہ" بنکر ظاہر ہوا، اس کو مین مصنف کے قلم کی قوتِ تاثیر کے بجاے، شاعر کی بیدار قوتِ تخییل کی سحر کاری جانتا ہون "

(سلیمان)

۱

خیام بگوید کہ جہان جملہ سراب است　　سرمایۂ گیتی ہمہ عیش است و شراب است
من نیز جہان را گذران دانم ولاشے　　در مشربِ من حاصلِ آن کار بصواب است

۲

شبے بخواب یکے طرفہ ماجرا دیدم　　سفید ریش بزرگے چو پارسا دیدم
بمن بگفت کہ خیام اے مزمّلِ من　　دعا رسان بہ سلیمان کز و وفا دیدم
(شب مابین ۱۸ و ۱۹ دسمبر ۳۳ء)

۳

مے خواریِ شاعران ز ابہام بود　　ذکرِ مے و معشوق در و عام بود
چون سعدی و جامی نہ بود فارغ ازین　　خیام غریب مفت بدنام بود
(شب مابین ۱۹ و ۲۰ دسمبر ۳۳ء)

خطیب سے خطاب

از جناب اسد ملتانی بی اے

شعراء کے بے عمل ہونے پر تو آیہ "یقولون مالا یفعلون" نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے لیکن پہلے زمانے کے شعراء بے عمل واعظوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا کرتے تھے، آجکل اس جماعت کو لیڈروں، پروفیسروں، کونسل کے ممبروں اور مختلف قسم کے لکچراروں نے بہت وسیع کر دیا ہے، لہذا عنوانِ نظم میں "خطیب" کا لفظ ان سب پر مشتمل سمجھا جا سکتا ہے، نیاز مند۔ اسد ملتانی

ذوقِ ایثار و عمل کا نہ تجھے ہے نہ مجھے — زیست اس طرح کی زیبا نہ تجھے ہے نہ مجھے
ڈھونڈتے رہتے ہیں لذت سخن آرائی میں — عملی کام کا چسکا نہ تجھے ہے نہ مجھے
مست رکھتا ہے ہمیں نشۂ صہبائے سخن — حاجتِ ساغر و مینا نہ تجھے ہے نہ مجھے
ہمہ تن قال ہی رہنا ہے کہاں کی دانش؟ — مان لیتا ہوں کہ سودا نہ تجھے ہے نہ مجھے
اپنی ان باتوں کو ہم چاہتے ہیں منوانا — جن پہ الہام کا دھوکا نہ تجھے ہے نہ مجھے
ہے وہ مسحور فقط حسن کے ہماری باتیں — قوم نے غور سے دیکھا نہ تجھے ہے نہ مجھے
یہ تو سوچیں کہ بھلا دین کی کیا خدمت کی؟ — میں نے مانا غمِ دنیا نہ تجھے ہے نہ مجھے
فکر پر فخر مجھے اور تجھے نطق پہ ناز — دست و بازو پہ بھروسا نہ تجھے ہے نہ مجھے
میرا چلتا ہے قلم اور تری چلتی ہے زباں — حوصلہ جنبشِ پا کا نہ تجھے ہے نہ مجھے
تجھکو تقریر سے مطلب، مجھے اشعار سے کام — حالتِ قوم کی پروا نہ تجھے ہے نہ مجھے
جاں نثاری کا سبق دیتے ہیں سب کو لیکن — اپنی تکلیف گوارا نہ تجھے ہے نہ مجھے
لاکھ اسد ہم کو دکھائے رہِ میدانِ عمل — اپنے کوچے سے نکلنا نہ تجھے ہے نہ مجھے

مطبوعاتِ جدیدہ

تذکرۂ ریختہ گویان، سید فتح علی حسینی گردیزی، مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے، ناشر انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد، دکن، حجم ۱۶۰ صفحے، قیمت مجلد عہ، غیر مجلد ۱۲ر

متقدمین کے تذکرون مین سید فتح علی حسینی گردیزی کے تذکرہ "تذکرۂ ریختہ گویان" کا تذکرہ آتا رہا ہے، اسے اب انجمن ترقی اردو نے مولوی عبدالحق صاحب کے مقدمہ کیساتھ شائع کیا ہے، مقدمہ مین تذکرہ کی حیثیت اور اس کے مصنف کے حالات کا بیان ہے، اور تذکرہ ۹۰ شعرائے ذکر اور اُن کے منتخب کلام پر مشتمل ہے، گردیزی نے یہ تذکرہ دراصل میر تقی میر کے تذکرہ نکات الشعرار کے جواب مین لکھا تھا، لیکن ان دونون تذکرون مین کوئی مقابلہ اور مناسبت نہین، گردیزی کے اس تذکرہ کی اگر کوئی خصوصیت ہے تو بس یہی کہ یہ قدیم تذکرون کی فہرست مین ہے، اسکا زمانہ تالیف ۱۱۶۶ھ ہے،

نفسیاتِ مذہب، از جناب سید وہاج الدین صاحب بی اے، ال ٹی، استاذ عثمانیہ کالج، اورنگ آباد، دکن، حجم ۶۰ صفحے، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، قیمت ۸ر

پروفیسر سید وہاج الدین صاحب مصنفِ نفسیاتِ ترغیب نے "نفسیاتِ مذہب" کے عنوان پر اردو اکاڈمی، جامعہ ملیہ مین ایک مقالہ پڑھا تھا، اس کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، مقالہ نگار نے اس مین مذہب کے نفسیات پر صاف اور سلجھے ہوئے اسلوبِ بیان مین روشنی ڈالی ہے، اثباتِ مدعا کے لئے مشرق و مغرب کے اکابر و اربابِ علم کے اقوال و آرار سے استشہاد کیا ہے، اور نتیجۃً بتایا ہے کہ ہر نفس کی کچھ باطنی مشکلات ہوتی ہین، جنکا وہ حل تلاش کرتا ہے، حاسۂ مذہبی یا ایمانیت ہی ایک ایسا جامع الحیثیات حل ہے

روح کے اکثر امراض کے لئے نسخۂ شفا کا حکم رکھتا ہے، تاہم جدید تعلیم یافتہ مسلمانون سے ان کی جدید تعلیم کے ایسے ثمرات حاصل کرنا چاہتے ہین کہ ان کی جدید تعلیم و مطالعہ بھی وحدت مقصد کے اصول پر دین و مذہب ہی کیلئے ہو،

نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین (عربی) از حضرت مولنا محمد انور شاہ صاحب

و

مرحوم کشمیری، سابق شیخ الحدیث دار العلوم،

اکفار الملحدین فی ضروریات الدین، دیوبند و جامعہ اسلامیہ ڈابھیل حجم بہ ترتیب

۱۵۰ و ۱۳۰ صفحے، قیمت ۱۲ر و ۱۰ر، مرتبہ مجلس علمی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت،

علماے دیوبند کی ایک جماعت ایک دور دراز مقام ڈابھیل مین علم دین کی جس خدمت مین مصروف ہے اسی کا تذکرہ معارف کے صفحات مین آچکا ہے، اس جامعہ کی نگرانی مین ایک مجلس علمی بھی قائم ہے، جو مذہبی مباحث پر رسائل اور کتابین تالیف اور شائع کرتی ہے، اسکی دو کتابین اس وقت پیش نظر ہین، دونون عربی زبان مین ہین، ان مین سے پہلی کتاب نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین، احناف و اہلحدیث کے مشہور مختلف فیہ مسئلہ رفع یدین پر ہے، کتاب کی نمایان خصوصیت یہ ہے کہ اس مین اثبات مدعا کے ساتھ اس مسئلہ کے متعلق تمام احادیث و آثار، و نقد رجال کے جملہ مباحث کے احاطہ کی کوشش کیگئی ہے،

دوسرا رسالہ اکفار الملحدین فی ضروریات الدین، دوسری مرتبہ نظر ثانی کے بعد شائع ہوا ہے، اس مین بتایا گیا ہے، کہ جس طرح مجتہد فیہ مسائل پر تکفیر مذموم ہے، اسی طرح ضروریات دین کے انکار کے باوجود تکفیر نہ کرنا مذموم ہے،

رقص چغتائی، از مولوی سیٹھ ظہور محمد صاحب، رئیس بیاوڑ، مارواڑ، حجم ۶۴ صفحے تقطیع بڑی قیمت ۳ر، مؤلف سے آفتاب منزل، بیاوڑ، مارواڑ کے پتہ سے طلب کرین،

جناب مرزا عظیم بیگ چغتائی وکیل مارواڑ نے جن کا نام مذہبی مباحث پر علوم مذہب سے ناآشنائی کے باوجود آزادانہ اظہار راے کرنے مین معروف ہوچکا ہے، ایک رسالہ "رقص و سرود" کے نام سے لکھا تھا جس مین

دکھایا تھا، کہ اسلام میں ناچنا اور گانا نہ صرف جائز ہے، بلکہ نعوذ باللہ سنت رسول ہے، اور شریف بہو بیٹیون کو بھی (بہ تقلید یورپ) بطور تفریح طبع ناچنا اور گانا چاہئے، اسی رسالہ کے رد مین اسی سرزمین سے جہان زہر اگلا گیا اس کا تریاق بھی تیار کیا گیا، چنانچہ مولوی ظہور محمد صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ مین نہایت کامیابی سے اس کا رد کیا ہے، اور ان کے تمام غلط دلائل کا پردہ چاک کیا ہے، رسالہ چند عنوانون مین ہے، پہلا باب "غنا و ارباب سماع" ہے، جس مین ارباب سماع کے مسلک کی صحیح توضیح ہے، پھر مسئلہ سماع اور اقوال ائمہ کا عنوان ہے، اس کے بعد "حرمت سماع و احادیث صحیحہ" کا بیان ہے، اور پھر چوتھے باب مین چغتائی کے برخود غلط دلائل و استنباط کا تفصیلی و جزئی رد ہے، رسالہ اپنے مقصد مین کامیاب ہے، جن لوگون تک چغتائی کا رسالہ پہنچا ہو، انھین اس رسالہ کو منگا کر ضرور دیکھنا چاہئے، کہ کسی غلط فہمی کا امکان باقی نہ رہے،

سرشکِ اخلاص

از جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے، ال ال بی، (علیگ)، وکیل اعظم گڈھ، حجم ۱۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۴؍ جناب مصنف سے طلب کرین،

ہمارے شہر کے ممتاز شاعر جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے، وکیل، اردو زبان و ادب کے روشناس شاعر و ادیب ہین، اور جیسا کہ تاریخ ادب اردو کے مصنف موہن لال سکسینہ نے لکھا ہے، کہ موصوف کو یہ دلچسپ اولیت حاصل ہے کہ وہی سب سے پہلے صاحب علم ہین جنھون نے اردو زبان مین شعراء کے مختصر دواوین پر جدید طرز کی مقدمہ نویسی کا آغاز کیا، موصوف کا اردو کلام بھی معارف اور دوسرے رسالون مین وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہتا ہے، لیکن ابھی تک کوئی مستقل رسالہ یا مجموعۂ کلام اشاعت پذیر نہین ہوا تھا، یہ پہلا رسالہ "سرشک اخلاص" کے نام سے شائع ہوا ہے، جو مولانا محمد علی مرحوم کے حادثۂ وفات پر واقعی سرشک اخلاص ہے، مولانائے مرحوم کی وفات پر بہ کثرت مرثیے اور دلدوز نالے نکلے، لیکن انکی سیرت کو پیش نظر رکھکر جس جامعیت اور عقیدت کیساتھ جذبات و احساسات کی ترجمانی اسمین کیگئی ہے، وہ کسی دوسری جگہ نظر نہین آتی، یہ تقریباً سو دو سو شعرون کا مجموعہ ہے، جنمین مولانائے مرحوم کی سیرت کے تمام خط و خال نمایان ہوگئے ہین، اور انکی ملکی و ملی خدمات ایک ایک کرکے یاد دلائے گئے ہین،

ہم جناب مرزا صاحب کو اس رسالہ کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہین، امید ہے کہ اس کو قبولیت حاصل ہوگی،

"ر"

مرأۃ المثنوی

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

مثنوی مولانا رومی کو سات سو برس سے دنیائے اسلام مین جو قبولیت و منزلت حاصل رہی ہے، وہ کلام خدائے تعالیٰ اور سنت رسول اللہ صلعم کے بعد کسی کتاب کو حاصل نہین ہوئی ہی اہل تصوف تو اسے اپنا صحیفہ مقدس سمجھتے ہین، غیر اہل تصوف نے بھی اس سے استفادہ مین کمی نہین کی ہی، مگر مثنوی شریف مین قصص و حکایات، حکم و معارف نصائح و مواعظ اس طرح ایک دوسرے مین ملے ہوئے ہین کہ مسلسل مطالعہ سخت دشوار طلب ہو جاتا ہی، قاضی صاحب موصوف نے سالہا سال کی محنت سے مثنوی شریف کو ایسے طرز پر مرتب کیا ہی، کہ یہ دشواری کلیتہً رفع ہو گئی ہی اور ہر شخص مثنوی شریف سے کاملاً مستفید ہو سکتا ہی، جملہ مباحث مثنوی شریف کو حسب ذیل پانچ حصص مین تقسیم کرکے سہل الفہم بنا دیا ہی،

یواقیت القصص:- اس مین حکایات کے اجزائے متفرقہ و منفصلہ کو اس طرح ایک سلسلہ مین مربوط کیا گیا ہے کہ کہین سے سکتہ باقی نہین رہا ہی، ہر حکایت بجائے خود مسلسل ہو گئی ہی،

درر الحکم:- حکم و معارف کے ساڑھے تین ہزار سے زائد اشعار کو تقریباً گیارہ سو عنوانات کے تحت فرہنگ کے اصول پر مرتب کیا ہے،

جواہر القرآن:- جو اشعار مطالب قرآنی پر محتوی تھے انھین ترتیب قرآنی کے بموجب جمع کیا گیا ہے،

لآلی السنن:- اشعار مشتملہ احادیث نبوی کو احادیث کی ترتیب تہجی کے تحت رکھا گیا ہی،

مرجانتہ المدیح:- آخر مین ایک مجموعہ ان اشعار کا شامل کر دیا گیا ہی جو مولنا نے اپنے اصحاب کی مدح مین کہے ہین

ابتدائی مفصل فہرست کے علاوہ تین ضمیمے ہین جنمین سے پہلا ضمیمہ باعتبار مطالب درر الحکم کا اشاریہ ہے، دوسرا ضمیمہ کشف الابیات ہی یعنی کسی شعر کے ابتدائی دو لفظ یاد ہون تو اس شعر کا کتاب مین پتہ چل سکتا ہے تیسرا ضمیمہ فرہنگ ہے جسمین مشکل الفاظ و فقرات کے معانی آسان عبارت مین دیئے گئے ہین،

جس شخص کو مثنوی شریف سے دلچسپی ہو اس کے لئے یہ کتاب ناگزیر ہی کتابت، طباعت، کاغذ جلد سب اعلیٰ پیمانہ پر ہین، کتاب کی ظاہری و باطنی خوبیون کا اندازہ صرف کتاب کے دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے، حجم (۱۲۰۰) صفحات

قیمت (عـــہ)

ملنے کا پتہ:- **دائرۃ الادب حیدر گوڑہ، حیدرآباد دکن،**

دار المصنفین کا قابل فخر کارنامہ

سیر الصحابہ

سیرت نبوی کے بعد مسلمانون کے لئے جن مقدس ہستیون کے کارنامے اور سوانح حیات مشعل راہ ہو سکتے ہین، وہ حضرات صحابہ کرام ہین، دار المصنفین نے پندرہ برس کی جانفشانی و کوشش مین اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو مین صحابہ کرام کے حالات و سوانح اور اخلاق و حسنات کی دس ضخیم جلدین احادیث و سیر کے ہزارون صفحات سے چنکر جمع کین اور بحسن خوبی شائع کیا، ضرورت ہے کہ حق طلب اور رہنمائی کے جویا مسلمان ان صحیفون کو پڑھین اور اس شمع ہدایت کی روشنی مین چلین جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے انکے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدونکی علحدہ علحدہ قیمتین حسب ذیل ہین جنکا مجموعہ [illegible] ہوتا ہے، لیکن پورے سٹ کے خریدار کو صرف پچیس روپے مین یہ دس جلدین کامل نذر کیجاتی ہین، پیکنگ ذمہ دار المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اول خلفاے راشدین ([illegible]) جلد دوم مہاجرین اول ([illegible]) جلد سوم مہاجرین دوم ([illegible]) جلد چہارم سیر انصار اول ([illegible]) جلد پنجم سیر انصار دوم ([illegible]) جلد ششم سیر الصحابہ ششم، ([illegible]) جلد ہفتم سیر الصحابہ ہفتم ([illegible]) جلد ہشتم سیر الصحابیات ([illegible]) جلد نہم اسوہ صحابہ اول ([illegible]) جلد دہم اسوہ صحابہ دوم ([illegible])

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،

(مطبع معارف مین محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا)